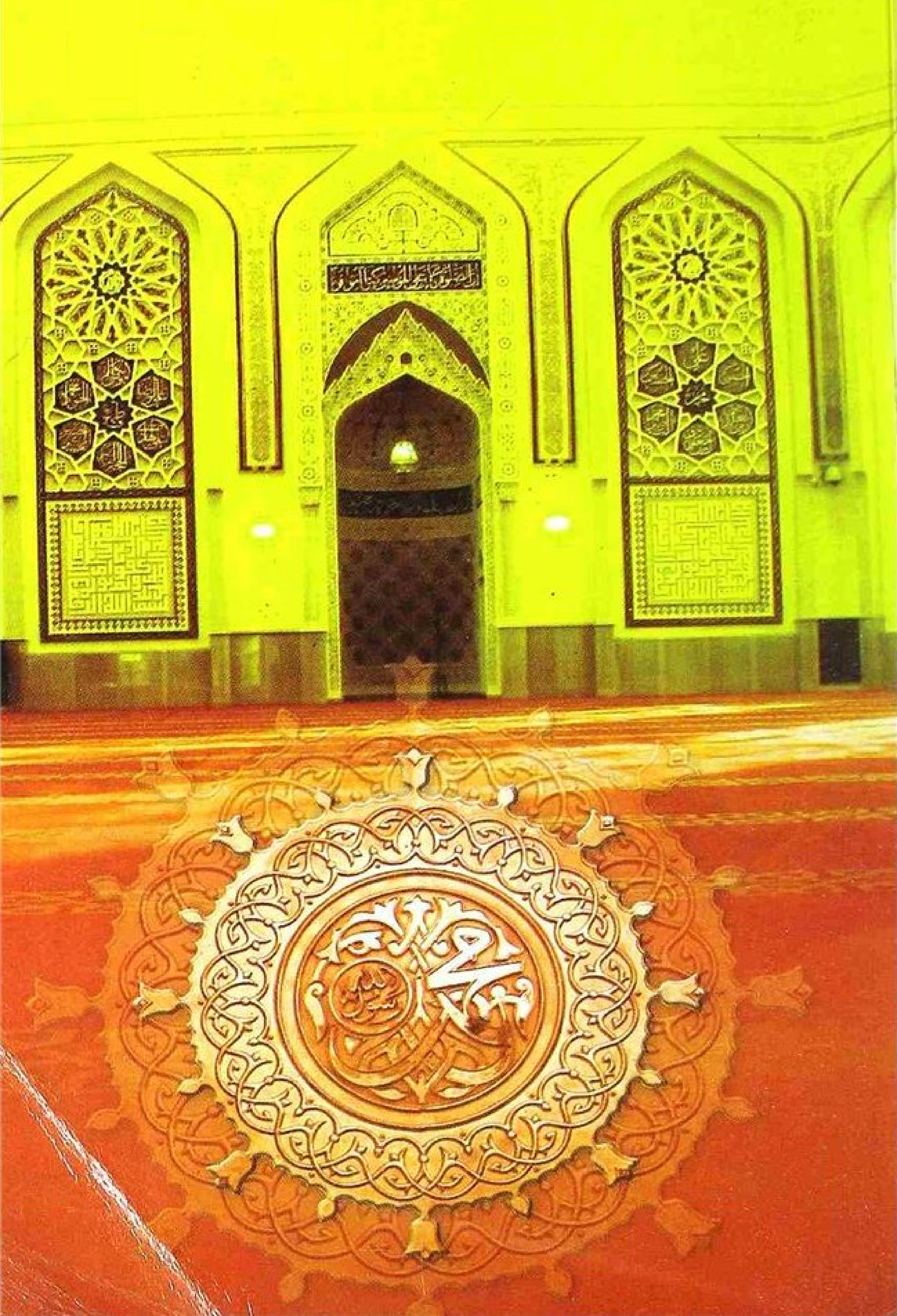
نعت رنگ

نعتیہ ادب
کتابی سلسلہ



بسم الله الرحمن الرحيم

إن الله وملئكته
يصلون على النبي
يا أيها الذين آمنوا
صلوا عليه وسلموا تسليما

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نعت رنگ

نعتیہ ادب کا کتابی سلسلہ

شمارہ نمبر ۲۰ ——— اگست ۲۰۰۸ء

شمارے کی قیمت

-/250 روپے

بیرون ملک میں

سعودی عرب	:	۲۵ ریال
یو اے ای	:	۳۰ درہم
امریکہ	:	۱۰ ڈالر
برطانیہ	:	۷ پاؤنڈ

سرورق (خطاطی)

محمد ابوبکر صدیق

Contact:
Naat Research Center
C/O. Madina Kitab Ghar, Old Agra Road,
Madegaon Distt.: Nasik (Maharastra)
Pin: 423203, Cell: 09867934085

انتساب

تحریکِ ''نعت رنگ'' کو اپنی سرپرستی سے
اعتبار بخشنے والے
ڈاکٹر سیّد محمد ابوالخیر کشفی (مرحوم)
کے نام

دھنک

تحقیقی مقالات

فکر و فن

گوشۂ آفتاب کریمی

مطالعاتِ نعت

مذاکرہ

مدحتیں

خطوط

☆☆

ابتدائیہ

"نعت رنگ" کی ایک طویل غیر حاضری پر معذرت کے ساتھ شمارہ: ۲۰ پیشِ خدمت ہے۔
زندگی دن بہ دن دشوار ہوتی جارہی ہے۔ آدمی اسباب و وسائل کی تگ ودو میں غرق ہوگیا ہے اور ستم یہ کہ یہ اُس کا انتخاب بھی نہیں، دووقت کی روٹی ایک بڑا مسئلہ بن گئی ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے مدّتوں پہلے اس خیال کا اظہار کیا تھا کہ "جب مَیں روحانی مسائل حل کرنا چاہتا ہوں تو زمین میرے قدم پکڑ لیتی ہے۔" ہمارے دین میں بھی فرائض کے بعد کسبِ رزقِ حلال کو فریضہ قرار دیا گیا ہے، سو مجھے بھی اپنے وقت کا ایک بڑا حصہ دیوارِ رزق کو چاٹنے میں گزارنا پڑتا ہے اور اسی وجہ سے "نعت رنگ" تاخیر کا شکار ہوجاتا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ کریم ہم سب کے لیے اس مرحلے کو آسان فرمائے۔ آمین

الحمدللہ اکیسویں صدی کے آغاز ہی سے یہ بات روشن ہوگئی ہے کہ ادبی طور پر یہ صدی نعت کی صدی ہوگی۔ بہت دنوں کی بات نہیں جب سوالیہ انداز میں کہا جاتا تھا کہ کیا نعت ایک صنفِ سخن ہے؟ اور آج یہ بات پورے یقین سے کہی جاتی ہے کہ نعت ہر صنفِ سخن میں موجود ہے اور خود ایک مستقل صنف ہے۔

اللہ کریم کا فضل و احسان ہے کہ فضا کی اس تبدیلی میں "نعت رنگ" کا بھی کچھ نہ کچھ حصہ ہے۔
لیکن اس مرحلے پر اب نعت کے ناقدوں کو بھی اپنے ویژن اور فکر میں توسیع کرنی ہوگی۔ کل یہ تنقید کا بنیادی مسئلہ تھا کہ نعت کو صنفِ سخن کہا جائے یا نہیں۔ آج وہ منزل آ گئی ہے جب ہمیں اپنے اجتماعی لاشعور میں نعت کی جڑوں کو تلاش کرنا ہوگا اور عمرانیات اور سماجیات کے پس منظر میں نعت کا مطالعہ کرنا ہوگا۔ اس سلسلے میں "نعت رنگ" میں کئی وقیع تحریریں شائع ہو چکی ہیں جن میں اس بات کی بھی نشان دہی کی گئی ہے کہ اردو کے اعلیٰ تدریسی مراحل میں نعت کو ایک موضوع کے طور پر شامل کیا جانا کیوں ضروری ہے اور یہ کہ اِس کے بغیر بعض اصنافِ ادب کا مطالعہ کیا ہی نہیں جاسکتا، مثلاً اردو مثنوی کا۔ اِسی طرح غزل کے مطالعے کے کئی پہلو نعت کو پیشِ نظر رکھ کر ہی سمجھے جاسکتے ہیں۔ یہ بھی ایک نیا مطالعہ ہوسکتا ہے کہ نعت کی تفہیم کے لیے کون سا دبستانِ تنقید موزوں رہے گا۔ "نعت رنگ" کے گزشتہ شماروں میں رشید وارثی نے یہ سوال اُٹھایا تھا؛ مگر اس پر خاطر خواہ توجہ نہیں دی گئی۔ اس سلسلے میں میرا موقف یہ ہے کہ نعت کا مطالعہ انتخابی تنقید کے ذریعے ہی

کیا جاسکتا ہے۔ انتخابی تنقید سے میری مراد یہ ہے کہ تنقید کے تمام دبستانوں کے اصولوں کی روشنی میں نعت کا مطالعہ کیا جائے۔ تاریخی دبستانِ تنقید سے یہ معلوم ہوسکتا ہے کہ کن حالات اور کن اُدوار میں لوگ نعت کی طرف متوجہ ہوئے یا ہوتے ہیں۔ نفسیاتی دبستانِ تنقید کے ذریعے ان رُموز کی عقدہ کشائی ہوسکتی ہے کہ شاعروں کی روحانی، ذہنی اور نفسیاتی کشاد میں نعت نے کتنا اور کس طرح حصہ لیا۔ نعت سے کس طرح شاعروں کا کیتھارسس ہوا ہے اور کس طرح نعت نے معاشرے کو پاکیزہ بنانے میں اپنا کردار ادا کیا، کیوں کہ اعلیٰ درجے کی نعت بلند تر اقدارِ حیات کے بغیر نہیں لکھی جاسکتی اور اقدار ہی کی بنیاد پر انسانی معاشرے کی سمت نمائی ہوتی ہے۔ نعت کے مطالعے کے لیے اسلام کا مطالعہ بھی لازمی ہے تاکہ منصبِ رسالت سے آگاہی حاصل ہوسکے اور نعت محض چند رسمی عقائد تک محدود نہ رہے، کیوں کہ سرکار کی سیرت کا ذکر نظم میں ہو یا نثر میں انسان کی تعمیر کرتا ہے۔

اُمید ہے یہ چند معروضات انتخابی تنقید کی وضاحت کے لیے کافی ہوں گی اور آپ کو یہ سمجھنے میں آسانی ہوگی کہ انتخابی تنقید سے میری مراد کیا ہے۔ علاوہ ازیں ہمیں فنِ شاعری اور صنائع بدائع کے بارے میں مشرقی علوم اور مغربی زاویۂ نگاہ کو بھی برتنے کی ضرورت ہے۔ صنائع بدائع کا خلاقانہ استعمال نعت میں کہاں کہاں کیا گیا ہے اس کی نشان دہی کا فرض ابھی ہمارے ناقدین پر قرض ہے۔ محض یہ کہہ دینے سے کہ کیا خوب تشبیہ ہے بات نہیں بنتی۔

مَیں نے چند اشارے کیے ہیں ان کو بڑھانا، ان کو نقدِ نعت میں ڈھالنا نعت کے ناقدین کا کام ہے۔ آج جو لوگ نعت پر اپنے نقد و نظر کا مزاج پیش کر رہے ہیں، اب ان کو اس منزل سے آگے بڑھنا چاہیے کہ نعت کی صنفی حیثیت کیا ہے۔ نعت ہر صنفِ سخن ہی پر نہیں بلکہ زندگی کے ہر گوشے پر محیط ہے۔ نعت نے عربی و فارسی کی اصناف کے ساتھ ساتھ مقامی زبانوں کی اصناف کے ذریعے بھی اپنا اظہار کیا ہے اور اسی کے ساتھ ساتھ مشرق و مغرب کی زبانوں کے اصنافِ سخن کو نعتوں سے ایک نیا رنگ روپ ملا ہے۔ اس نکتۂ نظر سے مختلف اصناف کی فہرست سازی کے بجائے یہ تلاش کرنا ہوگا کہ ان اصناف کی نعت میں کون سے نئے عوامل، موضوعات اور مسائل شامل ہوئے ہیں؛ کیوں کہ اکابرینِ ادب کے خیال میں ہیئت اور خیال ایک دوسرے سے وابستہ ہیں۔ جس طرح ہر انسانی روح اپنا جسم لے کر آتی ہے، اسی طرح ہر خیال اپنا پیکر خود تراشتا ہے۔ یوں ہمارے نعت گو شعرا کو بھی اوّلیت کے چکر میں پڑھنے کے بجائے مختلف اصناف کے معنوی پہلوؤں پر نظر رکھنا چاہیے۔ ادبی تنقید میں شماریات سے کام لیا جاسکتا ہے لیکن کسی شاعر کی نعتوں کی تعداد سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ اس کی نعتیں کس سطح کی ہیں۔

نئے دُکھ

''نعت رنگ'' کی ہر اشاعتی منزل پر ''نعت رنگ'' کی محفل سے کچھ لوگ اُٹھ کر وہاں چلے جاتے ہیں جہاں سے پھر کوئی خبر نہیں آتی، رہ جاتی ہے تو صرف یہ حیرت:

موت نے چپکے سے جانے کیا کہا　　　زندگی خاموش ہوکر رہ گئی

ڈاکٹر سیّد ابوالخیر کشفی

کسے خبر تھی کہ ''نعت رنگ'' بیس کا اداریہ لکھتے ہوئے میرے ہاتھ اس گرد سے اَٹے ہوں گے جو حضرت (ڈاکٹر سیّد ابوالخیر کشفی) کی تربت پر ڈالی جانے والی مٹی کا حصہ ہوگی۔ حضرت کو ان کے آخری سفر پر روانہ کر کے اشک بار آنکھوں کے ساتھ گھر لوٹا تو یہ گرد میرے ہاتھوں سے لپٹ کر میرے ہمراہ چلی آئی، گھر آ کے مَیں گھنٹوں اپنے ہاتھوں پر موجود اس گرد کو دیکھتا رہا، مجھے اس گرد سے حضرت کی خوش بو محسوس ہوئی، لمس کی حرارت محسوس ہوئی۔ بالکل ایسا لگا کہ جیسے میرے ہاتھ پر گرد نہ ہو حضرت کے ہاتھ ہوں اور وہ اپنی روایتی گرم جوشی سے ''نعت رنگ'' کی تازہ اشاعت پر خوشی کا اظہار کر رہے ہوں۔ بعینہٖ ویسے ہی جیسے وہ ''نعت رنگ'' کے ہر شمارے کی تکمیل اور اشاعت پر کرتے تھے۔ خدا میرے ماں باپ کا سایہ تادیر میرے سر پر سلامت رکھے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ حضرت کے چلے جانے سے مجھ پر کھلا کہ یتیمی کس احساس کا نام ہے۔ دل کا کٹنا صرف محاورہ نہیں ہے۔ بے سایہ ہونا صرف لفظ نہیں ہے بلکہ ان کے پیچھے احساس کا ایک جہاں آباد ہے۔ حضرت کی شخصیت مجموعۂ کمالات تھی۔ ادب، لسانیات، خاکہ نگاری، شاعری، نعت گوئی، تنقید، سیرت نگاری وہ کون سا شعبہ تھا جہاں آپ نے اپنے کام سے اَن مٹ نقوش نہ چھوڑے ہوں؛ لیکن میری نظر میں عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُن کی شخصیت کا سب سے بڑا حوالہ تھا۔ لوگ اُن کی سیرت نگاری، نعت نگاری، نعت شناسی کے ساتھ ساتھ دیگر مذہبی تحریری سرمائے میں اُن کا عشقِ رسول ﷺ تلاش کرنے میں مصروف رہیں گے؛ مگر میرے سامنے اُن کی زندگی کے تمام پہلو ہیں جو اُن کے عشق کی زندہ گواہی ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ کریم ان کی اس حسرت کو حقیقت بنا دے اور انھیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شفاعت سے نوازے، آمین۔

اس نام سے وابستہ ہوں، نسبت پہ نظر ہے
عاصی ہوں مگر اُن ﷺ کی شفاعت پہ نظر ہے

آفتاب کریمی

آفتاب احمد خان کریمی غزل کی وادیِ پُر خار سے گزر کر نعت کے چمن زار میں وارد ہوئے تھے اور وہ بھی عمر کے آخری حصے میں، مگر انھوں نے چند ہی برسوں میں اپنی محنت، محبت اور سچی لگن سے نعت گویانِ عصر میں ایک نمایاں پہچان بنانے میں خاصی کامیابیاں حاصل کیں۔ اُن کے تین نعتیہ مجموعے ''آنکھ بنی کشکول''، ''توسین'' اور ''ممدوحِ خلائق'' زیورِ طباعت سے آراستہ ہوکر اہلِ علم سے داد حاصل کر چکے ہیں۔ اُن کی کتاب ''منہاج العقائد'' (تصوف عقائد کی روشنی میں) منظرِ عام پر آئی تو عصرِ حاضر کے صاحبانِ تصوف میں خاصی بے چینی پھیل گئی۔ اُن پر زبانی کلامی حملوں کی یورش بھی دیکھنے میں آئی مگر کریمی صاحب پوری شرافت اور استقامت کے ساتھ یہ سب برداشت کرتے رہے اور بزبانِ خموشی اعلان کرتے رہے:

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے
یہ بندہ دوعالم سے خفا میرے لیے ہے

انھوں نے میری درخواست پر نعتیہ ادب کے ایک سنجیدہ کتابی سلسلے ''سفیرِ نعت'' کا بھی اجرا کیا، جس کے پانچ وقیع شمارے شائع ہوئے۔ ان پانچ میں سے ایک شمارہ بطورِ خاص نعتیہ ادب میں اُن کی خدمات کی نشانی کے طور پر ہمیشہ جگمگاتا رہے گا اور وہ ہے ''محسن کاکوروی نمبر''۔ کریمی صاحب اپنا لکھا ہوا ہر شعر مجھے ضرور سناتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اُن کا بیش تر کلام میرے حافظے کا حصہ بن گیا ہے۔ عجیب بات ہے کہ جب اُن کے انتقال پر مَیں اُن کے گھر گیا اور اُن کی پیشانی پر ہاتھ رکھ کر اُن کے سفرِ آخرت کی آسانی کے لیے دعا کرنے لگا، تو میرے ذہن میں اُن کا یہ شعر تازہ ہوگیا:

میرے سرکار کریمی کی تمنا ہے یہی
موت جب آئے تو مَیں آپ کا چہرہ دیکھوں

کریمی صاحب کے چہرے پر موجود تبسم اور اطمینان دیکھ کر میری پلکیں بھیگ گئیں۔ کیا عجب ہے کہ کریم آقا ﷺ نے اپنے غلام کی یہ التجا قبول کر لی ہو۔

علامہ عبدالحکیم شرف قادری

علامہ عبدالحکیم شرف قادری مرحوم علمائے اہلِ سنت کی صف میں اپنی علمی خدمات کی وجہ سے نہایت احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے اور اُن کے احترام کا یہ دائرہ صرف ان کے ہم مسلکوں ہی پر ختم نہیں ہو جاتا بلکہ دیگر مسالک کے علما بھی اُن کی علمی خدمات کو سراہتے ہیں اور اُن کا احترام کرتے ہیں۔ علما کے طبقے میں ''نعت رنگ'' کی سرپرستی کرنے والوں میں علامہ کوکب نورانی کے علاوہ علامہ عبدالحکیم شرف قادری ایک

نمایاں حیثیت رکھتے تھے۔ انھوں نے ہمیشہ خطوط کے ذریعے "نعت رنگ" کے مشمولات پر اپنی بے لاگ رائے کا اظہار کیا، کہیں سراہا، کہیں حوصلہ افزائی کی تو کہیں خبردار کیا۔ جب مَیں اعلیٰ حضرت نمبر مرتب کر رہا تھا تو حضرت نے بڑی محبت سے مشوروں سے نوازا اور اپنا ایک مضمون بھی مرحمت فرمایا۔ مجھے حضرت کی شعرفہمی اور ادبی ذوق دیکھ کر خوش گوار حیرت ہوتی تھی۔ کیوں کہ فی زمانہ ہمارے علما اس ذوق سے عاری ہوتے جا رہے ہیں۔

الحاج خورشید احمد

صدارتی ایوارڈ یافتہ نعت خواں الحاج خورشید احمد نعت خوانی کے حوالے سے عالمی شہرت کے حامل نعت خواں تھے۔ انھوں نے ایک ایسے وقت میں نعت خوانی کے اُفق پر نمایاں مقام حاصل کیا جب سیّد منظور الکونین، الحاج سعید ہاشمی، وحید ظفر قاسمی، الحاج صدیق اسماعیل، الحاج یوسف میمن اور مرغوب احمد ہمدانی اپنی پوری آب و تاب سے اپنی کرنیں بکھیر رہے تھے۔ خورشید احمد نے صرف ملک ہی میں نہیں بلکہ بیرونِ ممالک بھی اپنی شہرت اور ثنا خوانی کے دائرے کو وسعت دی اور پھر یہ دائرہ دن بہ دن وسیع تر ہوتا چلا گیا۔ وہ پہلے نعت خواں تھے جو ملک سے باہر نعت خوانی کے لیے نکلے اور پھر انھوں نے ایک ایسی فضا قائم کی کہ آج الحمدللہ وطن عزیز کا ہر قابلِ ذکر ثنا خواں ملک ملک حضور ﷺ کے ذکر کا پرچم اُٹھائے پہنچ رہا ہے۔ مجھے بھی خورشید احمد کے ساتھ سفر کا موقع ملا جب میں قاری وحید ظفر قاسمی اور خورشید احمد جامعہ اسلامیہ کینیڈا کی دعوت پر ڈیڑھ ماہ کے لیے کناڈا گئے تھے۔ اس سفر میں مجھے اُن کی شخصیت کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ بڑوں کا ادب، چھوٹوں سے پیار، ہم سفروں سے شوخی لیکن ادب کے دائرے میں۔ اکثر کبھی کسی بات پر ناراض ہوئے تو جلد ہی اپنی بے وجہ ناراضگی پر پشیمان ہوئے اور معافی بھی مانگی۔ بعد ازاں بھی ہم کئی جگہ اور کئی محافل میں ایک ساتھ رہے۔ وہ اکثر اپنی خودنوشت (جسے وہ تحریر کرنا چاہتے تھے) کے حوالے سے مجھ سے مشورے کرتے، جس سے مجھے اُن کے اندر اپنے تجربات کو دوسروں تک منتقل کرنے کی ایک ایسی خواہش نظر آتی جس کے ذریعے وہ نئے آنے والوں کی دنیاوی مسائل سے روحانی تجربات تک رہنمائی کا فریضہ سرانجام دے سکیں۔ یہ شعور مجھے معاصر نعت خوانوں میں اور کہیں نظر نہیں آیا۔ انھوں نے اپنی پڑھی ہوئی نعتوں کا ایک خوب صورت مجموعہ بھی مرتب کیا جو اُن کی یادگار ہے۔ اُن کے انتقال پر اُن کے گھر والوں کے علاوہ اوّل اوّل پہنچنے والوں میں ڈاکٹر عامر لیاقت حسین اور مَیں شامل تھے۔ ہم دونوں جب آئی سی یو میں خورشید احمد کو دیکھنے گئے تو اُن کے چہرے پر خط بنا ہوا تھا سُنّتِ رسول ﷺ سے سجا ہوا اور کھلا ہوا چہرہ دیکھ کر اُن کی پڑھی ہوئی یہ نعت ذہن میں تازہ ہوگئی:

مَیں سو جاؤں یا مصطفیٰ کہتے کہتے
کُھلے آنکھ صلِّ علیٰ کہتے کہتے

دل مانتا ہی نہیں تھا کہ یہ عندلیب گلشنِ نعتِ مصطفیٰ ﷺ بھی موت کی چادر اوڑھ کر ابدی نیند سو گیا۔

شاہ انصار الٰہ آبادی

حضرت شاہ انصار حسین الٰہ آبادی درگاہ شیخ العالم حضرت شاہ میر سکندر علی رحمانی رزاقی المعروف سیّد صاحب الٰہ آبادی کے سجادہ نشین تھے۔ قیامِ پاکستان کے بعد کراچی آ گئے اور پھر یہیں کے ہو رہے۔ آپ کے والد شاہ میر مشرف حسین الحسینی سکندری رحمانی قطبِ وقت اور سرچشمۂ رُشد و ہدایت تھے۔ خانقاہ کا ماحول اور پھر الٰہ آباد کی علمی و ادبی فضا نے شاہ انصاری الٰہ آبادی کو شاعرانہ ذوق بھی عطا کیا اور ادبی تربیت بھی کی۔ شاہ صاحب کے اپنے نعتیہ مجموعوں کی تعداد بھی کم نہیں مگر اِس سے کہیں زیادہ نعتیہ شعری مجموعے آپ کے تلامذہ کے ہیں؛ جو آپ کی نوجوان نسل کی تربیت کے جذبے اور فروغِ نعت میں دلچسپی کو ظاہر کرتے ہیں۔ کراچی کے ابتدائی نامساعد حالات میں آپ نے مولانا ضیاء القادری بدایونی، مولانا عمر اچھروی، عبدالحامد بدایونی، مولانا شاہ احمد نورانی، مولانا محمد شفیع اوکاڑوی، بابا ذہین شاہ تاجی جیسے بزرگوں کے ساتھ مل کر کم زور بے سہارا، ناتواں اور لٹے پٹے لوگوں کے دلوں میں عشقِ رسول ﷺ کی شمع روشن کر کے نئی اسلامی ریاست کی تعمیر کا جذبہ پیدا کیا۔ جگہ جگہ محافلِ میلاد اور نعت گوئی کی مجالس منعقد کر کے اس ریاست کی تعمیر و ترقی کے ساتھ ساتھ عقائد کی فصیل کو مضبوط بنانے کی ذمّے داری پوری کی۔

الحمدللہ مجھے شاہ صاحب سے طالب ہونے کا شرف حاصل رہا ہے۔ وہ اپنے دَر سے وابستہ ہونے والے ہر فرد کو عشقِ نبی کریم ﷺ کے راستے جنت کی راہ پر ڈالتے تھے، سو مجھے بھی اِس جادۂ نور پر شاہ صاحب ہی نے گامزن کیا۔ شاعری میں، مَیں نے کچھ عرصہ شاہ صاحب سے اصلاح لی۔ آپ بزرگوں کی روایتوں کے امین تھے اور آپ کی ساری زندگی ان اعلیٰ اقدار کی حفاظت اور انھیں بہ حفاظت اگلی نسلوں تک منتقل کرنے کی سعی میں گزری۔ عشقِ رسول ﷺ اور عشقِ اہلِ بیت رضی اللہ عنہم میں سرشار اس ہستی نے بھی اپنی تمام عمر، اپنا تمام فن، اپنی تمام توانائیاں درِ حضور ﷺ پر نچھاور کر کے اس یقین کے ساتھ رختِ سفر باندھا:

شعر شاعر نہیں فرمانِ کلام اللہ ہے
اُن ﷺ پہ مرتے ہیں تو مرتے نہیں مرنے والے

سیّد نفیس الحسینی

سیّد انور حسین خطاطی کی دنیا میں نفیس رقم اور ادبی و روحانی دنیا میں سیّد نفیس الحسینی کے ناموں سے جانے جاتے تھے۔ پاکستان کے بہترین خطاط ہونے کے ساتھ ساتھ ایک دینی و روحانی شخصیت بھی تھے۔ حفیظ تائب صاحب اکثر شاہ صاحب کے بارے میں گفتگو کرتے تھے اور شاہ صاحب کی شخصیت، شاعری اور رکھ رکھاؤ کا ذکر بڑی محبت سے کرتے تھے۔ مجھے نام یاد نہیں لیکن غالباً اُن کے کسی مرید نے مجھے ان کا مجموعۂ نعت ''نفائس النبی'' ڈاک سے بھیجا تھا۔ یہ ایک مختصر مگر خوب صورت نعتیہ مجموعہ تھا۔ ''نعت رنگ'' شمارہ۔۱۹ میں اس پر تبصرہ بھی شائع کیا گیا۔ شاہ صاحب کی ایک نعت مجھے ذاتی طور پر بہت پسند ہے۔

اے رسولِ امین خاتم المرسلین، تجھ سا کوئی نہیں، تجھ سا کوئی نہیں
ہے تمھیں یہ اپنا بصدق و یقیں تجھ سا کوئی نہیں، تجھ سا کوئی نہیں

اس نعت کو صاحب زادہ منظور الکونین نے جس خوب صورتی سے پڑھا ہے، وہ بھی قابلِ داد ہے۔ اس نعت میں عشقِ نبی کریم ﷺ کا وفور حضور نبی کریم ﷺ کی عظمت و شان اس طور رقم ہوئی ہے کہ کوئی بھی گداز قلب اس کی روحانی سرشاری سے محظوظ ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ سفرِ آخرت پر جانے والی اس ہستی کا زادِ سفر دیکھ کر رشک آتا ہے۔

ایک اُمیدِ شفاعت ہے فقط زادِ سفر
جس سے ہمت سی ہے کچھ گام بہ گام اے ساقی

عابد بریلوی

عابد بریلوی، خالد محمود خالد نقشبندی اور مَیں ایک ہی محکمے یعنی ٹیلی فون سے وابستہ رہے۔ اس لیے ہماری محافلِ نعت کے علاوہ دفتر میں بھی اکثر ملاقاتیں ہوجاتی تھیں۔ عابد بریلوی، نہایت سادہ طبیعت اور منکسر المزاج واقع ہوئے تھے۔ ان کے تین نعتیہ مجموعے ''گلشنِ عقیدت''، ''جشن آمدِ رسول'' اور ''کھلتا ہے دل کا گلشن سرکار کی گلی میں'' اُن کے عشقِ نبی کریم ﷺ کی یادگار ہیں۔ الحاج خورشید احمد کی آواز میں اُن کی ایک نعت:

جشنِ آمدِ رسول اللہ ہی اللہ
بی بی آمنہ کے پھول اللہ ہی اللہ

کو میلاد کی محفل میں خاصی شہرت اور عوامی پزیرائی حاصل ہوئی اور یہی نعت دنیائے نعت میں اُن کے وسیع تر تعارف کا حوالہ قرار پائی۔

صاحبزادہ شہریار قدوسی

محافلِ نعت میں کمپیئر کی حیثیت سے عالمی شہرت پانے والے شہریار قدوسی بھی ہمیں داغِ مفارقت دے گئے۔ علمی ذوق، مطالعے کا شوق، حافظے کی قوت، آواز کی خوب صورتی، جملوں کا برمحل اور برجستہ استعمال اور تلفظ کی درستگی اُن کے ایسے خصائص تھے جو انھیں اپنے شعبے کے معاصرین میں ایک نہایت ہی ممتاز و منفرد مقام پر فائز کرتے تھے۔ اپنے شعبے میں اُن کے کام کے اثرات اتنے گہرے تھے کہ بعد میں آنے والے کمپیئرز کے انداز میں آپ کہیں نہ کہیں اُن کی چھاپ کو نہایت واضح انداز میں محسوس کر سکتے ہیں۔ مذہبی مجالس سے لے کر بزمِ یاراں تک وہ ہر محفل میں اپنی خوش گفتاری و خوش اطواری کے سبب جانِ محفل ہوتے تھے۔ پاکستان میں اور پاکستان سے باہر نعت خوانی کو فروغ دینے میں آپ کی خدمات کو ہمیشہ یاد رکھا جائے گا اور اُن کی یاد ہمیشہ اہلِ محبت کے دل میں تازہ رہے گی۔

زمانہ بڑے شوق سے سُن رہا تھا
ہمیں سو گئے داستاں کہتے کہتے

اُن پر ایک تفصیلی مضمون مجھ پر قرض ہے، جسے مَیں ان شاء اللہ جلد اُتارنے کی کوشش کروں گا۔

قمر رعینی

قمر رعینی سے میری کبھی بالمشافہ ملاقات نہیں ہو سکی۔ مَیں اِسے اپنی بدنصیبی تصور کرتا ہوں اور زندگی بھر مجھے اِس کا ملال بھی رہے گا۔ میرے اور اُن کے تعارف کا حوالہ اُن کے وہ چند فون ہیں جو انھوں نے اکثر ''نعت رنگ'' کے اداریوں کی پسندیدگی کے حوالے سے خالصتاً خورد نوازی کے جذبے کے تحت مجھے کیے یا پھر اُن کی وہ کتب جو انھوں نے بھائی عزیز احسن کے ذریعے مجھے عطا فرمائیں۔ مَیں اُن کی بڑھتی ہوئی عمر اور بیماریوں کے باوجود میں اُن کی تخلیقی زرخیزی اور قلم کی روانی دیکھ کر خوش گوار حیرت سے دوچار ہوتا رہا۔ انھوں نے نعت کی خدمت کی اور خوب کی۔ اُن کے نام کو نعتیہ ادب میں زندہ رکھنے کے لیے صرف اُن کی شاعری ہی کافی تھی مگر وہ نعت کے ایسے خادم تھے جو نعت کے حوالے سے صرف اپنی ہی ادبی زندگی کا اہتمام نہیں کرتے، بلکہ دوسروں کے تذکرے کو بھی تاریخ کا حصہ بنانا چاہتے ہیں۔ سو انھوں نے ایک نہایت عمدہ تذکرہ ''تذکرۂ نعت گویانِ راول پنڈی و اسلام آباد'' بھی مرتب کیا۔ اُن کے دو نعتیہ مجموعے ''ولائے رسول'' اور ''آبِ زم زم'' اُن کی یادگار کے طور پر ہمارے سامنے ہیں۔ اُن کی نعت گوئی پر ایک خوب صورت مضمون زیرِ نظر شمارے میں شامل ہے، اس لیے مَیں نے اُن کی نعت گوئی پر کوئی بات نہیں کی، صرف یہ شعر ملاحظہ فرمائیے اور اُن کے حق میں دعائے مغفرت کیجیے کہ ایسے شعر کا خالق یقیناً ہماری دعا کا حق دار ہے:

یادِ رسول پاک مرے ساتھ ہوگئی
میں سوچ ہی رہا تھا کوئی ہم سفر ملے

محمد فیروز شاہ

محمد فیروز شاہ اردو کے صاحب طرز نعت نگاروں میں اپنی ایک جداگانہ پہچان رکھتے تھے۔ خوب صورت اور کومل جذبوں کو خوب صورتی اور نفاست سے نظم و نثر میں برتنے کا فن انھیں خوب آتا تھا۔ اُن کے نزدیک عشق فقط عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا نام تھا اور نعت آرزوئے رسول کا۔ وہ ''نعت رنگ'' کی تحریک سے وابستہ رہے، ''نعت رنگ'' کے لیے مضامین لکھتے رہے، مذاکرے منعقد کرتے رہے، خطوط کے ذریعے حوصلہ افزائی و رہنمائی کا فریضہ سرانجام دیتے رہے۔ ''نعت رنگ'' کے ۱۹ رشماروں میں شائع ہونے والی نعتوں کا ایک خوب صورت انتخاب ''رنگِ نعت'' کے نام سے انھوں نے مرتب کیا۔ اُن کا نعتیہ مجموعہ ''باوضو آرزو'' جدید نعت نگاری کے حوالے سے ایک اہم اور قابلِ ذکر مجموعۂ نعت ہے۔ التجاؤں، تمناؤں، آرزوؤں اور خواہشات کو نعت میں سمونے والا یہ خوب صورت نعت گو بھی اس تمنا کے ساتھ جلد سو گیا۔

خواہشِ دیدِ مصطفےٰ لے کر
چشمِ فیروز جلد سو جائے

سیّد امین علی نقوی

سیّد امین علی نقوی ایک صاحبِ حال وقال بزرگ اور باکمال نعت گو شاعر تھے۔ مرحوم کا نام سب سے پہلے میرے سامنے ڈاکٹر آفتاب نقوی مرحوم نے لیا تھا۔ آپ ڈاکٹر صاحب کے قریبی عزیزوں میں سے تھے۔ ڈاکٹر ریاض مجید کے توسط سے مَیں اور غوث میاں پہلی بار اُن کے آستانے (فیصل آباد) پر اُن سے جا کر ملے تھے۔ مرحوم بہت کم گو مگر بہت پُر گو شاعر تھے۔ انھوں نے تقریباً آٹھ منفرد مجموعہ ہائے نعت و مناقب یادگار کے طور پر چھوڑے ہیں۔ اُن میں ''محمد ہی محمد'' (اردو میں غیر منقوطہ کلام)، ''حسن محمد'' (عربی غیر منقوطہ کلام)، ''محمد رسول اللہ (بلا الف مجموعۂ نعت)، ''عشقِ محمد'' (نعتیں)، ''لا نبی بعدی'' (نعتیں)، ''وردالوردا علیٰ قصیدہ البردہ'' کے علاوہ ''من کنت مولا'' (مناقب) اور ''حسین ہی حسین'' (مناقب) شامل ہیں۔

زاہد الیاس رحمانی

جناب زاہد الیاس رحمانی شاعری کا عمدہ ذوق رکھنے والے نعت خوانوں میں نمایاں مقام رکھتے تھے۔ اُن سے میری پہلی ملاقات مدینہ طیبہ میں ہوئی، جب یہ وہیں مقیم تھے۔ بعدازاں ایک بار لاہور میں

بھی شرفِ نیاز حاصل ہوا۔ مَیں اور حفیظ تائب مرحوم کہیں جا رہے تھے کہ راستے میں زاہد الیاس رحمانی صاحب سے ملاقات ہوئی۔ راستے ہی سے ساتھ ہولیے اور پھر ہوٹل تک ساتھ آ کر اپنی پیاری اور رسیلی آواز میں چند نعتیں سُنا کر روانہ ہوئے۔ لاہور کے ثنا خوانوں میں انھیں خاصی شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی۔ اُن کی آواز میں سُنی ہوئی حفیظ تائب کی یہ نعت آج بھی روح کو سرشاری عطا کرتی ہے:

حاضر ہے درِ دولت پہ گدا سرکار توجہ فرمائیں
محتاجِ نظر حال مرا سرکار توجہ فرمائیں

بابا سیّد رفیق عزیزی

بابا سے میری کبھی ملاقات نہیں ہوئی مگر اُن کی شہرت، نیک نامی اور علم دوستی مجھ سے پوشیدہ نہیں تھی۔ اُن سے میرے تعارف کا حوالہ اُن کی وہ تحریریں اور کلام تھے جو اکثر و بیش تر مذہبی و ادبی رسائل و جرائد میں شائع ہوتی تھیں۔ اُن کی نعتیہ شاعری اکثر شہزاد احمد کے ماہ نامہ ''حمد و نعت'' کراچی اور بعد ازاں اُن کے ترتیب دیے ہوئے ''منتخباتِ نعت'' میں نظر سے گزرتی رہی اور اس طرح نعت گوئی کے حوالے سے یہ ایک نام اپنے شاعرانہ اعتبار اور عشق کے اظہار کی بنا پر ایسا میرے ذہن میں محفوظ ہوا کہ پھر مَیں بابا کی کسی تحریر یا کلام سے سرسری نہیں گزر سکا۔ بابا کی علمی و ادبی خدمات اور بابا کے شاگردوں سے مزید آشنائی بھائی عزیز الدین خاکی کے رسالہ ''دنیائے نعت'' کے سیّد رفیق عزیزی نمبر سے ہوئی اور وہیں بابا کی نعتوں کا ایک قابلِ قدر گوشہ بھی نظر سے گزرا۔ بابا راہِ سلوک کے مسافر تھے اور تاجیہ سلسلے سے تعلقِ روحانی رکھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اُن کی نعت گوئی میں بھی عارفانہ رنگ بہت نمایاں نظر آتا ہے۔ وہ رنگ جو باطنی روشنی کو سامنے لا کر روحانی سرشاری کی لذت سے آشنا کر دے۔

خواجۂ کونین کی اک اک تجلی پہ نثار — ایک ہی تصویر پائی سلسلہ در سلسلہ
سرورِ ہر دوسرا کو دیکھنے والی نظر — شکر ہے ہم تک بھی پہنچی سلسلہ در سلسلہ

منصور تابش

عصرِ حاضر میں نعت خوانی کے اُفق پر بہت جلد اپنے منفرد اندازِ ثنا خوانی سے اعتبار حاصل کرنے والوں اور جگہ بنانے والوں میں ایک بہت ہی محترم نام جناب منصور تابش کا بھی ہے۔ منصور تابش سے میری دو ملاقاتیں ہوئیں، مگر اُن دو ملاقاتوں کا نقش ذہن پر ایسا محفوظ ہوا کہ جب کبھی اُن کا تذکرہ ہوتا ہے؛ اُن کا ہنستا مسکراتا شفیق چہرہ اور وضع داریاں ذہن پر تازہ ہو جاتی ہیں۔ پہلی بار انھوں نے مجھے اور مَیں نے انھیں الحاج سعید ہاشمی کے اعزاز میں کراچی میں منعقدہ ایک محفلِ نعت میں سُنا اور متاثر ہوئے۔ اس محفل کی

ابتدا بغیر کسی طے شدہ پروگرام کے میری نعت شریف سے ہوئی اور یہ کمال تھا ممتاز نقیب محفل صاحب زادہ شہریار قدوسی کا کہ انھوں نے اچانک میرا نام پکار دیا۔ مَیں نے نعت شریف شروع کی:

کوئی مثل مصطفیٰ کا کبھی تھا، نہ ہے، نہ ہوگا
کسی اور کا یہ رُتبہ کبھی تھا، نہ ہے، نہ ہوگا

اور پھر جب میری آنکھ کھلی تو مَیں نے منصور تابش کی گریہ وزاری اور اُن کا تڑپنا دیکھا۔ دوسری ملاقات کی سبیل انھوں نے خود پیدا کر لی اور وہ اس طرح کہ ۱۹۹۴ء میں ہم کئی نعت نگار جن میں جناب حافظ لدھیانوی، عاصی کرنالی، راجا رشید محمود، مظفر وارثی، حافظ لدھیانوی اور مَیں وزارتِ مذہبی اُمور حکومت پاکستان کی جانب سے منعقدہ سیرت کانفرنس کے موقع پر اسلام آباد میں جمع تھے اور ایک ہی ہوٹل میں مقیم تھے۔ حافظ لدھیانوی صاحب نے منصور تابش صاحب سے فون پر بات کی اور ہمیں حکم صادر فرمایا کہ شام کو منصور کے گھر مشاعرہ ہے، وہاں جانا ہے۔ شام کو منصور تابش صاحب خود تشریف لائے اور اپنے گھر لے گئے۔ ایک خوب صورت شام تھی، جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذکر سے عبارت تھی۔ مہمانوں کی تواضع کا ہر طرح سے خیال رکھا گیا اور چلتے وقت تمام شعرا کو نذر بھی پیش کی گئی۔ غرض ہر عمل سے ظاہر ہوتا تھا کہ منصور تابش کے دل میں نعت نگاروں کا کتنا احترام ہے۔ انھوں نے ہمیشہ دوسروں کا احترام کیا، محبتیں تقسیم کیں اور یہی وجہ ہے کہ اللہ نے انھیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذکر کے حوالے سے جاوداں شہرت عطا کی۔

حکومتِ پاکستان نے انھیں نعت خوانی پر اعلیٰ ترین سول ایوارڈ پرائڈ آف پرفارمینس بھی عطا کیا۔

ہمارے عہد میں کون ہے جو اس نغمے سے سرشار نہیں ہوا جو اُن کی آواز میں گونجا تھا۔

کوئی سلیقہ ہے آرزو کا نہ بندگی میری بندگی ہے
یہ سب تمھارا کرم ہے آقا کہ بات اب تک بنی ہوئی ہے

مَیں ان تمام بزرگوں کے لیے حق دعائے مغفرت کرتا ہوں کہ اللہ کریم حضور نبی کریم ﷺ کے صدقے اُن کی مغفرت فرمائے اور اُن کو جنت الفردوس میں اعلیٰ سے اعلیٰ مقام و مرتبہ عطا فرمائے اور قارئینِ ''نعت رنگ'' سے بھی ملتمس ہوں کہ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ان عشاق کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں۔

ہم ہیں اب تک اسیرِ دانہ و دام
جو رِہا ہو چکے ہیں ان کو سلام

سیّد صبیح رحمانی

جل جلالہ

مَیں تھا خدا کے پیش یا خود کے حضور تھا
کچھ کھل سکا نہ، پورا حرم نور نور تھا

جلوے اُتر رہے تھے مری سانس سانس میں
ہر انگ میرے جسم کا محوِ سرور تھا

لمحے سمٹ رہے تھے مگر فاصلے نہیں
میں جتنا اپنے پاس تھا اتنا ہی دُور تھا

صدیاں گزر رہی تھیں مرے دائیں بائیں سے
میں تھا کہیں شعور، کہیں لاشعور تھا

مینار کہہ رہے تھے بلندی ہے عاجزی
ہر باب عاشقی کا مسلسل وفور تھا

محدود جن کا علم تھا، وہ بھی تھے بامراد
وہ بھی جنھیں علوم پہ کامل عبور تھا

کتنے ہی دائروں میں رواں تھیں عقیدتیں
آنکھوں میں ایک عجز، جبیں پر غرور تھا

اپنے وجود میں تھا کبھی بارہا نہیں
حیران کن وقوعِ غیوب و ظہور تھا

محمود شام (کراچی)

جل جلالہ

وہ صاحبِ کُن، مالکِ کُل، خالقِ انوار
وہ قادرِ مطلق ہے ہر اک چیز کا مختار

رحمٰن و رحیم اور ہے سبحان و صمد بھی
قہّار ہے جبّار ہے ستّار ہے غفار

پروان چڑھاتا ہے وہ دانے کو زمیں میں
اور اس کو بناتا ہے نخلِ ثمر بار

تسبیح میں مشغول ہیں اُس کی مہ و ماہی
الحمد کا قائل ہے وہی حمد کا حق دار

ہر عکس ہے آئینۂ اوصافِ مصور
یہ ارض و فلک صنعت باری کا ہیں شہ کار

خلّاق دوعالم کی تجلّی کا ہیں پرتو
مچھلی ہو سمندر میں کہ ہو مہر ضیا بار

ہے معجزۂ حسن ہر اک منظر فطرت
تفسیر ہیں جنت کی چمن، چشمہ و کہسار

آباد ہر اک دشت میں حیرت کا جہاں ہے
اسرار و معارف کا دبستاں ہے چمن زار

اک واسطہ ہے بندہ و معبود کے مابین
وہ باعثِ کُن منبع و سرچشمۂ انوار

ہیں نغمہ گر حمد و ثنا بحر کی موجیں
اور وجد کے عالم میں گل و غنچہ و اشجار

صد شکر ہے شہزاؔد کو اعزاز یہ حاصل
ہوں واصف خلّاق جہاں، ناعت سرکار

شہزاد مجددی (لاہور)

تحقیقی مقالات

حسن محمود جعفری۔ کراچی

صنفِ نعت انسانی تخئیل کے تناظر میں

مہاتمابدھ نے پیڑ تلے بیٹھے بیٹھے جھڑتے پتوں سے مٹھی بھری اور آنند کی اُور دیکھا:
''اے آنند! کیا سارے پتے میری مٹھی میں آگئے ہیں؟''
آنند جھجکا۔ پھر بولا، ''تتھاگت! یہ رُت پت جھڑ کی ہے۔ جنگل میں اتنے پتے جھڑتے ہیں کہ اُن کی گنتی نہیں ہوسکتی۔''
مہاتمابدھ بولے، ''اے آنند! تُو نے سچ کہا ہے پت جھڑ کے اَن گنت پتوں میں سے مَیں بس مٹھی بھر ہی سمیٹ سکا ہوں۔ یہی گت سچائیوں کی ہے۔ جتنی سچائیاں میری گرفت میں آئیں، مَیں نے اُن کا پرچار کیا، پر سچائیاں تو اَن گنت ہیں۔ پت جھڑ کے پتوں کے سمان۔
سب سچائیاں بھلا کس کو ملتی ہیں؟ یہ مٹھی بھر سچائیاں ہی تو اِس جیون کا سبھاؤ ہیں۔''

مٹھی بھر سچائیاں۔ کُل کا کُل موجود۔ مگر آشکارا، بس تھوڑا تھوڑا سا ہی۔ سب کچھ عیاں ہے مگر جو نظر میں آجائے۔ عقل میں سما جائے، وہ سب کچھ کہاں ہے؟ ہمیں ملنے والا یہ ادھورا سچ ہی دراصل زندگی کا سب سے بڑا بھید ہے۔ سب سے بڑا تلاطم ہے۔ یہ ساری رنگا رنگی۔ یہ کثرت میں وحدت۔ یہ وحدت میں کثرت۔ یہ بوقلمونی۔ یہ تنوع۔ یہ سب کچھ اسی بنا پر تو ہے کہ ہمیں ''کل'' کی خبر نہیں۔ یہ خوشیاں۔ یہ مسرتیں۔ یہ راحتیں۔ یہ میلے ٹھیلے۔ یہ گہما گہمی۔ یہ دھوم دھام۔ یہ رونق۔ یہ ہنگامہ۔ یہ اُداسیاں۔ یہ آلام۔ یہ مصائب۔ یہ غم۔ یہ رنج والم۔ یہ مسکراہٹوں کے جھرنے۔ یہ آنسوؤں کی جھڑیاں۔ یہ دُکھوں کا میٹھا میٹھا درد۔ یہ زمین کے موسموں کے ساتھ ساتھ من کے موسموں کا اُلٹ پھیر۔ یہ سب مٹھی بھر ہاتھ آنے والی سچائیوں کی ہی تو کرشمہ سازی ہے۔ مجھے، آپ کو اور اِس کُل جہاں کو پیدا کرنے والے نے یہ کارخانہ بھی خوب بنایا ہے۔ اور پھر اس کارخانۂ جہاں میں ہمارا وجود۔ کل کو کہیں چھپا دیا۔ ہمیں علم ادھورا دیا۔ اس حکم کے ساتھ کہ غور وفکر کرو۔ زیادہ علم کی دعا مانگو۔ معرفت حاصل کرو۔ مہلت کم رکھی اور کارِ جہاں دراز کر دیا۔

مٹھی بھر سچائیوں کے ساتھ تخیل کی صلاحیت عطا کردی۔ بیان کا علم دے دیا۔ بولنا سکھا دیا اور لحن بھی دے دیا۔ حرف اور لفظ عطا کر دیے۔ حسنِ جمال دے دی اور خطاطی کا فن سکھا دیا۔ سکھا کیا دیا۔ سیکھنے کا تجسس دے دیا۔

راجا نے وزیر سے کہا: مجھے خطاطی سکھا دے۔ وزیر نے کہا: جہاں پناہ! خطاطی سیکھنے کے لیے رقاص بننا ضروری ہے۔ تو پھر چل، پہلے نرت سکھا دے۔ راجا نے کہا۔ وزیر نے کہا: مگر عالم پناہ! رقص جاننے کے لیے مصور ہونا ضروری ہے۔ تو کوئی بات نہیں۔ مصوری ہی سیکھتے ہیں۔ راجا بولا۔ مگر وزیر نے کہا: لیکن ظلِ الٰہی! مصور تو وہی ہوسکتا ہے، جو اچھا معمار ہو۔ راجا کو بڑا غصہ آیا۔ یہ کیا بکواس ہے۔ اچھا یوں ہی سہی۔ آج سے معماری سیکھنا شروع کرتا ہوں۔ وزیر تھوڑی دیر چپ رہا، پھر بولا: ملجا و ماوئی! عالی جاہ! لیکن معمار تو وہی ہوسکتا ہے جو مہندس ہو۔ ٹھیک ہے۔ کہیں سے تو بات شروع ہوگی۔ راجا نے ہنس کر کہا۔ مَیں مہندس بننے کو تیار ہوں۔ اُستاد نے تجسس پیدا کرنے والی خاموشی اختیار کی۔ پھر رُک رُک کر بولے۔ وزیر نے جواب دیا۔ ظلِ سبحانی! مہندس بننے کے لیے نرتک ہونا ضروری ہے۔ اور نرتک وہی ہوسکتا ہے، جو خطاط ہو۔

استاد نے زیرِ لب لہجے میں کہا: پھر جیسے ایک دو دم تک سانس روکے رہے تھے۔ لمبی سانس لے کر بولے۔ انسان کا وجود غیر منقسم ہے۔ کیا تم کہہ سکتے ہو کہ جسم کہاں ختم ہوتا ہے اور روح کہاں شروع ہوتی ہے؟ کیا تم جانتے ہو کہ جو سُن نہیں سکتا، وہ زیادہ اچھا دیکھ سکتا ہے؟ لیکن جو سُن نہیں سکتا، وہ بول نہیں سکتا اور جو بول نہیں سکتا، وہ گا نہیں سکتا۔ لیکن وہ ناچ سکتا ہے۔

سات سُروں کے درمیان کوئی دیوار نہیں۔ ساتوں سُر آپس میں حل ہوکر ایک بھی ہوسکتے ہیں اور الگ الگ بھی سنائی دے سکتے ہیں۔ یہ سب فن انسانی وجود ہیں۔ اور انسانی وجود کی تمثیل سات سُر۔ ست رنگ۔ اور سات سو زاویے ہیں۔☆[۱]

بات بظاہر تو بس اتنی سی ہے کہ خطاط ہونے کے لیے آدمی کا خطاط ہونا ایک بنیادی شرط ہے۔ بات تو ''ہونے'' کی ہے۔ لیکن اس ایک ''ہونے'' کے لیے آدمی کو کیا کیا ہونا پڑتا ہے۔ یہ اپنی جگہ ایک الف لیلہ ہے۔ ایک طلسمِ ہوش رُبا ہے۔

آدمی خطاط ہو یا رقاص۔ مصور ہو یا معمار۔ مہندس ہو یا نرتک۔ خونِ جگر کے بغیر کچھ بھی ممکن نہیں۔ نہاں کو عیاں ہونے کے لیے خونِ جگر سے ہی نمود کرنی ہوتی ہے۔ آدم کو مٹی کے پُتلے سے سری لنکا کے پہاڑ

کی چوٹی پر قدم رکھنے تک کن کن مرحلوں سے گزرنا پڑا۔ یہ تو بس آدم ہی جانتے ہیں۔ نوح کو نو سو سال تک اپنی قوم کی کیا کیا باتیں نہ سہنی پڑی ہوں گی۔ لکڑی کے تختوں کو جوڑتے ہوئے۔ کشتی میں تمام جانوروں کے جوڑوں کو اکٹھا کرتے ہوئے۔ سیلابِ عظیم کی بے رحم لہروں میں کھیلتے ہوئے اور آخرکار ارارات کی چوٹی جودی پر پاؤں دھرتے ہوئے، خونِ جگر کی کتنی بوندیں بہانی پڑی ہوں گی۔ یہ تو صرف نوح ہی بتا سکتے ہیں۔ ابراہیم کو اُبھرتے، ڈوبتے چاند سورج کے مشاہدے سے لے کر آتشِ نمرود میں بے خطر کود نے تک قلب و نظر کی کن کن کیفیتوں کو جھیلنا پڑا۔ خونِ جگر کے کتنے تلخ و شیریں گھونٹ پینے پڑے۔ یہ بھلا ہم جیسے عاصی کیا سمجھیں؟ یوسف کو کنویں کی تنہائیوں، گہرائیوں اور قید خانے کی تاریکیوں سے گزر کر عزیزِ مصر کے خزانوں تک آنے تک خونِ جگر کے کون کون سے رنگ دیکھنے کا تجربہ ہوا یہ تو صرف یوسف کی آنکھوں کی دھنک ہی بیان کرسکتی ہے۔ غرض کس کس کا ذکر کریں؟ کہاں کہاں کا کھوج لگائیں؟ کیسا کیسا بھید کھولیں؟ بات لوٹ پھیر کے ایک ہی جگہ آ تھمتی ہے۔

رنگ ہو یا خشت و سنگ، چنگ ہو یا حرف و صوت
معجزۂ فن کی ہے خونِ جگر سے نمود

معجزۂ فن کی خونِ جگر سے نمود ہونا کیوں مشروط ہے؟ معجزۂ فن کا خونِ جگر سے کیا رشتہ؟ کیا تعلق؟ کیا بندھن ہے؟ نقش ہیں سب ناتمام۔ خونِ جگر کے بغیر۔ آخر کیوں؟ نغمہ ہے سودائے خام۔ خونِ جگر کے بغیر۔ اس کی کیا معنویت ہے؟ کیا علّت ہے؟ اگر میری غزل میں ہے آتشِ رفتہ کا سراغ، تو اس کی کوئی توجیہ ہوگی۔ کوئی نہ کوئی تو بھید ہوگا ہی کہ جس کی بنا پر ہے۔ میری تمام سرگزشت۔ کھوئے ہوؤں کی جستجو۔

کھوئے ہوؤں کی جستجو ہمیں کہاں کہاں نہ لے جائے گی؟ یہ کھوئے ہوئے صرف لوگ ہی تو نہیں ہیں۔ یہ کھوئے ہوئے خواب بھی ہیں۔ خیال بھی ہیں۔ یہ خواہشیں بھی ہیں۔ آرزوئیں بھی ہیں۔ تمنائیں بھی ہیں۔ حسرتیں بھی ہیں۔ یہ معجزۂ فن کی مختلف جہتیں ہیں۔ سمتیں ہیں۔ زاویے ہیں۔ بے شمار صورتیں ہیں۔ اور ان سب کی ہے خونِ جگر سے نمود۔

اپنی آپ بیتی کے دوسرے حصے۔ ''میری یونی ورسٹیاں'' میں گورکی نے ایک ایسے نوجوان کا ذکر کیا ہے جو دل سے شاعر تھا اور مچھلی پکڑنے کے بہانے رات بھر وولگا (Volga) کے کنارے بیٹھا رہتا تھا۔ وہ نوجوان فن کار تھا۔ آخرکار مارنے کے لیے دھوکا دیتی ہوئی سرنگ کے پاس جا کر مر گیا۔ اوّل و آخر فنا۔ خونِ جگر سے نمود۔

The fruitless thought of what I might have been, haunting me
ever, will not let me rest

A cold north wind has withered all my green
My son is in the west.
- Christina Rozetti.

I look
After and before
And pine for what is not
I fall upon the thorns of life
I bleed----.

--- Shelley

یہ مضمون۔ بشرطے کہ آپ اسے مضمون کہیں۔ جسے پڑھنے کا آپ آغاز کر چکے ہیں اُس باثمر تاریکی کے بارے میں ہے جس کے بطن سے صبح کی سرخی جنم لیتی ہے۔ انسانی تخئیل اور اُس کی تخلیقی کاوشوں کو ماضی کے دھندلکوں میں کھوجنے کی خواہش اس مضمون کا بنیادی محرک ہے۔ یہ بات ابتدا ہی میں واضح کردینا بہتر ہے کہ اس مضمون کا اسلوب تصنیفی سے زیادہ تالیفی ہے۔ یہ تجسّس اور تلاش کا ایک سفر ہے۔ مجھے اپنی علمی کم مائیگی کا مکمل شعور و اعتراف ہے۔ انتشار و خلفشار کے اس دور میں خیالات کا منطقی ربط و تسلسل میری بساط میں نہیں۔ اس لیے اگر آپ اس مضمون سے علمی سطح پر کسی بھی بلند درجے کے انکشاف کی اُمید رکھتے ہیں تو شروع میں ہی معذرت قبول فرمائیے۔ اس مضمون کا تناظر اپنی تمام تر وسعت کے باوجود ہمہ گیر نہیں ہے۔ یہ انسانی تخئیل اور انسان کی تخلیقی صلاحیت کی اُس جہت کو تلاش کرنے اور کھوجنے کا عمل ہے جس کے تحت اُس نے ایک مثالی انسان۔ اُسوۂ حسنہ۔Excellent Model کے Prototype کو سوچنے اور تراشنے کی کوشش کی۔ اپنے تصور اور خیال میں ایک مکمل انسانPerfect Person کی تجسیم Personification کی۔ اس مضمون کا بنیادی دعویٰBasic Premise یہ ہے کہ جس طرح آج کے دور میں ہونے والے سائنسی انکشافات یہ تجویز کرتے ہیں کہ ایک باشعور جان دار کا وجود اس کائنات کے بنیادی خصائص میں سے ایک ہے اور ہم انسان نہایت گہرے اور بامعنی انداز میں اس کائنات میں موجود فطری قوانین(Natural Laws) کی بُنت میں شامل ہیں۔ بالکل اُسی طرح ایک محبوب اور مثالی انسان کی حیثیت سے حضرت محمد ﷺ کی ذات(Muhammad (SAW) in Person) انسانی تہذیب کی سب سے بڑی علامت (Symbol) کے طور پر انسانی ذہن کی ساخت کا ایک لازمی حصہ ہے۔ تخئیلی (Imaginative) اور تخلیقی(Creative) سطح پر انسان نے جب بھی ایک مکمل انسانی پیکر کو تراشا؛ دراصل اُس نے آپ ہی کی ذات کے کسی ایک یا ایک سے زیادہ خصائص کو انسانی زندگی کے تہذیبی حوالے سے تلاش کرنے کی کوشش کی۔ آپ کے اس دنیائے فانی میں آنے سے پہلے کی اُنھی کوششوں اور تخلیقی کاوشوں

کی تلاش کا سفر ہمارے اس مضمون کا بنیادی موضوع ہے۔

اسلام کا ظہور زوالِ تہذیب کے ایک کائناتی لمحے میں ہوا تھا اور یہ ظہور ایک ایسے علاقے میں ہوا تھا جو اُس وقت کی انسانی تہذیبوں اور مذاہب کے دائرے کے عین درمیان میں ایک تہذیبی خلا کی صورت میں تھا۔ اسلام کے پاس تہذیبی مواد صرف ایک ہے اور وہ ہے ''لفظ''۔ عرب دنیا میں شاعری کے علاوہ اور کوئی تہذیبی میڈیم نہیں تھا۔

اِس سرزمین پر اسلام کے ظہور کی غالباً غایتِ اولیٰ ہی یہی تھی کہ اصول اپنی اوّلین حیثیت میں کسی زمینی لازمے سے مخلوط نہ ہونے پائے؛ مگر اُس کے اردگرد ایک ایسا دائرہ ضرور ہے جس پر اُس اصول کے مختلف اطلاقات (Applications) ہوسکیں۔ چناں چہ دورِ اوّل میں یعنی بعثتِ نبوی سے ریاستِ مدینہ کے قیام تک کوئی ایسی چیز پروان چڑھتی دکھائی نہیں دیتی جسے ہم تہذیب وثقافت کے اہم مظاہر میں گنتے ہیں۔ حتیٰ کہ یہ بھی محسوس ہوتا ہے کہ عرب شاعروں کی زبانیں بھی یکایک خاموش ہوگئی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ وقت مذہبی اور کائناتی نقطۂ نظر سے کوئی معمولی وقت نہیں ہے۔

اللہ آخری بار انسان سے براہِ راست خطاب کر رہا ہے، لہٰذا پوری کائنات گوش بر آواز ہے۔ دنیا کے کسی حصے میں کوئی بڑا اور قابلِ ذکر تہذیبی عمل نہیں ہو رہا ہے۔ ہر انسانی تخلیقی عمل معطل کر دیا گیا ہے۔ کوئی ایسی تہذیب نہیں ہے جو اپنے قوسِ عروج کا سفر کر رہی ہو۔ ایرانی اور بازنطینی تہذیبیں اپنے زوال کی آخری حدوں پر ہیں۔ چینی تہذیب ایک خاص سطح پر آ کر رُک گئی ہے۔ ہندو سناتن دھرم اپنے بڑے تہذیبی کارناموں کی تکمیل کر چکا ہے۔ مصر، عراق اور یونان میں تہذیب کے عہد کو گزرے ہوئے ایک طویل عرصہ بیت گیا ہے۔ اس عالم میں عرب کی سرزمین میں 'لفظ' کا نزول ہو رہا ہے۔ اور نفوس صرف ایک آواز کو جذب کر رہے ہیں۔ یہ انجذاب اس قدر قوی ہے کہ نفوس خود اصول بن گئے ہیں۔ مدینے کا یہ معاشرہ صرف تہذیب کی نمائندگی نہیں کر رہا، بلکہ اصولِ تہذیب کی حیثیت رکھتا ہے۔☆۲

جیسا کہ پہلے بیان کیا جاچکا ہے کہ اُس مدنی معاشرے میں تہذیبی مواد صرف ''لفظ'' ہے اور اُس تہذیب کا واحد مظہر صرف ایک object ہے۔ اور وہ ہے ذاتِ رسول ﷺ۔ اور اُس ایک ذاتِ اقدس میں انسانی تہذیب کی تمام تر عقلی، عملی اور تخئیلی جہتیں یک جا ہوگئی ہیں۔

نبی یا رسول اپنی اصل میں ''خبر'' لانے والا ہوتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ کی انفرادیت یہ ہے کہ آپ نے انسانی نفوس کے لیے خبر کو تجربہ بنا دیا۔ خبر کو تجربہ بنانے کا یہ عمل انسان کی تمام تر تخلیقات کا واحد سبب بن گیا۔ خبر کے تجربہ بننے کے اس عمل نے نبی کریم ﷺ کی ذاتِ اقدس کو نبی اور رسول کی حیثیت میں ہی نہیں، بلکہ انسان کی حیثیت سے بھی نفوسِ انسانی کے لیے ''محبوب'' کی صورت میں ڈھال دیا۔ ایک ایسے محبوب کا

روپ جو اپنی ذات میں ایک تاریخی اور زندہ حقیقت ہو صرف ایک تہذیبی مواد ''لفظ'' کی موجودگی میں تمام تر علومِ انسانی کا سرچشمہ بن جانا، انسانی تہذیب کی سب سے بڑی علامت ہے اور انسانی تہذیب کی یہ علامت جو اپنے ظاہری پیکر کی صورت میں چھٹی صدی عیسوی میں رونما ہوئی، اپنی اصل اور حقیقت میں انسانی تخیل (Human Imagination) کے ایک بنیادی عنصر (Basic Element) کے طور پر ہمیشہ سے مذاہب اور عقائد کے تمام تر تنوع کے باوجود، انسان کی تخلیقی کاوشوں کا حصہ رہی ہے۔

ادب خلا میں کبھی پیدا نہیں ہوا اور نہ ہی ہوسکتا ہے۔ ہر انسان کی تخلیقی کاوش جب اپنا اظہار کرتی ہے تو دراصل وہ اپنے ایک طویل ماضی اور لامحدود مستقبل کی انفرادی اور درمیانی کڑی ہوتی ہے۔

کوئی شاعر، کوئی فن کار خواہ وہ کسی بھی فن سے تعلق رکھتا ہو، تن تنہا اپنی کوئی مکمل حیثیت نہیں رکھتا۔ اُس کی اہمیت اور اُس کی بڑائی اِسی میں مضمر ہے کہ پچھلے شعرا اور فن کاروں سے اُس کا کیا رشتہ ہے؟ الگ رکھ کر اُس کی اہمیت متعین نہیں کی جاسکتی۔ اُسے پچھلے شعرا اور فن کاروں کے درمیان رکھ کر تقابل و تفاوت کرنا ہوگا۔ یہ اصول محض تاریخی تنقید کا ہی نہیں بلکہ جمالیات کا بھی بنیادی اُصول ہے۔ یکسانیت اور مطابقت کا یہ تقاضا یک طرفہ نہیں ہے۔ ایک نیا فن پارہ جب تخلیق ہوتا ہے تو اُس کے ساتھ بھی وہی سب کچھ ہوتا ہے جو بہ یک وقت اُن فن پاروں کے ساتھ عمل میں آیا تھا جو پہلے تخلیق ہو چکے ہیں۔ یہ موجودہ فن پارے خود ہی اپنا ایک مثالی نظام بنا لیتے ہیں اور جس میں کسی حقیقی نئے فن پارے کی تخلیق سے خود ہی ردّوبدل ہو جاتا ہے۔ یہ موجودہ نظام نئے فن پارے کے وجود میں آنے سے قبل مکمل ہوتا ہے لیکن اُس نئے فن پارے کے وجود میں آنے کے بعد اِس نظام کی زندگی کے لیے ضروری ہو جاتا ہے کہ سارے کے سارے موجودہ نظام میں تغیر و تبدّل پیدا ہو۔ خواہ یہ تبدیلی کتنی ہی خفیف کیوں نہ ہو۔ اس طرح اس فن پارے کے رشتے اور اقدار پورے نظام میں ایک نئے سرے سے ترتیب پالیتے ہیں۔ نئے اور پرانے کے درمیان یہی اصل مطابقت ہے جو بھی نظام کے اس خیال سے اتفاق کرتا ہے اور ادب کی اس نوعیت کو سمجھتا ہے اُس کے لیے یہ بات بعید از قیاس نہیں ہے کہ جس طرح ماضی حال کو متعین کرتا ہے اُسی طرح حال ماضی کو بدلتا رہتا ہے۔ اور وہ فن کار جو اِس بات سے بخوبی واقف ہے وہ ساری مشکلات اور زبردست ذمّے داریوں کو بھی خوب سمجھتا ہے۔ ہر دَور کا فن کار اگر وہ واقعی ایک تخلیقی اور منفرد فن کار ہے، مخصوص معنی میں اس بات سے بھی واقف ہوگا کہ اُس کی تخلیقات کو لازماً ماضی کا ذکر کیا گیا ہے، قطع برید کے لیے نہیں کہا گیا۔ پرکھنے کے معنی یہ نہیں ہیں کہ ہم یہ دیکھیں کہ آیا وہ ماضی کے معیاروں سے پرکھا جائے۔ یہ بات واضح رہنی چاہیے کہ یہاں پرکھنے کے فن کاروں سے بہتر ہے یا بدتر ہے یا اُن کے برابر درجہ رکھتا ہے اور نہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اُس کی تخلیقات کو پچھلے ناقدوں کے مسلّم احکام کی روشنی میں دیکھا جائے۔ یہ ایک ایسا فیصلہ اور ایسا

تقابل ہے جس میں دو چیزیں ایک دوسرے سے ناپی جاتی ہیں۔ نئے فن پارے کے لیے یہ مطابقت رکھنا ہی کافی نہیں ہے۔ اگر دیکھا جائے تو دراصل یہ سرے سے مطابقت ہی نہیں ہوگی اور اس طرح نہ تو اُسے ''نئے'' کا نام دیا جاسکے گا اور نہ وہ درست معنی میں ''فن پارہ'' کہلائے جانے کا مستحق ہوگا۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ نئی چیز زیادہ وقیع ہوتی ہے کیوں کہ وہ بالکل موزوں رہتی ہے، لیکن یہ ضرور ہے کہ یہی خوبی اُس کی قدر و قیمت کا معیار ہے۔ یہ درست ہے کہ یہ ایک ایسا معیار ہے جسے آہستہ آہستہ احتیاط کے ساتھ برتنا چاہیے کیوں کہ ہم میں سے کوئی بھی قطعی طور پر فیصلہ دینے کا اہل نہیں ہے۔ ہم صرف یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس میں مطابقت پائی جاتی ہے اور اس میں شاید انفرادیت بھی ہے یا اس میں انفرادیت نظر آتی ہے اور یہ پرانے فن پاروں سے مطابقت بھی رکھتا ہے۔

ماضی کے ساتھ فن کار کے تعلق کی اور زیادہ واضح تشریح کے لیے یہ بات ذہن نشین رکھنا ضروری ہے کہ وہ نہ تو ماضی کو کوئی جامد چیز یا پتھر سمجھ کر قبول کرسکتا ہے، نہ وہ اپنی ذات کی کلی طور پر تعمیر ایک یا دو نجی پسندیدگیوں پر کرسکتا ہے۔ اور نہ وہ اپنی ذات کی تعمیر کلیتاً اپنے کسی پسندیدہ دَور پر کرسکتا ہے۔ فن کار کے لیے ضروری ہے کہ وہ مرکزی اور اصل میلان سے واقف ہو اور ضروری نہیں ہے کہ یہ میلان ممتاز شہرت کے حامل اساتذہ ہی میں نظر آئے۔ فن کار کو اس واضح حقیقت سے بھی واقف ہونا چاہیے کہ فن کسی چیز کو آگے نہیں بڑھاتا، لیکن فن کا مواد کبھی بھی بالکل ایک سا نہیں ہوتا۔ اُسے اِس بات سے بھی واقف ہونا چاہیے کہ انسان کا ذہن وقت کے ساتھ ساتھ بدلتا رہتا ہے مگر اپنی بنیادی ساخت کو تبدیل نہیں کرسکتا۔ ذہن تبدیل ضرور ہوتا ہے اور یہ تبدیلی ایک ایسا ارتقا ہے جو راستے میں کسی چیز کو بھی نظر انداز نہیں کرتا۔ جو نہ تو شیکسپیئر (Shakespeare) یا ہومر (Homer) کو از کار رفتہ قرار دیتا ہے اور نہ ۳۵۰۰۰ سال پہلے کے فرانس کے علاقے گارگاس (Gargas) کے غاروں کے اندر بنے ہوئے مصوری کے نمونوں کو۔ اور یہ کہ یہ ارتقا جسے آپ شاید لطافت (Elegance) کا نام دے سکتے ہیں اور جسے آپ وثوق کے ساتھ پیچیدگی (Complexity) کے نام سے موسوم کرسکتے ہیں۔ فن کار کے نقطۂ نظر سے یقیناً کوئی ترقی نہیں ہے۔ ماہرِ نفسیات کے نقطۂ نظر سے بھی اسے ترقی نہیں کہا جاسکتا یا کم از کم اس حد تک نہیں کہا جاسکتا جس حد تک ہم اُسے ترقی خیال کرتے ہیں۔ اور قطعی ممکن ہے کہ آخر میں یہ ترقی معاشیات اور مشین پر مبنی کوئی پیچیدگی ثابت ہو۔ لیکن حال اور ماضی میں فرق یہ ہے کہ شعوری حال، ایک طرح سے اور کسی حد تک ماضی کی آگاہی کا نام ہے جسے ماضی کا شعور بذاتِ خود ظاہر نہیں کرپاتا۔☆[۳] اس سلسلے میں ایک اور اہم بات یہ ہے کہ کہا جاتا ہے کہ تبحرِ علمی اور اصول پرستی کے بغیر نظریہ سازی نہیں کی جاسکتی۔ یہ ایک ایسا دعویٰ ہے جسے فن کاروں کے حالاتِ زندگی پر نظر ڈالنے ہی سے ردّ کیا جاسکتا ہے۔ اس بات کے تجزیے سے یہ بھی پتا چلے گا کہ زیادہ

علمیت فن کارانہ احساس و ادراک کو کند کر دیتی ہے۔ لیکن اسی کے ساتھ ساتھ ہم اس بات پر بھی زور دیں گے کہ فن کار کو اس حد تک حصولِ علم ضرور کرنا چاہیے جہاں تک اُس کی فطری قبولت پذیری (Absorbility) اور کاہلی (Lethargy) پر اثر نہ پڑے۔

یہ بات مناسب نہیں ہے کہ علم کو امتحان، ڈرائنگ روم یا پھر تشہیر کے لیے چوڑے طریقوں تک محدود رکھا جائے۔ کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو علم کو جذب کر سکتے ہیں۔ سست ذہن لوگوں کو اس کے لیے خون پسینہ ایک کرنا پڑتا ہے۔ شیکسپیئر نے تاریخ کی اتنی معلومات صرف پلوٹارک (Plutarch) کے مطالعے سے حاصل کر لی تھیں، جتنی بہت سے لوگ سارے برٹش میوزیم کو پڑھ کر بھی حاصل نہیں کر سکیں گے۔ جس بات پر مَیں زور دینا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ اب تک مانا یہی گیا ہے کہ فن کار کے لیے ضروری ہے کہ وہ ماضی کا شعور حاصل کرے یا اُسے ترقی دے اور پھر ساری عمر اپنی تخلیقات میں اُسے پروان بھی چڑھاتا رہے۔ جس طرح آج کا بڑا تخلیق کار آئندہ پر اپنے تخلیقی اثرات مرتسم کرتا ہے، اُسی طرح وہ ماضی کے شعوری اور غیر شعوری اثرات سے بے گانہ بھی نہیں ہوتا۔

Paolo اور Francesea کی داستان میں مخصوص قسم کے جذبات نظر آتے ہیں لیکن شاعری کی گیرائی اس سے بالکل مختلف چیز ہے، جس قسم کی گیرائی اور گہرائی (Depth And Hold) کا تاثر وہ مفروضہ تجربہ کو بہم پہنچاتی ہے۔ اس داستان میں ماضی کے شعور کے حوالے سے جو گیرائی نظر آتی ہے وہ یولیسس (Ulysses) کے چھبیسویں کینٹو (26th Canto) سے زیادہ وسیع ہرگز نہیں ہے جس میں یولیسس کے بحری سفر کا ذکر کیا گیا ہے اور جس کا انحصار براہِ راست کسی ایک جذبے پر نہیں ہے۔ عظیم تنوع جذبات کی قلبِ ماہیت کے عمل سے پیدا ہوتا ہے۔ آگامنون (Agamemnon) کا قتل اور اوتھیلو (Othello) کا ذہنی کرب، دانتے (Dante) کے منظروں کی بہ نسبت فن کارانہ تاثر پیدا کرنے میں اصل روح سے بظاہر زیادہ قریب معلوم ہوتے ہیں اور اس کا بنیادی سبب تمام تر تخلیقی تنوع کے باوجود ماضی، حال اور مستقبل کے ناقابلِ تقسیم تسلسل کے ساتھ انسانی ذہنی ساخت کی ہمہ گیریت اور مثال پسندی کے حوالے سے یکسانیت ہے۔ یہ واحد دلیل ہے اس بات کی کہ فن اور واقعہ کا فرق ہمیشہ کامل ہوتا ہے۔[۴☆]

فن کارانہ تخلیق اور ماضی کے حوالے سے جب بھی انسان کے متعلق گفتگو کی جاتی ہے تو عموماً افلاطون اور ارسطو کے اُس بیان سے جڑی ہوئی ہوتی ہے کہ نقل کرنا انسانی فطرت کا خاصہ ہے۔

ابتدائے آفرینش سے آج تک انسان اپنی اس بنیادی جبلت کا اظہار کرتا رہا ہے۔ اس کرۂ ارض پر سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں کے درمیان اختلافِ رائے ہوا جو بعد میں شدت اختیار کر کے ایک نزاع کی صورت میں ڈھل گیا اور اسی نزاع کے نتیجے میں انسانی تاریخ میں قتل و خون کا اولین

واقعہ رونما ہوا۔

''اور ذرا انھیں آدم کے دو بیٹوں کا قصہ بھی بے کم و کاست سنا دو۔ جب اُن دونوں نے قربانی کی تو اُن میں سے ایک کی قربانی قبول کی گئی اور دوسرے کی نہ کی گئی۔ اُس نے کہا: مَیں تجھے مار ڈالوں گا۔ اس نے کہا: اللہ تو متقیوں ہی کی نذریں قبول کرتا ہے۔ اگر تو مجھے قتل کرنے کے لیے ہاتھ اُٹھائے گا تو مَیں تجھے قتل کرنے کے لیے ہاتھ نہ اُٹھاؤں گا۔ مَیں اللہ ربّ العالمین سے ڈرتا ہوں۔ مَیں چاہتا ہوں کہ میرا اور اپنا گناہ تو ہی سمیٹ لے اور دوزخی بن کر رہے۔ ظالموں کے ظلم کا یہی ٹھیک بدلہ ہے۔

آخر کار اُس کے نفس نے اپنے بھائی کا قتل اُس کے لیے آسان کر دیا اور وہ اُسے مار کر اُن لوگوں میں شامل ہو گیا جو نقصان اُٹھانے والے ہیں۔

پھر اللہ نے ایک کوّا بھیجا جو زمین کھودنے لگا تا کہ اُسے بتائے کہ اپنے بھائی کی لاش کیسے چھپائے۔ یہ دیکھ کر وہ بولا، ''افسوس مجھ پر! مَیں اس کوے جیسا بھی نہ ہو سکا کہ اپنے بھائی کی لاش چھپانے کی تدبیر نکال لیتا۔'' اُس کے بعد وہ اپنے کیے پر بہت پچھتایا۔ ☆۵

قرآنِ حکیم کے بیان کردہ اس واقعے میں انسان کے نقل کرنے کی جبلت کا ایک واضح اظہار موجود ہے۔

نقل کرنے کی جبلت کے بارے میں ارسطو کا بیان بھی قابلِ غور ہے وہ کہتا ہے:

نقل کرنا بچپن ہی سے انسان کی جبلت ہے۔ اسی باعث وہ دوسرے تمام جانوروں سے ممتاز ہے کہ وہ سب سے زیادہ نقال ہے اور اِسی جبلت کے ذریعے وہ اپنی سب سے پہلی تعلیم پاتا ہے۔ اسی طرح تمام آدمی قدرتی طور پر نقل سے حظ حاصل کرتے ہیں۔ فنونِ شبیہی کے نمونوں کو دیکھ کر ہم جو محسوس کرتے ہیں اُس سے یہ صاف ظاہر ہے۔ کیوں کہ اُن میں ہم خوشی سے دھیان لگا کے۔ اور جتنی ٹھیک نقل کی گئی ہو اتنی ہی زیادہ خوشی سے۔ ایسی چیزوں کو دیکھتے ہیں جو اگر اصلی ہوں تو انھیں دیکھ کر ہمیں تکلیف ہو، جیسے ذلیل ترین اور انتہائی نفرت انگیز جانور، لاشیں اور اسی طرح کی چیزیں۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ سیکھنے میں ایک قدرتی خوشی ہے جو محض فلسفیوں تک محدود نہیں بلکہ تمام انسانوں کے لیے عام ہے۔ ☆۶

انسانی فطرت میں دوسری اہم ترین صفت اظہارِ ذات کی جبلت ہے۔ ہر انسان میں اپنی ذات کے اظہار کی خواہش فطری لازمہ ہے۔ ایک انسان جو کچھ دیکھتا ہے دوسروں کو بھی دکھانا چاہتا ہے۔ وہ جو

کچھ محسوس کرتا ہے، لوگوں کو اُن محسوسات میں شریک کرنے کا خواہاں ہوتا ہے۔ وہ جو کچھ سوچتا ہے اُوروں کو سُنا کر داد حاصل کرنا چاہتا ہے۔ انسان فطری طور پر اپنے دُکھ اور سکھ، رنج و راحت اور خوشی و غم کا اظہار کر کے نفسیاتی طور پر ایک نوع کا سکون و طمانیت حاصل کرتا ہے۔ انسان کیوں کہ اپنی فطرت میں ایک سماجی حیوان ہے۔ اس لیے اُس کی انفرادی اور سماجی فطرت اِس امر کا تقاضا کرتی ہے کہ وہ لوگوں سے اپنے مشاہدات، خیالات، تجربات، جذبات، احساسات اور کیفیات کا اظہار کرے۔ وہ فطرتاً مجبور ہو کر ان تمام باتوں کو صرف اپنی ذات تک محدود نہیں رکھ سکتا۔ اُس کے دل و دماغ میں ایک ہیجان طاری رہتا ہے اور ابلاغ کی ایک مسلسل خواہش اُبھرتی رہتی ہے۔ اظہارِ ذات کی جبلت انسانی ذہن کی صحت، درستی اور اصلاح کے لیے اُسی قدر لازمی ہے، جیسے انسانی جسم کی پرورش و پرداخت کے لیے غذا اور سلامتی اور حفاظت کے لیے کوئی جائے پناہ ایک حیاتیاتی ضرورت ہے۔

اپنی ذات کا اظہار انسان عام طور پر تین مختلف طریقوں سے کرتا رہا ہے:

- ☆ جسمانی اشارات و حرکات کے ذریعے جن میں رقص، ڈراما اور گلوکاری وغیرہ شامل ہیں۔ ان میں دیگر فنونِ ادائیگی (Performing Arts) کو بھی شمار کیا جا سکتا ہے۔
- ☆ کسی مادّی وسیلے سے اظہارِ ذات کی صورتوں میں مصوری، موسیقی اور مجسمہ سازی وغیرہ شامل کیے جاتے ہیں۔
- ☆ زبان یا لفظ کی معرفت اظہارِ ذات ادب (Literature) کی تخلیق کا سبب بنتا ہے۔ اس میں نثر پارے اور شاعری کی تمام اقسام کو شمار کیا جاتا ہے۔

حضرت علی ؓ سے روایت ہے کہ آپ نے رسول اللہ ﷺ سے فرمایا کہ:

> ''اے رسول اللہ ﷺ ہم سب ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہیں، لیکن ہم یہ دیکھتے ہیں کہ آپ عربوں کے وفدوں سے ایسی زبان میں گفتگو فرماتے ہیں جس کا بیش تر حصہ ہماری سمجھ میں نہیں آتا۔'' آپ نے جواب میں فرمایا: ''ادبنی ربی فاحسن تادیبی و ربیت فی بنی سعد ... مجھے میرے رب نے تعلیم دی ہے اور بہترین تعلیم دی ہے۔ پھر میں نے قبیلہ بنو سعد میں پرورش پائی ہے۔'' یہاں پر آپ نے ''ادبنی'' کا لفظ استعمال فرمایا ہے اور جہاں تک ہمیں معلوم ہے ''ادب'' کا لفظ پہلی دفعہ عربی زبان میں آپ ہی کی زبانِ مبارک سے نکلا ہے۔ اس سے پہلے ان معنی میں ادب کا لفظ غالباً استعمال نہیں ہوا۔ جس کے معنی بہرحال ادب یا تہذیب سکھانے کے نہیں ہیں۔ کیوں کہ خود قرآن کا فیصلہ ہے کہ ''انک لعلی خلق

عظیم ''یعنی آپ بڑے بلند اخلاق کے مالک ہیں۔ یہاں ''ادبی'' سے مراد ''علمنی'' ہے یعنی مجھے تعلیم دی ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ صدرِ اسلام میں تادیب بمعنی تعلیم کے لیے جاتے تھے۔ چناں چہ مؤدّب بمعنی معلّم بولا جاتا تھا۔''☆۷

انسانی تجربات و خیالات کو الفاظ کے جامے میں پیش کرنے کا ذریعہ جب سے ہمارے ہاتھ آیا ہے، اُس سے پہلے بھی انسان سوچتا تھا، محسوس کرتا تھا۔ اُس کے دل میں مختلف النوع کیفیات وارد ہوتی تھیں۔ اُس کے ذہن میں خیالات و ہیجانات کی لہریں اُبھرتی تھیں۔ اصوات کے ذریعے وارداتِ قلب و نظر کا اظہار ازمنہ قدیم میں بھی ہوتا تھا۔ اصوات کو رسم الخط کے ذریعے ضبطِ تحریر میں لانے، خیالات کو رنگ و روغن کے ذریعے صفحۂ قرطاس پر دکھانے، سنگ و خشت کے ذریعے اپنی عظمت کے محل اور اپنے تخیل کے تاج محل بنانے سے قبل جب انسان ادب و فن کے جدید وسائلِ اظہار سے ناآشنا تھا۔ اُس وقت بھی آواز و صوت، اشارات اور حرکات و سکنات کا وسیلہ اظہار اُسے دستیاب تھا۔ انھی تمام وسائلِ اظہار نے انسان کے اوّلین فنون کو جنم دیا۔

یہاں تک کی گفتگو سے یہ بات تو شاید کسی حد تک واضح ہوگئی ہے کہ انسان نے اظہارِ ذات کے لیے ہمیشہ کسی نہ کسی فن کو اپنا وسیلہ بنایا۔

انسانی تخیل اور اُس کی تخلیقی کاوشوں کی جس کھوج میں ہم روانہ ہوئے ہیں اُس کی راہیں نسبتاً واضح اور ہموار ہو جائیں گی اگر ہم آگے بڑھنے سے پہلے ''فن'' یعنی Art کی کوئی تعریف متعین کرلیں۔

کسی بھی لفظ یا اصطلاح کی ایک تعریف متعین کرنے کا کم سے کم ایک فائدہ تو ضرور ہوتا ہے اور وہ یہ کہ بات کو تہذیب و تنظیم کی باقاعدگی میں جاری رکھا جا سکتا ہے۔ یورپ اور امریکا کے ان دانش وروں جنھوں نے اپنے طور پر نظریہ سازی کی ذمّے داری اُٹھا رکھی ہے، نے فن کی تعریف کرنے کا ایک مخصوص طریقۂ کار اپنایا ہوا ہے۔ وہ لفظ آرٹ اور اُس کے لغوی معنی سے بحث کرتے ہیں اور اُس کے نتیجے میں آرٹ کے جوہر کی ایک تعریف متعین کردیتے ہیں۔ آثارِ قدیمہ کے ماہرین کے دریافت کیے ہوئے آرٹ کے قدیم نمونوں کے تجزیے اور دنیا کی بڑی بڑی تہذیبوں میں پائے جانے والے آرٹ کی تشریح و تحسین کے سلسلے میں تو یقیناً یہ ایک نہایت عملی اور مفید طریقہ ہے، لیکن ہم اپنے سلسلۂ کلام کو جن جہتوں میں جاری رکھنے کی نیت رکھتے ہیں اُس کے لیے یہ طرزِ استدلال شاید کام نہ آسکے۔ لہٰذا ہم یہاں دوسرا طریقہ استعمال کرتے ہیں۔ ہم یوں کرتے ہیں کہ اُس پورے عرصۂ عمل کو جس پر مختلف تہذیبوں اور زمانوں میں اس لفظ کا اطلاق ہوا ہے نگاہ میں رکھ کر ایک ایسی تعریف متعین کرنے کی کوشش کرتے ہیں جو صرف آرٹ کے جوہر سے ہی نہیں بلکہ اُس کی عملی صورت سے بھی بحث کرتی ہو۔ ممکن ہے کہ اس طرح ہم کچھ بہتر نتائج پیدا کرنے

میں کامیاب ہو جائیں۔

مفہوم کے اعتبار سے لفظ آرٹ خاصی وسعت رکھتا ہے۔ ہم اپنے سلسلۂ کلام کو جاری رکھنے کے لیے ''فن''، یعنی آرٹ کی یہ تعریف متعین کرتے ہیں کہ فن دراصل انسانی عمل کی اُن تمام جہتوں پر محیط ہے جن میں انسان ساختوں، صورتوں اور اشکال کے ذریعے خوب صورتی کو تلاش کرتا ہے، اُس کا ادراک کرتا ہے یا اُس کا ابداع کرتا ہے۔

ہماری اس تعریف پر دو اعتراضات ہو سکتے ہیں۔ پہلا اعتراض تو یہ ہو سکتا ہے کہ فن کی تخلیق میں ساخت، صورت یا شکل کو تخلیقی عنصر کے طور پر فن کا لازمی حصہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔ مثلاً جیکسن پولاک (Jakson Pollock) تجریدی اظہاریت (Abstract Expressionism) کی نمائندگی کرتے ہوئے کہتا ہے کہ دس ہزار سال کی مصوری کی تاریخ میں صرف ایک چیز مشترک ہے، شے۔ لہٰذا اب ایک نیا آرٹ تخلیق کرنے کے لیے ضروری ہے کہ شے سے جان چھڑا لی جائے۔ اس سلسلے میں ہم یہی عرض کریں گے کہ شے سے چھٹکارا پانے کے بعد انسانی عمل اور فنی مواد، چاہے وہ الفاظ ہی کیوں نہ ہوں، کے تعامل سے جو کچھ بھی وجود میں آئے گا وہ کسی نہ کسی ساخت میں تو بہر حال ہوگا۔ چناں چہ یہ تو ہمیں بہر حال ماننا ہی پڑے گا کہ اس سہ ابعادی کائنات (Three Dimensional Univers) میں رہتے ہوئے فن کا ظہور شے کے بغیر ممکن نہیں ہے، خواہ وہ شے ادنیٰ سے ادنیٰ درجے پر ہی کیوں نہ موجود ہو یا وجود میں آئے۔ شے کے ساتھ ساخت کا تصور جزو لاینفک کے طور پر اس صورت جڑا ہوا ہے کہ ان کا الگ الگ فہمِ انسانی حواس سے بالاتر ہے۔ ساخت اپنی سب سے موہوم شکل میں ادبی متن (Literary Text) کی صورت میں ہوتی ہے۔ لیکن:

> ''ادب کی گفتگو صرف متون کے سلسلوں، ادبی پیرایوں، منجمد ہیئتوں یا صنفوں کے نہ بدلنے والے مجموعے کے طور پر نہیں کی جا سکتی۔ کسی بھی شے یا بنائی ہوئی چیز کی جمالیاتی قدر کا احساس ایک سماجی عمل ہے، جو دراصل رائج آئیڈیالوجی سے یکسر بے تعلق نہیں ہوتا۔ سماجی تبدیلیوں کی تاریخ گواہ ہے کہ انسان کی بنائی ہوئی کئی اشیا جو اوّلاً کوئی جمالیاتی قدر نہیں رکھتی تھیں بعد میں جمالیاتی قدر کی حامل سمجھی جانے لگیں، مثلاً مذہبی نوعیت کے نشانات، گھریلو استعمال کے یونانی ظروف، فوجی حفاظت کے زرّہ بکتر اور خود (ہندوستانی ثقافت سے اس کی ہزارہا مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں، جن پر گندھارا اور بدھ آرٹ کی بنیاد ہے۔ قدیم چھوٹی بڑی مورتیاں، مجسمے، نیز اجنتا، ایلورا کی نقاشی اور بت تراشی اور کونارک اور دوسرے قدیم مندروں

کی مجسمہ سازی جو بنیادی طور پر پوجا وغیرہ کے لیے تھی) آج انھیں آرٹ قرار دیا جاتا ہے۔[۸]

دوسرا اعتراض یہ ہوسکتا ہے کہ جمال کی تلاش، اُس کا ادراک یا اُس کی تخلیق فن کے لازمی جزو کے طور پر تسلیم کیا جانا ضروری نہیں ہے۔ انیسویں اور بیسویں صدی میں رونما ہونے والی کتنی ہی تحریکیں ایسی ہیں جو خوب صورتی، حسن اور جمال کو اپنا مطمحِ نظر قرار نہیں دیتیں۔ ڈاڈاازم(Dadaism) کو مثال کے طور پر پیش کیا جاسکتا ہے۔ اس سلسلے میں ہمارا کہنا یہ ہے کہ یہ درست ہے کہ فی الوقت دنیا بھر کے آرٹ میں ایسے رجحانات پائے جاتے ہیں جن کو ہم مسلکِ قبح(Cult of Ugliness) میں شامل کرسکتے ہیں لیکن اگر اس نوعیت کی فنی تحریکوں کا ذرا گہری نظر سے جائزہ لیا جائے تو یہ بات بالکل واضح ہوجاتی ہے کہ جو چیز یہ تحریکیں ردّ کرتی ہیں وہ فی نفسہٖ جمال نہیں ہے، بلکہ تصورِ جمال ہے۔ ان تحریکوں کا دعویٰ یہ ہے کہ ہم جس چیز کو قبیح کہتے ہیں اُس میں بھی جمال موجود ہوتا ہے، لیکن ذرا مختلف انداز میں اور حسن و قبح چوں کہ اضافی صفات یا قدریں ہیں، اس لیے جمال کی تلاش یا تخلیق ایک متعینہ دائرے میں رہ کر کرنا ہی غلط ہے۔ ہم اس موقف سے اتفاق کریں یا نہ کریں، موقف بہر حال یہی ہے۔ اس طرح یہ اعتراض بھی ہمارے لیے قابلِ قبول نہیں ہے۔ جب ہم نے یہ طے کرلیا کہ انتہائی مجرد سطح پر بھی فن کی تعریف میں جو چیزیں یعنی ساخت اور جمال داخل ہیں، تو اب آگے کی ساری گفتگو انھیں کے گرد گھومے گی اور انھیں دو عناصر کے مختلف مرکبات (Combinations) سے بحث کرے گی۔

چلیے اب کسی حد تک یہ بات تو طے ہوگئی کہ ہم نے فن کے جوہر اور عرض (Essence And Attribute) کا تعین کرلیا۔ جوہر یعنی تلاشِ جمال، ادراکِ جمال یا تخلیقِ جمال اور عرض یعنی جمال کو تخیّل کی مدد سے کسی ہیئت، شکل یا ساخت میں ڈھالنا۔ ہیئت یا ساخت کے بارے میں گفتگو تو ہم ان شاء اللہ ذرا آگے جا کر کسی مناسب موقع پر کریں گے، فی الحال یہ معلوم کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ جسے ہم جمال یا خوب صورتی کہتے ہیں، یہ کیا ہے؟ اس کی ماہیت کیا ہے؟ نوعیت کیا ہے؟ اور اس کا انسانی تخیّل اور انسان کے تخلیقی عمل سے کیا تعلق ہے؟[۹]

سیّد عابد علی عابد نے فن کی تعریف کا تعین کرتے ہوئے ایک مغربی مفکر کا قول نقل کیا ہے اور پھر اُس قول کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے:

> فطرت پر انسان کے تصرف کا نام آرٹ ہے۔ یہ محض فن کا ذکر ہے، فنونِ لطیفہ کا نہیں۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ فطرت، آرٹ کے خام مواد کی طرح ہے۔ انسان اس خام مواد کو اپنے تخیّل سے خوب صورت پیکروں میں ڈھال کر فنونِ لطیفہ

کے نمونے پیش کرتا ہے[۱۰]

لغتِ فلسفہ میں مورو(Morrow) نے ارسطو کے متعلق یہ بیان دیا ہے:

ارسطو کے نظام میں آرٹ اُس اصلِ اصول کا علم یا مطالعہ ہے جس پر حسین یا مفید اشیا کی تخلیق مبنی ہوتی ہے۔

ون توری(Venturi) نے نسبتاً جو مفصل تر نوٹ لکھا ہے، اُس میں وہ کہتا ہے کہ آرٹ اپنے معانیِ مخصوصہ میں فنونِ لطیفہ سے عبارت ہوتا ہے اور ادب سے بھی۔ ون توری کے اس بیان سے یہ بات تو واضح ہو جاتی ہے کہ صرف شاعری ہی کو یہ عزت حاصل نہیں ہے کہ وہ فنونِ لطیفہ کی صف میں شامل ہو بلکہ تخلیقی نثر بھی فنونِ لطیفہ کی حد تک پہنچی ہوئی مل جاتی ہے۔ تخلیقی نثر کے فنی خصائص کے بارے میں نسبتاً تفصیلی گفتگو ہم اس مضمون کے اُس حصے میں جا کر کریں گے جہاں ہم عالمی ادب کی چیدہ چیدہ مثالوں کا جائزہ لیں گے۔

آرٹ کی یہ تعریف مان لینے کے بعد یہ انسان کی فطرت پر تصرف کا نام ہے۔ ہمیں لازماً اس اہم سوال کا سامنا کرنا پڑتا ہے کہ اُن فنون میں وہ خام مواد کیا ہے، جس پر انسان تصرف کرتا ہے؟

مصور تو رنگ اور خطوط سے کام لیتا ہے، سنگ تراش کسی دھات سے یا سنگِ مرمر سے اور بعض اوقات مٹی یا لکڑی سے، معمار سنگ و خشت سے، مغنی یا نوا گر صوتِ معین سے۔ یہاں تک تو مسئلہ صاف ہے مگر شعر اور تخلیقی نثر کے معاملے میں بات اُلجھنے لگتی ہے۔

ادب میں وہ خام مواد کیا ہے جس پر انسان اور اُس کی تخئیلی قوتیں تصرف کرتی ہیں؟... کیا الفاظ؟ اگر یہ جواب صحیح تسلیم کر لیا جائے کہ الفاظ ہی ادب کا موادِ خام ہیں تو پھر ہم نے جو موقف اختیار کیا ہے اُس کے مطابق منطقی طور پر الفاظ کا بامعنی ہونا ضروری نہیں۔ صرف یہ کافی ہے کہ وہ اپنی نشست کے اعتبار سے اور آہنگ و ترنم کے پیشِ نظر حسن کا شعور پیدا کرتے ہیں اور ظاہر ہے کہ یہ بات بالبداہت غلط ہے۔

اگر ہم ذرا کی ذرا اس بات پر غور کر لیں کہ عام فنون کی تخلیقات اور فنونِ لطیفہ کی تخلیقات میں کیا بیّن فرق ہے اور یہ کس طرح ایک دوسرے سے متمیّز کی جاتی ہیں؟ تو اس کا جواب یہ ملے گا کہ فنونِ لطیفہ میں یہ ضروری ہے کہ وہ انسان کے شعورِ حسن کو اور حسِ جمال کو اُکسائیں۔ اس کے برخلاف دوسرے فنون افادی حیثیت رکھتے ہیں۔[۱۱]

حسن یعنی جمال کو فطرتِ کائنات کا جوہر کہا جاتا ہے۔ اگر یہ بات درست مان لی جائے تو حسن فطرتِ کائنات کے جوہر کے طور پر ازلی و ابدی حقیقت قرار پاتا ہے۔ اور اس اعتبار سے یہی ایک قائم بالذات شے ہے، باقی سب عرض ہی عرض ہے۔ (عرض:Attribute) یہی وجہ ہے کہ فطرت کا تخلیق کردہ ہر پارہ ایک حسن پارہ نظر آتا ہے۔ منفرد و یکتا... ہر نقش کسی دوسرے نقش کے ساتھ مشابہت رکھنے کے باوجود اپنی انفرادی حیثیت رکھتا ہے۔ ہستی کے ہر نقش میں کچھ ایسے خصائل ہوتے ہیں جو نا قابلِ محسوس ہونے کے باوجود اُسے دوسرے نقوش سے منفرد رکھتے ہیں۔ غور کیا جائے تو اس انفرادیت میں کثرت اور مشابہت میں انفرادیت کا اظہار ہی تو دراصل حسن ہے۔

حسن جب معروضی (Objective) لحاظ سے صورت پذیر ہوتا ہے تو اُن محسوس اشیا (Objects) میں جاذبیت و دل کشی پیدا کر دیتا ہے اور ہم اُن اشیا کو خوب صورت کہتے ہیں اور جب یہی حسن کسی پیکرِ حیات میں موضوعی صورت (Subjective) اختیار کر کے اپنا اظہار کرتا ہے تو ہم اسے لذت و حظ، نشاط و طرب، سکینت و طمانیت اور راحت و مسرت جیسے ناموں سے پکارتے ہیں۔

حسن معروضی طور پر ظاہر ہو یا موضوعی طور پر اپنی اصل میں دل کش (Attractive) اور باعثِ تسکین (Satisfying) ہوتا ہے۔ فرق معنی و مفہوم میں نہیں بلکہ الفاظ میں ہے۔ معروضی حسن (Objective Beauty) اور موضوعی حسن (Subjective Beauty) کے اس نازک فرق کو نہ سمجھنے کے نتیجے میں فنونِ لطیفہ اور جمالیات (Aesthetics) میں چند ایسے مکاتیبِ فکر پیدا ہوئے جن کی وجہ سے انسانی فکر کو سوائے انتشار اور ژولیدگی کے کچھ حاصل نہ ہو سکا۔

جمال یعنی حسن کی نوعیت، ماہیت اور حقیقت کو فکری سطح پر جاننے کی کوشش و جستجو کا نام جمالیات ہے۔ تاریخی اعتبار سے دیکھا جائے تو جمالیات دراصل فلسفے کا ہی ایک ذیلی شعبہ ہے مگر حقیقتاً اپنی وسعت و گیرائی میں یہ انسانی زندگی کی تقریباً تمام جہتوں پر محیط ہے۔ انسانی علم اور تخلیقی کاوشوں کا غالباً کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جو جمالیات کے دائرۂ خیال میں نہ آتا ہو۔ جمالیات اپنی گہرائی اور گیرائی میں اپنے اندر وہ سب کچھ سمیٹے ہوئے ہے جو انسانی فکر و نظر کی طلب و جستجو کی دنیا سے تعلق رکھتا ہے۔

جمالیات یعنی Aesthetics یونانی زبان کے لفظ Aisthetiki سے اخذ کیا گیا ہے اور اسے آج کل کے مروجہ مفہوم میں سب سے پہلے الیگزنڈر جی بام گارٹن (Alexander G.Baumgarten) نے ۱۷۳۵ء میں استعمال کیا تھا اور اُس نے اس کا مفہوم متعین کرتے ہوئے لکھا تھا:

بام گارٹن کی اس تعریف سے جمالیات صرف ہمارے حسی ادراک تک ہی محدود ہو کر رہ جاتی ہے۔ مگر لوڈونگ وٹگن اسٹائن (Ludwig Wittgenstein) جمالیات کو ذرا واضح انداز میں بیان کرتا ہے:

Philosophical study of the qualities that make something an object of aesthetic interest and of the nature of aesthetic value and judgment. It encompasses the philosophy of art, which is chiefly concerned with the nature and value of art and the principles by which it should be interpreted and evaluated. Three broad approaches to the subject have been taken, each distinguished by the types of questions it treats as formast: (1) the study of aesthetic concepts, often specifically through the examinaion of uses of aesthetic language; (2) the study of the states of mind-responses, attitudes, emotions-held to be involved in aesthtic experience; and (3) the study of objects deemed aesthetically interesting, with a view to determining what about them makes them so.

جمالیات کسی چیز کے اُن خواص کا فلسفیانہ مطالعہ ہے جو اُسے جمالیاتی طور پر دل کش بناتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی جمالیات میں جمالیاتی قدروں اور ذوقِ جمال کا احاطہ کیا جاتا ہے۔ اس میں فن کا فلسفہ جس کا تعلق فن کی نوعیت اور ماہیت سے ہوتا ہے اور وہ اصول جن کے تحت فن کی ترجمانی کی جاتی ہے اور فن کی قدر و قیمت کو پرکھا جاتا ہے، بھی شامل ہے۔ جمالیات کے علم کو تین مختلف نقطہ ہائے نظر سے بیان کیا جاسکتا ہے جو دراصل تین مختلف نوعیت کے سوالات کی بنیاد پر قائم ہوتے ہیں۔ (۱) اُن جمالیاتی تصورات کا مطالعہ جو اپنی اصل میں جمالیات میں استعمال ہونے والی زبان کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ (۲) اُن ذہنی حالتوں، ردّیوں اور احساسات و جذبات کا مطالعہ جو جمالیاتی تجربہ کے ردِّعمل میں پیدا ہوتے ہیں۔ (۳) اُن اشیا کا براہِ راست مطالعہ جو جمالیات کے تحت زیرِ غور آتی ہیں کہ آخر اُن میں وہ کیا خواص ہیں جو اُن اشیا کو جمالیات کا موضوع بناتے ہیں۔☆۱۲

جیسا کہ بیان کیا گیا ہے کہ جمالیات فلسفے کی وہ شاخ ہے جو اصولی طور پر فن کی ماہیت اور فنی بصیرت کے معیارات کا تعین کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ سلسلۂ کلام کو آگے بڑھانے سے پہلے اگر ہم چند بنیادی تصورات (Basic Concepts) کی تعریف متعین کرلیں تو شاید جمالیات کو اپنے نقطۂ نظر سے بیان کرنے میں کچھ سہولت میسر ہوجائے گی۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے ہم جمالیات کی بنیادی قدروں (Basic Aesthetic Values) کی وضاحت کرنا چاہیں گے۔

مغربی تہذیب جمالیات کی بنیادی قدروں کا تعین کس طرح اور کن اصولوں پر کرتی ہے اس کی تفصیل تو ان شاء اللہ ہم آپ کو ذرا آگے جا کر بتائیں گے۔ فی الحال ہم قرآن حکیم کی تعلیمات کی روشنی میں جمالیات کی اساسی قدروں کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مگر اس کے لیے مغربی تصورِ جمال کے چند اہم نقطہ ہائے نظر کا ذکر کرنا ضروری ہوگا۔

جمالیات میں حسن کے متعلق جتنے نظریات مشہور و معروف ہیں، انھیں آسانی سے دو گروہوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ ایک وہ گروہ جو حسن کو موضوعی (Subjective) نقطۂ نظر سے قابلِ مشاہدہ خیال کرتا ہے اور حسن کی نوعیت و حقیقت کو اسی لحاظ سے سمجھتا اور بیان کرتا ہے۔ دوسرے گروہ کے خیال میں حسن معروضی (Objective) ہوتا ہے۔ اگر اس بات کو مبالغہ نہ سمجھا جائے تو بہت آسانی سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان دونوں گروہوں کے ذیلی طور پر بے شمار مکاتیبِ فکر موجود ہیں۔

حسن کو موضوعی طور پر بیان کرنے والے مفکرین اور دانش ور اس بات کے قائل ہیں کہ حسن خارجی دنیا میں کہیں موجود نہیں، بلکہ انسان کے اپنے اندر ہے۔ حسن قلب و نظر کی کیفیت کا نام ہے اور قلب و نظر میں موجود حسن کا اظہار ہی دنیا کی حسین اور دل کش چیزوں میں حسن پیدا کرتا ہے۔

سوداؔ جو تیرا حال ہے ایسا تو نہیں وہ
کیا جانیے تُو نے اُسے کس حال میں دیکھا

☆

دل تو میرا اُداس ہے ناصرؔ
شہر کیوں سائیں سائیں کرتا ہے

حسن کے موضوعی نقطۂ نظر کے بالکل برعکس حسن کے معروضی نقطۂ نظر کے حامیوں کا کہنا یہ ہے کہ حسن صرف خارجی دنیا میں موجود ہوتا ہے۔ اس گروہ کے نزدیک، چوں کہ حسن امرِ واقعی ہے اس لیے اُس کے احساس و شعور کے لیے حسِ جمال، ذوقِ جمال یا کسی بھی نوعیت کی باطنی قوت کی ضرورت نہیں ہے۔

جمالیات میں وہ نظریات جو حسن کو اظہار کا مرہونِ منت خیال کرتے ہیں اظہاری نظریات کہلاتے ہیں۔ یہ نظریات جو حسن (Beauty) کو اظہار (Expression) کا پابند کرتے ہیں تعداد میں خاصے زیادہ ہیں، مگر ہم اُن میں سے چند نظریات کے متعلق ہی بات کریں گے۔ ان میں سے چند نظریات موضوعی ہیں اور چند معروضی۔

موضوعی نظریات کے پس منظر میں سقراط (Socrates-469-399 B.C) سے پہلے کی یونانی فکر اہمیت کی حامل ہے۔ کیوں کہ اُس فکر نے بعد کے اَدوار پر بہت اہم اثرات ڈالے ہیں۔

کسی بھی قوم کے مذہبی عقائد اُس قوم کی ثقافت کا سرچشمہ ہوتے ہیں اور ثقافت اُس قوم کے جمالیاتی شعور کی نمائندہ ہوتی ہے۔ عہدِ قدیم میں یونانی اپنی عبودیت کا اظہار شعر، رقص اور سرود کے واسطے سے کیا کرتے تھے۔ اگرچہ ابتدا میں وہ ان دیکھے خدا کی ہی پرستش کرتے تھے، مگر رفتہ رفتہ بعض داخلی اور خارجی موٴثرات کے باعث انھوں نے مظاہرِ قدرت کو اپنا معبود بنالیا اور یوں وہ حقیقت کے باطنی پہلو کے منکر ہوتے چلے گئے۔ یونانیوں کی شہود پرستی آخرکار صنم پرستی کا سبب بن گئی۔ چوں کہ وہ لوگ فطرت کو الوہیت کا حسنِ مطلق کا مظہر تصور کرتے تھے اس لیے حسنِ فطرت ہی اُن کے نزدیک ذاتِ الٰہی کا پرتو تھا۔ لہٰذا حسن کا تسکین آفرینی، مسرت انگیزی اور کیف پروری ہی حسن کی پہچان مقرر ہوئی۔ دل کش بات یہ ہے کہ یونانی حسنِ فطرت کو معرفت اور تذکر کا سرچشمہ خیال کرتے تھے اور یہی بات اُن کے نقطۂ نظر کو موضوعی بنا دیتی ہے۔

قدیم یونانی عقیدے کی رُو سے ہر انسانی روح حقیقت اور ممکناتِ زندگی سے آشنا ہوتی ہے کیوں کہ یہ اپنی اصل میں عالمِ ارواح سے جو عالمِ حقیقت ہے، تعلق رکھتی ہے۔ لیکن جب یہ روح انسانی جسم میں مقید ہو جاتی ہے تو سب کچھ بھول جاتی ہے۔ اس بھولی ہوئی حقیقت و واقعیت اور ممکناتِ زندگی کو خارجی اور داخلی غور و فکر سے دوبارہ یاد میں لانے کو تذکر کہتے ہیں۔ انگریزی میں تذکر کے لیے مناسب ترین لفظ Reminiscence ہے۔ عورفیسی (Orphic) مذہب کے جو کتبے مقبروں سے دریافت ہوئے ہیں وہ سقراط، افلاطون اور ارسطو سے پہلے کے یونانی عہد کے شعورِ حسن پر روشنی ڈالتے ہیں۔ اُن کتبوں کے مطالعے سے اس بات کا سراغ ملا ہے کہ وہ لوگ حسنِ مطلق کے وصال ہی میں، جو اُن کے نزدیک فنافی الذات کے مترادف تھا، انسان کی نجات کو مضمر سمجھتے تھے۔ یعنی اس دنیا میں اگر حسنِ فطرت اُن کا معبود تھا تو آخرت میں بھی وہی اُن کی نجات کا بحرِ مسرت تھا۔ جس میں فنا ہو کر وہ خود بھی حسنِ مطلق بن جانا چاہتے تھے۔ حسن ہی چوں کہ اُن کا مطمحِ نظر اور مقصودِ زندگی تھا، اس لیے اُس کی عملی صورت کو وہ ''خیر''، ''صداقت''، ''حسن'' کی حالتوں میں ایک ہی حقیقت کے تین پہلو تصور کرتے تھے۔ ستیم۔ شیوم۔ سندرم۔

سقراط اور افلاطون کے خیال میں موجودات میں حسنِ مطلق کا اظہار اُس کے حسن کی وجہِ حقیقی ہے۔ دوسرا نظریہ رواقیوں (Stoics) کا ہے۔ کرائی سپس (Chrysippus) کے نظریۂ جمال کو اگر رواقیت (Stoicism) کا نمائندہ مان لیا جائے اور ایسا نہ ماننے کی بظاہر کوئی وجہ بھی موجود نہیں۔ تو پھر بہت وثوق سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ رواقیوں کے نزدیک مسرت اور افادیت کے مکمل ترین اظہار کا نام حسن ہے۔

آگے بڑھنے سے پیش تر یہ بتا دینا شاید مناسب ہوگا کہ ارسطو کے بعد یونان پر اجتہادِ فکر و نظر کے دروازے ایک مدت کے لیے بند ہو گئے۔ یہ بندش افلاطونس (Plotinus- 204-270 B.C) کے آنے تک مانی جا سکتی ہے۔ ارسطو کے مکتبِ فکر کو مشائیت (Peripatetic School) بھی کہا جاتا ہے۔ اسی طرح

افلاطونس کے مکتبِ فکر کو اشراقیت یا نوافلاطونیت (Plotinism) کہتے ہیں۔

بات یوں بنی کہ ارسطو سے افلاطونس کے دور تک تین مکاتیبِ فکر کا تذکرہ کیا جاسکتا ہے۔ تشکیکیت (Scepticlism)، ابیقوریت (Epicuriemism) اور رواقیت (Stoicism)۔ ان تینوں مکاتیبِ فکر میں تمام تر تنوع کے باوجود جمالیاتی نقطۂ نظر کا اشتراک موجود ہے۔

افلاطونس کے نظریۂ جمال کی ابتدا اس کائنات میں عقلِ کل کی موجودگی کو تسلیم کرنے سے ہوتی ہے۔ افلاطونس کا جمالیات سے متعلق نظریہ اس امر کا حق دار ہے کہ اُس کا مختصراً جائزہ لیا جائے۔

اس نظریے کا آغاز تین روحانی چیزوں سے ہوتا ہے جنھیں بعض عیسائی مفکرین متبرک تثلیث یا اقانیم ثلاثہ (Holy Trinity) بھی کہتے ہیں۔ یہ تین عناصر ہیں۔ الواحد (One)، نفس (Nous) اور روح (Spirit)۔

الواحد کا تصور ذرا مبہم سا ہے۔ یہ بہ یک وقت خدائے برتر و اعلیٰ بھی ہے اور ''الغیر'' بھی۔ یہ عقلِ کُل بھی ہے اور حقیقت و کمال کا منتہا بھی۔ یہ نور و حسن بھی ہے اور اُن کا سرچشمہ بھی۔

نفس سے مراد دل و دماغ کی وہ قوتیں ہیں جن کے مجموعے کو قلب بھی کہتے ہیں۔ دل سے مقصود قوتِ انفعال اور دماغ سے قوتِ تعقل و ادراک ہے۔ پڑھنے والوں کی دلچسپی کے لیے ہم یہاں مولانا ابوالکلام آزاد کی تفسیر ترجمان القرآن سے ایک اقتباس پیش کرتے ہیں:

> Nous جس کا تلفظ ''ناؤز'' کیا جاتا ہے، عربی کے ''نفس'' سے اس درجہ صوتی مشابہت رکھتا ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ ''ناؤز'' تعریب کا جامہ پہن کر ''نفس'' ہوگیا۔ اسی طرح نوئٹک (Noetic) اور ناطق اس درجہ قریب ہیں کہ دوسرے کو پہلے کی تعریب سمجھا جاسکتا ہے۔ چناں چہ رینان اور روزی نے نفسِ ناطقہ کو ''نوئٹک ناؤز'' کا معرب قرار دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ''ناطق'' نطق سے نہیں ہے بلکہ ''نوئٹک'' کی تعریب ہے، جس کے معنی ادراک کے ہیں۔ بعض عربی مصادر سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے کہ اصل یونانی الفاظ پیشِ نظر رکھے گئے تھے۔ نفس عربی لغت میں ذات اور خود کے معنی میں بولا جاتا ہے اور ارسطو نے عاقلانہ نطق کو انسان کی اصل قرار دیا ہے۔ اس لیے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عرب مترجموں نے یونانی تعبیر سامنے رکھ کر نفسِ ناطقہ کی ترکیب اختیار کرلی اور یہ تعریب خود عربی الفاظ کے مدلول سے بھی ملتی جلتی ہوئی بن گئی۔ (جلد اوّل، ص ۱۵۱) ☆[۱۳]

روح اگرچہ رُتبے میں نفس سے کم تر ہے، مگر عالمِ موجودات کی خالق یہی ہے۔ یہ عقلِ مطلق کی نوع

سے ہے۔روح کے دو حصے ہوتے ہیں۔ایک وہ جس کی توجہ کا مرکز نفس ہے اور دوسرا وہ جس کی توجہ خارجی دنیا پر ہوتی ہے۔مؤخرالذکر کا تعلق اُس نشیبی حرکت سے ہوتا ہے جس میں روح اپنا مثیل یا بروز پیدا کرتی ہے اور جسے فطرت یا کائنات کہتے ہیں۔

موضوعی نظریۂ جمال کے چار بڑے مکاتیبِ فکر ہیں۔ پہلے مکتبِ فکر میں رابرٹ وشر (Robert Visher)، لپس (Lipss) اور والکیٹ (Volket) قابلِ ذکر مفکرین ہیں۔اُن کے مطابق خارجی اشیا میں نظر آنے والا حسن اُن کا ذاتی وصف نہیں ہوتا، بلکہ مشاہدہ کرنے والے شخص کی ہم دردی اور شوق کے تحت الشعوری جذبات جب کسی شے سے ہم آہنگ ہوجاتے ہیں، تو وہ حسین و دل کش نظر آنے لگتی ہے۔ چناں چہ مشاہدہ کرنے والے کا سوزِ دروں ہی حسن کی صورت میں مشہود میں جلوہ گر ہوتا ہے۔

دوسرا نظریہ اُن مفکرین کا ہے جو مشاہدہ کرنے والے۔کے جذبات و احساسات کے مکمل اظہار کو حسن سے تعبیر کرتے ہیں۔ بام گارٹن (Baumgarten) اور کروچے (Croce) اس مکتبِ فکر کے نمایاں مفکرین میں شمار ہوتے ہیں۔

تیسرا نقطۂ نظر خالص نفسیاتی ہے اور اس کا بانی سگمنڈ فرائڈ (Sigmund Freud) ہے۔اس کے نزدیک حسن کا مبدا جنسی جبلت ہے۔

چوتھے گروہ میں شامل مفکرین بھی پہلے دو مکاتیبِ فکر سے تھوڑے بہت فرق کے ساتھ حسن کو انسان کے نہاں خانے میں ہی تلاش کرتے ہیں۔

حسن کو موضوعی نقطۂ نظر سے دیکھا یا پرکھا جائے یا جمالیات کی اساس معروضی نقطۂ نظر پر رکھی جائے۔دونوں نقطہ ہائے نظر میں ادھورے پن اور نقص کا احساس ہوتا ہے۔ان دونوں جمالیاتی نظریوں کو ایک دوسرے سے الگ اور بے تعلق کر کے دیکھا جائے تو بات کسی صورت مکمل نہیں ہو پاتی۔ بات دراصل یہ ہے کہ جمالیاتی تجربے میں معنی، صورت اور احساس یا مواد و ہیئت اس طرح شیر و شکر ہوتے ہیں کہ اُن کی تقسیم ناممکن ہے۔

انسان کی ایک دنیا یہ عالم زمان و مکان ہے اور دوسری اُس کے قلب (قلب = دل + دماغ) کی دنیا ہے۔وہ نہ تو داخلی دنیا سے باہر نکل سکتا ہے اور نہ خارجی دنیا ہی سے۔جب یہ دونوں جہاں اُس کے ہیں اور وہ اِن میں رہنے پر مجبور ہے تو پھر اپنے جمالیاتی تقاضوں کی تشفی کے لیے اُسے ان دونوں جہانوں کو حسین بنانا ناگزیر ہے۔انسان کی یہ سچی آرزو ہے جس کے پورا کرنے میں اُس کی اپنی ذات کی تکمیلِ مسلسل کا راز مضمر ہے۔انسان کو کمال کی آرزو ہے اور کمالِ متناہیت پر نہیں بلکہ کمالِ نو کے نقطۂ آغاز پر دلالت کرتا ہے۔ زندگی، حسن اور کمال ہمیشہ حالتِ ارتقا میں رہتے ہیں۔ کیوں کہ تینوں کا یہ خاصہ ہے:

کل یوم ھو فی شان O

ہر آن وہ نئی شان میں ہے۔(الرحمٰن۔۲۹)

ربنا اتمم لنا نورنا O

اے ہمارے رب! ہمارا نور ہمارے لیے مکمل کردے(التحریم۔۸)

حقیقت محض اپنی مجازیت میں موضوعی اور معروضی ہوتی ہے ورنہ وہ اپنی مطلق حیثیت میں صرف موضوعی ہے اور اُس کی موضوعیت کے ادراک و احساس کا جو ذریعہ ہے وہ صرف ایک ہے اور وہ ہے قلب۔ قلب کے معروضی رُخ کا نام حواس ہے۔ قلب و حواس کے رشتہ و پیوند پر ان شاء اللہ ہم آگے کہیں بات کریں گے۔ قلب انسان کی ایسی موضوعی قوتوں کا سرچشمہ ہے جو اپنی نوعیت میں فعلی اور انفعالی دونوں ہیں۔ انفعالی قوتوں کے مبدا کو دل کہا جاتا ہے۔ فعلی قوتوں کا ماخذ دماغ ہے۔ دماغ بہت سی قوتوں کا سرچشمہ ہے۔ تذکر۔ تفکر۔ تعقل۔ تصور اور تخئیل وغیرہ۔

قوتیں فعلی ہوں یا انفعالی۔ تعلق دونوں اقسام کا بہر حال قلب سے ہی ہے اور قرآن کی جمالیات قلب کی اسی حیثیت پر استوار ہے۔ مگر یہ بات ذرا وضاحت طلب ہے۔

حواشی

☆۱۔ کئی چاند تھے سرِ آسماں۔ شمس الرحمٰن فاروقی

☆۲۔ تہذیب اور فنونِ لطیفہ۔ سراج منیر۔ روایت ۲۔ ص ۴۴۔۴۳

☆۳۔ T.S.Eliot- Selected Essays

☆۴۔ T.S.Eliot - Tradition and the Individual Talent

☆۵۔ سورۃ المائدہ۔ ۳۱۔ ۲۷۔ ترجمہ سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ

☆۶۔ بوطیقا۔ ارسطو۔ ص ۴۲، انجمن ترقی اردو (ہند)

☆۷۔ ساختیات، پسِ ساختیات اور مشرقی شعریات۔ گوپی چند نارنگ، ۱۰۳

☆۸۔ اسلوب۔ سیّد عابد علی عابد، ص ۳

☆۹۔ اسلوب۔ سیّد عابد علی عابد، ص ۴

☆۱۰۔ Ludwing Wittgenstein- Lectures and conversations on Aesthetics, Psychology, and Religious Belief - 1966, P-111

☆۱۱۔ آرزوئے حسن۔ ڈاکٹر نصیر احمد ناصر

☆۱۲۔ E.M. Bartlett- Types of Aesthetic Judgment

☆۱۳۔ W.Proudfoot Begg- The Development of Taste, and other studies in

Aethetics

☆ یہ بے ثمر سوچ کہ مجھے کیا ہونا چاہیے تھا،
مجھے سدا کرب میں مبتلا رکھتی ہے۔
زمستانِ شمال کی بادِ سرد نے
اُجاڑ دیا ہے میرا چمن۔
اور میرا بیٹا کہیں کھو گیا ہے
سرزمینِ مغرب میں۔
(کرسٹینا روزیٹی)

☆ میں گزرتے روز و شب پر
ڈالتا ہوں نظر
اور لاحاصل کا دُکھ بے چین رکھتا ہے مجھے
خارزارِ زندگی میں، خوں چکاں میرا وجود
(شیلے)

☆ Prototype۔ اصل۔ مثالیہ۔ پہلا نمونہ

An original thing or person of which or whome copies, imitations, improved forms, representations, etc. are made.
(Reader's Digest Oxford Wordfinder-1993)

☆ Personification۔ تجسیم۔ تمثیل۔

The act of personifying a person or thing viewed as a striking example of a quality. (Reader's Digest Oxford Wordfinder-1993)

☆ Basic Premise۔ بنیادی دعویٰ۔ بنیادی قضیہ۔

The basic statement or argument from which an inference is made.

☆ Dadaism۔ فن مصوری کا ایک جدید انداز۔ ایک طرزِ فکر

Dadaism is a modern art movement founded in Zurich in 1916 which, against the background of disillusionment with world war1, attacked traditional artistic values. The name, which is French for "rocking horse" was chosen at random from dictionary. The founders included poets such as Tristan Tzara (1887-1966). As well as artists such as Hans Arp (1887-1966).

☆ Cult of Ugliness۔ مسلکِ قبح۔ بدصورت بھی خوب صورت ہے۔

Cult of Ugliness, Ezva Pound's phrase, powerfully summarizes the ways in which modernists such as Pound, T.S.Eliot, Wyndhan Lewis, and T.E. Hulme- the selfstyled "Men of 1914" responded to the "horrid or sordid or

disgusting" conditions of modernity by vadically changing aesthetic theory and literary practices. Only the representation of "Ugliness", they protested, would produce the new, truly "beautiful" work of art.

☆ Canto۔رزمیہ مثنوی کی ایک ذیلی تقسیم۔

Cant is a sub-division of an Epic-comparable to a chapter in a novel outstanding examples of its use are tobe found in Dante's Divina Commedia, Spenser, Faerie Queene, Pope's The Rape of the Lock and Byron, Childe Harold.

(عربی ادب کی تاریخ،جلد اوّل،ڈاکٹر عبدالحلیم ندوی،بحوالہ:فی الادب الجاہلی،ڈاکٹر طہٰ حسین)

☆ The science of how things are known via the senses.

{☆}

گوہر ملسیانی۔ صادق آباد

اخلاقِ محسنِ انسانیت ﷺ نعت کے آئینے میں

حسن و جمال کی وادیوں میں، فطرت کی دل کش رعنائیوں میں، زندگی کی پُر بہار و پُر مسرت لمحوں میں، خالقِ کائنات کی جملہ نشانیوں میں۔ انسانیت کا شاہ کار، احسنِ تقویم اور اشرف المخلوقات کے منصب پر فائز ہونے والی ہستی جسے آدم علیہ السلام کا اسمِ گرامی دیا گیا اور عظمتِ انسانیت کو منوانے کے لیے جسے فرشتوں سے سجدہ کرایا گیا، وہ ارض و سمٰوات کی تمام ذی روح مخلوقات میں افضل اس لیے قرار دیا گیا ہے کہ اسے علم کی دولت سے مالا مال کیا گیا، تحیز خیر و شر کی نعمت سے نوازا گیا ہے۔ پھر وسیع و عریض کائنات کو آراستہ کر کے اسے سامانِ زیست فراہم کیا گیا۔ اس کی ذمّے داریوں میں خلیفۃ اللہ کا منصب اس لیے زیادہ وقعت اور باعثِ رفعت و فضیلت ہے کہ وہ ربّ کائنات کا نمائندہ ہے اور اس کے احکام کے نفاذ کا فریضہ اس کے سپرد ہے۔ اس کی تخلیق کی خصوصیات میں عبودیت کی ذمّے داری اُسے اس فرمان پر غور و خوض کرنے کی دعوت دیتی رہتی ہے کہ وما خلقت الجن و الانس الا لیعبدون۔ ’’اور ہم نے جن اور انسان کو اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ میری بندگی کریں۔‘‘

آدم علیہ السلام کی یہ ذرّیت اس میدانِ عمل میں بڑھتی چلی گئی۔ دنیا کے مختلف خطوں میں آباد ہوتی رہی اور خالقِ کائنات کی رضا و خوش نودی کے حصول کے لیے کچھ تو شیطانیت کے پنجۂ ظلم و ستم سے بچتی رہی اور باقی شر کی قوتوں کا ساتھ دیتی ہوئی غلط روی کا شکار ہوتی رہی۔

انھی خیر کی اطاعت گزار ذرّیت میں گروہِ انبیاے کرام تشریف لائے۔ جنھیں بنی نوع انسان کی رہنمائی کے لیے منتخب کیا گیا۔ جنھیں علم و عرفان، فکر و وجدان کی میراث عطا کی گئی اور صحیفۂ وحی کے ذریعے اس دنیا کے اندر اللہ کی کبریائی اور وحدت والوہیت کا کلمہ بلند کرنے کا فریضہ سونپا گیا۔ انھیں انسان کے مقصدِ حیات سے بہرہ مند کیا گیا۔ انھیں خداے ارض و سمٰوات نے ہر خوبی اور ہر جمال سے منور کیا۔

حضرت امام بخاری علیہ الرحمۃ کا قول ہے:

’’جس طرح ماں باپ اپنی اولاد کو سنوارتے ہیں، اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو سنوارتا اور

مزین کرتا ہے۔"

انھی نفوسِ قدسیہ میں سے اللہ تعالیٰ نے ایسی برگزیدہ ہستی کو منتخب کیا جو خاتم النبیین اور رحمت اللعالمین ﷺ ہیں۔ آپ پر آخری کتابِ نور و ہدایت نازل فرمائی۔ اسی کتابِ مبین میں:

انک لعلی خلق عظیم

کی سند جاری کر کے ازل سے ابد تک آنے والے پورے عالمِ انسانیت میں آپ کو بلند ترین مقام پر فائز کر دیا۔ یہی نہیں آپ کی فضیلت و احترام کے ظہور کو واضح کرنے کے لیے خود دُرود و سلام بھیجا اور فرشتوں کو بھی یہ فرض سونپا، بلکہ اُس عظیم ہستی پر دُرود و سلام بھیجنے کا فرمان پورے بنی نوع انسان کے لیے جاری فرمایا:

ان اللّٰہ و ملٰئکتہ یصلون علی النبی یا ایھا الذین امنوا صلو علیہ وسلموا تسلیما.

ترجمہ: اللہ تعالیٰ اور اس کے ملائکہ نبی پر درود بھیجتے ہیں۔ اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، تم بھی اُن پر دُرود و سلام بھیجو۔

خالقِ کائنات نے جس طرح اپنے پیغمبر، محسنِ انسانیت، حضرت محمد ﷺ کی تزئین و آرائش فرمائی، اسی طرح آپ کو اخلاقِ حسنہ کا کامل و اکمل نمونہ بنا دیا۔ آپ کی فضیلت و عظمت کا منھ بولتا ثبوت شبِ اسریٰ کا وہ سفر ہے جس میں ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر صف در صف کھڑے ہوئے اور سیادتِ عامہ اور امامتِ عظمیٰ کا فریضہ سرورِ کائنات ﷺ نے ادا کیا۔

وہ پیکرِ عظیم جس کے لیے خود ربِّ کائنات نے ارشاد فرمایا:

و رفعنا لک ذکرک o

اور تمھاری خاطر تمھارے ذکر کا آوازہ بلند کیا۔

یہ سربلندی، یہ منصبِ جلیلہ اولادِ آدم میں صرف سردارِ یکتائے انسانیت ﷺ کے لیے ہے اور مشرق و مغرب میں ہر جگہ، ہر مقام پر، صبح و مسا، روز و شب، خالقِ ارض و سمٰوات کے ذکرِ ربوبیت والوہیت کے بعد ذکرِ رفعتِ ہادیِ برحق ﷺ گونجتا رہتا ہے۔ گویا:

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

اللہ تعالیٰ نے سیّد البشر ﷺ کو جہاں زندگی کے ہر شعبے میں رہنمائی کا فریضہ انجام دینے کے لیے تیار کیا، بنی نوع انسان کو دنیوی اور اُخروی فلاح سے ہم کنار کرنے کے لیے اوصافِ جمیلہ سے نوازا، وہاں آپ کو اخلاقِ حمیدہ کی تمام خصوصیات کا حامل بھی بنایا۔ سنن کبریٰ بیہقی میں یہ حسین تذکرہ بھی موجود ہے:

الحمد للّٰہ الذی حسن خلقی و خلقی

سب تعریفیں اس اللہ کی ذات کے لیے ہیں جس نے میری تخلیق اور میرے اخلاق ہر دو کو مزین فرما دیا ہے۔

اس اخلاقِ حسن کی تصدیق تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اس ارشاد سے بھی ہوتی ہے:

کان خلقه القرآن

آپ کا اخلاق قرآن تھا۔

یاد ہے بات مجھے حضرت صدیقہ کی
آپ کا خلق بھی قرآن ہے سبحان اللہ
(حفیظ تائب)

یہ شہادت تو آپ کی رفیقۂ حیات کی ہے جن کے سامنے کتابِ اخلاق کا ایک ایک ورق بلکہ ایک حرف روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کیوں کہ اس عطیۂ ربانی کا اظہار کہ انک لعلی خلق عظیم آپ رضی اللہ عنہا کے سامنے ہوا، بلکہ آیاتِ ربانی کا نزول آپ رضی اللہ عنہا کے حجرۂ مبارک میں ہوتا رہا۔ رسولِ اکرم ﷺ خود بھی حضرت عائشہ سے گہری محبت کا دَم بھرتے ہیں۔ آپ کی گفتار، کردار، حسنِ سلوک، ایثار و قربانی، صبر و شکیب اور ہر خانگی اور عوامی معاملہ اُم المومنین رضی اللہ عنہا کے ادراک کا حصہ رہا۔ محفلِ فکر ہو یا ذکر، صحنِ مسجد نبوی میں مشاورت کا اجتماع ہو یا بیرونی وفود سے گفت و شنید سب معاملات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ کے سامنے واقع ہوتے تھے۔ اس لیے اخلاقی اقدار کا نور جتنا حضرت عائشہ کے دل و دماغ پر برسا ہوگا، کسی دوسرے کے ہاں اس قدر ضیائیں نہیں برسیں ہوں گی۔ اسی لیے صحابہ کرام رحلتِ سیّد کونین ﷺ کے بعد آپ رضی اللہ عنہا سے رجوع کرتے تھے۔

اس اخلاق کے کامل ترین نمونہ کی شہادت خود آں حضرت ﷺ کے اس ارشاد سے بھی ملتی ہے جب رحمتِ عالم ﷺ نے فرمایا:

بعثت لاتمم المکارم الاخلاق جب کہ ایک روایت میں بعثت لاتمم حسن الاخلاق۔

میں اس لیے بھیجا گیا ہوں کہ اخلاقی خوبیوں کو کمال تک پہنچا دوں۔

قرآن حکیم نے ایک اور مقام پر آپ کے اخلاق کی عظمت و فضیلت کے سوال کو احسن طریقے سے حل کر دیا ہے۔

قل ان صلاتی و نسکی و محیای و مماتی للّٰہ رب العٰلمین o
لاشریک لہ و بذالک امرت و انا اوّل المسلمین o

(انعام: ۱۶۲، ۱۶۳)

ترجمہ: (اے محمد) کہہ دیجیے، میری نماز، میرے تمام مراسم عبودیت، میرا جینا اور میرا مرنا سب کچھ اللہ ربّ العالمین کے لیے ہے۔ جس کا کوئی شریک نہیں، اسی کے لیے مجھے مامور کیا گیا ہے اور میں اوّل المسلمین ہوں۔

قرآن کریم کی یہ آیت حضور علیہ السلام کے اعلیٰ ترین اخلاق کے بارے میں بیان کرتی ہے، بے شک یہ علو اخلاق کا بلند ترین مقام ہے۔

پیغمبرِ اسلام ﷺ کو اپنی لازوال کوششوں، اپنی روزمرہ زندگی، اپنے افعال اور اپنے پیغمبرانہ اعجاز سے اخلاقِ عالیہ کی تکمیل کے۔لیے مامور کیا گیا تھا، آپ کو اخلاقِ مروّجہ کی تشہیر کے لیے نہیں بھیجا گیا تھا بلکہ آپ کو ان اخلاقِ عالیہ اور اخلاقِ حسنہ کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا تھا جو آپ کی بعثت سے قبل مفقود تھے۔

مختصر یہ کہ آپ اوّل المسلمین تھے اور آپ کی مثل کوئی دوسرا نہیں تھا۔ یہ مکارمِ اخلاق اسی طرح ناقص رہتے اگر اللہ تعالیٰ کی مرضی کے ساتھ آپ انھیں مکمل نہ کرتے۔

ان مباحث سے یہ نتیجہ سامنے آتا ہے کہ قرآن حکیم کے حکم کے مطابق سرورِ عالم ﷺ نے خود ان اخلاقِ عالیہ پر عمل کر کے دکھایا، اِن پر عمل کرنے کا حکم صادر فرمایا اور ان اعمالِ رذیلہ سے ہمیشہ اجتناب فرمایا جن سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا۔ یعنی تشکیلِ معاشرہ اور اُمتِ بیضا کی فضیلت میں ان دونوں زاویوں پر زور دیا، ارشادات کے ساتھ ساتھ عملی اقدام پر بھی توجہ فرمائی۔ پہلی شاخ میں شامل جن فضائل کا اظہار فرمایا اور ان کے اجر و ثواب کا مژدہ سنایا وہ حسبِ ذیل ہیں:

خوش اخلاقی، عفو و درگزر، حلم و تحمل، صلح جوئی، توکل، خوش کلامی، اطاعتِ والدین، رحم، غصّے کو پی جانا، حیا، صلۂ رحمی، راست گفتاری، ایفائے عہد، عبادت، تعزیت، مہمان نوازی، سخاوت، میانہ روی، اجازت طلبی، حیوانوں پر رحم، زبان کی حفاظت، سادگی، استغنا، غربا کی اعانت، اکلِ حلال، مشورہ، سلام، بچوں پر شفقت، عدل و انصاف، انکسار، تواضع، باہمی امداد، صداقت و امانت وغیرہ۔

دوسرے ارشادات جو ممانعت کے زمرے میں آتے ہیں، یہ ہیں:

خیانت، دروغ گوئی، قطع رحمی، تمسخر، بدگمانی، غیبت، دریوزہ گری، بے حیائی، بخل، حسد، بغض و کینہ، تکبر، ریاکاری، بدکرداری وغیرہ۔ (خیر الخلائق)

اس سلسلے کی آخری بات... ''خلقِ عظیم ہونے کا بالکل فطری اور منطقی مفہوم یہ ہے کہ انسانیت کو اس کا خالق جس درجۂ کمال پر پہنچانا چاہتا تھا وہ محمد ﷺ کی شخصیت میں جلوہ گر ہو گیا۔ اب قیامت تک نہ کوئی اس درجۂ کمال کو پہنچے گا نہ لائقِ اتباع ٹھہرے گا۔ ہر آنے والے کو خواہ وہ مہدی ہو یا مسیح موعود، محمد ﷺ کی اتباع کرنی ہوگی۔ اب نہ کسی کی شریعت چلے گی، نہ کوئی غیر مشروط اطاعت و فرماں برداری کا مرکز بنے گا، نہ کسی پر وحی نازل ہوگی، نہ کتاب، حکمت اور میزان اُترے گی، کیوں کہ ان سب کے نزول کا مقصد اسوۂ حسنہ اور خلقِ عظیم کی صورت میں پورا ہو گیا ہے۔ اب کوئی نیا نبی آ کر کیا کرے گا۔ کیا وہ انسان کے اخلاق کو اس کے آگے لے جا سکے گا جہاں محمد ﷺ اسے چھوڑ گئے؟'' (نقوش، رسول نمبر ۵)

حقیقت یہ ہے کہ خود اللہ تعالیٰ نے اس اخلاقِ حسنہ کی تکمیل پر مہر ثبت کر دی اور خود رسولِ اکرم ﷺ نے حجۃ الوداع میں تصدیق کر دی۔ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان اُمتِ مسلمہ کو بھی بشارت دیتا ہے کہ تمھاری عظمت و فضیلت کا دار و مدار اطاعتِ نبی اکرم ﷺ پر ہے جن پر دین و اخلاق کی تمام رفعتیں مکمل ہو گئیں۔

> الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا۔ (المائدہ:۳)
>
> ترجمہ: آج مَیں نے تمھارے دین کو تمھارے لیے مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی اور تمھارے لیے اسلام کو تمھارے دین کی حیثیت سے قبول کر لیا ہے۔
>
> ''دین کو مکمل کر دینے سے مراد اس کو ایک مستقل نظامِ فکر و عمل اور ایک ایسا مکمل نظامِ تہذیب و تمدن بنا دینا ہے جس میں زندگی کے جملہ مسائل کا جواب اُصولاً یا تفصیلاً موجود ہو اور ہدایت و رہنمائی حاصل کرنے کے لیے کسی حال میں اس سے باہر جانے کی ضرورت پیش نہ آئے۔ نعمت تمام کرنے سے مراد نعمت ہدایت کی تکمیل کر دینا ہے اور اسلام کو دین کی حیثیت سے قبول کر لینے کا مطلب یہ ہے کہ تم نے میری اطاعت و بندگی اختیار کرنے کا جو اقرار کیا تھا اس کو چوں کہ تم اپنی سعی و عمل سے سچا اور مخلصانہ اقرار ثابت کر چکے ہو، اس لیے مَیں نے اسے درجۂ قبولیت عطا فرمایا ہے۔'' (ترجمہ: قرآن مجید از سیّد ابوالاعلیٰ مودودی)

چناں چہ نظامِ مکارمِ اخلاق بھی جو دین کا ایک شعبہ ہے خود بخود رحمتِ عالم ﷺ پر مکمل ہو گیا۔ اب ہادیٔ برحق ﷺ سے محبت کا نظام بھی پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا، جس کی بنا پر مومن کا فرض بن گیا ہے کہ وہ محسنِ انسانیت ﷺ سے محبت کا فرض ادا کرے، کیوں کہ رسولِ اکرم ﷺ سے محبت درحقیقت باری تعالیٰ ہی سے محبت ہے۔ قرآن میں اس کی وضاحت موجود ہے۔

قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ و یغفرلکم ذنوبکم.
واللہ غفور رحیم ہ (آلِ عمران:۳۱)

ترجمہ: اے نبی! لوگوں سے کہہ دو کہ اگر تم حقیقت میں اللہ سے محبت رکھتے ہوتو میری پیروی کرو۔ اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمھاری خطاؤں سے درگزر فرمائے گا وہ بڑا معاف کرنے والا اور رحیم ہے۔

پھر خالقِ کائنات نے رسولِ اکرم ﷺ کے اسوۂ حسنہ کو زندگی گزارنے اور کامیابی حاصل کرنے کا بہترین نمونہ بھی قرار دیا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کے لیے اطاعتِ رسول ﷺ بنیادی شرط ہے اور اس سے اللہ خوش ہوتا ہے اور اپنے مومن بندوں سے محبت کرتا ہے۔ اسی طرح اللہ یہ بھی تقاضا کرتا ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کے اسوۂ حسنہ یا اخلاقِ حسنہ کی پیروی کرو۔

من یطع الرسول فقد اطاع اللہ۔ (النسا:۸۰)

ترجمہ: جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے دراصل اللہ کی اطاعت کی۔

اللہ ربّ العزت نے جناب رسالت مآب ﷺ کو اس کائنات کے ہر زمانے اور ہر فردِ انسانی کے لیے رہبر و رہنما، رحمت للعالمین اور خلقِ عظیم کا مثالی نمونہ بنا کر مبعوث فرمایا۔ زمان و مکاں کی قیود جب تک قائم رہیں گی، محسنِ انسانیت ﷺ کی رسالت کا دائرہ قائم و دائم رہے گا۔ اسی طرح رحمت عالم ﷺ کا رخشندہ وتابندہ اسوۂ حسنہ بھی ہر انسان کی زندگی کا نور بنے گا۔ آپ کا حسنِ اخلاق... جذبۂ ترحم، معاشرتی و معاشی ضیا بارکردار، اُمتِ اسلامیہ کی صلاحیتوں کو پُر بہار بنانے کے لیے اور دنیا میں نیکی کی عمل داری کے لیے آپ کی اخلاقی اقدار مہر عالم تاب کی طرح تاباں رہیں گی۔ دنیا میں تمام نسلِ آدم سرورِ کائنات کے اخلاقِ پُرانوار سے مستنیر ہوتے رہیں گے۔

انسانیت کے اس ہجوم میں ایسی لطیف روحیں ہر عہد میں موجود رہی ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے جذبات واحساسات، تفکر و تخیل، قوتِ مدرکہ اور تخلیقی استعداد سے نوازا ہے۔ ان کی قوتِ باصرہ، قوتِ متخیلہ اور قوتِ ممیزہ جہاں باری تعالیٰ سے علمی اور وجدانی رعنائیاں پاتی رہی ہیں، وہاں اُس کے محبوب پیغمبر کے حسن و جمال، سیرت و کردار، اخلاق و اطوار اور اسوۂ پُرانوار سے بھی فیض یاب ہوتی رہی ہیں۔ پھر ان حیات افروز دنیاؤں کا ادراک کر کے اپنے خیالات کا اظہار مدحتِ محبوبِ ربّ جلیل ﷺ کی صورت میں صفحۂ قرطاس پر ثبت کرنے کی سعی کرتی چلی آرہی ہیں۔

خالقِ کائنات کا یہ حسنِ انتخاب ہے کہ کسی کو اپنے جذبات و واردات کے اظہار کے لیے نثر کا ادبی میدان فراہم کیا ہے اور کسی کو نظم کی تابندگی سے ضیا بار کیا ہے۔ کیسے کیسے تاب ناک شہ پارے، کیسے کیسے

پُر بہار تصورات اور کیسے کیسے پُر انوار جذبات و احساسات سیرتِ محسنِ انسانیت ﷺ کے درخشاں گوشہ ہائے اخلاق کو منصۂ شہود پر لانے کی سعی کرتے ہیں۔

تاریخِ ادب کے مختلف ادوار کے شہ پاروں اور شاہ کاروں کا جائزہ لیجیے تو آپ مشاہداتی نظر سے دیکھیں گے کہ ایک طرف سیرت نگار اپنی نثری تالیفات و تخلیقات میں لولوئے لالہ کی ضیاپاشی سے قلب و نظر کو حسن و جمالِ حیاتِ طیبہ سے مسحور کر رہے ہیں تو دوسری طرف نعت گو حضرات اپنی سخن طرازی کے جوہر دکھاتے ہوئے مختلف موضوعات و مضامینِ اخلاقِ حسنہ و سراپا نگاری کے اظہار کے لیے تشبیہات و استعارات اور محاکاتی شان و شوکت کے گہرہائے گراں مایہ لُٹاتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ دونوں ہی اظہارِ عظمت کے شاہ کار اور زندگی بخش ہیں۔ محققین و نقاد ہر مدحیہ تحریر کو وہ نظم ہو نثر نعت کی ذیل میں شامل کرتے ہیں۔ حافظ محمد افضل فقیر نے اس امر کی تائید کرتے ہوئے کس قدر محبت کا اظہار کیا ہے:

> اللہ تعالیٰ ہمارے کرم فرما ڈاکٹر ریاض مجید کو ہمیشہ خرم و خوش دل رکھے، موصوف سے فیصل آباد میں ملاقات ہوئی تو فقیر نے انھیں اس نظریے کا کہ کلام منظوم ہو یا منثور، نعت حضور سرورِ کائنات ﷺ ہے۔ سب سے پہلا موید پایا۔ (''نعت رنگ'' شمارہ نمبر۲، صفحہ ۱۷)

اردو شاعری کے آغاز میں نعت کی وہ روایت میسر نہیں آتی جو بیسویں صدی کے نصف آخر سے عصرِ حاضر تک تاریخ کا درخشاں باب ہے۔ اردو کے کلاسیکی شعرائے کرام کے دواوین کا مطالعہ کیا جائے تو یہ التزام ملتا ہے کہ حمد و نعت سے اُن کا آغاز ہوتا ہے۔ البتہ شعرائے کرام نے مدحتِ سرورِ کونین ﷺ کو میلادالنبی ﷺ کے جلسوں میں صلوٰۃ و سلام کی صورت میں تخلیق کیا ہے۔ ایسی محفلیں برپا ہوتی تھیں جس میں عام لوگ شریک ہوتے اور نعت خواں شعرائے کرام کی سراپا نگاری، حسن و جمال اور شمائلِ رسولِ اکرم ﷺ کی مظہر نظمیں اور گیت وغیرہ پیش کرتے۔

پھر ایسا دور بھی آیا کہ قصیدہ اور مثنوی جیسی اصنافِ سخن تخلیق ہوئیں جن میں حسن و جمال کے ساتھ ساتھ عشق و شیفتگی، سیرت کے مختلف پہلو اور قلبی واردات کے اظہار کے لیے گل ہائے رنگ رنگ عقیدت و محبت سے پیش کیے جانے لگے۔ عشقِ رسول ﷺ میں سرشار نعت گو اپنے عجز اور ایمان، تعلقِ خاطر اور خلوص سے لبریز اشعار پیش کرتے اور علم و آگہی کے چراغ جلاتے۔ یہ ایسے مدحت نگار بھی تھے جن کے دل میں رحمتِ عالم ﷺ کی محبت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ اُن کے ہاں دکھاوا اور بڑائی کی خواہش نہیں تھی۔ قرآن و حدیث کا مطالعہ گہرا تھا پھر وہ اس بات سے بھی خوف زدہ رہتے تھے کہ کوئی ایسا حوالہ، ایسی ترکیب اور ایسی تشبیہ و استعارہ نہ استعمال ہو جائے جو اُن کے لیے عذاب کا موجب بنے، اس لیے اُن کے کلام میں

غلو اور تعلی نہ تھی۔ اسی وجہ سے ان کے ہاں موضوعات و مضامین کی فراوانی نہیں۔ خاص طور پر ہمیں اُن کے ہاں سیرت و کردار، اخلاق و اسوۂ حسنہ کے پہلو کم تعداد میں ملتے ہیں۔

جوں جوں معاشرتی و معاشی ترقی، علمی تفوق، مغربی تہذیب اور اسلام دشمنی، مغرب کی جابرانہ اور وسعت پرستانہ حرص و ہوس پھیلیں تو نعت گو کے ہاں بھی مضامین کے جدید رنگ سامنے آنے لگے۔ محسنِ انسانیت ﷺ کی زندگی کا ہر پہلو زمانے کی ضرورت بنتا گیا۔ چناں چہ اسوۂ حسنہ یا اخلاقِ حسنہ کے گہرہائے گراں مایہ نعت کے کینوس پر چمکنے لگے۔

نعت کے ان زندہ جاوید خیالات و تصورات جن میں ارادتِ قلبی، اتباعِ سنتِ نبوی، تعلیماتِ قرآنی اور علم و آگہی کی تابانی موجود ہے۔ عصرِ حاضر کے نعت نگاروں کی متاعِ عزیز بن چکے ہیں۔ عقیدت و محبت کے جذبات کی دل کش کرنیں اپنی بہار دکھاتی ہیں۔ ارفع و اعلیٰ اور عظیم موضوعات کو تہذیب و شائستگی کے اسلوب سے مملو اشعار میں بیان کیا جا رہا ہے۔ کیسے کیسے حرف و صوت کے موتی اپنی چھب دکھاتے ہیں۔ نعت گو شعرائے کرام کو خیالات و تصورات کی ایسی رفعت ودیعت کی گئی ہے کہ سراجِ منیر ﷺ کے جمالِ کردار، حسنِ حیات اور تقدسِ اخلاق کے انوار قلب و نور کو جگمگاتے جاتے ہیں۔ یہ دَور اردو نعت کا دور ہے۔ سراپائے احمدِ مجتبیٰ ﷺ کے ساتھ ساتھ سیرتِ سرورِ کائنات ﷺ کی تجلیات اور حالاتِ حاضرہ کے پُر آشوب لمحات میں جہدِ سپہ سالارِ اعظم ﷺ کی تابانیاں نعت گوؤں کو وسیلۂ اظہار عطا کرتی ہیں۔ نعت کی صنف کا کینوس اس قدر وسیع ہو چکا ہے کہ موضوعات میں عالم گیریت کا رنگ ظاہر ہونے لگا ہے۔ اب یہ صنف تبرک ہی نہیں۔ عشق و عقیدت اور سیرتِ مطہرہ کی جلوہ گری کو ادب کے پُر وقار معیار کی معراج بن چکی ہے۔

ثنائے خواجۂ بطحا ﷺ میں شعرا کی یہ تمنائیں تڑپتی ہوئی ملتی ہیں کہ اخلاقِ سیّدِ کونین ﷺ کے پھولوں سے مشامِ معاشرہ کو مہکائیں اور اپنی عقیدت کا اظہار کرتے ہوئے ایوانِ مدحت کو ضیا بار کرتے جائیں:

سبق دے کر زمانے کو محبت کا اخوت کا
منظم کر دیا عالم کے اوراقِ پریشاں کو
(منظور حسن منظور)

خلق میں، عدل میں، کوئی نہیں اُن کا ثانی
اُن کو اخلاقِ کریمانہ کا پیکر لکھنا

اس کی ذاتِ اقدس وجہِ تخلیق دو عالم ہے
وہی دینِ ہدیٰ کا، خلق کا پہلا معلم ہے

لقب دیا ہے انھوں نے امین و صادق کا
ہیں اُن کے خلق و شرافت کے معتبر اغیار
(حافظ لدھیانوی)

خلق کی خوش بو تمام ادوار میں رچ بس گئی ہے
باغِ ہستی میں کھلایوں ان کی شفقت کا گلاب (صبیح رحمانی)

خیر مجسم پیکر اُس کا، خلق ہے اُس کا سب سے اعلیٰ
اُس نے دیا ہر زخم کو مرہم، ہر دکھیا کے درد کا درماں (حافظ لدھیانوی)

خلیق آیا، کریم آیا، رؤف آیا رحیم آیا
کہا قرآن نے جس کو صاحبِ خلقِ عظیم آیا (جگن ناتھ آزاد)

اپنے خلقِ عظیم سے جس نے
کرلیا ساری خلق کو مسحور (حفیظ تائب)

صاحبِ خلقِ عظیم آپ کی ذاتِ اقدس
وجہِ صد عظمت انساں ہیں رسولِ عربی (حفیظ الرحمٰن احسن)

آنکھوں میں ہے اس خلقِ مجسم کا تصور
اک خلا مسرّت مری نظروں کے قریں ہے (صوفی تبسم)

سلام اے صاحبِ خلقِ عظیم، انساں کو سکھلا دے
یہی اعمالِ پاکیزہ، یہی اشغالِ روحانی (حفیظ جالندھری)

ہمہ آیۂ نور و خلقِ مجسم
تو محبوبِ یزداں و نورِ ہدا ہے (عبدالعزیز خالد)

بنا اخلاق کی قائم ہوئی خلق و مروت سے
اسی میزان پر اسلام کا پلہ گراں دیکھا (سہیل بنارسی)

بابِ کرم، محرابِ ترحم
خیرِ مکمل، خلقِ مجسم (عابد حشری)

ہے وہ خورشیدِ اخلاق خیرالبشر
جس سے پاتا ہے ہر آدمی روشنی (اعجاز رحمانی)

عمل سے آپ نے آقا دکھا دیا ہم کو
دلوں کو جیت لے، تاثیر وہ زباں میں ہے (جمال نقوی)

غنچے عظیم خلق کے، کلیاں خلوص و مہر کی
چٹکیں دوش دوش سدا، طیب کے بوستان میں (راقم الحروف)

خلقِ عظیم، اسوۂ کامل حضور کا
آدابِ زیست سارے جہاں کو سکھا گیا (حفیظ تائب)

سرورِ کون و مکاں ﷺ نے اپنے عملِ حسین سے اخلاق کے جواہر پارے لُٹائے، جن میں دائمی تحریم وتکریم اور مثالی اخلاقی اقدار کی رعنائیاں ہیں۔ اسی لیے تو آپ کو خلقِ عظیم کا معمار کہا گیا ہے، جس میں حق و صداقت کی جملہ صفات ہیں اور آپ کی تعمیر کردہ عمارت اس قدر پائے دار ہے کہ اس کی خوب صورتی دنیا کے آخری لمحے تک قائم و دائم رہے گی۔ اس سلسلے میں برِفو (Briffautt) نے جو کچھ The Making of Humanity میں کہا ہے، وہ بھی رحمتِ عالم ﷺ کی اخلاقی اقدار سے حاصل کردہ ہے۔

مثالی اخلاقیات کی کیسی ہی عظیم الشان عمارت آپ تعمیر کریں اگر وہ باطل کو مٹا کر اس کی جگہ حق کو قائم کرنے سے قاصر ہے، تو وہ بے معنی چیز ہے۔ اس اوپری عمارت کو اخلاقیات کی عمارت نہیں کہا جاسکتا۔

اخلاق کی اس اہمیت کو نعت گو بھی حرزِ جاں بناتے ہیں۔ اُن کی زندگیاں اگر رسولِ اکرم ﷺ کی محبت سے لبریز نہیں، اُن کا عشق اگر سیّد عالم ﷺ کی زندگی سے منور نہیں، اُن کے خیالات و جذبات تعلیماتِ معلمِ اعظم ﷺ سے پُر جمال نہیں تو اُن کے اشعار بھی بے معنی اور بے مقصد ہوں گے۔ اُن کی فکر کے سوتے جب بحرِ اخلاقِ رسول ﷺ سے فیض پائیں گے تو اُن کا نعتیہ کلام بھی پُرتاثیر ہوگا۔ کیوں کہ:

انساں کو آکے آپ نے انساں بنا دیا
انسانیت کے رنگ میں تھا آدمی کہاں (صابر گیلانی)

بلکہ تمام اُمتِ محمدیہ ایک ہی صف میں شامل ہوگی۔

ایک ہی صف میں بیٹھے گا ہر آدمی
یہ مدینے کے والی کا دستور ہے (اقبال نجمی)

شعرائے حمد و نعت کی کیفیت تسلیم شدہ ہے کہ ان کے جذبات و احساسات اور اظہارِ خیالات کا رُخ اوّلین خدا کی طرف ہوتا ہے جو نفسِ اعلیٰ و کامل ترین ذات ہے جو نفسِ انسانی کا ملجا و ماویٰ ہے اگر خدا کی ہستی کے سوا کسی اور شے کو ہم منشائے حیات اور غایت ہستی قرار دیں گے تو یہ حق کے خلاف اور نفسِ انسانی پر ظلم ہوگا۔ اب اس کے ساتھ یہ بھی حقیقتِ عظمیٰ ہے کہ محمد ﷺ کے آخری نبی ہیں جن پر تمام اخلاقی اقدار مکمل ہو چکی ہیں اور ان کا فرض بھی یہ تھا کہ انسانی شخصیت کی تعمیر و تشکیل کا فریضہ ادا کریں۔ بنی نوع انسان کو نیکی کے خوگر بنائیں اور گناہوں سے اجتناب کا درس دیں۔ انھی صفاتِ عالیہ کو ہم اخلاقِ محسنِ انسانیت ﷺ قرار دیتے ہیں اور شعرائے نعت نے صفتِ اخلاق کو نعت کا موضوع بنایا، اور پکار اُٹھے:

خیر ہی ذی روح کی خیرالوریٰ، خیرالانام
خیر ہر انسان کی خیرالبشر، خیرالبشر
صاحبِ خلقِ عظیم و صاحبِ لطفِ عمیم
صاحبِ حق، صاحبِ شق القمر خیرالبشر
آدمی کا اوّلیں درد آشنا، شاہِ ہدیٰ
آ گہی کے آخری پیغام بر، خیرالبشر (حفیظ تائب)

آپ کا اسوہ ہے کامل، ہر عمل حسنِ عمل
آپ کی تعلیم سے آیا، جہاں میں انقلاب
ہر طرف پھیلی ہے خوش بو آپ کے افکار کی
قول سب قولِ حسن، اخلاق سب ہیں لاجواب گوہر ملسیانی

مرے آقا کی ہستی سے کمالِ حق ہویدا ہے
جہاں اِنس و اخلاق و مروّت اس سے پیدا ہے (راجا رشید محمود)

آپ کے علم و عمل کی ہے گلستاں میں بہار
آپ کے اخلاق کی چاہت مرا سرمایہ ہے

کردار بے مثال ہے اسوہ ہے لاجواب
خلقِ عظیم آپ کا عکسِ کتاب ہے (گوہر ملسیانی)

دنیا میں ہیں نمونہ، خلقِ عظیم آپ
نازاں ہے جس پہ عظمتِ کردار آپ ہیں (طاہر شادانی)

مہکتا ہے گل اخلاق کی خوش بو سے ہر آنگن
ضیائے سیرتِ سرکار سے ہر گھر چمکتا ہے (حفیظ تائب)

جود و سخاوت

آیئے نعت کے ادبی کینوس پر اخلاقِ عظیم اور اسوۂ حسنہ کے مضامین کی جلوہ نمائی میں شعرائے کرام کے حسنِ خیال کی جمال آفرینیاں دیکھیں۔ عصرِ حاضر میں بڑھتی تاریکیوں، کدورتوں، حرص و ہوس کی آندھیوں، بدکرداری کی خصلتوں، غیبت و دروغ گوئی کے گھومتے بگولوں اور بے حیائی اور ریاکاری کے طوفانوں کے سامنے بند باندھتی ہوئی اخلاقِ نبوی کی قوتوں اور ضیاؤں کا مشاہدہ کریں۔ یہ تجلیات اگرچہ

نعت کی صنف میں وسیع نہیں ہیں، لیکن جس قدر موجود ہیں اسوۂ رحمت للعالمین ﷺ کی تجلیات اور اخلاقِ عالیہ کے فضائل سے مالا مال ہیں۔

پاکستان ہی نہیں دنیا کے ہر حصے پر مفلسی کے بادل چھائے دکھائی دیتے ہیں۔ مفلسی کی شرح زیادہ سے زیادہ ہوتی چلی جارہی ہے۔ غریب، غریب تر اور امیر، امیر تر ہوتا جارہا ہے۔ دولت کے پجاری، حرصِ اقتدار کے دیوانے اور ملکی دولت پر قابض صنعت کار و جاگیردار اور اب محافظانِ وطن سے لے کر عام تاجر تک عوام کو لوٹنے میں مصروف ہیں۔ یتیم، مسکین، حاجت مند، غریب اور کم وسائل رکھنے والے لوگ نامساعد حالات میں خودکشیوں پر مجبور ہیں۔ ان حالات میں اخلاقِ نبوی کی جود و عطا اور سخاوتِ بے بہا صنفِ نعت میں اپنی بہار دکھاتی ہے۔ سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والتحیات کی فیاضی اور فراخ حوصلگی دنیا میں بے مثال تھی۔ یہ جود و سخاوت، نمود و نمائش کے شائبہ سے پاک تھی۔ آپ کی روزمرہ زندگی میں ایسی جود و عطا کی مثالیں دمکتی ملتی ہیں کہ دنیا کے فیاضوں کی عملی زندگی پرکاہ کے برابر نظر آتی ہے۔

بروایت حضرت جابر بن عبداللہ ؓ، محسنِ انسانیت ﷺ کی فیاضی کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ کبھی زبانِ فیض ترجمان سے کسی سائل کے لیے بھی ''نہیں'' نہیں نکلا۔

(صحیحین از مشکوٰۃ، ص۴۴۲)

اسی طرح ابنِ عباس ؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ لوگوں میں سب سے بڑھ کر فیاض تھے اور رمضان میں تو معمول سے کہیں زیادہ فیاض ہوجاتے تھے۔ (بخاری)

آپ کے جود و سخا کی یہ کرنیں اس قدر دل ربا ہیں کہ شعرائے کرام نے نعت کو ان کرنوں سے منور کیا ہے:

دامن کشا ہیں در پہ زمانے کے تاجور
جود و سخا میں تیرے برابر نہیں کوئی
دیکھا نہیں تجھ ایسا کوئی جود و سخا میں
حاتم سے فزوں تیری سخاوت کا زمانہ (حنیف ساجد)

آپ کے اس جود و سخا کے متعلق جو حضرت سعید خدری ؓ بیان کرتے ہیں۔ یہ اشعار اخلاقِ حسنہ کی اسی تصویر کو پیش کرتے ہیں کہ ایک دفعہ انصار میں سے بعض نے رسول اللہ ﷺ سے کچھ مانگا۔ آپ نے انھیں عطا کردیا، انھوں نے دوبارہ دستِ سوال دراز کیا۔ آپ نے دوبارہ اُن کو عنایت فرمایا۔ وہ بار بار سوال کرتے رہے اور آپ عطا فرماتے رہے۔ یہاں تک کہ ساری رقم جو آپ کے پاس تھی، ختم ہوگئی۔ اب آپ نے فرمایا، تم لوگ اطمینان رکھو جو کچھ میرے پاس ہوگا، تم سے بچا کر نہیں رکھوں گا۔ (صحیحین)

معدنِ جود و سخا، کانِ حیا، شمعِ ہدیٰ
مرحبا شوکتِ کردار، رسولِ عربی (محمد اکرم رضا)

جہد و عمل بھی، استغنا بھی، سعی و طلب بھی، جود و سخا بھی
گھر گھر روشن، شمعِ ہدایت، صلی اللہ علیہ وسلم (روش صدیقی)

کرم کا مرکز و مصدر ہے آستانِ رسول
سخاوتوں کے خزانے جہاں لٹائے گئے (حافظ لدھیانوی)

پائی نہ تیرے لطف کی حد سیّد الوریٰ
تجھ پر فدا مرے اَب و جد سیّد الوریٰ (حفیظ تائب)

جو مصدرِ مہر و محبت تھا جو منبعِ جود و سخاوت تھا
مخلوق کے سر پر سایہ فگن وہ محسنِ اعظم آج بھی ہے (محمد عبداللہ انور)

☆

بحرِ کرم ہیں، چشمۂ جود و سخا ہیں آپ
کانِ عطا ہیں، فیض کے مصدر ہیں مصطفےٰ

آپ بحرِ کرم، چشمۂ جود ہیں
فیض پاتے ہیں شاہ و گدا آپ سے

میں اس بحرِ کرم، اس ابرِ گوہر بار پر قرباں
سخا و جود کے، اس قلزم زخار پہ قرباں (ضیا محمد ضیا)

واہ کیا جود و کرم ہے شہِ بطحا تیرا
''نہیں'' سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا (احمد رضا خاں بریلوی)

لباسِ حرف میں ڈھالوں کردارِ حسیں اُن کا
امیں لکھوں، اماں لکھوں، غنی لکھوں، سخی لکھوں (حافظ لدھیانوی)

ہم ہیں کشکولِ تمنا، ہم ہیں دستِ احتیاج
آپ کی عادتِ کرم ہے، آپ کا شیوہ عطا (عاصی کرنالی)

آپ کی سخاوت کی ایک روایت حضرت انسؓ نے بیان کی ہے کہ ''ایک شخص نے نبی کریم ﷺ سے بکریاں مانگیں جو دو پہاڑوں کے درمیان تھیں۔ آپ نے وہ سب اُسے دے دیں۔ وہ شخص اپنی قوم کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ اے لوگو! مسلمان ہو جاؤ بخدا محمد اتنا کچھ دیتے ہیں کہ محتاجی کا ڈر نہیں رہتا۔'' (مسلم)

محسنِ انسانیت ﷺ نے دیا ہی نہیں، حد درجہ فیاضی دکھائی اور اپنے اور پرائے کی تخصیص نہیں رکھی۔

حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی نے سخاوت کی اس حسین ادا کا کتنا خوب صورت اظہار اس شعر میں کیا ہے:

ہاتھ جس سمت اُٹھا غنی کر دیا
موجِ بحرِ سخاوت پہ لاکھوں سلام
(مولانا احمد رضا خاں بریلوی)

سخاوت کے یہ درخشاں زاویے ہر شاعر کے جذبات کو اپنی لپیٹ میں لے لیتے ہیں اور اُن کا اسلوبِ بیان بھی دِل رُبا بن جاتا ہے، دیکھیے:

وقفِ سخاوت دستِ کرم، سقفِ عنایت آپ کا پرچم
خلقِ مجسم خوے محمد صلی اللہ علیہ وسلم (سیماب اکبرآبادی)

بعد خدا ہر ایک سے افضل، اشرف و اکمل، اطیب و اجمل
اصدق و اعدل، اجود و احکم صلی اللہ علیہ وسلم (اقبال سہیل)

سلام اُس پر کہ تھا جو عفو و صبر و شکر کا پیکر
سخا و عدل و احساں میں نہیں جس کا کوئی ہم سر (طاہر شادانی)

رسولِ ہاشمی جیسی جہاں میں
نہیں کوئی سخاوت، جانتا ہوں

نہیں ثانی کوئی اُن کا، سخاوت میں، شرافت میں
محبت کے جو پیکر ہیں، مرے مولا، مرے آقا (گوہر ملسیانی)

کوئی خالی ہاتھ اُن کے دَر سے نہ آیا
عجب بخت والے ہیں واں جانے والے (تہنیت النسا بیگم تہنیت)

فقیر کیوں نہ عطاؤں کے تذکرے چھیڑیں
سوال سے بھی جنھیں پیش تر دیا تُو نے (حفیظ تائب)

ہے درِ جود و سخا پر بے نواؤں کا ہجوم
تو سخی ایسا ہے جس نے سب کا دامن بھر دیا (حافظ لدھیانوی)

صدق و راست گفتاری

اخلاقِ حسنہ کی یہ سب سے اعلیٰ صفت ہے جسے ہر پیغمبر کی فطرت میں ودیعت کیا گیا ہے۔ امانت و

دیانت اور ایفائے عہد بھی اس شجرِ وصف کی شاخیں ہیں۔ سرورِ عالم ﷺ کی شانِ صداقت کی گواہی تو آپ کے بدترین دشمن بھی دیتے تھے۔ بعثتِ رحمت للعالمین ﷺ سے قبل بھی مکّہ کا ادنیٰ و اعلیٰ فرد، بچہ بچہ سب آپ کو صادق وامین پکارتے تھے۔

ہادیِ برحق ﷺ پر جبلِ نور کی غارِ حرا پر جب پہلی وحی نازل ہوئی اور آپ اس بارِ گراں سے مضطرب ہوئے اور اسی عالمِ اضطراب میں گھر تشریف لائے تو آپ کی رفیقۂ حیات اُم المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے الفاظ آپ کی راست گفتاری، صداقت وامانت پر مہرِ تصدیق ثبت کرتے ہیں جو آپ کے اخلاقِ حسنہ پر بے ساختہ آپ کی زبان سے ادا ہوئے:

> آپ غم نہ کھائیں، اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی ضائع نہیں کرے گا بلکہ آپ کو سرفراز فرمائے گا کیوں کہ آپ اقربا سے حسنِ سلوک (صلہ رحمی) کرتے ہیں، ہمیشہ سچ بولتے ہیں، یتیموں اور مسکینوں کی دست گیری فرماتے ہیں، مہمان نوازی کرتے ہیں۔ گرے پڑے لوگوں (محتاجوں، درماندوں) کی مدد کرتے ہیں۔ امانت دار، خوش خصال، نیک فطرت اور بلند حوصلہ ہیں۔

(صحیحین وسیرتِ کبریٰ)

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا: ''صدق (سچائی) نیکی کی راہ دکھاتا ہے اور نیکی جنت میں لے جاتی ہے اور آدمی سچ بولتا رہتا ہے، یہاں تک کہ وہ صدیق ہو جاتا ہے اور جھوٹ فسق وفجور کی طرف لے جاتا ہے اور فسق وفجور دوزخ میں لے جاتا ہے اور آدمی جھوٹ بولتا رہتا ہے، یہاں تک کہ وہ خدا کے ہاں کذّاب (بڑا جھوٹا) لکھا جاتا ہے۔''

نبوّت کے چوتھے سال جب حکمِ الٰہی کے مطابق رسولِ اکرم ﷺ نے اپنے قریبی رشتے داروں کو کوہِ صفا پر اسلام کی دعوت دینے کے لیے ''یاصباحا'' پکارا اور صدائے بلند سے قریش کے قبائل کو پکارا تو سب لوگ جمع ہو گئے۔ رحمتِ دارین ﷺ نے فرمایا:

> لوگو! اگر مَیں تم سے کہوں کہ اس پہاڑ کے دوسری جانب ایک بھاری لشکر تم پر حملہ کرنے کے لیے تیار کھڑا ہے، تو کیا تم میری بات پر یقین کرو گے؟

سب نے بہ یک زبان جواب دیا: ''ہاں! بے شک یقین کریں گے کیوں کہ ہم نے آج تک آپ کو کبھی جھوٹ بولتے نہیں سنا۔''

اللہ اللہ! کس قدر آپ کی راست گفتاری پر یقین ہے۔ زبانِ عدو بھی اقرار کرتی ہے۔ مولانا الطاف حسین حالؔی مسدسِ مدوجزر میں اس واقعے کی دل کش تصویر کھینچتے ہیں:

وہ فخرِ عرب زیبِ محراب و منبر　　تمام اہلِ مکّہ کو ہمراہ لے کر
گیا ایک دن حسبِ فرمانِ داور　　سوئے دشت اور چڑھ کے کوہِ صفا پر
یہ فرمایا سب سے کہ اے آلِ غالب
سمجھتے ہو تم مجھ کو صادق کہ کاذب
کہا سب نے قول آج تک کوئی تیرا　　کبھی ہم نے جھوٹا سُنا اور نہ دیکھا
کہا اگر سمجھتے ہو تم مجھ کو ایسا　　تو باور کرو گے اگر میں کہوں گا؟
کہ فوجِ گراں پشتِ کوہِ صفا پر
پڑی ہے کہ لوٹے تمھیں گھات پا کر
کہا تیری ہر بات کا یاں یقیں ہے　　کہ بچپن سے صادق ہے تُو اور امیں ہے
کہا اگر مری بات یہ دل نشیں ہے　　تو سُن لو خلاف اس میں اصلاً نہیں ہے
کہ سب قافلہ یاں سے ہے جانے والا
ڈرو اس سے جو وقت ہے آنے والا
(حالی)

ساقیِ کوثر ﷺ کے گل صدق وراست گفتاری کی جوئے دل نواز مدحت کے چمنستانوں میں بھی مہکتے ملتے ہیں۔آپ کی سیرتِ اقدس کا ایک ایک لمحہ اور واقعات کا ایک گوشہ صداقت کے نگینوں سے دمکتا ہے۔

صداقتیں بے نیام تیری، حقیقت سب غلام تیری
نوازشیں خاص و عام تیری، عنایتیں تری ذوالجلالی
(نادم صابری)

کردیا تیرگیِ کذب و ریا کو معدوم!!!
دہر میں عدل و صداقت کی ضیا میرے حضور
(ندیم نیازی)

بصیرتوں کا ہے مظہر وہ چہرۂ روشن　　صداقتوں کا نشاں ہے جبینِ سرورِ دیں
شمعِ ایماں ہر دلِ تاریک میں روشن ہوئی　　چہرۂ اقدس پہ انوارِ صداقت دیکھ کر
ان کا ثانی کوئی پیدا ہو نہیں سکتا کبھی　　صدق میں، اخلاص میں، گفتار میں، کردار میں
(حفیظ تائب)

ہادی بھی آپ نازِ ہدایت بھی آپ ہیں　　صادق بھی اور یقینِ صداقت بھی آپ ہیں
(ادا جعفری)

درسِ کتابِ صدق و صفا آپ نے دیا　　　دنیا کو اک پیامِ خدا آپ نے دیا
(حفیظ شاہد)

ادب، انکسار، غنا، حیا، غم حشر، صدق و صفا، دعا
جو یہ سات رنگ ہوئے بہم تری شخصیت کی بنی دھنک
(نعیم صدیقی)

ہر قول ترا حرفِ صداقت کا ہے ضامن　　　ہر فعل ترا حسنِ ارادت کا امیں ہے
(صوفی تبسم)

وہ لوگ بھی صداقت کہتے تھے اُن کی بھی نگاہوں میں تھے امیں
جو راہ میں کانٹے بوتے تھے، رکھتے تھے جو دل میں آپ سے کد
(نیر مدنی)

کیوں ہر کوئی کہے نہ تجھے صادق اور امیں　　　ہے ابتدا سے صدق و امانت ترا اشعار
(نظیر لدھانوی)

محبت وشفقت

سرورِ کائناتﷺ کی محبت و شفقت کا دائرہ اس قدر وسیع ہے کہ بنی نوع انسان، حیوانات، جمادات سب آپ کی نگہِ التفات میں یکساں تھے۔ تکالیف و مصائب میں مبتلا ہر کہہ ومہہ اور کس و بے کس آپ کی توجہِ کریمانہ سے اپنی تلخیاں فراموش کر کے شاداں و فرحاں زندگی سے لطف اندوز ہو جاتا تھا۔ یتیم ہو یا مسکین، غریب ہو یا محتاج آپ کے دستِ شفقت سے فیض یاب ہو کر زندگی کی کش مکش میں خوشی خوشی حصہ لیتا تھا۔ رحمتِ عالمﷺ کی حیاتِ طیبہ دل نوازی، غریب پروری اور مشفقانہ خصائل سے لبریز ہے۔ کتنے ہی واقعات زبان زدِ عام و خاص ہیں۔ محسنِ انسانیتﷺ زخم ہائے جسم و جاں اور پریشان حال، گریباں چاک انسانوں کے چارہ گر و غم گسار بنے۔ اُن کے زخموں پر مرہم رکھا اور اُن کے پھٹے ملبوس کو رفو کیا۔ خصوصاً یتیموں اور بے وارثوں سے محبت آپ کو تھی، یہ عالمِ ہست و بود اس کی مثال دینے سے قاصر ہے۔

غریبوں، بے نواؤں کا سہارا بن کے عالم میں
کیا آ کر رفو انسانیت کے چاکِ گریباں کو
(منظور حسن منظور)

رحمت للعالمینﷺ نے اپنی رفیقۂ حیات اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

اے عائشہ! کسی مسکین (سائل) کو اپنے دروازے سے خالی ہاتھ نہ پھیرو، خواہ

کھجور کا ایک ٹکڑا ہی کیوں نہ دینے کو ہو۔ اے عائشہ! غریبوں سے محبت رکھو اور اُن کو اپنے سے نزدیک کرو تو اللہ تم کو اپنے نزدیک کرے گا۔

(مشکوٰۃ المصابیح، باب فضل الفقرا)

کس قدر دل کی گہرائی میں اُتارنے والی اور آبِ زر سے لکھنے والی ہدایت ہے۔ حالؔی نے دل کش مسدّس میں اس محبت و شفقت کا اظہار کیا ہے، جو نعت کی تاریخ کا ایک جدید رنگ اور نیا موڑ ہے:

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا　　　مرادیں غریبوں کی بر لانے والا
مصیبت میں غیروں کے کام آنے والا　　　وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا
فقیروں کا ملجا ضعیفوں کا ماویٰ
یتیموں کا والی غلاموں کا مولیٰ
خطا کار سے درگزر کرنے والا　　　بد اندیش کے دل میں گھر کرنے والا
مفاسد کو زیر و زبر کرنے والا　　　قبائل کو شیر و شکر کرنے والا
اُتر کر حرا سے سوئے قوم آیا
اور اک نسخۂ کیمیا ساتھ لایا

(الطاف حسین حالؔی)

حضرت ابی امامہ ؓ روایت کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص محض اللہ کے لیے یتیم کے سر پر مہربانی سے ہاتھ پھیرے گا، تو ہر بال کے عوض اُس کے لیے بھلائی ہوگی اور دو انگلیاں کھڑی کر کے اُن کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ جو یتیم کے ساتھ حسنِ سلوک کے ساتھ پیش آئے گا، مَیں اور وہ اسی طرح بہشت میں داخل ہوں گے، جیسے یہ اُنگلیاں۔ (مشکوٰۃ)

بیواؤں، مسکینوں، یتیموں، غلاموں اور خادموں سے محبت و شفقت کے بے شمار واقعات کتبِ سیرت میں درج ہیں، یہاں ایک واقعہ درج کیا جا رہا ہے:

ایک بار رسول اللہ ﷺ اپنی مجلس میں تشریف فرما تھے کہ مہاجرین کی ایک جماعت حضور اکرم ﷺ کے پاس آئی۔ یہ سب مہاجر اتنے غریب تھے کہ نہ اُن کے بدن پر کپڑے تھے اور نہ اُن کے پاؤں میں جوتے۔ صرف ایک چادر اُن کے بدن پر تھی اور گلے میں ایک تلوار لٹکی ہوئی تھی۔ سرورِ کونین ﷺ نے انھیں اس حال میں دیکھا تو آپ کے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا۔ نماز کا وقت ہو رہا تھا۔ آپ نے حضرت بلال ؓ کو اذان کا حکم دیا۔ صحابہ ؓ جمع ہو گئے۔ محسنِ عالم ﷺ نے نماز کے بعد خطاب فرمایا کہ یہ تمھارے بھائی ہیں، اِس حال میں ہیں، اِن کی مدد کرو۔

سیّد ابرار ﷺ کی تقریر سُن کر فوراً ایک انصاری اُٹھے اور ایک توڑا جس کا اتنا وزن تھا کہ مشکل سے اُٹھ سکتا تھا، لا کر سیّدِ کون و مکاں ﷺ کے سامنے ڈال دیا اور عرض کیا،

یارسول اللہ ﷺ! یہ حاضر ہے، اِس سے اِن مہاجرین کی مدد فرمائیے۔

انصاری کا یہ ایثار دیکھ کر صحابہ ؓ میں اور جوش پیدا ہوگیا اور وہ سب اپنے اپنے گھروں سے سامان لانے لگے۔ ذرا سی دیر میں اُن بے سروساماں مہاجرین کے آگے غلّے اور کپڑوں کا ڈھیر لگ گیا۔ کس قدر غریبوں سے محبت تھی۔ پھر آپ کے حکم پر بھی اصحابِ رسول اطاعت کے لیے بے قرار ہوگئے۔ شعرائے نعت کے ہاں بھی رسولِ بے کساں ﷺ کی محبت وشفقت کے زمزمے اشعار میں بہتے ہوئے نظر آتے ہیں:۔

وہی ہے ملجا و ماویٰ غریب و بے کس کا | قرار پاتے ہیں اس آستاں پہ سینہ فگار
عطا کی سرفرازی اُن کو جو پامال انساں تھے | غلاموں کو سکھائے اس نے اندازِ جہاں بانی

(حافظ لدھیانوی)

غریبوں کا مولیٰ یتیموں کا والی | کرم گستر و غم گسار اللہ اللہ

(بہزاد لکھنوی)

خود اپنے عمل کا نمونہ دکھا کر | غلاموں کو آزاد کروانے والا

(تہنیت)

وہ بیوہ کے غم خوار بے کس کے ہم دم | غریبوں یتیموں کا غم کھانے والا

(تہنیت النسا بیگم)

ہوئیں بیوائیں شاداں، بے امانوں نے اماں پائی | سکوں دل کو ملا جاں نے نشاطِ جاوداں پائی
یتیموں کا معاون دست گیر بے کساں آیا | امینوں کا امیں راحت نوازِ دوجہاں آیا
غریبوں کی جاں کو یتیموں کے دل کو | سکوں ہوگیا ہے، قرار آگیا ہے

(احسان دانش)

بے کسوں کو دی اماں اہلِ ستم کے ظلم سے | غاصبوں کو خوفِ عقبیٰ سے شناسا کردیا

(محمد کبیر خاں رسا)

بے کس کی آس، چارۂ بے چارگاں ہو تم | ٹوٹے ہوئے دلوں کو سہارا تمھی سے ہے

(سجاد باقر رضوی)

عفوورحم

کامل واکمل نبی ﷺ کے اخلاقِ حسنہ کا ایک دریائے کرم قرآن حکیم کی اس آیت کا حسین بہاؤ رکھتا

ہے جس میں حلم، رحم اور عفو کی ہدایت موجزن ہے اور سرزنش کی طغیانی کا نام ونشاں بھی موجود نہیں۔

والکاظمین الغیظ و العافین عن الناس و اللّٰہ یحب المحسنین۔

(آلِ عمران:۱۳۴)

ترجمہ: اور غصّے کو پی جانے والے اور لوگوں سے درگزر کرنے والے، اور اللہ بھلائی کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

حیاتِ طیبہ کا مطالعہ اس بات کا شاہد ہے کہ جناب سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والتحیات نہایت ہی رحیم المزاج واقع ہوئے تھے اور حتیٰ المقدور اپنے بڑے سے بڑے دشمنوں کو بھی معاف فرما دیتے تھے۔ قریشِ مکہ سے زیادہ سخت دشمن آپ کے اور کون تھے۔ آپ نے اُن کے ہاتھوں کتنی تکلیفیں اُٹھائیں۔ مگر فتح مکہ کے وقت آپ نے فرمایا:

لاتثریب علیکم الیوم و ھو ارحم الراحمین۔ (۹۲:۱۲)

رحمتِ عالم ﷺ کے حلم اور عفو کے واقعات سے کتبِ سیرت منور ہیں۔ یہ ایک روایت دیکھیے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ جناب رسالت مآب ﷺ نے نجد کی طرف کچھ سوار بھیجے۔ وہ قبیلہ بنی حنیفہ کے ایک شخص ثمامہ بن اثال کو پکڑ لائے اور اسے مسجد کے ایک ستون سے باندھ دیا۔ جب آپ وہاں تشریف لائے، تو آپ نے اس سے کہا: اے ثمامہ! اب تمھارا کیا ارادہ ہے؟ اُس نے جواب دیا۔ یا محمد (ﷺ)! میرا ارادہ بھلائی کا ہے۔ اگر تو مجھے قتل کردے گا تو مجھ پر بہت سے خون ہیں، اگر تو احسان کرے گا تو وہ ایسے شخص کے ساتھ ہوگا جو شکر گزار رہے گا اور اگر تو مجھ سے کچھ مال وصول کرنا چاہتا ہے تو جو تیرا جی چاہے مانگ لے۔ آپ ایک دو دن اُسے اسی طرح دیکھتے رہے اور اُس کا حال دریافت کرتے رہے، پھر آپ نے حکم دیا کہ اسے چھوڑ دیا جائے۔ ثمامہ رہا ہو کر مسجد سے باہر گیا تو اس کی حالت بدل چکی تھی۔ عفو و رحم کی بادِ بہاری اُسے نکھار چکی تھی۔ وہ کچھ دیر نہا دھو کر واپس آیا اور کلمۂ شہادت پڑھ کر اہلِ ایمان کی صف میں شامل ہو گیا۔ اس کے بعد جو الفاظ اُس نے ادا کیے، وہ اسلام کا سنہری باب بنے:

یارسول اللہ (ﷺ)! دنیا میں مجھے آپ سے زیادہ عداوت اور آپ کے دین سے زیادہ نفرت کسی چیز سے نہ تھی۔ مگر اب مجھے آپ سب سے محبوب اور آپ کا مذہب سب سے زیادہ مرغوب ہے۔ (بخاری)

محشر رسول نگری نے اسے یوں نظم کیا ہے:

پکڑا گیا ثمامہ جو سردارِ نجد تھا　　حضرت نے اس سے پوچھا کہ کیا عذر ہے ترا
بولا وہ حکم دیں گے اگر میرے قتل کا　　گنجائش اس میں چوں و چرا کی نہیں ذرا

ہر حال میں یہ بندہ سزاوار اسی کا ہے
کیا شک ہے مستحق یہ گنہ گار اسی کا ہے

لیکن حضور مجھ سے کریں گے جو درگزر | احسان مند پائیں گے بندے کو عمر بھر
ہر چند مستحق تو نہیں اس کا مَیں مگر | اک لطفِ خاص ہوگا یہ عاصی کے حال پر

ورنہ ہر ایک جرم کا اقرار ہے مجھے
میں کشتنی ہوں اس سے کب انکار ہے مجھے

یہ سُن کے بحرِ عفو و کرم آیا جوش پر | کی آپ نے ثمامہ پہ الطاف کی نظر
ذاتِ رسول بخشش و رحمت تھی سر بہ سر | ادنیٰ سی ایک بات تھی احسان و درگزر

تھی انتہا نہ آپ کے خلقِ عظیم کی
دیکھے تو کوئی شانِ رسولِ کریم کی

یہ اعترافِ جرم و خطا کا کرشمہ تھا | سردارِ نجد حلمِ نبی سے رہا ہوا
تھی بے نظیر رحمتِ عالم کی ہر ادا | آزاد ہوتے ہی کلمہ اس نے پڑھ لیا

تسخیر ہوگیا وہ محبت کے تیر سے
بدلے نہیں قلوب کبھی دار و گیر سے

(فخرِ کونین)

عفوودرگزر کے بے شمار گہرہائے گراں مایہ نعت گوشعرا کے کلام میں چمکتے ملتے ہیں۔ چنداشعار دیکھیے:

ہر ادا سے تری رحمت کا نشاں ملتا ہے | تیرا اخلاق ہے قرآن مدینے والے
ملا احساس اُس سے سرکشوں کو نیک نامی کا | قرینہ آ گیا انسان کو شیریں کلامی کا

(حافظ لدھیانوی)

راہ میں کانٹے جس نے بچھائے، گالی دی پتھر برسائے
چھڑکی اُس پر پیار کی شبنم صلی اللہ علیہ وسلم
ستم کے عوض داروئے شفا دی، طعن سُنے اور نیک دعا دی
زخم سہے اور بخشا مرہم صلی اللہ علیہ وسلم

(اقبال سہیل)

عطوفت اتنی کہ حاسدِ بے ادب کے جرم و گناہ بخشے
مروّت ایسی کہ دشمنِ جاں طلب کو بھی جو پناہ بخشے

(تہنیت)

فیضِ چشمِ حضور کیا کہنا ساغرِ دل چھلک چھلک جائے
اس پیکرِ خلقِ عظیم کو تھی ملحوظ انساں کی بہبودی منظور نہ تھی اعدا کی بھی خاطر شکنی
وہ سیّدِ انام کی نوریں حیات ہے جس نے ہر ایک دل کو دیے تازہ ولولے
(حفیظ تائب)

خلقِ احمد یوں دلوں میں بسایا جائے دشمنِ جاں کو بھی سینے سے لگایا جائے
(محمد اکرم رضا)

اپنوں کی بات چھوڑیے غیروں کو لیجیے برسی ہے دشمنوں پہ بھی رحمت رسول کی
(ریاض احمد بدایونی)

اہلِ طائف کو دعا دیتا تھا ہو کر زخم زخم وادیِ نخلہ میں جب رحمت خصال آیا نظر
(حفیظ تائب)

ان کی رحمت کا کیا ہے ٹھکانہ دیکھ لے سوئے طائف زمانہ
موسمِ سنگ باری میں لب پر کیا دعا کا اُجالا نہیں ہے
(سیّد صبیح رحمانی)

درگزر کے پھول بانٹے اس طرح سرکار نے دشمنوں کے واسطے بھی دوستی لکھی گئی
(محمد حنیف نازش قادری)

آپ نے رحمت لٹائی سنگ باری کے عوض آپ ہیں غم خوارِ انساں، حاملِ خلقِ عظیم
(تنویر پھول)

آدمی کو آدمی بنا سکھایا آپ نے زیست کا مفہوم دنیا کو بتایا آپ نے
(سیّد انور ظہوری)

مساوات

اسوۂ حسنہ کی کلیاں ہر گلستانِ اخلاق وادب میں چٹکتی ملتی ہیں۔ معاشرتی زندگی ہو یا معاشی پہلو ہر قیام پر اخلاقی اقدار ضیا بار نظر آتی ہیں۔ احترامِ انسانیت کا درسِ منور بھی ادنیٰ واعلیٰ کی تخصیص کے بغیر جاری رہا۔ مساوات کی قدر کا حسیں اسلوب آقا اور خادم کو ایک صف میں کھڑا کردینے سے ملا، ایک ہی دسترخوان پر بیٹھنے سے ملا۔ مسلمانوں کو آپس میں بھائی بھائی بنا دیا۔ ''کل مومن اخواۃ'' اسی خلقِ عظیم کی دلیل ہے۔ جہاں انکساری وسخاوت، صداقت وامانت، عفو ورحم، زہد وقناعت کے درخشاں نمونے آپ کے اخلاقِ عالیہ کی ضیائیں پھیلاتے ہیں، وہاں آپ کی مساوات پسندی کی جہتیں بھی منزلِ مقصود کا پتا دیتی ہیں۔ آیئے

مساوات کے لہلہاتے گلشن سے یاسمین ونسترن کی چند کلیاں زیب گلو بنائیں۔

سفر کی کیفیات اور صعوبتوں کی تلخیوں سے کون واقف نہیں ہے۔ پھر اجتماعی سفر تو اور بھی لطف اندوز ہوتا ہے، محبت و ہمدردی، ایثار و رحم دلی جیسے لمحات جب در آتے ہیں تو دل کے غنچے چٹک اُٹھتے ہیں۔ اسی طرح ایک مرتبہ سردرِ کائنات ﷺ اپنے صحابہ کرام ؓ کی جماعت کے ساتھ رواں دواں تھے، یہ قافلۂ حق مسافت کی طویل گھاٹیوں سے گزرا تو ایک جگہ کچھ دیر کے لیے قیام پذیر ہوا۔ چناں چہ اِس مقام پر کھانے کا اہتمام کرتے ہوئے صحابہ کرام ؓ نے ایک بکری ذبح کی۔ پھر دوسرے کام آپس میں اس طرح تقسیم کیے کہ ایک نے کہا، کھال مَیں اُتاروں گا۔ دوسرے نے کہا، گوشت مَیں بناؤں گا۔ تیسرے نے کہا، مَیں پکاؤں گا۔ اسی اثنا میں رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا: آگ جلانے کے لیے لکڑیاں مَیں چن کر لاؤں گا۔ صحابہ ؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! ہمارے ہوتے آپ کیوں زحمت فرمائیں۔

حامی غم گساراں ﷺ نے فرمایا: ''مجھے یہ پسند نہیں کہ مَیں اپنے آپ کو تم سے ممتاز کروں، اللہ تعالیٰ یہ بات پسند نہیں کرتا ہے کہ کوئی شخص اپنے ساتھیوں میں ممتاز ہو کر بیٹھے۔'' یہ فرما کر آپ جنگل کی طرف روانہ ہوگئے اور وہاں سے لکڑیاں لائے۔

امتیازِ خادم و آقا مٹا کر بے دریغ
فطرتِ انساں کی لغزش کا ازالہ کردیا
(محمد کبیر رسا)

سلطاں اور ہم دوشِ گدایاں مولا اور شیدائے غریباں
خضر رحم اور جادۂ خدمت صلی اللہ علیہ وسلم
(روش صدیقی)

محسنِ انسانیت ﷺ کی نظر میں امیر و غریب، صغیر و کبیر، آقا و غلام سب برابر تھے۔ آسمانِ نبوت میں چند چمکتے ستارے ایسے بھی تھے جو سردارانِ قریش کے غلام رہ چکے تھے، صہیب رومی ؓ اور بلال حبشی ؓ ان میں مصائب کی تند و تیز چکیوں میں پستے رہے مگر رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں پہنچے تو سیّدنا بلال ؓ اور سیّدنا صہیب ؓ بنے اور روٴسائے قریش سے کسی طرح کم رُتبہ نہیں رکھتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت صہیب و حضرت بلال ایک مقام پر اکٹھے تھے، اتفاق سے ابوسفیان اسی طرف سے گزرے۔

حضرت بلال نے کہا، ''ابھی تلوار نے اس دشمنِ خدا کی گردن پر پورا قبضہ نہیں پایا۔'' حضرت ابوبکر ؓ نے سنا تو کہا، ''سردارِ قریش کی شان میں یہ الفاظ۔''

پھر وہ خیر الخلائق ﷺ کی خدمت میں آئے اور سارا واقعہ بیان کیا۔

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا، ''کہیں تم نے ان لوگوں کو ناراض تو نہیں کر دیا؟ ان کو ناراض کیا تو خدا کو ناراض کیا۔''

حضرت ابوبکر سنتے ہی فوراً اُٹھے اور صہیب و بلال سے کہا، ''بھائیو! آپ لوگ مجھ سے ناراض تو نہیں ہوئے۔'' انھوں نے کہا، ''نہیں، خدا تمھیں معاف کرلے۔''

یہ ہے مساواتِ احمد مجتبیٰ ﷺ کا وہ اعلیٰ نمونہ جس میں خُلقِ عظیم کا نور ہے، جو قلب و نظر کو منور کرتا ہے۔ شعرائے نعت خلقِ عالیہ کے اس گل پُر ضیا سے اپنے کلام کو تابانی عطا کرتے ہیں۔

تمیز بندہ و آقا زمانے سے مٹا ڈالی　　مساوات و اخوت کی زمانے میں بنا ڈالی
(حافظ لدھیانوی)

وہ جس کی چشمِ کرم سب کے حال پر یکساں　　فقیر ہو کہ شہنشہ، امیر ہو کہ غریب
ایک سے ہیں تونگر و نادار　　محسنِ خلق کی عدالت میں
(حفیظ تائب)

کشادہ سب کے لیے ہے، امیر ہوں کہ فقیر　　یہ آپ ہی کے درِ مہرباں کی عادت ہے
(عاصی کرنالی)

اونچ نیچ آدمیّت کا مقسوم تھی　　آپ آئے تو انساں برابر ہوئے
(جعفر بلوچ)

آپ کے درسِ مساوات و اخوت کے طفیل　　ایک ہی صف میں کھڑے ہوتے تھے محمود و ایاز
(جعفر حسن جعفر)

دیا اپنے غلاموں کو شکوہ قیصری تُو نے　　کیا شاہوں کو آگاہِ مقامِ بندگی تُو نے
(طاہر شادانی)

ایک تھے تیرے لیے بوذر و سلمان و بلال　　اس مساوات کے شاہد ہیں عرب اور عجم
(طفیل ہوشیار پوری)

ترے فقیروں کو بانٹتے دیکھتا ہوں دارا کی کبریائی
ترے غلاموں کو روندتے دیکھتا ہوں فرعون کی خدائی

☆

یہ دیکھتا ہوں غلام و آقا کا فرق تُو نے مٹا دیا ہے
یہ دیکھتا ہوں کہ تُو نے شاہ و گدا کو ہم سر بنا دیا ہے
(تاجور نجیب آبادی)

ایک ہی صف میں بیٹھے گا ہر آدمی یہ مدینے کے والی کا دستور ہے
(اقبال نجمی)

جو صدیوں سے تھے باہم خوں کے پیاسے کیے وہ متحد اس نے قبائل
(عابد نظامی)

اونٹوں کے چرانے والوں نے اس شخص کی صحبت میں رہ کر
قیصر کے تخت کو روندا، کسریٰ کا بھی دامن چاک کیا
(خالد شفیق)

ہیں جو مطلوب مساواتِ نبی کے چرچے تو یہ تفریقِ من و تو مٹادی جائے
(محمد اکرم رضا)

عدل وانصاف

معاشرتی وسیاسی زندگی میں عدل وانصاف کی اہمیت کسی سے مخفی نہیں، پھر اخلاقِ حسنہ میں عدل و انصاف ایسا پُر بہار پھول ہے کہ جس کی خوش بو سے تقویٰ معراجِ کمال کو پہنچتا ہے۔ خالقِ کائنات نے عدل وانصاف کے متعلق اپنی کتابِ مبین میں جس حسنِ انداز میں فرمان جاری کیا ہے:

اے نبی! ہم نے یہ کتاب حق کے ساتھ تمھاری طرف نازل کی ہے تاکہ جو راہِ راست اللہ نے تمھیں دکھائی ہے، اس کے مطابق لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو۔

(النساء: ۱۰۵)

رحمتِ عالم ﷺ کا اسوۂ حسنہ احکامِ خداوندی کا روشن نمونہ ہے۔ آپ کی سیرتِ طیبہ میں اخلاقِ عالیہ کا یہ پھول مہکتا ملتا ہے، بلکہ ربّ کائنات نے اہلِ ایمان کو سرورِ کائنات ﷺ کی اطاعت میں اِس قدر کی طرف توجہ دلائی ہے اور باہمی اختلافات میں حضور ﷺ کو قاضی مقرر فرمایا ہے:

اے نبی! یہ کبھی مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنے باہمی اختلافات میں یہ تم کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں، پھر جو کچھ تم فیصلہ کرو، اس پر اپنے دلوں میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں بلکہ کامل طور پر تسلیم کرلیں۔ (النسا: ۶۵)

اخلاقِ عالیہ کا یہ وصف ہر انسان کو متقی اور بااعتماد بناتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ معاشرے کی ترقی اور بھلائی، بلکہ حکومت کی بقا کا راز اس میں مضمر ہے۔ اسی لیے تو عدل کو حکومت کی ریڑھ کی ہڈی کہا جاتا ہے، اعتبار واعتماد کے سوتے اِسی سے پھوٹتے ہیں۔ محسنِ انسانیت ﷺ کی حیاتِ طیبہ بچپن سے لے کر آخری عمر تک ان اقدارِ عظمیٰ سے لبریز ہیں۔ صرف چند شاداب لمحات کو پیش کیا جارہا ہے، انھیں حرزِ جاں بنائیے۔

غنچہ ابھی چٹکا نہیں تھا کہ عرب کے دستور کے مطابق بنو سعد کی فضاؤں میں عطر بیز ہونے لگا۔ آپ کی رضاعی ماں حلیمہ سعدیہ ملّہ کی پُر نور وادی سے لے کر اپنے قبیلے میں اپنی قسمت کو جگانے کے لیے محمد ﷺ کو لے گئیں۔ پیارا پیارا حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کا راج دُلارا کتنا حسین و جمیل تھا کہ جو دیکھتا قربان ہوتا جاتا۔ حلیمہ سعدیہ نے گود کیا لیا کہ ہوائیں گنگنانے لگیں۔ فضائیں نور برسانے لگیں، علاقہ سر سبز و شاداب ہو گیا اور شیر خوار بچہ محمد ﷺ سب کی آنکھوں کا نور اور دِل کا سرور بن گیا۔ محمد ﷺ رضاعی ماں کی گود میں مسکراتے تو وہ بلائیں لیتیں۔ عدل و امانت کا یہ عالم کہ جب ماں دودھ پلاتیں تو صرف داہنی چھاتی سے دودھ پیتے اور دوسری چھاتی کو منھ تک نہ لگاتے، بلکہ اپنے شیر خوار بھائی، حلیمہ سعدیہ کے حقیقی بیٹے کے لیے چھوڑ دیتے۔

عدل و انصاف کا ایک اور سبق آموز واقعہ سن لیجیے۔ دل کی تمنائیں مچل اُٹھیں گی اور قلب و جگر تصدق ہو جائیں گے۔ ایک دفعہ حضرت زبیر ؓ اور ایک انصاری میں کھیت کے پانی پر جھگڑا ہو گیا۔ انصاری کہتا تھا کہ پہلے مَیں کھیت کو پانی دوں گا اور زبیر ؓ کہتے تھے کہ پہلے مَیں دوں گا۔ دونوں نے اپنا مقدمہ رسولِ اکرم ﷺ کی خدمت میں پیش کیا۔ حضور ﷺ نے مقامِ متنازعہ کا نقشہ طلب فرمایا۔ نقشہ دیکھنے پر معلوم ہوا کہ اس پانی کے قریب پہلے حضرت زبیر ؓ کا کھیت ہے اور اس کے بعد انصاری کا۔ چناں چہ عادلِ اعظم ﷺ نے فیصلہ دیا کہ پہلے پانی زبیر ؓ اپنے کھیت کو لگا لیں اور پھر انصاری کو دے دیں۔

انصاری یہ سُن کر کسی قدر غصے میں آ گیا اور حضور اکرم ﷺ سے کہنے لگا۔ حضرت زبیر آپ کے رشتے دار ہیں، اس لیے آپ نے اُن کے حق میں فیصلہ دیا ہے۔

رسولِ رحمت ﷺ کو انصاری کی یہ بات ناگوار معلوم ہوئی مگر حضور ﷺ نے طیش میں آئے بغیر کمالِ تحمل سے فرمایا: ''اے نادان! اگر مَیں نے بھی انصاف نہ کیا، تو پھر کون انصاف کرے گا؟ خدا کی قسم جس نے جانب داری سے کام لیا اور انصاف چھوڑ دیا، وہ کبھی فلاح نہیں پا سکتا۔''

امام الانبیا ﷺ کی حیاتِ مطاہرہ میں ایسے اخلاقِ حسنہ کے بے شمار گہر ہائے گراں مایہ چمکتے دمکتے ملتے ہیں۔ یہ پُر انوار جذبات و احساسات نعت کی متاعِ عزیز کو ضوفشاں کرتے ہیں۔ محبت کے یہ نغمے احساس کے تاروں کو جھنجھوڑتے اور صدائے پُر تاثیر سے پاکیزگی (Cathersis) عطا کرتے ہیں۔ عدل و انصاف کے مرحلے میں دیانت دَر آتی ہے، جو سرمایۂ حیات ہے۔

عدل کیا ہے ترے سیرت کا ذرا سا اظہار   روشنی کیا ہے ترے قول کی سچائی ہے

(عاصی کرنالی)

اُس ﷺ نے دنیا کو وہ میزانِ عدالت بخشی   جس سے انصاف کا مفہوم سمجھ میں آیا

(محسن احسان)

وہ ﷺ کہ ہے عادل و عزیز و امیں وہ کہ ہے شاہد و شفیع و شکور
عدل کا اُن کے سر پر تاج عقل و خرد پر ان کا راج
حق نے کہا اُنھیں سراج تا ابد اُن کی احتیاج
اُن ﷺ پہ ہیں دوجہاں فدا صلِ علیٰ نبینا
کون ہم سر شہ انام کا ہے عدل واحساں میں خیر و برکت میں
اُس ﷺ کا پیام اُنس و مواخات، روحِ دیں اس کا نظام عدل و مساوات، جانِ خیر
صدق و عدل وجود و حکمت کا وہی معیار ہیں جو ہوئے ہیں فیض یابِ محبتِ خیرالانام
قائم کیا معاشرہ احسان و عدل پر ماحول سے مٹا کے رسومِ کہن تمام
عدل و احساں کا نظامِ جاں فزا جس نے دیا وہ محبت آفریں، رحمت سراپا آپ ہیں
(حفیظ تائب)

زمانے بھر کو سبق دیا ہے انھوں نے اخلاق و معدلت کا
یہ اُن کی سیرت کا معجزہ ہے کہ سرنگوں قیصری ملی ہے
(راجا رشید محمود)

تُو ﷺ نے کچلے ہوئے لوگوں کا شرف لوٹایا عدل کے ساتھ ہی احسان کی دولت لکھی
(خالد احمد)

در گہہِ عدل میں یکساں ہیں شہنشاہ و فقیر نہ یہاں فرقِ مراتب، نہ غرورِ نسبی
قرآن و دین و ایماں، تہذیب و عدل و احساں ہیں اسوۂ نبی کے کیا مقتدر حوالے
(عاصی کرنالی)

وہ روحِ عدل، وہ جانِ مساوات صداقت کا امانت کا نشاں ہے
عدل و انصاف کے پرچم کو کیا تُو نے بلند اک زمانے میں ہے مشہور عدالت تیری
(حافظ لدھیانوی)

آج بھی تو ہے چرچا یہاں آپ کے عدل و انصاف کا، صدقِ گفتار کا
(گوہر ملسیانی)

گلشنِ نعت میں گل ہائے خلقِ عظیم چودہ صد سال سے مہکتے اور اپنی بہار دکھاتے آ رہے ہیں۔ اردو نعت بھی برصغیر پاک و ہند بلکہ تمام عالم میں اپنے جمالِ بے مثال کا نور پھیلاتی چلی آ رہی ہے۔ خلقِ عالیہ کا موضوع بھی اپنی وسعت کے لحاظ سے لاثانی ہے۔ رحمت للعالمین ﷺ کا احسانِ عظیم یہ ہے کہ آپ نے

اپنے عمل و کردار سے اخلاقیات کے ایسے رنگارنگ پھول کھلائے ہیں کہ اگر انسانیت آج بھی اپنے دامن میں اُن سے چند پھول بھر لے اور اپنے عمل کی زینت بنالے تو یہ دنیا جنت کا نمونہ بن جائے۔ سیرتِ مطہرہ، اسوۂ حسنہ اور اخلاقِ عالیہ کے موضوعات شعرائے نعت کے احساسات و جذبات کی تاروں پر مضراب کا کام دیتے ہیں اور اُن کے تخیل کو معراج اور اسلوب میں نکھار پیدا کر کے اردو شعر و ادب کو زرخیز بناتے ہیں۔

جب ہم گلستانِ مدحت میں اخلاقیات کی بہارِ جاوداں میں داخل ہوتے ہیں تو صدق و صفا، جود و سخا، ایثار و عطا، رحم و کرم، عفو و حلم، محبت و شفقت، حسنِ سلوک و شجاعت، صبر و استقامت، زہد و قناعت، عدل و انصاف، امانت و دیانت، مساوات و سخاوت کیسے کیسے اخلاقِ عالیہ اور اسوۂ حسنہ کے نگینے سرزمینِ نعت کو منور کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ ایک تڑپ ہے، ایک اضطراب ہے، ایک آرزو ہے، ایک جذبۂ شاداب ہے۔ ایک سچائی ہے، ایک اخلاص ہے، ایک محبت ہے، ایک حقیقت ہے جو ہر نعت گو کے قلبِ معطر میں موجزن ہے۔ اسوۂ حسنہ کی جھلک اخلاقِ مطہرہ کی چمک اور سیرتِ عظمیٰ کی دمک بصیرت افروز اور لطف اندوز ہے۔ نعت نگار اپنے تقدس آمیز جذبے اور وجدانِ صادقہ سے اخلاقِ عالیہ کے سورج اُگاتے چلے جاتے ہیں۔ اُن کی وسعتِ نظر اور کشادگیِ قلب صنفِ نعت میں سرمایۂ حیات اور فلاحِ دارین کی حسین کرنیں شامل کرتی نظر آتی ہیں۔

اصنافِ سخن میں صنفِ نعت کی جلوہ نمائی اور اس کے مضامین کی رعنائی فصاحت و بلاغت، تشبیہات و استعارات اور تراکیب و الفاظ کی ایسی چاندنی بکھیرتی ہے جس سے تاریکیاں چھٹ جاتی ہیں اور کدورتیں دُھل جاتی ہیں بلکہ نعت تو سوئے جذبوں کو جگاتی ہے۔ انسانیت کے لیے فضا کو اس طرح سازگار بناتی ہے کہ ہر کہہ و مہہ حبِ سرورِ کائنات ﷺ اور اتباعِ ہادیِ برحق ﷺ کو اپنی زندگی کا اثاثہ سمجھنے لگتا ہے۔

مجھے یہ تسلیم کرنے میں کوئی عذر نہیں کہ نعت کی شعری کائنات اپنی وسعت کے لحاظ سے بے کراں ہے اور اخلاقِ حسنہ کے لولوئے لالہ کو تلاش کرنا قوت و بساطِ قلم کار خصوصاً مجھ جیسے حقیر و بیمار کے لیے دشوار ہے۔ پھر میرے کتب خانے میں نعت کا ایسا بڑا ذخیرہ بھی موجود نہیں جس کی مدد اس موضوع ''اخلاقِ نبوی اردو نعت کے آئینے میں'' کی کما حقہ تکمیل کا فریضہ انجام دے سکے مگر جناب سید صبیح رحمانی کی تجویز کو عملی جامہ پہنانے کے لیے ایک کاوش ہے:

گر قبول افتد زہے عز و شرف

مَیں خود بھی اس دور کے تقاضے کے مطابق اخلاقِ عالیہ کو منصۂ شہود پر لانے کے لیے ایک اہم موضوع سمجھتا ہوں کیوں کہ اس عہدِ ناہنجار میں خلوص و محبت، عدل و انصاف، عفو و درگزر، صداقت و امانت اور ہر طرح کی اخلاقی اقدار کی بادِ بہاری اپنی شادابی بکھیرنے سے دُور ہو چکی ہے اور چاروں طرف بادِ خزاں

کے جھونکے محوِخرام نظر آتے ہیں اور آشوبِ زمانہ میں اخلاق کے پھول کھلانے کی ضرورت ہے اور خصوصاً مدحت نگار سیرتِ مصطفیٰ ﷺ سے ان گل ہائے دل پذیر کو چنیں اور ان جلوؤں سے دنیا کو روشنی فراہم کریں۔ قرآن حکیم بھی اسی کی دعوت دیتا ہے کہ اسوۂ حسنہ اور اخلاقِ عالیہ کی شمعیں جلائی جائیں۔

آپ کے اسوۂ حسنہ کو بسا کر دل میں
عظمتِ فکر کی قندیل جلا دی جائے
دہر کو سیرتِ سرکار سکھا دی جائے
سنگ باری جو کرے اس کو دعا دی جائے

(محمد اکرم رضا)

ڈاکٹر سیّد یحییٰ نشیط ۔ بھارت

اردو لوک گیتوں میں ذکرِ رسول ﷺ

تحریر و طباعت کے وسیلے کے بغیر صدیوں سے سینہ بہ سینہ چلے آرہے گیتوں کو ''لوک گیت'' کہا جاتا ہے۔ اُن کی اگرچہ کوئی تاریخ حتمی طور پر متعین نہیں کی جاسکتی لیکن یہی گیت ہماری تہذیبی و تمدنی تاریخ کے ماخذ ہوتے ہیں۔ ان گیتوں کی کوئی تاریخ نہیں ہوتی لیکن یہ تاریخ ساز ضرور ہوتے ہیں۔ ہماری قدیم تہذیبی قدروں کی یہ نہ صرف پاسبانی کرتے ہیں بلکہ ہماری زبان و ادب کے ابتدائی نمونے بھی بہم پہنچاتے ہیں۔ کسی زبان کے ارتقا کے دھندلے نشانات اس زبان کے لوک گیتوں میں تلاش کیے جاسکتے ہیں۔ سماجی ارتقا کی تاریخ کا ایک اہم ماخذ ''لوک گیت'' بھی ہوتے ہیں، بقولِ شخصے:

> لوک گیت ہماری رواں دواں زندگی کی صدائے بازگشت ہوتے ہیں چوں کہ اِن گیتوں کا منبع انسان کا دل ہوتا ہے اس لیے یہ سچے، بے ریا، فطری اور مسرت آگیں ہوتے ہیں۔

ادب کے ابتدائی نقوش لوک گیتوں میں مرتسم ہوتے ہیں، اس لیے لوک گیتوں کو ادب کا ایک حصہ قرار دیا گیا ہے۔ ان میں اگرچہ دانستہ طور پر عروض اور فن کو برتا نہیں جاتا، لیکن اس کے باوجود اِن میں نغمگی اور لے و آہنگ پائے جاتے ہیں۔ لوک گیتوں میں نہ زبان کی ساخت کا خیال رکھا جاتا ہے نہ قواعدی ضابطوں کی پابندی کا اہتمام۔ بس دل کی بات اور سچے جذبات کا اظہار، حُسن سے عاری لیکن مترنم و موثر چند بولوں میں کردیا جاتا ہے، جو اثر آفرینی میں اپنی مثال آپ ہوتے ہیں۔

ترقی پذیر ہی نہیں ترقی یافتہ ممالک میں بھی آج لوک گیتوں کو ادب سے جوڑنے کی باقاعدہ کوشش کی جارہی ہے۔ اس کی توجیہہ یہ بیان کی جارہی ہے کہ قدیم و جدید ہر دور میں انسانی جذبات کے اظہار کے طریقے ایک جیسے رہے ہیں۔ آج جذبات کا اظہار ادب میں جس طرح کیا جارہا ہے گزرے کل میں بھی اسی طرح کیا جاتا رہا ہوگا۔ ہاں حالات کے مطابق آدمی کے تقاضائے حیات میں جب بھی تغیر رونما ہوا

آدمی کے جذبات واحساسات میں بھی تبدیلی آتی گئی اور اس کا بالراست اثر ادب پر بھی ہوا، جس کی وجہ سے قدیم وجدید ادب میں فرق نظر آتا ہے۔ اس فرق کو تناقض نہیں ترقی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ R.V.William نے شاید اسی لیے کہا تھا:

> A Folk Song is neither new nor old. It is like the forest tree with its roots deeply burried in the past but it continously puts forth new branches, new leaves and new flowers.

ولیم کے اس خیال کی روشنی میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ لوک گیت ہمارا قدیم ورثہ ہیں۔ ان کی حفاظت ہم پر لازم آتی ہے۔ اب تو امریکا اور یورپ کے اکثر ممالک لوک گیت، لوک ناچ اور لوک موسیقی کو محفوظ رکھنے کے لیے باقاعدہ منصوبے تشکیل دے رہے ہیں اور سائنٹفک طریقے سے ان کے تحفظ کے لیے عملی قدم اُٹھائے جارہے ہیں۔ چناں چہ لوک ادب کے احیا کے لیے امریکا میں "International Council of Folk Lore" تشکیل دی گئی ہے۔ برطانیہ میں "Folk Song Club Movement" قائم کی گئی۔ ۱۹۳۱ء میں نیدرلینڈ میں "International Folk- Festival" کا انعقاد زور وشور سے عمل میں آیا۔ اِن تحریکوں کے زیرِاثر رفتہ رفتہ مشرقی زبانوں کے لوک گیتوں پر بھی محققین کی توجہ مرکوز ہوئی اور لوک گیتوں پر تحقیقی کام ہونے لگا۔ ہندوستان میں ہندی، بنگلہ اور مراٹھی لوک گیتوں کے بعد اردو لوک گیتوں پر بھی کام ہوا ہے۔ چناں چہ اظہر علی فاروقی نے ''اُتر پردیش کے لوک گیت'' پر اور ڈاکٹر میمونہ دلوی نے ''کوکن اور ممبئی'' کے لوک گیتوں پر مبسوط تحقیقی مقالات لکھے ہیں۔ زینت مسعود زینب نے نہایت عرق ریزی سے بہار کے لوک گیتوں کو جمع کر کے مفید خدمت انجام دی ہے۔ گزشتہ برس ایس ایم انور اور ایم رفیق نے مل کر خاندیش کے لوک گیتوں پر ایک کتاب تالیف کی تھی۔ اس میں وسط مہاراشٹر کے اردو لوک گیتوں کو یک جا کیا گیا ہے۔ غرضے کہ اب اردو لوک گیتوں کی اہمیت کے پیشِ نظر ہندوستان کے مختلف صوبوں میں علاقائی سطح پر انھیں جمع کرنے کا کام ہورہا ہے۔ اس فالِ نیک کے لیے دیویندر ستیارتھی کی کاوش کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ ہندوستان میں لوک گیتوں پر قلم اُٹھانے والا یہ پہلا شخص ہے۔

''لوک گیت'' جیسا کہ اس سے قبل کہا گیا ہے، ہماری رواں دواں زندگی کی بازگشت ہوتے ہیں۔ یہ ایسا آئینہ ہوتے ہیں جن میں ہماری طرزِ معاشرت، سماجی رسم ورواج اور ثقافتی قدریں عکس ریز ہوتی ہیں۔ اردو معاشرے کی اپنی ثقافتی وتہذیبی شناخت ہے۔ یہ معاشرہ اپنی تہذیبی وضع داریوں کی وجہ سے سماجی زندگی میں علاحدہ پہچانا جاتا ہے۔ برصغیر کے اردو لوک گیتوں میں علاقائی سطح کے اردو معاشرے کی عائلی زندگی کی جھلکیاں دکھائی دیتی ہیں۔ چوں کہ برصغیر کے وسیع علاقے میں یہ معاشرہ پھیلا ہوا ہے اور مقامی اثرات قبول کرتا آرہا ہے اس لیے مختلف علاقوں کے اردو لوک گیتوں میں فرق پایا جاتا ہے اور ان

گیتوں میں دکھائی دینے والی معاشرت میں بھی فرق دکھائی دیتا ہے۔ چناں چہ بہار کے مقامی اردو لوک گیت کوکن کے اردو لوک گیتوں سے مختلف ہوں گے۔ دکن اور اتر پردیش کے لوک گیتوں میں بھی واضح فرق دکھائی دے گا۔ لاہور اور پنجاب کے لوک گیتوں میں جس معاشرے کی تہذیبی جھلکیاں دکھائی دیں گی۔ اغلب ہے کہ سندھ اور گجرات کے اردو لوک گیتوں میں ان کا فقدان ہو۔ لیکن جہاں تک مذہبیات کا تعلق ہے تو برصغیر کے تمام علاقوں کے لوک گیتوں میں مذہبی عناصر یکساں دکھائی دیتے ہیں۔

اردو معاشرہ چوں کہ مشرقی تہذیب وتمدن کا پروردہ ہے۔ اس لیے اس کی ثقافت وتہذیب میں مذہبی عنصر نمایاں ہے۔ روزمرہ کے معمولات ہوں یا تقریبات' کام کی ابتدا اُمورِ دینیہ ہی سے ہوتی ہے۔ ایسے مواقع پر قرآن خوانی، فاتحہ خوانی، میلاد خوانی، صدقہ وخیرات وغیرہ رسمیں نہایت عقیدت واحترام کے ساتھ کی جاتی ہیں۔ بعض اوقات ان محافل میں تقدیسی نغمات بھی سنائے جاتے ہیں۔ ایسے نغموں اور گیتوں میں لوک گیتوں کی شمولیت اپنا خاص تاثر دلوں پر نقش کر دیتی ہے۔ عوامی زبان میں گائے جانے والے ان نغموں سے محفل زعفرانِ زار بن جاتی ہے۔ ٹھٹھہ، مذاق اور تضحیک وتمسخر کے اشعار کے بالمقابل حمد ونعت، منقبت ومناجات کے حامل اشعار کے پڑھتے وقت احترام وتقدس کا خاص خیال رکھا جاتا ہے۔ محافل میں شریک یہ سادہ لوح عوام تقدیسی اشعار کو کارِ خیر اور ثواب کی نیت سے پڑھتے ہیں۔ اس لیے ان میں اخلاص واستخلاص پایا جاتا ہے۔ ایسے موقعوں پر نبی اکرم حضرت محمد ﷺ کی ''ننگے سر نہ رہنے'' کی سُنّت کو بڑی دل جمعی کے ساتھ بٹھایا جاتا ہے کہ عورتوں کے سروں پر دوپٹے اور مردوں کے سروں پر دستیاں یا ٹوپیاں ضرور دکھائی دیتی ہیں۔ محافل کا یہ رنگ اور عوام الناس کا یہ ڈھنگ بھی ہمارے معاشرے کی پہچان ہے۔

بالعموم ہر معاشرے میں عائلی زندگی کا آغاز نکاح کی تقریب سے ہوتا ہے۔ سماجی نظامِ معاشرت میں اس تقریب کی اہمیت تسلیم کی گئی ہے۔ دو اجنبی مرد وزن نکاح کے ذریعے ایک خاندان میں ضم ہوجاتے ہیں۔ نشاط وانبساط پرور ماحول میں اس تقریب کے شرکا کے چہروں پر بھی خوشی جھلکتی ہے۔ شادی کے موقعوں پر عورتیں مختلف رسوم نہایت انہاک اور اخلاص کے ساتھ کرتی ہیں۔ یہ رسمیں شرعی سے زیادہ غیر شرعی اور عقیدت سے زیادہ بدعقیدگی کی مظہر ہوتی ہیں لیکن یادِ خدا اور ذکرِ رسول ﷺ کا ان میں اہتمام بھی کیا جاتا ہے۔ ان رسموں میں جو گیت گائے جاتے ہیں ان میں تو التزاماً ذکرِ رسول ﷺ کو شامل کیا جاتا ہے۔ ذیل میں ان رسومات کا جائزہ لیا گیا ہے۔

منگنی

شادی کی رسم میں منگنی گویا ''تمہید'' ہے۔ لڑکے کی ''نسبت'' طے کرنے کے لیے چند مرد وخواتین

لڑکی کے گھر جا کر اپنے لڑکے کے لیے لڑکی مانگتے ہیں۔ دونوں خاندانوں میں جب لڑکی دینے کی بات طے ہو جاتی ہے تو لڑکے والوں کی طرف سے لڑکی کو کپڑے کا جوڑا پہنایا جاتا ہے۔ متمول خاندان والے لڑکی کو گہنے بھی پہناتے ہیں۔ کپڑوں کے ساتھ آرائش کی مصنوعات اور مٹھائیاں بھی بھیجی جاتی ہیں۔ لڑکی والے حسبِ استطاعت مہمانوں کی خاطر مدارت کرتے ہیں۔ ایک دوسرے کو مبارک بادیاں دی جاتی ہیں۔ مناسب ہوا تو شادی کی تاریخ بھی طے کر لی جاتی ہے یا آیندہ تاریخ طے کرنے کا مہینہ اور دن مقرر کر لیا جاتا ہے۔ نسبت طے ہو جانے کے بعد گھر لوٹنے پر لڑکے کے گھر میں خوشیاں منائی جاتی ہیں۔ رات میں محلے باڑے کی عورتیں جمع ہو کر لڑکے کی ماں اور اہلِ خانہ کو مبارک باد دیتی ہیں۔ یہ محفل چھیڑ چھاڑ، ہنسی مذاق اور استہزا و تمسخر سے زعفران زار بن جاتی ہے۔ ڈھولک کی تھاپ پر گیت گائے جاتے ہیں۔ ان گیتوں کو منگنی کے گیت کہتے ہیں۔ ان گیتوں میں جہاں خوشی کے جذبات کا اظہار تمسخرانہ انداز میں کیا جاتا ہے۔ وہاں ذکرِ رسول ﷺ کے وقت تقدس و تکرم کا بھی لحاظ رکھا جاتا ہے۔ بعض گیتوں میں تو نعتیہ رنگ نمایاں ہوتا ہے، مثلاً منگنی کا یہ گیت ملاحظہ ہو:

جامے کے طبقاں میں لے کر کھڑی   پہنیں گے سیّد محمد رسول
صندل کے طبقاں میں لے کر کھڑی   لگائیں گے سیّد محمد رسول
شالوں کے طبقاں میں لے کر کھڑی   اوڑھیں گے سیّد محمد رسول
سہرے کے طبقاں میں لے کر کھڑی   باندھیں گے سیّد محمد رسول
خوشی گھر کا جا کے سندیسا بولو
اُمید گھر کا جا کے سندیسا بولو

(ڈاکٹر میمونہ دلوی: کوکن اور ممبئی کے لوک گیت، ممبئی ۲۰۰۱ء، ص ۳۲۹)

اس گیت میں ''سیّد محمد رسول'' نوشاہ کا نام نہیں بلکہ عقیدتاً یہ چیزیں ''برکت'' کے لیے حضور ﷺ سے منسوب کر دی گئی ہیں۔ حسنِ شعری سے عاری اس گیت میں عورتوں کا دینی جذبہ اور عشقِ رسول ﷺ اوج پر دکھائی دیتا ہے۔

صوبہ مہاراشٹر کے علاقہ برار اور خاندیش میں بھی کم و بیش اسی قسم کی تقریبات ہوتی ہیں اور معمولی فرق کے ساتھ اسی قسم کے گیت گائے جاتے ہیں۔ اتر پردیش اور بہار میں ''نسبت'' چوں کہ مَردوں کے درمیان ہی طے ہو جاتی ہے، اس لیے عورتیں عموماً ''منگنی'' کی رسم نہیں مناتیں۔ البتہ شادی کی تاریخ طے ہو جانے کے بعد ہفتہ عشرہ پہلے ہی سے شادی کی تیاری کے لیے شگن، ٹونا، جوگ، شہانہ، جھومر، مانجھا، مہندی وغیرہ کی رسمیں بڑی دھوم دھام سے منائی جاتی ہیں۔ دکن میں ان میں سے بعض رسمیں ضرور منائی جاتی ہیں

لیکن ان میں نام کا فرق پایا جاتا ہے۔ بہار اور اتر پردیش کی ایک ایسی ہی رسم ''ٹونا'' کہلاتی ہے۔

ٹونا

لغوی اعتبار سے ''ٹونا'' جادو اور سحر کے معنی میں مستعمل ہے لیکن اصطلاح میں شادی کی ایک رسم کا نام ہے۔ اس رسم سے شادی کی تقریب کا آغاز ہوتا ہے۔ ''ٹونا'' کی رسم میں گانے کی جو محفل سجائی جاتی ہے وہ نہایت پُر وقار اور نشاط پرور ہوتی ہے۔ ہنسی مذاق کے ایسے فوارے چھوٹتے ہیں کہ رات میں دن کا سماں طاری ہو جاتا ہے۔ ٹونا کے گیتوں کے مضامین دولہے کو لبھانے اور رجھانے والے ہوتے ہیں۔ ان گیتوں میں دلہن کے رشتے داروں سے محبت کرنے کی ترغیب دولہے کو دی جاتی ہے۔ گویا ٹونے کے گیتوں میں محبت کا جادو جگایا جاتا ہے اور یہ باور کرلیا جاتا ہے کہ اب دولہے کا سارا التفات دلہن والوں کے لیے مختص ہو جائے گا۔ ان گیتوں کی وجہ سے بعض اوقات محفل کی فضا مکدّر بھی ہو جاتی ہے اور دولہے کے رشتے داروں کے دل و دماغ میں گرہ پڑ جاتی ہے۔

بہر حال! ٹونا کے گیتوں میں بھی حمد و نعت اور منقبت کا رنگ نمایاں ہوتا ہے۔

یا نبی مَیں نہ جانوں ٹونا　　　یا علی مَیں نہ جانوں ٹونا
نند سے پھنکواؤں دھنوا　　　عجب رنگ کا ہے یہ ٹونا
گتنی سے جھاڑو دلاؤں　　　دیر سے پنیا بھراؤں
یا علی مَیں نہ جانوں ٹونا
یا نبی مَیں نہ جانوں ٹونا

(دھنوا: دھان چاول)　　　(گتنی: دیورانی)

اوپر ان طنزیہ گیتوں کی وجہ سے محفل کی فضا مکدّر ہونے کا ذکر کیا گیا ہے۔ ایسے موقع پر دولہے کی خوشی کا خیال رکھتے ہوئے دولہے کے رشتے دار مایوس کُن احساسات کی ترجمانی کرنے والے گیت گاتے ہیں۔

لال کا رسانا ہوا لال میرا دیوانہ ہوا
اماں میں دل لگتا نہی لال میرا سمجھتا نہی
ساساں میں دل لگ گیا لال میرا دیوانہ ہوا

(ایس۔ ایم۔ انور: خاندیش کے اردو لوک گیت، جل گاؤں ۲۰۰۵ء، ص ۲۹)

''ٹونا'' کسی نیک عمل کی تمہید ہوتا ہے۔ عمل کو مؤثر بنانے کے لیے ٹونا کے گیت گائے جاتے ہیں اور اس کے ذریعے لوگوں کو مسحور کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اسی لیے صوفیاے کرام کی محافلِ سماع (قوالی) کے موقع پر شروع میں ''ٹونا'' ہی پڑھا جاتا ہے۔ ٹونے کے گیتوں میں بھی ذکرِ رسول ﷺ اور اہلِ بیت کے مناقب کا

خیال رکھا جاتا ہے۔سماع کی محفل میں گایا جانے والا ایک ''ٹونا'' بطور مثال ذیل میں پیش کیا جارہا ہے:

آج رنگ ہے ایمان کا رنگ ہے... ری
مرے خواجہ پیا کا رنگ ہے... ری
پہلا ٹونا نبی پر واروں　　دوسرا ٹونا علی پر واروں
تیسرا ٹونا فاطمہ پر داروں　　چوتھا ٹونا حسن پر واروں
پانچواں ٹونا حسین پر واروں　　پانچوں ٹونے اپنے مرشد پر واروں
اپنے خواجہ پیا کو دولھا بناؤں... ری
آج رنگ ہے میرے خواجہ پیا کا رنگ... ری

(اظہر علی فاروقی: اتر پردیش کے لوک گیت، دہلی، ۱۹۸۱ء، ص ۴۱۹)

ان گیتوں کے متعلق ایک بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ ان میں فن و ہنر اور شعریت کو تلاش کرنا عبث ہے۔ ہاں! البتہ ان میں کھرے اور فطری جذبات کا دریا موجزن دکھائی دیتا ہے اور وارفتگیِ شوق اوج پر ہوتا ہے۔''ٹونا'' کے بعد''شگن'' کی رسم کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

شگن

شادی کی ابتدائی رسموں میں اس کا شمار ہوتا ہے۔ دولھا اور دلہن دونوں کے گھروں میں یہ رسم منائی جاتی ہے۔''شگن'' کی رات میں ڈھولک کی تھاپ پر عورتیں شاہانہ انداز میں شگن کے گیت گاتی ہیں۔ ان گیتوں میں نعتیہ عناصر پائے جاتے ہیں۔ علاقۂ برار میں شگن کے موقع پر عورتیں بالعموم یہ گیت گاتی ہیں:

نبی آئیں گے جمعرات کے شگن　　نبی آئیں گے جمعرات کے شگن
نبی آنے کی گھڑی
لوبان لے کر مَیں کھڑی
میرا سانچا ایمان محمد لے لیں گے　　نبی آئیں گے جمعرات کے شگن
نبی آنے کی گھڑی
صندل لے کے مَیں کھڑی
میرا سانچا ایمان محمد لیں گے　　نبی آئیں گے جمعرات کے شگن

چوکی

شادی کی یہ رسم تاریخِ نکاح سے پانچ یا سات دن قبل منائی جاتی ہے۔ دولھا دلہن کے جسموں کو

اُبٹن/ چکسا/ ہلدی لگانے کے لیے چوکی کی رسم سے ایک دن قبل اُبٹن تیار کیا جاتا ہے۔ ہلدی پِسی جاتی ہے۔ اُبٹن تیار کرنے کے لیے گیہوں، چنا، ہلدی اور خوش بودار مصالحے یک جا کر کے چکّی سے پیس لیے جاتے ہیں۔ پیسنے کے لیے پانچ سہاگنوں کو بلایا جاتا ہے۔ جو یکے بعد دیگرے چکّی کا دستہ پکڑ کر گھماتی ہیں۔ ہنسی مذاق میں چکسے کے گیت چکّی پر کچھ اس انداز سے گائے جاتے ہیں:

الایچی کا درنا، چکّی پیسنے جانا
نبی کے گھر ہے شادی چکسا پیسنے جانا
ہلدی کا ہے درنا اُبٹن پیسنے جانا
نبی کے گھر ہے شادی ہلدی پیسنے جانا

اس نوع کے گیتوں میں پہلے انبیاے کرام اور اہلِ بیت نیز اولیا اور بزرگانِ دین کا ذکر ہوتا ہے۔ پھر خاندان کے ہر فرد کا نام لیا جاتا ہے۔ چکّی کی آواز کے درمیان عورتیں یہ گیت نہایت مترنم سُر تال کے ساتھ گاتی ہیں۔ اُبٹن تیار ہو جانے کے بعد ''چوک بھرائی'' کی رسم شروع ہوتی ہے۔ دلہن کو چوکی پر بٹھانے سے قبل سفید چادر بچھا کر عورتیں ہلدی لگے چاولوں سے چادر پر خوب صورت ڈیزائن بناتی ہیں۔ یہ طریقہ ''رنگولی'' سے مشابہ ہوتا ہے۔ دو انگلیوں کے درمیان سے چاول چادر پر بکھیرتے ہوئے عورتیں چوکی کا گیت گاتی ہیں:

پہلی بسم اللہ فرمائی، پیغمبر صاحب کو منائی
چوک درود سے بھرائی... گے سہاگنوں
دوسری بسم اللہ فرمائی، گھر کے ولیوں کو منائی
چوک موتیوں سے بھرائی... گے سہاگنوں

بھارت کے بعض علاقوں میں چوک کا یہ گیت بھی بڑے شوق سے گایا جاتا ہے:

اُڑتے فوّارے علی کے نور کے ۔۔۔ جنت میں کھڑے ہیں رسول
جنت میں سے ''چوکی'' جو اُتری ۔۔۔ تو بیٹھیں گے آلِ رسول
اُڑتے فوّارے علی کے نور کے ۔۔۔ جنت میں کھڑے ہیں رسول

(ڈاکٹر میمونہ دلوی: کوکن اور ممبئی کے لوک گیت، ممبئی ۲۰۰۱ء، ص ۳۳۴)

یاد رہے کہ اس قبیل کے لوک گیتوں میں حضرت محمد ﷺ، اہلِ بیت رضی اللہ عنہم اور بزرگانِ دین رحمہم اللہ کی مدح و ستائش میں جو مضامین باندھے جاتے ہیں ان کا بالعموم نصوص و احادیث سے کوئی تعلق نہیں ہوتا اور نہ ہی تاریخ سے استنباط کیا جا سکتا ہے۔ یہ تو بس روایتاً سینہ بہ سینہ چلے آ رہے ہیں اور بس۔ چوک

بھرائی کے گیتوں کو بعض جگہ فلمی گیتوں کی طرز پر بھی گایا جاتا ہے۔

مدد کر الٰہی مدد کی گھڑی ہے　　میری نیا دیکھو بھنور میں کھڑی ہے
محمد کی کشتی چلی آرہی ہے
جنت کی حوراں نے چو رنگ جولائے　　ابھی نقشی کی مزا آرہی ہے
محمد کی کشتی چلی آرہی ہے
دلہن تیرے سر پھولوں کی کلی ہے
حوراں آئیں، چوکیاں لائیں　　نقشی ہم نے خوب سجائیں

اس گیت میں فلمی دھن کا لحاظ رکھنے کے لیے زبان وقواعد کی غلطیوں کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ ''چوک بھرائی'' ختم ہونے کے بعد دلہن کو چوکی پر بٹھا کر اسے ہلدی چکسا لگایا جاتا ہے۔ ہلدی چکسا لگاتے وقت عورتیں ''ہلدی'' کا گیت گاتی ہیں۔ اس محفل میں بھی ذکرِ رسول ﷺ کو فراموش نہیں کیا جاتا:

پیلا جی رنگ ہے ہلدی کا　　نیلا جی رنگ ہے آسمان کا
ہرا جی رنگ ہے منڈوے کا　　نور اُترا نبی کا

اس گیت میں صنعتِ براعت استہلال کا استعمال تو ہوا ہی ہے لیکن رنگوں کے بیان میں ماہرِ فن مصور کی تکنیک کو بھی برتا گیا۔ فنِ مصوری کے ماہرین جانتے ہیں کہ پیلا اور نیلا رنگ مل کر ہرا رنگ بن جاتا ہے۔ یہ رنگ خوشی کی علامت ہے، اس لیے شادی کا منڈوا بالعموم ہرے پتوں کی ڈالیوں سے بنایا جاتا تھا۔ ہرے رنگ کو نبی کے نور سے بھی نسبت دی گئی ہے۔ اس طرح ان چار مصرعوں میں کئی صنعتوں کا استعمال ہوا ہے۔

ہلدی کی رسم کے اور بھی گیت مقبول ومعروف ہیں۔ طبقۂ اناث اپنی اپنی طبیعت اور مزاج کے مطابق انھیں پسند کرتے ہیں اور محفل میں گاتے ہیں۔ ذیل کا گیت ان ہی گیتوں میں سے ایک ہے جو مہاراشٹر میں کافی مقبول ہے:

چاند میں سے چمکے، کملی والے ہمارے نبی
حوروں و پریوں نے شکر جولائے　　مٹھاس میں سے چمکے، کملی والے ہمارے نبی
تاروں میں سے چمکے، کملی والے ہمارے نبی
حوروں و پریوں نے ہلدی جولائے　　پیلاس میں سے چمکے، کملی والے ہمارے نبی
بادل میں سے چمکے، کملی والے ہمارے نبی
حوروں و پریوں نے چکسا جولائے　　خوش بو میں سے چمکے، کملی والے ہمارے نبی
عطر میں سے چمکے، کملی والے ہمارے نبی

(ڈاکٹر میمونہ دلوی: دکن اور ممبئی کے اردو لوک گیت، ممبئی، ص ۳۳۸)

لوک گیتوں کو اگرچہ عروض کی میزان پر تولا نہیں جاتا، لیکن بعض لوک گیت اتفاقاً ہی سہی عروضی اوزان میں پورے اُترتے ہیں۔ ذیل کا لوک گیت بحر میں ہے اور نعت کا مضمون اس میں شامل ہے:

(فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلن)

مرحبا صلّے علیٰ کس نے منگائی مہندی
سچ کہو میری قسم کس نے منگائی مہندی
تیری امّی نے بصد شوق منگائی مہندی
تیری بہنا نے بصد شوق سجائی مہندی
سچ کہو میری قسم کس نے بھگائی مہندی

یہ گیت علاقۂ برار کے علاوہ حیدر آباد سے متصل علاقوں میں بھی معمولی فرق کے ساتھ گایا جاتا ہے۔

منڈوے کے گیت

گزشتہ زمانے میں نکاح کی تقریب میں ہرے منڈوے کی بڑی اہمیت تھی۔ منڈوے کے کھمبوں کے لیے جنگل سے ایسی لکڑی لائی جاتی جو ہمیشہ تر و تازہ رہے اور معمولی پانی ڈالنے پر اس سے کونپلیں نکل آئے۔ منڈوے کی چھت آم کے ہرے پتوں سے بنائی جاتی اور مغربی ستون سے متصل لال رنگ کے پانچ گھڑے پانی سے بھر کر رکھے جاتے اور ان پر کھانے کے پان لال رنگ کے دھاگے سے باندھ کر بیل نما لٹکا دیے جاتے۔ پانی کے گھڑے بھرتے وقت اور بیل منڈوے پر چڑھاتے وقت عورتیں یہ گیت گاتیں ہیں۔

بیل منڈوے چڑھے گی نبی جی کے
آؤ آؤ سہاگن جلدی کرو تم
ٹھنڈے پانی کی مٹکیاں بھرو تم
بیل منڈوے چڑھے گی نبی جی کے
کرلو جلدی کندوری، تیل ہلدی چڑھاؤ
اپنی پیاری دلھنیاں کو منجے جلدی بٹھاؤ
بیل منڈوے چڑھے گی نبی جی کے

اسی قبیل کا یہ گیت اتر پردیش کے شمال مشرقی اضلاع میں مشہور ہے:

نورِ نظر ہے احمدِ مختار کی گاگر
لختِ جگر ہے حیدرِ کرار کی گاگر

قدسی اسے کیوں کر نہ رکھے اپنے سروں پر
ہے پنج تنِ پاک کے دلدار کی گاگر

اور ذیل کا گیت تو بالکل ہی عوامی لب و لہجے کا حامل محسوس ہوتا ہے:

احمد پیا کی گاگر بھر لائی رے — میم کی ٹائی میں مکھڑا چھپائی رے
آپی کنواں آپی پنہارن آپی گاگر — احمد پیا کی گاگر بھر لائی رے

(اظہر علی فاروقی: اتر پردیش کے لوک گیت، دہلی، ۱۹۸۱ء، ص ۴۲۴)

منڈوے کے ان تینوں گیتوں میں ذکرِ خدا اور ذکرِ رسول ﷺ شامل ہے۔ آخری گیت اگرچہ عوامی لب و لہجہ لیے ہوئے ہے لیکن خیالات میں متصوفانہ عنصر غالب نظر آتا ہے۔ کوکن میں منڈوے کے جو گیت گائے جاتے ہیں ان میں نعتیہ عنصر نمایاں ہوتا ہے:

دین کا ڈنکا بجایا، ہمارے نبی دنیا میں آئے
رحمت کا بادل ہے چھایا، ہمارے نبی دنیا میں آئے
بالے بنے کی نورانی شلوار ناڑے کو عطر لگایا
ہمارے نبی دنیا میں آئے
گونڈوں کو صندل لگایا، ہمارے نبی دنیا میں آئے

(ڈاکٹر میمونہ دلوی، ایضاً، ص ۴۱۶)

اس طرح پورے گیت میں دولھے کو دی جانے والی خلعت کی ایک ایک چیز اور اسے صندل لگانے کا ذکر ہوتا ہے۔ درج بالا ساری رسمیں ختم ہو جانے کے بعد نکاح ہو جاتا ہے اور دولھا دلہن کو مبارک بادیاں دی جاتی ہیں لیکن زنان خانے کا منظر کچھ اور ہی ہوتا ہے۔ مہذب گھرانوں میں ڈومنیاں بلائی جاتی ہیں جو ڈھولک کی تھاپ پر رقص کرتی ہیں اور نغماتِ تہنیت بھی گاتی ہیں:

دیے جی حق نے محمد کو مبارک باد بسم اللہ
سلامت باد بسم اللہ
محمد کی پیشانی پر پیمبر کی پیشانی پر
چمکتا ہے قطب تارا
سلامت باد بسم اللہ
محمد نام ناموں میں، محمد چاند تاروں میں
چمکتا ہے قطب تارا

سلامت باد بسم اللہ

و لے معراج کی شب میں، رکوع میں تھے جمع سارے

ولایت کی انگوٹھی پر نبوت باد بسم اللہ

سلامت باد بسم اللہ

(ایضاً،ص ۴۵۳)

نکاح کے بعد رخصتی کی تیاریاں ہوتی ہیں۔ دلہن کے گھر زنان خانے میں یا پردے کا انتظام کر دا کر منڈوے میں آخری رسم ''جلوا'' کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ دولھے کو عورتوں کی اس محفل میں بلا کر دلہن کے بازو میں بٹھا دیا جاتا ہے اور آئینے میں دلہن کی صورت دولھے کو دکھائی جاتی ہے۔ اسی لیے اسے مصحف کی رسم کہا جاتا ہے۔ آئینے میں صورت دکھاتے وقت معمر خاتون ایک گیت گاتی ہے۔ دکن کے قدیم شاعر کا یہ گیت آج بھی بعض شادیوں میں گانے کا رواج ہے:

حمد خدائے اکبر، صلوٰۃ مصطفےٰ پر، کہہ دل سے اے برادر سبحان من یرانی

اولادِ مصطفےٰ پر، اصحاب باوفا پر، صلوٰۃ تو پڑھا کر، سبحان من یرانی

آئے ہیں سب براتی، اک دھوم ہے خوشی کی، نوشہ کو دی ہے عیدی، سبحان من یرانی

یارب بحق احمد از بہر آل امجد، فرزند کو کر ارشد سبحان من یرانی

اس نظم نما گیت کے ٹیپ کے مصرع ''سبحان من یرانی'' اور رسمِ مصحف سے ذہن سورۂ اعراف کی آیت ''رب ارنی انظر الیک'' کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ جلوے کی رسم کے لیے یہ گیت/نظم لکھتے وقت شاید شاعر کے ذہن میں ''جلوۂ طور'' کا واقعہ رہا ہوگا۔

شادی کے بعد دلہن سسرال پہنچ جاتی ہے۔ اب وہ سسرالی گھر کی ایک فرد کی حیثیت سے گھر کے کاموں میں ہاتھ بٹاتی ہے۔ گزشتہ دور میں گھر کے سارے کام عورت کو اپنے ہاتھوں سے اور مشقت اُٹھا کر کرنے پڑتے تھے۔ علی الصبح اُٹھ کر چکی پسنا، پانی بھرنا، اوکھلی میں اناج کوٹنا وغیرہ عورتوں کے معمولات میں تھے۔ ان کاموں کی مشقت کے احساس کو کم کرنے کے لیے کام کے دوران عورتیں گیت گاتی تھیں۔ ان گیتوں میں استحضار اللہ اور ذکرِ رسول ﷺ کا خاص خیال رکھا جاتا تھا۔ کام کرتے وقت گنگنائے جانے والے گیتوں میں دکن بالخصوص مراٹھواڑا اور برار کے علاقے میں اوکھلی موسل کا یہ گیت کافی مقبول رہا ہے۔ اس گیت میں موسل کے اوکھلی میں گرنے سے ''ہکم'' کی آواز پیدا ہوتی ہے۔ اسی آواز کو اس گیت میں ٹیپ کا مصرع بنایا گیا ہے:

میرے گھر کے پیچھے، لال مٹی کا کنواں
اس میں پانی بھرتا بوا، اس کی ناک کو کاٹے چوہا
ہکم ہکم
نبی جی کے گھر کا، جلتا نہی تھا چولہا
دو دو مہینہ فاقہ، رکھتے دن رات کا وہ روزہ
ہکم ہکم
نبی جی کے داری، جنت کی ہے کیاری
نیکیوں سے بھری، اس میں کھیلے حضرت علی
ہکم ہکم
موٹیاں موٹیاں باتاں، اللہ کنے منع
بولے نبی اللہ، ہم کو آکے یہاں
ہکم ہکم
کھاتی جو کی روٹی، فاطمہ نبی کی بیٹی
ہاتھ سے پیستی چکّی، پانی مشک سے بھرتیں
ہکم ہکم

اس گیت میں دوسرے بند سے نعتِ رسول ﷺ کا والہانہ انداز اور محنت و مشقت کے دوران ذکرِ رسول ﷺ میں سرشاری گزشتہ دور کی عورتوں کے عشقِ رسول ﷺ کی گویا مظہر ہے۔

شادی بیاہ کے متعلق اردو لوک گیتوں پر تنقیدی نظر ڈالنے سے یہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ ان میں اگرچہ شعریت کا فقدان ہوتا ہے لیکن ترنم اور لَے و آہنگ کے سہارے ان گیتوں کو دل کش اور مؤثر بنایا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ ان گیتوں میں دینی جذبات کو اساسی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ حمد و ثنا کے ساتھ ذکرِ رسول ﷺ کا اہتمام ان گیتوں کو تقدیسی درجہ پر پہنچا دیتا ہے۔ روز مرّہ کی بول چال کی زبان کے ساتھ ذکرِ رسول ﷺ کے حامل اشعار میں بعض اوقات شعری شگفتگی بھی عود کر آتی ہے۔ درج بالا اوکھلی موسل کے گیت میں سیرتِ رسول ﷺ کے واقعات کو عوامی زبان میں نہایت خوش اسلوبی اور والہانہ انداز میں پیش کیا گیا ہے۔

مشکل اور دقت طلب کاموں میں اوکھلی موسل کے کام کے علاوہ علی الصبح اُٹھ کر چکّی کا پیسنا بھی عورتوں کے لیے صبر آزما کام تھا۔ رات کے آخری وقت میں اُٹھ کر پانچ دس کلو گیہوں یا جوار کو ہاتھ کی چکّی سے پیسنا عورتوں کے روز مرّہ کے کاموں میں تھا۔ آج یہ سُن کر ہمیں حیرت ہوتی ہے لیکن گزشتہ دور میں یہ

کام عورتوں کے معمولات میں شمار ہوتا تھا۔ نیند کا خمار دُور کرنے کے لیے عورتیں چکّی پیستے وقت گیت بھی گاتی تھیں۔ صوفیاے کرام نے عورتوں کی روحانی تربیت کے لیے ان گیتوں کا سہارا لیا۔ چناں چہ خواجہ بندہ نواز گیسودراز سے منسوب ''چکّی نامہ'' کے علاوہ میراں جی خدانما، فاروقی، شاہ فی الحال قادری اور شاہ کمال وغیرہ کے ''چکّی نامے'' جو اردو مخطوطات کی شکل میں محفوظ ہیں ان میں چکّی کے گیتوں کے ذریعے اصلاحِ نسواں کی کوشش کی گئی ہے۔ خواجہ بندہ نواز کے چکّی نامہ میں عورتوں کی نفسیات اور ذہنیت کا لحاظ رکھ کر اصلاح کا یہ طریقہ اپنایا گیا ہے:

دیکھو واجب تن کی چکّی — پیو چاتر ہوکے سکی
سوکن ابلیس کھینچ کھینچ تھکی — کہہ یا بسم اللہ اللہ ھو
الف اللہ اس کا دستا — میانی☆ محمد ہوکر بستا
پنجی طلب یوں کو دستا — کہہ یا بسم اللہ اللہ ھو

(☆۔میانی: درمیانی کیل)

(چکّی نامہ (مخطوطہ) ادارۂ ادبیاتِ اردو، ورق (۲ب)

اور ''چکّی نامۂ عرفان'' میں تو رب و مربوب (احد و احمد) کے متصوفانہ تصور کی وضاحت کی گئی ہے:

لا الٰہ کہنا الا اللہ میں رہنا — نبی رسول سے من لا نا اللہ اللہ کہنا
اللہ آپی گنج خفی ظاہر ہونے آیا — نبی صاحب کے برقعے میں اپس کوں دکھلایا
لا الٰہ کہنا الا اللہ میں رہنا — نبی رسول سے من لا نا اللہ اللہ کہنا

(چکّی نامہ (مخطوطہ) ادارۂ ادبیاتِ اردو، حیدرآباد، ورق (الف)

گزشتہ زمانے میں دن بھر کی تکان مٹانے کے لیے عورتیں گھر کے آنگن میں نسوانی کھیلوں سے بھی لطف اندوز ہوتی تھیں۔ اُس دور کے سخت اصولوں کے پابند معاشرے میں ایسے کھیل مستحسن تو نہیں مگر اباحت کے دائرے میں قبول کر لیے جاتے تھے۔ چناں چہ اس رخصت کا فائدہ اُٹھا کر بنات الاناث ''پھگڑی'' اور ''آنکھ مچولی'' جیسے کھیلوں میں فرحت و انبساط کا سامان تلاش کر لیتی تھیں۔ دکنی اور گجری ادب میں اسی قبیل کے بعض گیت کافی مقبول ہوئے ہیں۔ حضرت شاہ علی محمد جیو گام دھنی کی کتاب ''جواہر اسرار اللہ'' میں آنکھ مچولی کے کھیل کے متعلق ایک مکمل نظم ملتی ہے۔ بیدر کے بزرگ صوفی شاعر شاہ ابوالحسن نے تو ''سکھ انجن'' نامی کتاب میں صرف آنکھ مچولی کے کھیل کے سہارے مشاہدۂ حق کی گفتگو کی ہے اور تزکیۂ نفس اور تصفیۂ قلب کا درس دیا ہے۔ ان دونوں منظومات کے اکثر اشعار میں ذکرِ رسول ﷺ کو ترجیح دی گئی ہے۔ دراصل صوفیاے کرام نے اس کھیل میں ''انی وجہت وجھی'' کی تفسیر اور سنتِ ابراہیم علیہ السلام کی تمثیل

تلاش کی ہے۔ اس کھیل میں اطراف و اکناف کی ساری چیزوں سے آنکھیں موند لی جاتی ہیں اور صرف ''ایک'' ہی کو مرکزِ توجہ بنایا جاتا ہے۔ ''آنکھ مچولی'' کھیل کی روایت کافی قدیم ہے۔ خیر القرون کے اوّل حصے میں ایک بار حضرت محمد ﷺ نے بیچ بازار میں زاہر نامی ایک شخص کی آنکھیں موند کر پوچھا تھا کہ بتاؤ مَیں کون ہوں؟ زاہر پہلے تو کچھ نہ سمجھ سکے۔ بعد میں آپ کو پہچان لیا تو فرطِ شوق میں اپنے کاندھے حضور ﷺ کے سینۂ مبارکہ پر ملتے رہے۔ شاید صوفیاے کرام نے ترمذی کی اس روایت سے ''آنکھ مچولی'' کا جواز نکالا ہو۔ واللہ اعلم۔ یہ کھیل شاہ ابوالحسن کے نزدیک:

جانے ہو تو بوجھو پیارے
اَن جانے تو پوچھو پیارے

اس شعر کی عملی تفسیر ہے۔ سکھ انجن کا مذکورہ شعر سورۂ نحل کی آیت فسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون'' کا گویا لفظی ترجمہ ہے۔

آنکھ مچولی کی طرح ''پھگڑی'' کے کھیل کے متعلق بھی صوفیاے کرام نے گیت لکھے ہیں جن میں اعتقاد و اخلاص کے ساتھ اللہ اور اس کے رسول کا ذکر ہوا ہے۔ یہ کھیل پنجاب اور مہاراشٹر کی عورتوں میں کافی مقبول رہا ہے۔ مسلم گھرانوں میں فی زمانہ یہ کھیل دکھائی نہیں دیتا۔ غیروں کی تقلید میں اسکولوں کی طالبات اکثر یہ کھیل کھیلا کرتی ہیں اور صوفیاے کرام کے زمانے سے چلے آرہے پھگڑی کے لوک گیتوں کو فلمی دھنوں میں گاتی ہیں۔ صوفیاے کرام نے اس کھیل کو بنیاد بنا کر اصلاحی گیت لکھے ہیں۔ ان میں سیّد اصغر علی کی ''زمرۃ العاشقین'' اثنا عشری عقائد پر مشتمل کتاب ہے۔ اس میں شاعر نے طبقۂ نسواں کو حبِ اہلِ بیت کی تعلیم دی ہے فرید اور فقیر اللہ شاہ کے پھگڑی نامے جو مخطوطات کی شکل میں ہیں، اُن میں بنات القوم کی باطنی اصلاح اور شیطانی وساوس سے بچنے کی تدابیر بتائی گئی ہیں۔ نیز یہ درس بھی دیا گیا ہے کہ ''اللہ کی رسّی کو اسی طرح مضبوطی سے تھام لو جس طرح تم پھگڑی میں اپنی سہیلی کے ہاتھوں کو پکڑے رکھتی ہو۔ اگر گرفت ڈھیلی ہو جائے تو جس طرح کھیل میں دُور جا کر گر پڑتی ہو اسی طرح دین کی رسّی سے ہاتھوں کی گرفت ڈھیلی ہو جائے تو دوزخ کے گڑھے میں جا گروگی۔

ان گیتوں میں صوفی شعرا نے اصلاحِ نسواں کے لیے زنانی بولی کا نہ صرف استعمال کیا بلکہ ان کی دلچسپی اور میلان کے مطابق ایسے گیت ترتیب دیے جو لوک گیتوں کے زمرے میں آجاتے ہیں علاقۂ برار کے قدیم صوفی شاعر شاہ غلام حسین ایلچ پوری (م ۱۷۹۵ء) کی منظومات ''لگن نامہ''، ''سکھی نامہ'' اور ''جھولنا نامہ'' اسی قبیل کے لوک گیتوں میں شمار کی جاسکتی ہیں۔ خالصتاً نسوانی زبان میں انھوں نے یہ نظمیں لکھی ہیں۔ ایلچ پور برار قدیم کا دار الخلافہ اور اصلاحی تہذیب کا مرکز رہا ہے۔ اس لیے وہاں کے اسلامی معاشرے

کی جھلک ان کے گیتوں میں دکھائی دیتی ہے۔ یہ گیت زیادہ تر مذہبی رجحان کے حامل ہیں۔ "سکھی نامہ" کے ان اشعار میں ذکرِ رسول دو سہیلیوں کے مکالمے کی صورت میں ہوا ہے۔

سکھی

سکھی لگ رہو تم نبی کے چرن سوں — بھولا دو نکو چار یاروں کوں من سوں
محبت رکھو دل منے پنج تن سوں — نکو منہ پھرا دو حسین و حسن سوں

سکھی

سکھی ری نبی پر رسالت ختم ہے — علی ولی ولایت ختم ہے
اوسی پنج تن پر سیادت ختم ہے — حسین و حسن پر شہادت ختم ہے

سکھی

سکھی! عشق سوں جگ میں آتے ہیں عاشق — اوسی عشق سوں رہ کے جاتے ہیں عاشق
نبی و علی سوں ملاتے ہیں عاشق — حسین و حسن کوں دکھاتے ہیں عاشق

(سیّد غلام حسین، مرتبہ: ڈاکٹر سیّد عبدالرحیم، "دیوان"۔ ناگ پور، ۱۹۹۸ء، ص ۲۱۴)

بعض اوقات گھر کی معمر عورتیں بچوں کا دل بہلانے کے لیے چاندنی راتوں میں گھر کے آنگن میں ٹھنڈے بستروں پر بیٹھ کر پہیلیاں بوجھنے کے کھیل میں شریک ہو جاتیں۔ بعض پہیلیاں تو بچوں کی ذہنی آزمائش میں ممد و معاون ثابت ہوتیں۔ ان پہیلیوں میں کبھی مذہبی رنگ بھی نمایاں ہو جاتا اور ذکرِ خدا اور ذکرِ رسول کا انداز دلوں کو بھا جاتا۔

بطورِ مثال ایک پہیلی ذہنی آزمائش کے لیے ملاحظہ کیجیے:

ہے نہاں اللہ محمد ایک سو ھو رتین میں
کھول کر بولوں تو میں رخنہ پڑے گا دین میں

اس پہیلی کا جواب "آدمی کا جسم" ہے۔

وضاحت: اللہ کے لیے لفظ "ھو" صوفیوں کے یہاں مستعمل ہے۔ بہ حساب جمل "ھو" کے عدد ۱۱ اور محمد کے عدد ۹۲ کل ۱۰۳ ہوتے ہیں۔ لفظ "جسم" کے عدد بھی ۱۰۳ ہی ہیں۔ شاعر کا کہنا ہے کہ اللہ، محمد دونوں کو نعوذ باللہ ایک جسم کہا جائے تو دین میں رخنہ پڑ جائے گا۔

(محمد نعیم الرحمٰن، چند دکھنی پہیلیاں، الٰہ آباد، ۱۹۳۶ء، ص ۲۸)

لوک گیتوں میں عید، تہواروں کی عکاسی بھی کی جاتی ہے اور ان مبارک تقاریب میں انھیں نہایت

والہانہ انداز میں گایا بھی جاتا ہے۔ اردو معاشرہ مقامی تہذیب سے متاثر ہوا ہے اس لیے برادرانِ قوم کے تہواروں کا عکس لوک گیتوں میں نمایاں نظر آتا ہے۔ صوفیا نے اصلاحِ نسواں کے لیے ان تہواروں کی اصل روح کو اپنی منظومات میں شامل کیا ہے۔ چناں چہ "اللہ کے رنگ میں رنگ جانے" کی جو قرآنی تلقین ہے اس کی تفصیل صوفیاے کرام نے ہولی کے تہوار میں تلاش کی اور اسے بنیاد بنا کر انھوں نے عورتوں کو درس دیا۔ پنجاب کے قدیم صوفی شاعر بلھے شاہ (م ۱۷۵۷ء) کی یہ کافی دیکھیے۔ اس میں اصلاحِ نسواں کا کیسا انداز اپنایا گیا ہے:

ہو ری کھیلوں گی کہہ بسم اللہ
نام نبی کی رتن چڑھی بوند پڑی اللہ اللہ
رنگ رنگیلی اوہی کھلاوے جو سکھی ہووے فنا فی اللہ
ہوری کھیلوں گی کہہ بسم اللہ

(ماخوذ از تاریخِ ادبِ اردو: جمیل جالبی، حصہ اوّل، دہلی، ۱۹۷۷ء، ص ۶۵۳)

شمالی ہند کے بزرگ صوفی شاعر شاہ نیاز احمد بریلوی (م ۱۸۳۴ء) کی ہولی کے تہوار پر ذیل کی نظم میں ذکرِ رسول ﷺ کا نسوانی انداز بڑا دل کش اور روح پرور ہے:

ہو ری ہوئے ری احمد جیو کے دوار
نبی، علی کوں رنگ بنو ہے حسن حسین کھلار
ایسو انوکھو، چتر کھلاری رنگ لیو سنسار
نیاز پیاری پھر پھر چھڑکے ایک ہی رنگ پچکار

(دیوانِ شاہ نیاز بریلوی: لکھنؤ، ۱۹۷۷ء، ص ۱۰۷)

شادی کے بعد عائلی زندگی کے پُر مسرت ماحول میں دن مہینوں میں اور مہینے سال میں ڈھلتے رہتے ہیں۔ آخر گھر کے آنگن میں ہنسی کی کلکاریاں لے کر ایک معصوم گل نمودار ہوتا ہے۔ بچے کی ولادت پر اہلِ خاندان کو خوشیاں منانے کا ایک اور موقع ہاتھ آتا ہے۔ گھر بھر میں خوشی کی لہر دوڑ جاتی ہے۔ زچہ، بچے کو نہلا دھلا کر سنوارا جاتا ہے۔ کان میں اذان دی جاتی ہے اور عورتیں گیت کی محفل سجاتی ہیں۔ بہار میں ان گیتوں کو "سوہر کے گیت" کہا جاتا ہے۔ یہ گیت مختلف معاشرے میں مختلف انداز سے گائے جاتے ہیں۔ مسلم معاشرے میں اس موقع پر عورتیں جو گیت گاتی ہیں، اُن میں مذہبی رجحان پایا جاتا ہے۔

پیدا پیدا ہوئے سکھی آمنہ کے لال
آمنہ کے لال ہو سکھی آمنہ کے لال

سر سُو ہے سرداری اس کے ماتھے چومے لال
پیدا پیدا ہوئے سکھی آمنہ کے لال
آمنہ کے لال ہو سکھی آمنہ کے لال
انگ سوہے کالی کملی سر سوہے اُمت کے تاج
پیدا پیدا ہوئے سکھی آمنہ کے لال
آمنہ کے لال ہو سکھی آمنہ کے لال
درس دینے آئے، کلمہ پڑھا کر کیا نہال
پیدا پیدا ہوئے سکھی آمنہ کے لال
آمنہ کے لال ہو سکھی آمنہ کے لال

(زینت مسعود زینب: بہار کے لوک گیت، دہلی، ۲۰۰۴ء، ص ۲۵۷)

صوبۂ بہار سے کوسوں دُور ہندوستان کے مغربی ساحلی علاقہ کوکن میں بچے کی ولادت پر جو گیت بالعموم گائے جاتے ہیں ان میں یہ گیت ذکرِ رسول ﷺ کے پھولوں سے معطر ہوا جاتا ہے۔

نبی جو پیدا ہوئے آمنہ کے گھر شادی
چاند ڈول ڈول کے جو دیتا ہے مبارک بادی
نبی کے نور کی ہے بات بڑی
نبی کے نور کی ہے چمک بڑی
ساری خلقت سجدے میں پڑی
نبی جو پیدا ہوئے آمنہ کے گھر شادی
اللہ اللہ رب اللہ

(ڈاکٹر میمونہ دلوی: کوکن اور ممبئی کے اردو لوک گیت، ممبئی، ۲۰۰۱ء، ص ۴۸۷)

بچے کی ولادت کے بعد چھٹی، چھلّہ کی رسمیں بڑی دھوم دھام سے منائی جاتی ہیں۔ محلے بھر کی عورتوں کو مدعو کیا جاتا ہے۔ جھولے میں بچے کو ڈال کر اس کا نام رکھا جاتا ہے۔ اس وقت جھولے کے گیت مسرت و شادمانی کے ساتھ گائے جاتے ہیں۔ ان گیتوں میں دیگر گیتوں کے بالمقابل ہندوستانی عناصر کچھ زیادہ ہی دکھائی دیتے ہیں، لیکن اللہ اور رسول ﷺ کے ذکر سے یہ گیت تہی دامن نہیں ہوتے۔

ہری ہری ٹوپی کے پیلے پیپل پان، اُجلے ہیں موتی
آمینہ بی بی کی گودی میں کھیلے گا گوپی

جھو بالا جھورے جھو

ہری ہری ٹوپی کو ٹانکے ہیں مونگا و موتی
فاطمہ بی بی کی گودی میں کھیلے گا گوپی
جھو بالا جھورے جھو

علاقۂ برار میں یہ گیت آج بھی عورتیں گاتی ہیں۔ برصغیر کے بعض علاقوں میں خالصتاً مذہبی رنگ لیے ہوئے جھولے کے گیت گائے جاتے ہیں۔ان میں سے کچھ گیت تو مکمل نعت ہی ہوتے ہیں:

ہو مبارک۔ مبارک قدم مصطفیٰ کے
آج شادی ہے گھر آمنہ کے

ڈوری لا الہ کی لگی ہے
تکیے لگے الا اللہ کے
جبرئیل جھولا جھلاتے کھڑے ہیں
سرہانے ادب سے مصطفیٰ کے

اب تو سوجا۔ سوجا پیمبر خدا کے
آج شادی ہے گھر آمنہ کے

(ڈاکٹر میمونہ دلوی: کوکن اور ممبئی کے اردو لوک گیت، ممبئی، ۲۰۰۱ء، ص ۵۰۲)

اور جھولے کے گیت میں نعت کا یہ پہلو بھی ملاحظہ کیجیے:

منبر نبوت کا کُرتا پہنائے ٹوپی رسالت کی سر پہ پہنائے
فضلِ تعالیٰ کی چادر اوڑھائے کشیدہ اصیل کی کنگی پھرائے
صل علیٰ کا جھولا جھولائے
جھو جھورے جھو جھو جھو

پانچ سہاگن مل مل کے گائے ختم رسول جب جھولے میں سوئے
اُمتی اُمتی کرکے ہونٹ ہلائے اپنی اُمت کی مغفرت چاہے
کلمے کی انگلی ہر دم اٹھائے
جھو جھورے جھو جھو جھو

(ڈاکٹر میمونہ دلوی: کوکن اور ممبئی کے اردو لوک گیت، ممبئی، ۲۰۰۱ء، ص ۵۰۰)

جھولے کے گیتوں کو شعرا نے ادبی رنگ میں ڈھالنے کی بھی کوشش کی ہے۔ بعض ایسی منظومات ملتی

ہیں جنھیں جھولے کے گیتوں پر منطبق کیا جاسکتا ہے۔ ابراہیم عادل شاہ ثانی کے معاصر شاعر عبدلؔ نے ''ابراہیم نامہ'' ۱۶۰۳ء میں لکھا تھا۔ اس کے حمدیہ اشعار میں جھولنا نامہ کا اسلوب پایا جاتا ہے:

کیا دیس مل باپ نس مائی جن — ہوا پونگڑا چاند نرمل رتن
گنوارے گگن باہ کر تس جھلا — پکڑ ڈوری کہکش سوتس کو ہلا
پڑیا روونا آنجھواں ڈال کر — پڑے بوند بوند ہو ستارے بکھر

(عبدلؔ دہلوی، مرتبہ: مسعود حسن خاں، ''ابراہیم نامہ''، علی گڑھ، ۱۹۶۹ء، ص ۴)

شاعر کہہ رہا ہے کہ دن (باپ) اور رات (ماں) کے اختلاط سے چاند (پونگڑا: لڑکا) پیدا ہوا۔ آسمان کے گنوارے (جھولے) میں اسے جھولانے کے لیے کہکشاں کی ڈوری باندھی گئی۔ وہ (پونگڑا: چاند) جب رونے لگتا ہے تو اس کی آنکھوں سے آنسو ستارے بن کر جھڑنے لگتے ہیں۔

''جھولے کے گیتوں میں اکثر حضور ﷺ کی ولادتِ باسعادت کا ذکر خیر و ثواب کی نیت سے کیا جاتا ہے۔ یو پی کے ایک شاعر نور سہارن پوری نے اپنے ایک جھولنا نامہ میں حضور ﷺ کی ولادت کا ذکر بڑے والہانہ انداز میں کیا ہے:

جھولتے جب نبی مصطفیٰ جھولنا — جھوم کر کہتا صل علیٰ جھولنا
جھولنا تھا کہ تخت سلیمان تھا — ایک گل دستۂ باغِ رضوان تھا
نوری پھولوں سے پھولا پھلا جھولنا — جھوم کر کہتا صل علیٰ جھولنا

(نور سہارن پوری ''دیوانِ نعت'' سہارن پور، ۱۹۳۹ء، ص ۱۷۔۱۶)

حضرت صوفی امجدؔ حیدر آبادی (م ۱۹۶۰ء) کے جھولنا ناموں میں تو عقیدت و شعریت کا حسین سنگم دکھائی دیتا ہے۔ امجد حسین امجدؔ صوفی منش شاعر تھے۔ عشقِ رسول ﷺ میں سرشار، خدائے لم یزل کے نیک بندے۔ ''نبی جی کی لوری'' ان کی ایسی نظم ہے جو لوری کے انداز میں لکھی گئی ہے اور دکن میں بنات الاناث بچے کی ولادت کے موقع پر نومولود کو جھولے میں ڈال کر اسے نہایت مترنم اور دل کش انداز میں گاتی ہیں:

آمنہ بی بی کے گلشن میں آئی ہے تازہ بہار — پڑھتے ہیں صلی اللہ علیہ وسلم آج در و دیوار
نبی جی! اللہ اللہ ھو لا الہ الا ھو
سیّد مکی ماہِ مدینہ پیارے نبی جی آئے — چھین لیا دل من موہن نے چاند سا مکھڑا دکھائے
نبی جی! اللہ اللہ ھو لا الہ الا ھو
ننھے دل کا جھولا بنائے، تارِ نظر کی ڈور — سوتا ہے اس میں ماہِ رسالت، نور بھرے بر پور
نبی جی! اللہ اللہ ھو لا الہ الا ھو

(امجدؔ حیدر آبادی (بحوالہ) ''تحفۂ محمدی ﷺ'' الیاس برنی، لاہور، ۱۹۴۸ء، حصہ دوم، ص ۲۳۔۲۲)

یہاں تک تو ذکران لوک گیتوں کا ہوا جو بنات الامت میں مقبول و معروف ہیں اور وہی تقریبات میں انھیں گاتی اور گنگناتی بھی ہیں لیکن محنت مزدوری کر کے اور مشقت و تکلیف اُٹھا کر روزی روٹی کے مسئلے سے نبرد آزما ہونے والے مرد بھی اپنی تکان اور کلفت مٹانے کے لیے گیتوں کا سہارا لیتے ہیں۔

عمرانیات اور ساجیات کی روشنی میں سماج کا مطالعہ و مشاہدہ کریں تو پتا چلتا ہے کہ پیشوں کے لحاظ سے معاشرے وجود میں آتے ہیں اور ہر معاشرے کی اپنی علاحدہ شناخت اور تہذیبی قدریں ہوتی ہیں۔ ان تہذیبی قدروں کی چھاپ اُن کے یہاں روایتاً چلے آرہے لوک گیتوں میں بھی دکھائی دیتی ہے۔

کوکن میں ماہی گیری عام پیشہ ہے۔ اس پیشے سے منسلک لوگوں میں ہندو مسلمانوں کی تفریق نہیں۔ ہر دو قوم کے لوگ یہ کام کرتے ہیں۔ یہ لوگ جب سمندر میں ماہی گیری کرتے ہیں تو سمندر کی موجوں میں ہچکولے کھاتی ہوئی کشتیوں میں تیز بہنے والی سمندری ہوا کے رُخ پر جھوم جھوم کر گیت گاتے ہیں۔ ماہی گیری کے ایسے ہی گیتوں میں احسن مقبہ کا یہ غزل نما گیت کافی مشہور ہے۔ یہ اگر چہ کوکنی اردو میں ہے لیکن قارئین کے سمجھنے کے لیے اس گیت کے مراٹھی الفاظ میں معمولی تبدیلی کی گئی ہے:

آپ کے روضہ کی زیارت کا — یا نبی شوق بے نہایت ہے
کون حضرت کے بعد ہوگا نبی؟ — ختم حضرت پہ ہی نبوت ہے
بے گماں جنتی کریں گے ضرور — آپ کا ذکر، جو عبادت ہے

اور یہ نعتیہ غزل نما گیت بھی مچھیروں کی زبان میں سمندری موجوں پر نہایت جوش و انبساط سے گایا جاتا ہے:

نکل کر باغِ جنت سے کرے روضہ کی دربانی
اگر دیکھے مدینہ آ کے رضواں یارسول اللہ
ازل سے آپ پر اور آپ کے اصحاب پر ہر دم
دل و جاں سے یہ احسن بس ہے قرباں یارسول اللہ

یہ تو سمندری ساحل پر بسنے والے ماہی گیروں کے گیت ہیں لیکن اتر پردیش کے دوآبہ کے علاقے میں دہلی سے الہ آباد تک گنگا جمنا کے کنارے آباد شہروں میں جن ملاحوں کے خاندان آباد ہیں (مثلاً دہلی میں بلی ماراں کی قدیم بستی جو جمنا کے متصل واقع ہے، آگرہ میں اکبر آباد کا قدیم شہر وغیرہ۔) وہ ملاح لمبے بانسوں (بلّیوں) اور چپو (پتوار) کے سہارے دریا میں ناؤ چلاتے ہیں۔ ناؤ چلاتے وقت مسلم ملاح اکثر یہ گیت گاتے ہیں:

بسم اللہ مجریھا پڑھ کر ہو بیٹھو اسوار سجنی سبد اللہ ہو نکلے
ٹوٹے نا پاوے تار، نیّا کھے ای کے بیڑا لگاویں پار
نرگن کی موری نیّا، پاتی پنج تن ہیں کھوئیا، کھے ای کے لگاویں بیڑا پار

بھنورا ربر جل اتھل پتھل ہے موہے ناہیں پرواہ لنگر خاتون جنتی
سیدھی الٹی راہ ہے، حسنؑ حسینؑ ڈانڑیں دونوں پتوار
حیدر شاہ ہیں گن مانی، کھڑے نبی جی مالک تو اللہ
نیا کھے ای کے نکلے پار، ٹوٹے نا پاوے تار
بسم اللہ مجریھا پڑھ کر بیٹھو اسوار

(اظہر علی فاروقی: اتر پردیش کے لوک گیت: دہلی، ۱۹۸۱ء، ص ۵۴۲)

''بسم اللہ مجریھا ...الخ'' یہ قرآنی دعا سمندری سفر کے دوران کشتی میں سوار ہوتے وقت پڑھی جاتی ہے۔ اللہ کے رسول حضرت محمد ﷺ نے دورانِ سفر یہ دعا پڑھنے کی تاکید بھی فرمائی ہے۔ قابلِ تعجب امر یہ ہے کہ عوامی گیت میں اس آیت کا برجستہ استعمال، لوک گیتوں کے گانے والوں کے ادبی ذوق کا مظہر بن گیا ہے۔

اُتر پردیش کے بعض علاقوں میں مسلمان گدّی، گھوسی اور دھوبی وغیرہ کی ذاتیں اپنے پیشوں کی وجہ سے وجود میں آئی ہیں۔ یہ لوگ اپنے پیشہ کے کام کرتے ہوئے اکثر اپنے معاشرے میں مقبول لوک گیت گنگناتے رہتے ہیں۔ کام کی تکان دُور کرنے کے لیے اور تکلیف کے احساس کو کم کرنے کے لیے گنگنانا نفسیاتی اور فطری عمل ہے۔ شاید یہی سماجی نفسیات (Social Psychology) لوک گیتوں کو جنم دیتی ہے۔ اعظم گڑھ کے علاقے میں گھوسیوں کا یہ لوک گیت معروف ہے۔

ضلع اعظم گڑھ ہے نظام آباد تھنوا — چھوٹا سا موضع ہے پھر ہیں مکنوا
پیچو نام ذات اک گھوسی — بناویں برہا، دھریں مولا پہ دھنیوا
کہت مگن جو لو کی ڈور لگاوے — اوہی سیدھا جنت ما جاوے
روزن کہیں بلا تقصیر ہوا کلیجہ چیر — یاحضرت رسول آؤ بنو دستگیر

(اظہر علی فاروق: اتر پردیش کے لوک گیت، ص ۵۲۸)

پیشے کے لحاظ سے سماج میں دھوبیوں کی بھی اپنی علاحدہ ذات تسلیم کی جاتی ہے۔ گدھے پر میلے کپڑوں کے گٹھے لاد کر دریا کے کسی گھاٹ پر پہنچنا اور دریا کے پانی سے خوب پٹخ پٹخ کر کپڑے دھونا یہی دھوبیوں کا کام ہوتا ہے۔ مشقت کے احساس کو کم کرنے کے لیے دھوبی نہایت انہماک سے گیتوں کو گنگناتے ہیں۔ ان گیتوں میں صوفیانہ تصورات کا بڑا دخل ہوتا ہے۔ استعارے اور علامتوں کے ذریعے وہ اشعار کے معنوی حسن کو دوبالا کردیتے ہیں۔ ان کے گیتوں کی تہہ داری کا اندازہ خواجہ احمد نظامی کی اس تحریر سے لگایا جاسکتا ہے، جو انھوں نے ''کاغذی گھاٹ'' کے عنوان سے لکھی تھی۔

کپڑے دھوتے دھوتے ساری عمر دریا کے کنارے گزری مگر اپنا آپا میلا رہا۔ صاف ستھرے اور اُجلے پیا کی نظروں میں میری کیا قدر ہوگی اور اس تک کیوں کر پہنچنا نصیب ہوگا۔

اچھانوا کے بابو تو نے کل کہا تھا یثرب نگر میں ہمارے چودھری سارے سنسار کے تنوں کو دھونے آئے تھے۔ اس کا بھید مجھ کو بتا کہ کیا بات تھی۔

موری میلی گدڑیا دھووے

یثرب کے پیارے نبی

دھوبی نے کہا! یہ میلی گدڑی ساری دنیا ہے۔ خود ہمارے وجود ہیں۔ گناہوں اور شک وشبہ کے دھبوں کو صاف کرنے کے لیے خدا نے یثرب نگر میں ایک بڑے چودھری کو پیدا کیا۔ اس نگر کو مدینہ کہتے ہیں جو عرب میں ہے، جس نے سارے جہاں کے دھبے دُور کردیے ہیں اور یہ سب میلی گدڑیاں دھوکر رکھ دیں۔ یہی وجہ ہے کہ میں بے چارہ غریب دھوبی کاغذی گھاٹ پر کپڑے دھونے آیا ہوں۔

(مشمولہ ''اتر پردیش کے لوک گیت، ص ۱۷۱ور ۵۷۳)

دھوبیوں کے اس قسم کے گیت ہندی چھندوں میں ہوتے ہیں۔ ''کنڈلی'' چھند میں دھوبیوں کا یہ گیت معراج کے واقعے کی بھرپور عکاسی کرتا ہے۔

تھا پردہ لامکاں نبی کو پاس بٹھایا
ہووے دونوں بیچ کلام نبی اور باری تعالیٰ
باتیں تو ہوئیں پیاری پیاری
بتادے سب بھید
بھئی بتادے سب بھید
اور کیا باتیں ہوئیں مولیٰ سے
بتلا سب کو مت کر دیر
مت کر دیر اجی گا دیا مت کر دیر

(اتر پردیش کے لوک گیت، ص ۵۷۷)

گڈی، گھوسی، ملاّح، مچھیرے اور دھوبی وغیرہ کے علاوہ کاشت کاروں اور باغبانوں کا پیشہ زراعت ہے۔ گزشتہ زمانے میں فصلوں کو پانی پہنچانے کے لیے کھیتوں میں بڑے بڑے کنویں کھودے جاتے اور

چمڑے کے بڑے ڈول سے بیلوں کے ذریعے کنویں سے پانی کھینچا جاتا اور اونچے حوض میں جمع کر کے نالیوں کے ذریعے پورے کھیت میں آب رسانی کی جاتی۔ کنویں سے پانی کھینچنے کے لیے کاشت کار جب بیلوں کو ہانکتا اور بیل پانی سے بھرا بڑا ڈول کھینچتے ہوئے چلنے لگتے تو کسان خوشی میں گیت گاتا جاتا۔ مہاراشٹر میں یہ گیت ''موٹ کے گیت'' کے نام سے معروف ہیں۔ موٹ (چمڑے کا بڑا ڈول) سے آب رسانی کا یہ طریقہ قدیم زمانے سے چلا آرہا ہے۔ حضرت نظام الدین دہلوی کے متعلق ایک واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ:

> وہ (حضرت نظام الدین) اپنے شاگرد حضرت امیر خسرو کے ساتھ کسی کھیت سے گزر رہے تھے۔ کسان ''موٹ'' کے ذریعے کھیت میں پانی پہنچا رہا تھا اور نہایت والہانہ انداز میں اپنی زبان میں کوئی گیت گا رہا تھا۔ حضرت نے خسرو سے پوچھا، کسان کیا گا رہا ہے؟ تو خسرو نے جواباً ارشاد فرمایا۔ پیر و مرشد یہ گا رہا ہے... ''الا بذکر اللّٰہ تطمئن القلوب'' سنتے ہی حضرت نظام الدین پر وجد کی حالت طاری ہوگئی اور وہ اسی حالت میں اس آیتِ کریمہ کو بار بار دہراتے رہے۔ الا بذکر اللّٰہ تطمئن القلوب۔ الا بذکر اللہ تطمئن القلوب۔

مقامی بولیوں میں بھی موٹ کے گیت ملتے ہیں۔ دکنی شعرا نے ایسے گیتوں کو زندہ رکھنے کے جتن کیے ہیں۔ چناں چہ سلیمان خطیبؔ کے مجموعۂ کلام ''کیوڑے کا بن'' میں اس قبیل کے گیت مل جاتے ہیں، کسی غیر معروف دکنی شاعر کا یہ گیت:

ٹھنڈا ٹھنڈا موٹ کا پانی
چل میرے راجا چل میرے جانی

تو مراٹھواڑے کے علاقے میں مقبول رہا ہے۔ کسان کی زبان میں اور موٹ کی چرخی کی آواز کو شعری آہنگ بنا کر یہ گیت لکھا گیا۔ اس گیت کی ادبی خصوصیت یہ ہے کہ کسان کی تکلیف دہ زندگی کی مزاحیہ انداز میں تصویر کشی کر کے ایک طرف ہنسانے کے جتن کیے گئے ہیں تو گیت کے اختتام پر قاری کی آنکھیں اشک بار ہو جاتی ہیں۔ نشاطیہ اور المیہ ہر دو جذبات کو سلیمان خطیب بھی بڑے فن کارانہ انداز میں یک جا کر دیتے ہیں۔ ایسے گیتوں میں وہ اللہ اور رسول ﷺ کا ذکر بھی والہانہ انداز میں کرتے ہیں۔

کسانوں کا ایک دوسرا طبقہ باغ بان ہوتا ہے۔ پھل، سبزیاں اور ترکاریاں اُگا کر بیچنا ان کا پیشہ ہوتا ہے۔ اپنے پھلوں کو بیچنے کے ان کے الگ الگ طریقے ہوتے ہیں۔ گانوں میں اپنے پھلوں کی تعریف کر کے بازار میں انھیں فروخت کرنا بھی ان کا ایک طریقہ ہے۔ اردو کے عوامی شاعر حضرت نظیر اکبر آبادی نے باغ بانوں کے لیے عوامی گیت تخلیق کیے ہیں۔ ''بنجارہ'' وغیرہ نظمیں تو اخلاقی درس دینے والی ہیں لیکن

''ککڑی والے کی صدا'' یہ گیت تو آج بھی وہاں کے باغ بانوں اور پھل فروشوں کی زبانوں پر ہے۔

کیا خوب ککڑیاں ہیں کیا خوب ککڑیاں ہیں
لیلیٰ کی انگلیاں ہیں، مجنوں کی پسلیاں ہیں
چاہے نمک لگا لو، یا چیر کر ہی کھا لو
ہیں نرم و شیریں ایسی ہونٹوں سے ہی چبا لو
کیا خوب ککڑیاں ہیں کیا خوب ککڑیاں ہیں

درج بالا تمام مثالوں سے ثابت ہوتا ہے کہ لوک گیت انسان کی معاشرتی و پیشہ ورانہ زندگی سے مربوط ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان میں سانس لیتے ہوئے انسان کے عمرانی حالات اور اس کی زندگی (سماجی) کے ارتقا کے مراحل موجود ہوتے ہیں، جو زندگی کے گزرے خوش گوار/ ناخوش گوار لمحوں کی یادیں تازہ کر دیتے ہیں اور مستقبل کے حسین خواب سجانے کی تحریک دیتے ہیں۔ یہ حسین خواب سجاتے سجاتے اور زندگی کو سنوارنے کی تگ و دو کرتے کرتے بالآخر آدمی کو موت کا بلاوا آ جاتا ہے۔ روح اس کے قفسِ عنصری سے نکل جاتی ہے اور پھر اس کے جسم کو قبر کے گڑھے میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دفن کر دیا جاتا ہے۔ آدمی کی زندگی کے اس آخری سفر کے لیے بھی برائے عبرت لوک گیت لکھے گئے ہیں۔ چناں چہ سنت کبیؔر سے منسوب یہ ''چوپائی'' آخری سفر کی منھ بولتی تصویر ہے:

پلنگ کے چار پہیے فرشتے اُٹھانے کو آئے
ذرا دھیرے لے چلو بھائی خدا کو منھ دکھانا ہے

دکن میں جنازے کو گھر سے قبرستان لے جاتے وقت نہایت پُرسوز آواز میں کورس کی شکل میں یہ گیت گانے کی روایت ملتی ہے۔

کلمۂ لا الٰہ الا اللہ ہیں محمد مرے رسول اللہ
مجھ کو ہر وقت روز و شام و پگا یہ سخن نقشِ دل دل پہ ہے واللہ
کلمۂ لا الٰہ الا اللہ
ہیں محمد مرے رسول اللہ
یہ مکرر حدیث میں آیا یعنی حضرت نے یہ ہے فرمایا
بے مشقت بہشت کو پایا صدقِ دل سے زباں پہ گر لایا
کلمۂ لا الٰہ الا اللہ

لیکن عقیل حیدر آبادی تو موت کے بعد والی زندگی میں جنت کے داخلے کے لیے داروغۂ جنت سے

سیدھے ہم کلام ہو جاتے ہیں۔ انھیں رسولِ پاک حضرت محمد ﷺ کی شفاعت کا پورا یقین ہے۔ اس لیے داروغہ جنت سے ہم کلامی میں شاعر کے لہجے میں التماس اور تنبیہ دونوں شامل دکھائی دیتے ہیں۔ عقیل کی یہ مختصر نظم بڑی موثر اور دل کش ہے۔ دکنی لب و لہجے نے نظم کے اشعار میں گویا جان ڈال دی ہے۔

خیالاں سارے عطراں میں ڈبا کو لایا ہوں
نبی کی نعت کو پھولاں پنا کو لایا ہوں
داروغہ بھیج دے جنت میں کھول کر پھاٹک
بڑے رسول کی بخشش لکھا کو لایا ہوں

اس طرح مہد سے لحد تک آدمی کی معاشرتی زندگی کے ہر مرحلے کی عکاسی اردو لوک گیتوں میں ہوئی ہے۔ ان میں دنیاوی مذاق کے ساتھ ساتھ روحانی افکار کی ترجمانی بھی ہوئی ہے۔

لوک ادب کو زبان کے قواعد اور فن کی میزان پر تولنا عبث ہے کہ لوک ادب تو دِل کی بات زبان پر لا کر چھوڑ دیتا ہے۔ اسے مصنوعی آرائش وحسنِ جمال سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا۔ صنائع اور ملمع سازی کا لوک ادب متحمل نہیں ہو سکتا۔ اس کے فطری پن میں جو حسن جلوہ فگن ہوتا ہے وہ اپنی مثال آپ اور تابانی میں بے مثال ہوتا ہے۔ لوک گیتوں کا یہ حسن اوبڑ کھوبڑ پہاڑوں پر، خودرو جھاڑیوں میں اور بلا ترتیب اُگے ہوئے سبزہ زاروں کے درمیان کھلنے والے بے شمار پھولوں کے حسن کے مترادف ہوتا ہے، جن کا فطری حسن جنت نگاہ ہوتا ہے اور آدمی بے اختیار اُن کی طرف ملتفت ہو جاتا ہے۔ ایسے گیتوں میں ذکرِ خدا اور نامِ محمد ﷺ کی ضوفشانی یقیناً دل کا چین اور روح کی تسکین کا باعث ہوتی ہے۔

معصیت کے اس صبر آزما دور میں مذہبی عقیدت کے حامل لوک گیتوں سے عوام الناس کی وابستگی اللہ اور رسول ﷺ کے ساتھ ان کی مخلصانہ محبت کی دلیل ہے۔ ان گیتوں کو فقہی میزان پر تولنے کی کوشش کرنے اور شرک و کفر کے فتوے دینے سے سادہ لوح انسانوں کی خدا اور اس کے رسول ﷺ کے تئیں رکھی جانے والی مخلصانہ محبت میں رخنہ پڑ سکتا ہے۔ کیوں کہ محبت میں والہانہ استغراق حبیب کو جذبات کی ایسی دنیا میں پہنچا دیتا ہے، جہاں محبوب کے ہزارہا وجد آفریں جلوے اس کے جذبۂ عشق کی شدت کو بڑھا دیتے ہیں اور عشق کی کیف و مستی میں سرشار وہ دیوانہ وار اپنے محبوب کے تصور میں کھو جاتا ہے۔ عشق کی یہ وجد آفریں کیفیات اہلِ دل ہی سمجھ سکتے ہیں۔ اہلِ خرد تو عقل کی درماندگی اور خرد کی بے بسی کی وجہ سے اس مقام پر گھٹنے ٹیک دیتے ہیں۔ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے ایک سادہ لوح بندے کی خدائے عز و جل سے مجنونانہ وابستگی کی کیفیات کے اظہار پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ڈانٹ کا ایک واقعہ اپنی مثنوی میں بیان کیا ہے۔ اس تنبیہ پر اس شخص نے اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا چھوڑ دیا تھا۔ اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے موسیٰ علیہ السلام

کو تنبیہ کی گئی تھی کہ:

تو برائے وصل کردن آمدی
نے برائے فصل کردن آمدی

لوک گیتوں میں فطری جذبات کی عکاسی ہوتی ہے۔ مصنوعی پن اور ریاکاری سے اُن کا دُور کا بھی تعلق نہیں ہوتا۔ اس نظریے کے تحت اگر لوک گیتوں کو پرکھا جائے تو ہمیں رب و مربوب اور حبیب و محبوب کے درمیان کی کیف آفریں اور روح پرور وابستگی اور مخلصانہ محبت کا صحیح علم ہو سکتا ہے۔

ڈاکٹر سیّد یحییٰ نشیط - بھارت

ثنائے رسول ﷺ: روایت سے درایت تک

نعت کے مضامین میں تفقد و تدبر کی مثالیں دورِ نبوت ہی سے ملتی ہیں۔ بعض احادیث اور کتب السیر سے تو پتا چلتا ہے کہ خود حضور ﷺ نعتیہ اشعار کو درایت کی کسوٹی پر پرکھ کر اُن کی اصلاح فرما دیا کرتے تھے، تا کہ اُن میں کوئی ایسا سقم باقی نہ رہے جو شریعتِ مطہرہ کے منافی ہو۔ چناں چہ حضرت ربیع بن معوذ ؓ کے ولیمے پر لڑکیوں نے گیت گاتے ہوئے جب یہ مصرع "وفینا نبیٔ یعلم ما فی غد" پڑھا (یعنی ہمارے درمیان وہ نبی موجود ہیں، جو کل کے حالات، سے باخبر ہیں) تو آپ ﷺ نے اس مصرع کو پڑھنے سے لڑکیوں کو منع فرمایا۔

اس کے علاوہ غزوۂ اُحد کے موقع پر آپ ﷺ نے حضرت کعب ؓ کے قصیدے کے ایک شعر میں "عن جذمنا" کی جگہ "عن دیننا" لکھوایا اور قصیدہ بانت سُعاد کے اکیاونویں شعر کی ترکیب "سیوف الہند" کو "سیوف اللہ" میں متبدل کروایا۔ مذکورہ بالا تینوں مثالیں شانِ رسالت ﷺ میں عمداً توسیع اور تحدید کی تھیں، اس لیے اللہ کے رسول ﷺ نے ترفع و استقصار کے درمیان رہ کر اشعار میں جو اصلاح فرمائی وہ نعتیہ شاعری کے تنقیدی اصولوں کو منضبط کرتی ہے۔

اکابرینِ امت کے یہاں بھی نعتیہ اشعار میں فرطِ عقیدت کے ساتھ ہی فہم و فراست کے برتنے کی مثالیں مل جاتی ہیں۔ لیکن فرطِ محبت اور جوشِ عقیدت سے لبریز دل عقل کی پاسبانی کو قبول نہیں کرتا۔ شاید یہی وجہ رہی ہے کہ "با محمد ہوشیار ست" کے بلند آہنگ نعرے کو سُن کر بھی ہمارے اکثر شعرا "دم تیغ نعت" پر سنبھل نہیں سکے۔

یہ عجب اتفاق بھی ملاحظہ کیجیے کہ ایک طرف خردمندوں نے معرفتِ الٰہی کے راز ہائے سربستہ کی عقدہ کشائی کے لیے عقل پر تکیہ کیا تو فہم وادراک کے تحیر و درماندگی کے سوا انھیں کچھ ہاتھ نہ آیا اور جب فہم و فراست اُن کے لیے "پائے چوبیں" ثابت ہوئیں تو وہ پکار اُٹھے "معلوم شد کہ ہیچ معلوم نہ شد"۔ تو دوسری طرف عقیدۂ رسالت میں "من مانی" کرنے والوں نے روایتوں کے احترام میں عقل و خرد سے تہی عقیدت کے سہارے مقامِ رسالت کی معرفت حاصل کرنی چاہی تو انھوں نے بھی ٹھوکر کھائی۔ ایسے موقعوں پر فارسی کا

یہ فقرہ ''با خدا دیوانہ باشد با محمد ہوشیار ست'' کتنا با معنی محسوس ہوتا ہے۔

اردو ادب میں عقیدے کی شاعری کو ناقدین کا ایک طبقہ قابلِ التفات نہیں سمجھتا تو دوسرا طبقہ بر بنائے غلوئے عقیدت اسے تنقید سے بالاتر سمجھتا ہے۔ ان دونوں انتہاؤں کے بین بین نعتیہ شاعری کا جائزہ لیا جائے تو چند حقائق ہمارے سامنے آتے ہیں۔

۱۔ فرضی روایات

مذہبی شاعری میں غلوے عقیدت کے تحت بعض فرضی اور بے بنیاد روایتیں بھی در آئی ہیں۔ ایسی روایتیں ادبی حسن کو تو دوبالا کرتی ہیں لیکن کسی بھی زبان کا ادب ان پر اپنی اجارہ داری ثابت نہیں کر سکتا۔ بعض وقت یوں بھی ہوتا ہے کہ ایک ہی روایت معمولی سے فرق کے ساتھ دوسرے مذہبی ادب میں پائی جاتی ہے۔ اس کی وجہ مختلف تہذیبوں کے باہمی ارتباط و اختلاط میں تلاش کی جا سکتی ہے۔ ایسی روایتیں درایت کی کسوٹی پر پوری نہیں اُترتیں۔ یہ قوی الایمانی کا تو نہیں ضعیف الایمانی کا ذریعہ ضرور بن جاتی ہیں۔ اردو کی نعتیہ شاعری میں ایسی بعض روایتوں کو نہایت احترام کے ساتھ نقل کیا گیا ہے۔ چناں چہ ادارۂ ادبیات اردو حیدر آباد میں ایک مخطوطہ ''باز و فاختہ'' کے نام سے محفوظ ہے۔ اسی عنوان سے طالب نامی کسی غیر معروف شاعر کا ایک منظوم کتابچہ ۱۳۳۹ھ میں کریمی پریس ممبئی سے شائع ہوا تھا۔ معمولی فرق کے ساتھ اس میں حضور ﷺ کے ایثار و قربانی اور جود و سخا کا ایک واقعہ نقل ہوا ہے۔

> ایک روز حضور ﷺ اپنے صحابہ کے ساتھ مسجدِ نبوی میں تشریف فرما تھے کہ یکا یک ایک فاختہ اُڑتی ہوئی آئی اور آپ ﷺ کے عبا میں چھپ کر ملتجی ہوئی کہ مجھے باز سے بچائیے۔ اسی اثنا میں باز بھی اُڑتا ہوا وہاں پہنچ گیا اور کہنے لگا کہ فاختہ میری غذا ہے مجھے لوٹا دیجیے۔ آپ نے فاختہ کو بجائے لوٹانے کے اپنا گوشت لینے پر اسے راضی کر لیا۔ چھری سے آپ جب اپنا گوشت کاٹنے لگے تو دونوں پرندے اپنی اصلی شکل میں آ کر کہنے لگے کہ ہم جبرئیل اور عزرائیل ہیں اور بحکمِ خدا آپ ﷺ کے ایثار و قربانی کا امتحان لینا چاہتے تھے۔

صحاح ستہ میں یہ قصہ موجود نہیں اور نہ سیرت کی کسی کتاب میں آپ ﷺ سے منسوب یہ قصہ کہیں ملتا ہے۔ نصوص سے کہیں یہ ثابت نہیں ہوا کہ فرشتوں کا نزول حیوان و طیور کی شکل میں ہوا ہو۔ سورۂ ہود اور سورۂ مریم میں ابراہیم، لوط اور مریم علیہم السلام کے پاس فرشتوں کا انسانی شکل میں آنے کا ذکر ہے۔ جہاں تک احادیثِ نبویہ کا تعلق ہے تو ابن اسحاق کے حوالے سے ایک ضعیف حدیث حضرت جبرئیل علیہ السلام کے اونٹ کی شکل میں نزول فرمانے کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ خیر!

یہی روایت غواصی کے ''طوطی نامے'' میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے منسوب ہے۔ لیکن قابلِ غور امر تو یہ ہے کہ برادرانِ وطن کے یہاں یہی قصہ اُجین کے راجا شیبی رانا سے منسوب ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ یہاں اگنی اور ارون دیوتاؤں کا ذکر ہے۔

مقامِ استعجاب اور حیرت تو یہ ہے کہ مولانا عبدالسلام ندوی نے اپنی کتاب ''حکمائے اسلام'' جلد دوم میں امام رازی (م ۶۰۹ھ) کی سوانح میں اس طرح کا واقعہ تاریخ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ ایک کبوتر سراسیمگی کی حالت میں امام رازی کے قریب گر گیا اور باز کے حملے سے اپنے آپ کو بچا لیا۔ شرف الدین عینن اس جلسے میں موجود تھا۔ اس نے فی البدیہہ یہ دو شعر پڑھے:

> وہ کبوتر سلیمانِ زمانہ کے پاس اپنی فریاد لے کر اس حالت میں آیا کہ اُچک لینے والے باز کے دونوں بازوؤں سے اس کی موت نظر آتی تھی۔ کبوتر کو کس نے بتایا کہ آپ کا محل حرم ہے اور آپ خوفزدوں کے لیے جائے پناہ ہیں۔

اس طرح ایک ہی قصے کا یوں چار پانچ جگہوں پر معمولی فرق کے ساتھ پایا جانا اس کی اصلیت کو مجروح کر دیتا ہے۔ حضور ﷺ سے اس کی نسبت ماننے میں اس لیے بھی تامل ہوتا ہے کہ سوائے اردو کے یہ روایت کسی اور زبان کے نعتیہ ادب میں نہیں ملتی۔ درایت کی کسوٹی پر اگر اسے پرکھا جائے تو یہ روایت مقامی اثرات سے مملو دکھائی دیتی ہے۔

۲۔ منکر معراج کی روایت

واقعۂ معراج نبیٔ پاک ﷺ کی حیاتِ طیبہ کا نہایت اہم واقعہ ہے اور اسلامی تاریخ میں اس کی حیثیت مسلّم ہے۔ اس واقعے کو صحیح ثابت کرنے کے لیے عقلی و نظری دلائل کی کوئی ضرورت نہیں۔ پھر بھی قدیم شعرا نے عقیدت کے پیشِ نظر معراج ناموں میں ''من گھڑت/ موضوع'' روایتیں نقل کی ہیں، جن کا نہ ایمان و شریعت سے کوئی تعلق ہے نہ اسلامی تاریخ سے کوئی واسطہ۔ بلاقی کے معراج نامے (۱۰۶۵ھ) اور ضمیر لکھنوی کے ریحانِ معراج (۱۲۴۷ھ) میں منکرِ معراج کی ایسی ہی روایت نقل ہوئی ہے۔ یہ قصہ اکثر محافلِ میلاد میں بھی پڑھا جاتا ہے۔ قصہ یوں ہے کہ:

> ایک یہودی آپ کے معراج تشریف لے جانے اور وہاں سے لوٹ آنے کے حالات سُن رہا تھا، لیکن اس واقعہ کا اسے یقین نہ آیا۔ بیزاری کی حالت میں وہ محفلِ رسول ﷺ سے اُٹھا اور بازار سے مچھلی خرید کر گھر لوٹا۔ مچھلی بیوی کو دے کر وہ نہانے کے لیے دریا پر پہنچا اور پانی میں جیسے ہی غوطہ لگا کر اوپر آیا تو مرد سے عورت

میں تبدیل ہوگیا۔ کنارے پر بیٹھے ایک نوجوان نے دریا پر اس اکیلی عورت کو دیکھا تو اسے گھر لے گیا۔ جس سے اسے بارہ برس میں سات لڑکے ہوئے۔ ایک دن وہی عورت نہانے کے لیے اسی دریا پر پہنچی اور پانی میں غوطہ لگایا تو اپنی اصلی حالت میں آ گئی۔ یعنی وہ عورت دوبارہ مرد بن گئی۔ وہ شخص جب گھر لوٹا تو اس کی بیوی مچھلی دھو رہی تھی۔ یہودی یہ ماجرا دیکھ کر تائب ہوا اور حضور ﷺ کے ہاتھ پر مسلمان ہوگیا۔

سامعین کرام سے نہایت مؤدبانہ عرض ہے کہ ٹھیک ایسا ہی قصہ برادرانِ وطن کے یہاں قدیم ترین سنسکرت کتابوں میں کرشن کے تجرّد کے منکر کا بھی ملتا ہے اور دیا شنکر نسیم کی ''گلزارِ نسیم'' امثنوی میں یہ قصہ تاج الملوک سے منسوب کر دیا گیا ہے۔

اس قصے کو حضور ﷺ کے واقعہ معراج سے جوڑنے میں یوں تردد ہوتا ہے کہ مکّہ کے قرب و جوار میں کوئی ایسا دریا موجود نہیں جہاں غوطہ لگا کر نہایا جا سکے۔ پھر احادیث میں اس قسم کے کسی واقعے کا کہیں ذکر نہیں ہے۔ سیرتِ رسول ﷺ پر مشتمل کتابوں میں بھی یہ قصہ کہیں دکھائی نہیں دیتا۔ ہمارے شعرا نے فرطِ عقیدت میں ایسی موضوع روایات کو نعتیہ ادب میں شامل کر لیا ہے۔ محض اس لیے کہ ہمارے یہاں برادرانِ وطن ایسے ہی وطیروں سے اپنے معبودوں کے ساتھ عقیدت کا اظہار کرتے ہیں۔

۳۔ نعتیہ شاعری میں ابجد شماری

''علومِ مخفیہ'' کے نام پر جفر، نجوم، فراست الید، سحر الجر اور سحر الاسود وغیرہ فنون کو جہاں ایک طرف روحانیت سے جوڑنے کی کوشش کی گئی، وہیں دوسری طرف انھیں پیغمبروں، صحابیوں، ولیوں اور بزرگوں سے منسوب کر کے اُن فنون کے مذہبی تقدس کو منوایا گیا۔ ان فنون کے علاوہ شاعری کی بعض روایتی صنعتوں میں حروف اور اعداد کے استعمال سے بھی فنکاری دکھائی گئی ہے۔ ان میں حسابِ جمل یا ابجد شماری کو اہمیت حاصل ہے۔ اسی کے ذریعے ۹۲، ۷۸۶، ۹۷، ۲۲۲۱، ۲۴۱۷ وغیرہ اعداد کو تقدیسی حیثیت حاصل ہوئی۔ ان جیسے اعداد کا ہمارے شعرا نے نعتیہ اشعار میں ایسا استعمال کیا ہے جس کی وجہ سے شانِ الوہیت میں استخفاف کا پہلو نکل آتا ہے۔

فتاویٔ رضویہ میں ایسے اشعار پر فاضل بریلوی حضرت احمد رضا خاں نور اللہ مرقدہ۔ نے سخت گرفت کی ہے۔ فرحاںؔ بریلوی کے شعر:

(الف) غور سے ہم نے محمد کو جو دیکھا فرحاںؔ پانچ سو تیرہ برس پایا خدا سے پہلے

پر اعلیٰ حضرت اپنا فتویٰ صادر فرماتے ہیں:

''فرحاں ہمارے بریلی کے شاعر تھے۔ اُن کی زندگی میں اُن کی یہ غزل چھپی تھی۔
اس میں شاعر نے مہمل اور بے ہودہ لغو مطلب رکھا ہے کہ لفظ محمد کے عدد ۹۲ ہیں اور خدا کے عدد ۶۰۵۔ ظاہر ہے کہ ۶۰۵ سے ۹۲ بقدر ۵۱۳ کے مقدم ہے۔ بے ہودہ معنی اور بے معنی بات و نستغفر اللہ العظیم۔''

(ب) ''ہر شے میں نامِ محمد کی جلوہ گری'' کے عنوان پر شمیم طارق نے اپنی مرتبہ کتاب ''الرسول القائد'' میں ایک مضمون شامل کیا تھا۔ اس میں سنت کبیر سے منسوب ایک نعتیہ دوہے کو زیرِ بحث لایا گیا تھا۔ اس دوہے میں کسی بھی عدد کی جمع ضرب تقسیم اس انداز میں کی جاتی ہے کہ حاصل ضرب ۹۰ ہو جاتے ہیں اور اس میں بس دو☆ ۲ شامل کر دیں تو ۹۲ نکل آتے ہیں۔ لکھنؤ کی ایک شاعرہ بلقیس رضویہ کا عقدیہ اسی عنوان پر اپنے نعتیہ اشعار میں نہایت شدومد کے ساتھ اُبھر آیا ہے۔

ہر شے میں محمد ہیں یہ بڑھ بڑھ کے صدا دو
منکر کو حساب ابجد و ھوز کا سکھا دو
ہر شے پہ لکھا اسم مبارک ہے خدا نے
یہ صنعتِ خالق ہے اسے سب کو بتا دو

ترکیب ہے یہ لفظ کے اعداد کے تجمیع — مضروب کرو چار سے پھر دو کو ملا دو
پھر ضرب کرو پانچ سے اور بیس سے تقسیم — باقی جو بچیں، ضرب انھیں نو سے ذرا دو
پھر حاصلِ مضروب میں دو اور ملا دو — زاں بعد محمد کے عدد سب کو دکھا دو

بے شبہ ہوئے مالکِ کونین محمد
یہ پیکرِ عاجز کا سخن سب کو سنا دو

حضرات! اللہ تعالیٰ معاف فرمائے، یہ نام احمد کا کمال نہیں ریاضی کی کرشمہ سازی ہے۔ ہم ریاضی کے کئی طریقوں سے اس طرح کے عدد (۹۲) حاصل کر سکتے ہیں۔ سادہ لوح عوام الناس کو گم راہ کرنے کا یہ طریقہ عقیدتِ رسول کے نام پر خدا نہ کرے آخرت میں گرفت کا ذریعہ بن جائے۔

(ج) ''جہانِ رضا'' کے کسی شمارے میں سورج کے سالانہ ۲۸۰۴ بار درودِ ابراہیم پڑھنے کے عقیدے کو پیش کیا گیا ہے۔ مضمون نگار نے اولاً ریاضی کا ایک کلیہ مستنبط کیا ہے، اور اس کے نیچے ہر لفظ کے اعداد رکھ دیے ہیں: جیسے

اِلٰہ × (کعبہ + محمد) × درود شریف

۳۶×(۹۲+۹۷)×۴۶۳۸=۳۱۵۵۶۹۵۲

مضمون نگار نے کعبہ کے عدد ۹۷ کو سورج کی چار سو سالہ مداری گردش میں بننے والے ۹۷ لیپ دنوں سے جوڑا ہے جو محلِ نظر ہے اور یہ بھی فرض کر لیا ہے کہ سورج کعبہ کا طواف کر رہا ہے۔ اسی طرح اللہ، کعبہ، محمد ﷺ اور درود شریف کے اعداد تین کروڑ پندرہ لاکھ چھپن ہزار نو سو باون کو سورج کی سالانہ گردش کے سیکنڈوں سے جوڑا ہے حالاں کہ سالانہ گردش کے سیکنڈوں کے جو اعداد مضمون نگار نے درج کیے ہیں اس میں بھی سہو ہے۔ بعدۂ درودِ ابراہیم کے اعداد ۴۶۳۸ سے سالانہ گردش کے سیکنڈوں کو تقسیم کیا گیا ہے اور جو خارجِ قسمت اعداد آتے ہیں یعنی ۶۸۰۴ وہ انھیں درود شریف کی مقدار سمجھتے ہیں۔ مضمون نگار کا زمین کی گردش کا بار بار سورج کی گردش کہنا یا لکھنا بھی سائنسی حقائق کو جھٹلانا ہے۔

سامعین کرام! ہمارا دین سچا اور فطری، ہمارے رسول ﷺ سچے۔ پھر آپ کی صداقت اور ہمارے دین کی سچائی کو ثابت کرنے کے لیے ایسی دور از کار تاویلیں بھلا کیوں کر پیش کی جاتی ہیں؟ اس قسم کا نعتیہ ادب درایت کی کسوٹی پر پورا نہیں اُترتا۔ رسالتِ محمدی ﷺ کے اعتراف کے لیے یہ تاویلات ''پائے چوبیں'' ہیں۔ حضور ﷺ کی رسالت تو بغیر معجزات کے بھی ثابت ہے اور اسی پر ہمارا ایمان بھی ہے۔

حضرات! روایتوں کے احترام اور فرطِ محبتِ رسول ﷺ میں بعض شعرا کے یہاں تو نعتیہ اشعار میں شانِ الوہیت میں استخفاف اور انبیاے سابقین کی رفعتِ شان میں استقصار کے پہلو بھی دکھائی دیتے ہیں۔ ''میم کے پردے'' کی ایسی ہی ایک روایت شروع ہی سے نعتیہ شاعری میں عود کر آئی ہے۔ ہمارے شعرا نے اس روایت کو برتنے میں تخیل کو بے مہار چھوڑ دیا ہے تو نوبت اتصال فی العبد والمعبود کے تصور تک پہنچ گئی:

اُٹھا کر میم کا پردہ سب الا اللہ کہتے ہیں
احد کو میم میں ضم کرکے صلی اللہ کہتے ہیں
شبِ وصل خدا نے نبی سے کہا، تو اور نہیں مَیں اور نہیں
ہے میم کا پردہ کیا پردہ تو اور نہیں مَیں اور نہیں

ان اشعار اور اس قبیل کے دوسرے اشعار کے متعلق اعلیٰ حضرت کا فتویٰ ملاحظہ ہو:

> یہ اللہ عز و جل پر افترا ہے اور اس کا ظاہر کفر ہے... ان اشعار کا پڑھنا حرام حرام سخت حرام ہے۔ (فتاویٰ رضویہ۔ جلد ششم۔ صفحہ ۲۰۶)

غلط روایات کی پیروی کے اس رجحان نے نعتیہ کلام میں نعوذ باللہ خدائے فانی،☆[۱] خدائے مجبور،☆[۲] خدائے حاجت مند،☆[۳] خدائے محکوم،☆[۴] عبدِ کامل☆[۵] سے مطالبۂ خدائی، مواہبِ الٰہیہ☆[۶] میں تحدید و تکفیر شانِ کن فیکون کا☆[۷] استخفاف اور خدائے تعالیٰ کی تمثیل☆[۸] یا ثنویت جیسے گم راہ کن اور ایمانیات کے متبائن و متناقص

تصورات کو ہوا دی ہے۔ لیکن الحمدللہ! اب جو نعتیہ کلام منظرِ عام پر آ رہا ہے وہ بڑی حد تک نقائص سے پاک بھی ہے اور عقائد صالحہ کے مطابق بھی۔ پاکستانی نژاد امریکن شہریت یافتہ صفوت علی صفوتؔ کی ''مثنوی رسول'' اور سلیم شہزاد کا ''سفر آیات نغمہ'' میں آپ کے واقعۂ معراج کو جدید فلکیاتی انکشافات کے تناظر میں بیان کیا گیا ہے۔ روایتوں میں جہاں کہکشاں کے ستاروں کو براق کے قدموں کے نشان اور اس کی سپیدی کو گردِ راہ تصور کیا جاتا تھا، صفوتؔ نے اسی تصور کو جدید خلائی تحقیق کے تناظر میں پیش کیا ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ آج خلائی سفر جس طرح ممکن ہو گیا ہے، رسول اللہ وہی سفر (بلکہ آج کے خلائی سفر کا تصور سے بھی بہت آگے، کہکشاں در کہکشاں فلک الافلاک سے پرے) ایک رات میں چودہ سو سال قبل طے کر چکے تھے۔

جدید تعلیم نے ہمیں جو نئی بصیرت عطا کی ہے اس کا مثبت پہلو یہ ہے کہ آدمی عقائدِ باطلہ سے منحرف ہوتا جا رہا ہے اور جس کا دل خوفِ خدا سے معمور اور عشقِ نبی سے سرشار ہے اُس کے ایمان میں بڑھوتری کا سبب بھی یہی جدید تعلیم ہے۔ دوسری طرف یہی تعلیم مذہب بیزاروں کو "Dare To Walk In The Hell" کے لیے اُکسا رہی ہے۔

جدید نعتیہ شاعری الحمدللہ! روایاتِ باطلہ اور عقائدِ ضعیفہ سے بڑی حد تک پاک نظر آتی ہے۔ حفیظ جالندھری کی ''شاہنامۂ اسلام'' کے بعد صوفی محمد شریف غیرتؔ کی ''شہنشاہ نامہ'' محشرؔ رسول نگری کی ''فخرِ کونین''، سیّد زائرؔ حسین زائرؔ کی ''اوّل بھی آپ آخر بھی آپ''، قیصر الجعفری کی ''چراغِ حرا''، لالہ صحرائی کی ''غزواتِ رحمت اللعالمین''، منصورؔ ملتانی کی ''سیّد البشر''، عمیق حنفی کی ''صلصلتہ الجرس''، عنبر بہرائچی کی ''لم یات نظیرک فی نظر''، صفوت علی صفوتؔ کی ''مثنوی رسول''، امین صدیقی کی ''تنزیل''، نصیر پرواز کی ''رسولِ اکرم''، عبداللطیف کی ''حیاتِ مقدسہ''، ڈاکٹر عبدالمنان طرزیؔ کی ''سیرۃ الرسول'' (منظوم)، صادق بستوی کی غیر منقوطہ ''منظوم سیرت''، عبدالقادر دانشؔ فرازی کی ''محسن اعظم'' کے علاوہ پاکستان میں شایع ہوئی منظوم سیرتیں بطور مثال پیش کی جا سکتی ہیں، جن میں واقعاتِ سیرتِ رسول کو صحیح تاریخ و احادیثِ صحیحہ کے اعتبار سے نقل کیا گیا ہے۔

نعتیہ شاعری کے عام مجموعوں کی تعداد تو سیکڑوں میں پہنچتی ہے۔ اس میں بھی جدید شعرائے کرام نے احتیاط ملحوظ رکھا ہے۔ پاکستان میں ابوالخیر کشفی، شاہ ستار وارثی، منصور ملتانی، ریاض مجید، ریاض حسین چودھری، سیّد سلمان رضوی، حفیظ تائب، صبیح رحمانی، حنیف اسعدی، راجا رشید محمود، خالد احمد، اقبال عظیم، ہلال جعفری وغیرہ اور ہندوستان میں ظہیر غازی پوری، شرف الدین ساحلؔ، مہدی اعظمی، ابرار کرت پوری، مجبوب راہی، علیم صبا نویدی، کلیم شفائی، تابش مہدی، تسنیم فاروقی، حامد شرفی، اسد ثنائی، رؤف خیر، ناوک حمزہ پوری، ساحر شیوی، کاوش بدری، فضا ابن فیضی، سکندر شرفی، ڈاکٹر اشفاق انجم، سیّد محی الدین شرفی، ہوش

نعمانی، سیّد محمد جمیل الدین شرفی، حامد بدایونی، محمد فضلِ رسول قادری، ڈاکٹر عقیل ہاشمی، حامد امروہی اور حکیم رازی ادیبی کے علاوہ اور بھی بیسویں شعرا ہیں جن کے یہاں روایت پر درایت کو ترجیح دی گئی ہے۔

توضیحات:

۱۔ خدائے فانی

(۱) واللہ مصور بھی ہے سو جان سے قرباں
ایسی بھی ازل میں کوئی تصویر کھنچی ہے

(۲) حبیبِ پاک کی عظمت کا کیا ٹھکانہ ہے
خدائے عزوجل بھی ہے جاں نثارِ محمد

۲۔ خدائے مجبور

(۱) سرکار کی آمد سے ثابت ہوا اے..... (تخلص)
اللہ کو تھی جلوہ نمائی کی تمنا

(۲) صاف ظاہر ہے یہ ذکرِ معراج سے
خود خدا کو بھی ہے آرزو آپ کی

۳۔ خدائے حاجت مند

تجھ سے اللہ کو تعارف ہمیں عرفان ملا
تھا فریقین کو درکار وسیلہ تیرا

۴۔ خدائے محکوم

انوکھی بات نہیں عز و اقتدارِ حبیب
اصول ہے کہ محبّ پر ہو اختیارِ حبیب

۵۔ عبدِ کامل سے خدائی کا مطالبہ

(۱) تو تو جس خاک کا چاہے وہ بنے بندۂ پاک
میں خدا کس کو بناؤں جو خفا تو ہو جائے

(۲) تو جسم و روح کے آہنگ کا نڈر داعی
خدا کے پہلو بہ پہلو مجھے خدائی دے

۶۔ مواہب الٰہیہ کی تکفیر

(۱) تیری عطاؤں کی قسم تیری اداؤں کی قسم
تجھ سے جو کچھ نہ مل سکا تیرے نبی سے لے لیا

(۲) اللہ کے پلّے میں وحدت کے سوا کیا ہے
جو کچھ ہمیں لینا ہے لے لیں گے محمد سے

۷۔ شانِ کن فیکون کا استخفاف

وہ نغمۂ کن جس سے مرتب ہوئے کونین
اللہ کے پردے میں محمد کی صدا ہے

۸۔توحید کی تمثیل

یہ عجیب فلسفہ ہے کہ ہیں لاشریک دونوں
نہ نبی ہے کوئی اُن سا نہ خدا ہی دوسرا ہے

مراجع

☆۱۔ مدارج النبوۃ۔شیخ عبدالحق محدث دہلوی رمترجم مفتی غلام الدین نعیمی، دہلی۔۲۰۰۳ء

☆۲۔ ندائے شاہی (خصوصی نمبر نعت النبی) مرادآباد۔اشاعت دوم ۲۰۰۴ء

☆۳۔ قصیدۂ بانت سعاد۔مترجم ڈاکٹر قمر رئیس احمد نعمانی۔علی گڑھ

☆۴۔ اردو میں حمد و مناجات (ڈاکٹر سیّد یحییٰ نشیط۔کراچی۔۲۰۰۰ء)

☆۵۔ باز و فاختہ (مخطوطہ) ادارۂ ادبیات اردو، حیدرآباد

☆۶۔ باز و فاختہ: طالبؔ۔کریمی پریس، ممبئی ۱۳۳۹ھ

☆۷۔ حکمائے اسلام: عبدالسلام ندوی۔اعظم گڑھ

☆۸۔ معراج نامہ بلاقی (مخطوطہ) ایلچ پور، امراوتی

☆۹۔ ریحانِ معراج: ضمیر لکھنوی۔ادارۂ ادبیات اردو

☆۱۰۔ گلزارِ نسیم (مرتبہ: رشید حسن خاں) دیاشنکر نسیم۔جامعہ اردو، دہلی

☆۱۱۔ انو بھو ساز (مراٹھی)

☆۱۲۔ جہانِ رضا۔شمارہ ۸۷ جون ۲۰۰۰ء (پیرزادہ اقبال احمد فاروقی)

☆۱۳۔ فتاویٰ رضویہ......مختلف جلدیں

☆۱۴۔ الرسول القائد: مرتبہ شمیم طارق۔ممبئی

☆۱۵۔ مختلف منظوم سیرتیں رمجامع نعت وغیرہ

☆۱۶۔ طوطی نامہ: غواصی

☆۱۷۔ نعت رنگ: کراچی کے شمارے ۲۔۳۔۱۱۔۱۲۔۱۷۔اور ۱۸

محمد شہزاد مجددی۔ لاہور

اردو نعتیہ شاعری میں موضوع روایات

عصرِ حاضر فروغِ نعت کے ساتھ ساتھ نعتیہ ادب میں تنقیدی رجحانات کے بھی کئی دَر وا کرتا چلا جارہا ہے اور یقیناً وابستگانِ نعت کے لیے یہ سلسلۂ نقد و نظر باعثِ تقویت وطمانیت ہے۔

نعت اردو ادب کی ایک مقدس صنفِ سخن ہے اور دوسری مذہبی شاعری کی طرح اس کا منبع و مصدر بھی قرآن و سُنّت ہی ہیں۔ نعتیہ شاعری کے بیش تر مضامین قرآنی آیات اور احادیثِ مبارکہ سے مستفاد و ماخوذ ہوتے ہیں۔ وہ معدودے چند نعت گو شعرا جنھیں علومِ شرعیہ پر کامل عبور تھا، انھوں نے اپنے کمالِ علم وتقویٰ کی برکت سے نعت کی شمشیرِ آب دار پر مکمل حزم واحتیاط سے قدم رکھا اور وادیٔ عشق کو عافیت و سلامتی کے ساتھ پار کرنے میں کامیاب رہے۔

قرآن پاک کے بعد علومِ شرعیہ کا سب سے بڑا اور بنیادی ماخذ حدیث شریف ہے اور دیگر اہلِ علم کی طرح علمی ذوق کے حامل نعت گو شعرا نے بھی اس ماخذ سے استفادہ کیا ہے۔ چناں چہ اردو نعتیہ شاعری میں اَن گنت اشعار ایسے ملتے ہیں جن کے مضامین یا تو مشتمل بر احادیث ہیں یا کسی حدیث کے مضمون سے مستفاد ہیں۔ جب کہ کئی اشعار میں بلفظہٖ کسی حدیث کو منظوم کیا گیا ہے۔ اس وقت مرزا رفیع سوؔدا کا ایک مشہور شعر یاد آرہا ہے:

حدیث من رانی دال ہے اس گفتگو اوپر
کہ دیکھا جس نے اُن کو اُن نے دیکھی شکلِ یزدانی

البتہ یہاں پر یہ بات بھی لائقِ اعادہ ہے کہ شاعر کا خیال متنِ حدیث سے متعارض ہے۔ یہ حدیث پاک جسے امام ابوعیسیٰ الترمذی علیہ الرحمہ نے ’’شمائلِ ترمذی‘‘ میں روایت کیا ہے، کچھ یوں ہے:

من رانی فی المنام فقدرأ الحق

ترجمہ: جس نے مجھے خواب میں دیکھا اُس نے حقیقت میں (مجھے ہی) دیکھا۔

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمہ نے بھی اس حدیث سے استفادہ کرتے ہوئے بڑی احتیاط سے کہا ہے۔

کھلے کیا راز محبوب و محبّ مستانِ غفلت پر
شرابِ قدرا الحق زیبِ جامِ من رانیِ ہے

ایک مشہور حدیث کے متن کو فاضلِ بریلوی نے یوں منظوم کیا ہے

من زار تربتیِ وجبت لہٗ شفاعتیِ
ان پر دُرود جن سے نوید اُن بشر کی ہے

اکثر کتبِ سیر میں یہ روایت بایں الفاظ ملتی ہے۔

مَن زَارَ قَبری وَصَیتُ لہٗ شَفَاعَتِي

امام تقی الدین سبکی علیہ الرحمہ نے ''شفاء السقام'' میں اور امام ابنِ حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے ''الجوہر المنظم'' میں اسے نقل کیا ہے۔ ہمارے معاصر عرب فاضل شیخ حمود سعید الممدوح (دبئ) نے اپنی کتاب ''رفع المنارہ فی تکریخ احادیث التوسل والزیارۃ'' میں اس حدیث کی سند پر معترضین کو محققانہ جوابات دیے ہیں۔

محدث بریلوی علیہ الرحمہ کا ایک مشہور شعر ہے ۔

رب ہے معطی یہ ہیں قاسم
دیتا وہ ہے دلاتے یہ ہیں

یہ مضمون صحیح بخاری (کتاب العلم) میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث شریف سے لیا گیا ہے جس کے الفاظ درجِ ذیل ہیں:

اِنما اَنَا قَاسِمُ واللہ یُعطی

ترجمہ: اور اللہ عطا کرنے والا ہے جب کہ میں تقسیم کرنے والا ہوں۔

اس حدیث پاک پر مبنی راقم السطور کا ایک شعر بھی دیکھیے:

سنتا ہے فریاد خدا ہی، دیتا ہے شہزاد خدا ہی
کرتے ہیں تقسیم محمد صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت حفیظ تائب مرحوم کو بھی مضامینِ قرآن و احادیث نعتیہ اشعار میں منظوم کرنے میں خاص ملکہ حاصل تھا، چناں چہ وہ لکھتے ہیں۔

بجھا کہ نکتۂ خیر الامور اوسطھا
مجھے توازنِ فکر و نظر دیا تُو نے

اردو ادب کے نعتیہ ذخائر میں جہاں صحیح احادیث پر مبنی مضامین بکثرت ملتے ہیں وہاں سیکڑوں نعتیہ اشعار ایسے بھی ہیں جن کی بنیاد کسی شدید ضعیف یا ساقط الاعتبار موضوع (من گھڑت) روایت پر ہے۔ اور

موضوع یعنی وضعی وجعلی روایت عند المحد ثین صرف اور صرف اِس صورت میں بیان کرنا جائز اور حلال ہے جب کہ اس کی وضعیت کو ظاہر کرنا مقصود ہو کیوں کہ کسی قول یا فرمان کو بلا تحقیق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنا بہت بڑی جسارت ہے۔ جب کہ عمداً کسی ایسی بات کو جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ فرمائی ہو، آپ کی ذاتِ گرامی سے منسوب کرنا اکبرالکبائر ہے۔

ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

من كذب علي متعمداً فليتبوأ مقعدهُ من النار

ترجمہ: جس نے قصداً مجھ پر جھوٹ باندھا اُس نے اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالیا۔ (متفق علیہ)

ایک دوسرے مقام پر فرمایا:

من قال عني مالم اقل... جس نے میری طرف سے وہ بیان کیا جو مَیں نے نہیں کہا تو اُس نے اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالیا۔

آج کل تقریر وتحریر میں اس بے احتیاطی کی بھرمار ہے۔ واعظین اور قصہ گو قسم کے مقررین کا یہ عام وطیرہ ہے کہ وہ بغیر علم کے احادیث بیان کررہے ہوتے ہیں۔ محافلِ میلاد میں اسٹیج سیکریٹری اور نقیب قسم کے لوگ تو اس قسم کے خرافات پر چل رہے ہیں۔

حالاں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

كفى بالحرء كذباً ان بحدث بكل ما سمع...

ترجمہ: کسی شخص کے جھوٹا ہونے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ ہر سُنی سُنائی بات آگے بیان کردے۔ ایک روایت میں ''كفىٰ بالحرءِ اثماً'' کے الفاظ بھی آئے ہیں۔

افراطِ تجاہل کی موجودہ فضا میں ہم ائمہ محدثین کی رہنمائی میں ایسی روایات کی نشان دہی کا فریضہ سرانجام دینا وقت کی اہم ضرورت سمجھتے ہیں، جو نبی کریم ﷺ کے ارشادات نہیں ہیں اور انھیں احادیث کہہ کر سُنا سُنایا اور لکھا پڑھا جاتا ہے۔ ان موضوع روایت میں سے ایک مشہور قول ہے۔

''الفقر فخری و به افتخر'' (ترجمہ) فقر میرا فخر ہے اور مَیں اس کے ساتھ متفخر ہوں۔ اس قول کی شہرت اور مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ اچھے اچھے اہلِ علم اپنی تصنیفات و مقالات میں اسے نقل کرکے اس سے استشہاد کرتے ہیں۔ اور نعت گو شعرا اپنے کلام میں اس مضمون کو منظوم کرتے ہیں۔

علامہ اقبالؔ کا معروف مصرع ہے۔

''سماں الفقر فخری'' کا رہا شانِ امارت میں

ایک اور معاصر نعت گو شاعر لکھتے ہیں۔

ہیں اُمّت اس کی ہم ''الفقر فخری'' جس نے فرمایا
اُترتے کیوں نہیں پھر حشمت و نخوت کے مرکب سے

سلسلۂ سہروردیہ کے ایک فاضل صوفی بزرگ نے تصوف اور اہلِ تصوف کے دفاع میں ایک کتاب تالیف فرمائی جس کا عنوان ہی ''الفقر فخری'' ہے۔ یہ کتاب متعدد بار شائع ہو چکی ہے اس کے اندرونی ٹائٹل پیج پر ایک شعر یوں درج ہے۔

کروں مال و زر کی مَیں کیوں ہوس مجھے اپنے فقر پہ فخر بس
یہی حرزِ جانِ فقیر ہے، یہی ''قولِ شاہِ حجاز'' ہے

الغرض اس موضوع اور باطل روایت کو ایسے ایسے بزرگوں نے ''قولِ شاہِ حجاز'' ہی سمجھا اور تحریر و تقریر میں اسے بالالتزام جگہ دی۔ آیئے ائمہ محدثین اور ماہرینِ اصولِ حدیث کے اقوال و آرا کی روشنی میں اس قول کا تنقیدی جائزہ لیں۔

حضرت امام حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

الفقر فخری وبه افتخر و هذا الحديث سئل عندالحافظ ابن تيميه، فقال انه كذب لايعرف فی شئ كتب المسلمين المروية و جزم الاصفهانی بانهٔ موضوع۔ (تلخیص الحبیر ۱۰۹/۳)

ترجمہ: اس حدیث ''الفقر فخری'' کے بارے میں ابن تیمیہ سے پوچھا گیا تو انھوں نے کہا یہ جھوٹ ہے، مسلمانوں کے ذخیرۂ مرویات میں اس قسم کی کوئی چیز نہیں پائی گئی اور امام اصفہانی نے بھی اس کے موضوع (جعلی) ہونے کی تائید کی ہے۔

امام عسقلانی نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مروی ایک اور معروف روایت یہاں نقل کر کے وضاحت کی ہے کہ حضور علیہ السلام کی طرف منسوب ''فقر و مسکنت'' کی حقیقت کیا ہے؟

جضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللّٰهم احينی مسكيناً و امتنی مسكيناً و احشرنی فی زمرة المساكين

ترجمہ: اے اللہ مجھے مسکین ہی زندہ رکھ، مسکنت میں موت دے اور مساکین کے ساتھ میرا حشر فرما۔

اس روایت کو امام ترمذی نے غریب کہا اور اس کی سند میں ضعف ہے۔ ابن ماجہ، حاکم اور بیہقی نے اسے الگ الگ طریق سے روایت کیا۔

وقال البیھقی ووجھہ عندی انہٗ لم یسئل حال المسکنة التی یرجع معنا الی القلة وانما سال المسکنة التی یرجع معنا الی الاخبات والتواضع. (تلخیص الحبیر :۱۰۹/۳۔ سنن الکبریٰ بیہقی ۹۸/۱۰)

ترجمہ: امام بیہقی کہتے ہیں میرے نزدیک اس کی صورت یہ ہے کہ رسول ﷺ نے یہاں اس مسکنت کا سوال نہیں کیا جس کا معنی قلت لیا جاتا ہے، بلکہ آپ نے اس مسکنت کا سوال کیا ہے جس کا معنی انکسار اور عاجزی لیا جاتا ہے۔

ایک اور قابلِ غور امر یہ ہے کہ صحیح احادیث میں حضور ﷺ کا فقر سے استعاذ اور پناہ مانگنا ثابت ہے اور آپ نے صحابہ کرام ؓ کو بھی اس کی تعلیم فرمائی ہے۔

چناں چہ صحیحین میں فقر سے استعاذ کے الفاظ یوں مروی ہیں:

اللّٰھم اعوذبک من فتنة الفقر

ترجمہ: اے اللہ میں فقر کے فتنے سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔

(بخاری الدعواۃ، رقم ۵۸۹۱ مسلم فی الذکر والدعا رقم ۴۸۷۷)

سنن ابی داؤد میں عبدالرحمٰن بن ابی بکر کی روایت میں دعائیہ کلمات یوں ہیں:

اللّھم انی اعوذبک من الکفر و الفقر (ابوداؤد......۳۲۴/۴ رقم ۵۰۹۰)

ترجمہ: اے اللہ میں کفر و فقر سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔

یہاں کفر کے ساتھ فقر کا تذکرہ لائقِ عبرت بھی ہے اور محلِ تنبیہ بھی۔

صحیح ابن حبان میں حضرت ابوسعید خدری ؓ کی روایت ہے:

فقال رجل ویعتدلان؟ قال نعم. (الاحسان ۳/ رقم ۱۰۲۶)

ترجمہ: ایک شخص نے پوچھا کیا یہ دونوں برابر ہیں؟ آپ نے فرمایا، ہاں۔

مسند احمد اور صحیح ابن حبان میں حضرت ابوہریرہ ؓ سے مروی ہے۔

تعوذ و باللہ من الفقر۔ (احمد رقم ۸۰۷۳/ ابنِ حبان: ۲۳۹/۱: رقم ۹۷۹)

ترجمہ: فقر سے اللہ کی پناہ مانگو۔

سننِ نسائی میں ہے:

نعوذ و من الفقر و الفاقة.

ترجمہ: فقر و فاقہ سے اللہ کی پناہ مانگو۔ (نسائی: ۵۷۷۵)

الغرض احادیثِ صحیحہ میں فقر سے پناہ و نجات اور برأت کے مضامین کثرت سے ملتے ہیں۔ یہاں

ایک اور بات کوملحوظ رکھنا بھی ضروری ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لیے موجود، مذکور اور منصوص فضائل کا اظہار بھی فخر سے نہیں فرمایا، ہر جگہ "ولا فخرَ ولا فخر" کی تکرار سے اپنے رب کی بارگاہ میں اظہارِ عبودیت اور تواضع فرمایا ہے۔

امام شمس الدین السخاوی رحمۃ اللہ علیہ رقم طراز ہیں:

"الفقر فخری وبه افتخر... باطل الموضوع" (مختصر المقاصد الحسنہ: رقم ۲۹۲)

ترجمہ: الفقر فخری... الخ باطل اور گھڑی ہوئی روایت ہے۔

ملّا علی قاری علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں:

الفقر فخری وبه افتخر... قال العسقلانی هو باطل الموضوع. وقال ابن تیمیه هو کذب.

ترجمہ: فقر میرا فخر ہے... الخ عسقلانی نے اسے باطل اور موضوع کہا ہے اور ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ یہ کذب ہے۔ (موضوعاتِ کبیر، حرف فاء: ص:۵۰)

شیخ محمد بن طاہر پٹنی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

الفقر فخری وبه افتخر... قال شیخنا هو باطل موضوع. (تذکرۃ الموضوعات: ص:۱۷۸)

ترجمہ: الفقر فخری... ہمارے شیخ نے اسے باطل وموضوع کہا ہے۔

مزید لکھتے ہیں اسے الصفانی نے بھی موضوع کہا ہے:

شیخ العجلونی اس قول کو نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں:

قال الحافظ ابن الحجر باطل موضوع وقال فی التمییز کا المقاصد و من الواهی فی الفقر ما للطبرانی عن شداد ابن اوس رفعه "الفقر أزین بالمؤمن من العزارِ الحسن علیٰ خدا الفرش" وقال ابن تیمیه کذب و سندهٔ ضعیف و المعروف انهٔ من کلام عبدالرحمن ابن زیاد ابن انعمه کما رواهُ ابن عدی فی کامله۔

(کشف الخفاء، رقم: ۱۸۳۵)

ترجمہ: حافظ ابن حجر نے اسے باطل وموضوع کہا ہے۔ تمییز میں مقاصد الحسنہ ہی کی طرح (صاحب تمییز) نے کہا کہ فقر کے بارے میں روایتِ واہیہ میں سے ایک روایت ہے جسے طبرانی نے شداد بن اوس سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ فقر مومن کے لیے گھوڑے کے رخسار پر خوبصورت نشان سے بھی زیادہ موزوں ہے۔

ابنِ تیمیہ نے اسے کذب کہا ہے اور اس کی سند ضعیف ہے۔ جب کہ مشہور یہ ہے کہ یہ عبدالرحمٰن بن زیاد بن انعم کا قول ہے۔ جیسا کہ ابنِ عدی نے اسے اپنی کامل میں روایت کیا ہے۔

شارح بخاری امام احمد القسطلانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

واما مایروی انه صلی الله علی وسلم قال "الفقر فخری وبه أفتخر" فقال شیخ الاسلام و الحافظ ابنِ حجر هو باطل و موضوع. (المواہب اللدنیہ ۲/۱۶۲)

ترجمہ: اور یہ جو روایت کیا جاتا ہے کہ آپ نے فرمایا، الفقر فخری... الخ... کو شیخ الاسلام ابنِ تیمیہ اور حافظ ابنِ حجر نے اسے باطل و موضوع کہا ہے۔

تائید مزید کے لیے اعلیٰ حضرت محدث بریلوی قدس سرہ کی تحقیق بھی ملاحظہ فرمائیے:

حضورِ اقدس، قاسم نعم، مالک الارض، ورقابِ امم، معطیِ منعم، قسمِ قیم، ولی والی، علی عالی، کاشف الکرب، رافع الرتب، معینِ کافی، حفیظ وافی، شفیع شافی، عفو عافی، غفورِ جمیل، عزیز جمیل، وہاب کریم، غنیِ عظیم، خلیفۂ مطلق حضرتِ رب، مالک النّاس ودیّانِ عرب، ولی الفضل، جلی الافضال، رفیع المثل ممتنع الامثال صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ ارفع واعلیٰ میں الفاظِ مذکورہ (یتیم، غریب، مسکین، بے چارہ) کا اطلاق ناجائز وحرام ہے۔

خزانۃ الاکمل مقدسی وردالمحتار اواخر شتی میں ہے:

ویجب ذکره صلی الله علیه وسلم باسماء المعظمة فلا یجوز ان یقال انهٗ فقیر، غریب، مسکین.

ترجمہ: حضور ﷺ کا ذکر عزت وتکریم والے ناموں سے کرنا واجب ہے اور اس طرح کہنا جائز نہیں کہ آپ فقیر، غریب اور مسکین تھے۔

نسیم الریاض جلد رابع صفحہ ۴۵۰ میں ہے:

الانبیاء علیهم الصّلوٰة والسلام لایو صفون بالفقر و لایجوز ان یقال نبینا صلّی الله علیه وسلم فقیر" وقولهٗ عند "الفقر فخری" لا اَصل لهٗ کما تقدم.

ترجمہ: انبیاے کرام علیہم السلام کو فقر سے موصوف نہ کیا جائے اور یہ جائز نہیں کہ ہمارے آقا نبی کریم ﷺ کو فقیر کہا جائے۔ رہا لوگوں کا ''الفقر فخری'' کو آپ سے مروی کہنا تو اس کی کوئی اصل نہیں۔ جیسا کہ پہلے بیان ہوا ہے۔

اسی کے ۴۷۸ میں ہے:

قال الذرکشی کا لسبکی لایجوزان یقال لهٗ صلی اللہ علیه وسلم فقیر اور مسکین وھو أغنی الناس باللہ تعالیٰ لاسیحا بعد قوله تعالیٰ "ووجدک عائلاً فاغنی". وقوله صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم "اَللّٰھم اَحینی مسکیناً" ارادبه المسکنة القلبیة بالخشوع والفقر فخری" باطل لااصل له...... کما قال الحافظ ابنِ حجر عسقلانی.

ترجمہ: امام بدرالدین زرکشی نے امام سبکی کی طرح کہا ہے کہ یہ جائز نہیں کہ آپ کو فقیر یا مسکین کہا جائے اور آپ اللہ کے فضل سے لوگوں میں سب سے بڑھ کر غنی ہیں۔ خصوصاً اللہ تعالیٰ کے ارشاد "ہم نے آپ کو حاجت مند پایا سو غنی کر دیا" کے نزول کے بعد۔ رہا آپ کا یہ فرمان کہ اے اللہ مجھے مسکین زندہ رکھ...الخ تو اس سے مراد باطنی مسکنت کا خشوع کے ساتھ طلب کرنا ہے اور الفقر فخری باطل ہے۔ اس کی کوئی اصل نہیں جیسا کہ حافظ ابنِ حجر عسقلانی نے فرمایا ہے۔

(الفتاویٰ الرضویہ: جلد ششم، ص: ۱۲۶ مطبوعہ کراچی)

امام احمد رضا بریلوی رحمہ اللہ نے "کتاب الشفا" قاضی عیاض کے حوالے سے یہ صراحت کی ہے کہ سرورِ عالم ﷺ کی ذاتِ والاصفات کے لیے نازیبا اور غیر موزوں اسما و صفات کا استعمال حکایتاً بھی ناجائز و ممنوع ہے۔ اسی طرح بارگاہِ رسالت میں گستاخی و بے ادبی اگرچہ سہواً یا جہالت و لاعلمی کے باعث ہی ہو لائقِ گرفت اور ناقابلِ معافی جرم ہے۔

آخر میں کچھ معروف اور بزرگ نعت گو شعرا کے اسمائے گرامی کی فہرست اور اشعار ملاحظہ فرمایئے جنھوں نے "الفقر فخری" کو بطورِ حدیث نظم کیا ہے۔

۱۔ حفیظ جالندھری

اگرچہ "فقر فخری" رتبہ ہے تیری قناعت کا
مگر قدموں تلے ہے فرِ کسرائی وفا قانی

۲۔ مرتضیٰ احمد خان میکش

کروں مال و زر کی میں کیوں ہوس مجھے اپنے فقر پہ فخر بس
یہی حرزِ جانِ فقیر ہے یہی "قولِ شاہِ حجاز" ہے

۳۔ بہادر شاہ ظفؔر

جس کو حضرت نے کہا ''الفقر فخری'' اے ظفؔر
فخرِ دیں، فخرِ جہاں پر وہ فقیری ختم ہے

۴۔ ماہؔر القادری

سلام اس پر کہ تھا ''الفقر فخری'' جس کا سرمایہ
سلام اس پر کہ جس کے جسمِ اطہر کا نہ تھا سایہ

۵۔ حافظ مظہر الدین

سبق ہے یاد مجھ کو آج بھی ''الفقر فخری'' کا
بحمداللہ ہے میری خوئے درویشانہ برسوں سے

۶۔ محمد یار فریدی

فخر می دارد بفقرش مصطفیٰ
فقر را برہان مولانا فرید

۷۔ ضامؔن حسنی

''فقر فخری'' سے ہم آہنگ تھی شاہی جس کی
ایسا مولا کوئی دیکھا ہے بتا چرخِ کبود

۸۔ سید فیضی

''الفقر فخری'' جن کے لیے وجہِ ناز ہو
کیا اُن کے پاس رہتا ہے جود و سخا کے بعد

۹۔ بے چیؔن رجپوری

ازروئے ''الفقر فخری'' تھا سدا زہد و قنوع
پانی پینے کو رکھا جامِ سفالی آپ نے

۱۰۔ انیسہ ہارون

ارشادِ ''فقر فخری'' سے سرمایہ ٹھکرانے والے

ایضاً

مژدۂ ''فقر فخری'' سُنایا
حوصلہ مفلسوں کا بڑھایا

۱۱۔ حسن اختر جلیل

ہے اُس کا تاجِ سر ''الفقر فخری''
قناعت اس کے پیروں کی حنا ہے

۱۲۔ حافظ لدھیانوی

ہے فخر تجھے فقر پہ اے شاہِ دو عالم
اے ختمِ رُسل، ہادیِ دیں، خلقِ مجسم

۱۳۔ ایس اے رحمٰن

تجھے فخر تھا فقر پر سروری میں
مجھے بھی عطا ہو وہ دل کی امیری

۱۴۔ حفیظ الرحمٰن احسن

عجز کی شان ''الفقر فخری'' صفت رشکِ فغفور جاہ و حشم آپ کا
عظمتیں سرنگوں آپ کے سامنے نصب ہے رفعتوں پر علم آپ کا

۱۵۔ اسرار احمد مہاروی

اگرچہ فقر پہ اندازِ فخر حاوی ہے
تمھارا نقشِ قدم سجدہ گاہِ شاہاں ہے

(یہ شعر ماہ نامہ ''نعت'' ص ۵۶، فروری ۱۹۹۴ء میں شائع ہوا)

ہمارے خیال میں اس شعر کا مصرعِ اولیٰ یوں ہونا چاہیے:

اگرچہ فخر پہ اندازِ فقر حاوی ہے

۱۶۔ سید امین گیلانی

تجھ سے سُنا جب تیرے غلاموں نے ''الفقر فخری''
تخت انھوں نے روندے ہیرے رولے تاج اچھالے

۱۷۔ رفیع الدین ذکی قریشی

ہیں اُمت اس کی ہم ''الفقر فخری'' جس نے فرمایا
اُترتے کیوں نہیں پھر حشمت و نخوت کے مرکب سے

۱۸۔ ڈاکٹر سلطان الطاف علی

فقر ہے فخرِ محمد فقر ہے نورِ خدا
فقر کی تسخیر میں لوح و قلم ارض و سما

۱۹۔ جعفر بلوچ

مَیں ہوں فقر پرور پیمبر کی اُمت میں جعفؔر
مری جاں، مرا دین و ایماں ہے ’’الفقر فخری‘‘

(شاعر نے اس نعت میں ’’الفقر فخری‘‘ کو بطورِ ردیف استعمال کیا ہے)

۲۰۔ بشیر حسین ناظم

وہ ایسے قائلِ ’’العجز فقری‘‘ ہیں کہ عالم کی
غنا و سرفرازی ان کے کفشِ پا پہ قرباں ہے

(’’العجز فخری‘‘ کے الفاظ کتاب الشفا میں قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک طویل روایت بیان کرتے ہوئے نقل کیے ہیں)

۲۱۔ راجا رشید محمود

ملا ہے درسِ محمد سے ’’فقر فخری‘‘ کا
کمالِ فقر میں مضمر ہے قیصری اپنی

عزیز احسن۔ اسلام آباد

نعت اور تصورِ مقصودِ کائنات

اب اس سے بڑھ کے اور صفت کیا بیاں کروں
آقائے نام دار ہیں مقصودِ کائنات
(قمر رعینی)

نعتیہ ادب میں ایسے مضامین تو بہت باندھے گئے ہیں جن میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقصودِ کائنات ہونے کا ذکر ہے، لیکن میرے محدود علم کے مطابق جناب بیدم وارثی کے علاوہ کسی شاعر نے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے ساتھ کسی اور کو مقصودِ کائنات لکھنے کی جسارت نہیں کی! لولاک لما خلقت الافلاک کے حوالے سے بھی بہت کچھ شعری قالب میں ڈھلتا رہا، حالاں کہ حضرت احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ نے ان الفاظ کے ساتھ کسی حدیث کی موجودگی سے انکار فرمایا ہے۔ تاہم ''لولاک ماخلقت الدنیا'' کے الفاظ میں ایک حدیث قدسی کی نشان دہی خود اعلیٰ حضرت نے ایک استفسار کے جواب میں فرمائی تھی۔ (''نعت رنگ'': ۱۸، ص ۵۷۲)

قرآن کریم میں اللہ ربّ العزت نے انبیا علیہم السلام کے بارے میں اطلاع دی کہ ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی گئی ہے۔ تِلْکَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰی بَعْضٍ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ط.....الخ۔ ترجمہ: ''یہ سب رسول، ہم نے فضیلت دی ہے (ان میں سے) بعض کو بعض پر۔ ان میں سے کسی سے کلام فرمایا اللہ نے اور بلند کیے ان میں سے بعض کے درجے۔'' (ضیاالقرآن، ۱۷۵، جلد اوّل) اس سے ظاہر ہوا کہ نفسِ رسالت میں یکساں ہونے کے باوجود تمام انبیائے کرام بھی فضیلتوں میں یکساں نہیں ہیں۔ حضور نبی کریم محمد رسول اللہ، خاتم النّبیین اور رحمۃ للعالمین ﷺ ہونے اور اپنی رسالت کے زمانی اور مکانی، ابدی پھیلاؤ اور لامتناہی ہونے کے باعث ہی تمام انبیائے کرام پر فضیلت رکھتے ہیں۔ اُمتِ محمدیہ کو دعا سکھائی گئی ہے کہ ''اے اللہ! چلا ہم کو سیدھے راستے پر، راستہ اُن کا جن پر تُو نے انعام فرمایا'' (ضیا القرآن، جلد اوّل، ص ۲۵) اور انعام یافتگان کی فہرست بھی ربّ تعالیٰ نے خود ہی فراہم کردی۔ اللہ سے انعام پانے والے نفوسِ قدسیہ میں نبیین، صدیقین، شہدا اور صالحین ہیں۔ سورہٗ

نسا کی آیت: ۶۹ کی تفسیر میں حضرت علامہ قاضی محمد ثنا اللہ عثمانی، مجددی پانی پتی فرماتے ہیں ’’اللہ نے اس آیت میں انعام یافتہ لوگوں کی چار قسمیں بیان کی ہیں اور قرب کے لحاظ سے ان کی ترتیب قائم کی ہے اور سب لوگوں کو (در پردہ) ترغیب دی ہے کہ (مؤخر الذکر تینوں گروہوں میں سے کسی گروہ میں) شامل ہو جائیں۔‘‘

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کی درج بالا تشریح سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اُمت کا کوئی بھی فرد رسول اللہ ﷺ کی اتباعِ کامل کے نتیجے میں صدیق، شہید اور صالح تو ہو سکتا ہے، نبی ہرگز نہیں ہو سکتا کہ یہ مقام کسبی نہیں عطائی ہے... اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ التسلیم کی آفاقی اور نہ ختم ہونے والی رسالت کے بعد تو خود رب تعالیٰ نے نبوت کا منصب عطا کرنا بند کر دیا ہے۔ اس لیے اب تا قیامِ قیامت اُمتِ محمد یہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم میں بھی صرف صدیقین، شہدا اور صالحینِ اُمت کی جماعت ہی رہے گی۔ یہی وجہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی دنیا میں بنفس نفیس موجودگی میں جن سعید روحوں نے آپ کو حالتِ ایمان میں دیکھا اُن کو اصحابِ رسول اللہ ﷺ کا درجہ ملا جو اُمت میں سب سے بڑا رتبہ ہے۔ مسلمانانِ عالم نے سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو صدیقِ اکبر اور افضل البشر بعد الانبیا تو مانا لیکن الحمد للہ انھیں بھی معصوم ماننے کی خطا نہیں کی۔

پھر ذرا غور فرمایئے، اللہ تعالیٰ نے بہت سارے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے اعمال کو اپنی پسندیدگی کی ابدی سند بذریعہ قرآن کریم عطا فرمائی لیکن اس عالم الغیب والشہادۃ نے سوائے ’’زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ‘‘ کے کسی صحابی کا نام وحیِ متلو کا جزو نہیں بنایا۔

اس کی وجہ بھی شاید یہی تھی کہ بااثر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کے نام سے مسلمانوں کے گروہ در گروہ بٹ جانے کا اندیشہ تھا۔ اس بات کا قوی امکان تھا کہ قرآن کا حوالہ پا کر، ہر گروہ اپنے مقاصد کے لیے، کسی بھی صحابی کا نام استعمال کر کے اُمت کو راہِ حق سے ہٹانے کی مذموم سازش کرتا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے حبالۂ عقد میں حضور نبی کریم ﷺ کی دو صاحب زادیاں آئیں، اسی لیے اُمت نے انھیں ’’ذوالنورین‘‘ کا خطاب دیا۔ اعلیٰ حضرت احمد رضا خان بریلوی نے کیا خوب فرمایا ہے ؎

نور کی سرکار سے پایا دوشالہ نور کا
ہو مبارک تم کو ذوالنورین جوڑا نور کا

لیکن اس کے باوجود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحب زادیوں میں سے کسی کو وجہِ تخلیق کائنات ماننے اور کہنے کی کسی نے جسارت نہیں کی۔ حضور ﷺ کی زبانِ مبارک سے غزوۂ اُحد کے دن حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے لیے ایسے جملے نکلے جو کسی اور بااثر صحابی کے لیے نکل جاتے تو شاید اُمتِ مسلمہ، فضیلتوں کے حوالے سے انتشار کا شکار ہو جاتی۔ روایات میں آیا ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اُحد کے دن ایک ہزار تیر پھینکے تھے اور ہر تیر پر آں حضرت ﷺ یہی فرماتے تھے کہ ’’تیر پھینکے جاؤ تم پر میرے ماں باپ فدا ہوں۔‘‘ اس طرح

آپ نے اس دن حضرت سعد پر ہزار مرتبہ اپنے ماں باپ کو فدا کیا۔'' (محمد رسول اللہ ﷺ۔ شیخ محمد رضا، سابق مدیر مکتبہ جامعہ فواد، قاہرہ، ص ۳۸۲) اتنی بڑی فضیلت پانے والے صحابی کو اُمت نے کسی ایسے مرتبے کا حامل نہیں جانا کہ انھیں نبی ﷺ کی کسی مخصوص فضیلت کے ساتھ جوڑ دیا جاتا۔ اُمت کا مجموعی رویہ ہمیشہ اعتدال پسندی کا رہا ہے۔ اسی لیے نعتیہ شاعری میں وجہِ تخلیق کائنات صرف اور صرف رسولِ اکرم ﷺ کی ذاتِ گرامی ہی کو ٹھہرایا گیا ہے:

بوبکر و عمر ، حیدر و عثماں ترے خادم
اے بعدِ خدا محترم و ارفع و اعلیٰ

(زخمہ دل۔ سرو سہارنپوری)

اب ذرا ایسے اشعار ملاحظہ فرمائیے جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقصودِ کائنات ہونے کا کسی نہ کسی پیرائے اور اسلوب میں اظہار کیا گیا ہے۔

انت الذی لولاک ماخلق امر
کلا ولا خلق الوریٰ لولاک

(امام اعظم ابوحنیفہ کوفی، نعمان بن ثابت (ارمغانِ نعت۔ ص ۵۵)

منزہ عن شریک فی محاسنہ
فجوھر الحسن فیہ غیر منقسم

(بوصیری، شرف الدین ابوعبداللہ محمد بن زید۔ ا۔ ن۔ ص ۷۱)

حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی فرماتے ہیں ۔

اعطاہ فضلا لیس یمکن ان یکون
لہٗ شریک فی او شرکاء

(اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسی قدر و منزلت سے نوازا جس میں کوئی شریک و سہیم نہیں)

مثیل مالہٗ ابداً مثیل
وعدل مالہٗ عدل مساعی

(تا ابد کوئی آپ کا نظیر نہیں بن سکتا اور کوئی مدمقابل ہم سر آپ کا نہیں مل سکتا)

بہ تم المکارم والمعالی
بہ کمل الرسالۃ باختتام

(تمام مکارمِ عالیہ اور اوصافِ کاملہ آپ کی ذات پر جاکر تمام ہوتے ہیں اور مکمل رسالت کا اختتام آپ پر ہوا)

حباہ اللہ اوصافاً ابت

ان یکون لہ اشتراک و انقام

(اللہ تعالیٰ نے آپ کو اوصافِ عالیہ کے لیے مخصوص کیا۔ ان صفات نے دیگراں کو آپ کا ہم پلہ اور بدل قرار دینے سے انکار کر دیا) (بحوالہ "نعت رنگ": ۱۹، ص ۳۴۹۔۳۵۸)

نورِ او مقصودِ مخلوقات بود

اصلِ معدومات و موجودات بود

(آپ کا نور ہی تمام مخلوقات کے وجود کا سبب بنا۔ اور وہی تمام نابود اور بود اشیا کی اصل حقیقت تھا)

(خواجہ فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ، کشف العرفان، ڈاکٹر نور محمد ربانی)

قصد و مقصود آخر و اوّل

اوّلیں خلق و آخریں مرسل

آنکہ پوشید خلعت لولاک

و ز بلندیش پست شد افلاک

(عراقی ہمدانی، شیخ فخرالدین ابراہیم ابن شہریار۔ ا۔ن۔۷۶)

لولاک لما خلقت الافلاک خالق پالائے

فاضل افضل جتنے مرسل ساجد سجود آئے

(خواجہ بندہ نواز گیسودراز، سیّد محمد حسینی۔ ا۔ن۔۸۰)

برخیز و نما جمالِ عالم آرا

زیرا کہ توئی ز خلقِ عالم مقصود

(شہنشاہ نصیرالدین ہمایوں۔ ا۔ن۔۸۲)

توئی کہ باغِ ربو بیت از تو دارد رنگ

توئی کہ ساز الوہیت از تو بندتار

(بیدل عظیم آبادی، میرزا عبدالقادر۔ ا۔ن۔۹۵)

احمد کہ بود گوہر تاج لولاک

گردد بہ مدار خاک راہش افلاک

(آگاہ ویلوری، مولوی محمد باقر۔ ا۔ن۔۱۰۵)

لمعۂ ذاتِ کبریا، باعث خلق جزو کل
فخر جمیع مرسلیں رہبر و ہادی سبل

(انشاءاللہ خان دہلوی ثم لکھنوی۔ا۔ن۔۱۰۹)

بعد تمہید خداوند جہاں
کہہ دلا نعت شہ کون و مکاں
جس کے باعث ہے زمیں اور زماں
وہ نہ ہوتا تو نہ ہوتا امکاں
نہ عدم سے کوئی آتا بوجود
ہوتی وحدت سے نہ کثرت کی نمود

(رافت رام پوری، شاہ رؤف احمد نقشبندی۔ا۔ن۔۱۱۳)

بڑا ہے عرش سے بھی اُن کا پایا
کہ سب کچھ جن کی خاطر ہے بنایا

(رنگین دہلوی، سعادت یار خاں۔ا۔ن۔۱۱۷)

جو پڑھے گا صاحب لولاک کے اوپر درود
آگ سے محفوظ اس کا تن بدن رہ جائے گا

(کافی شہید، مولانا کفایت علی مرادآبادی۔ا۔ن۔۱۲۴)

رنگِ ظہور سے ترے گلشن رخِ حدوث
نورِ وجود سے ترے روشن دل قدم

(ظفر، سراج الدین ابوالمظفر بہادر شاہ، ا۔ن۔۱۲۷)

جو تو اسے نہ بناتا تو سارے عالم کو
نصیب ہوتی نہ دولت وجود کی زنہار

(مولانا قاسم نانوتوی۔۔ا۔ن۔۱۳۷)

مجھے تو صرف اتنا ہی یقیں ہے
مرا تو بس یہی ایمان و دیں ہے
اگر تم مقصد عالم نہیں ہو
تو پھر کچھ مقصد عالم نہیں ہے

(حقی۔شان الحق۔۔ا۔ن۔۱۷۱)

تخلیق دوعالَم کا سبب ہے یہی خورشید
اس نورِ رسالت کی تجلّی ازلی ہے

(خاطر غزنوی۔ابراہیم بیگ۔۔ا۔ن۔۳۰۲)

تخلیقِ دوعالم کا سبب جس کو کہیں
ایسا نہ ہوا کوئی مگر آپ کی ذات

(قمر رعینی)

مرے حضور پہ لاکھوں سلام اور درود
وہ جن کی ذات سے ہنگامۂ ظہور و نمود

☆

جو ہیں، خزینۂ لولاک کے در یکتا
جو بحر کن فیکوں کے ہیں، گوہرِ مقصود

(اختر الحامدی۔نعت کائنات ص ۱۱۵)

وہ عبد کہ ہے نکتۂ لولاک کی تفسیر
وہ نور کہ تخلیقِ دوعالم کی ہے علّت

(ن۔ک۔ص ۱۴۳۔بشیر احمد بشیر)

جو قدم سے حدوث میں آیا
وجہ تخلیق ہر جہاں یعنی

(تابش دہلوی۔ن۔ک۔۱۴۸)

ذات جس کی ہے مدارِ کائنات
ہے وہی تابش مدار آرزو

(تابش صمدانی۔ن۔ک۔۱۴۹)

محمد ذات جس کی باعثِ تکوین عالَم ہے
محمد کارواں سالار ارواح مجرد کا

(صوفی غلام مصطفیٰ تبسم۔ن۔ک۔۱۵۰)

کنکری ہاتھ میں بول اُٹھتی ہے سبحان اللہ
منبعِ نطق نگاہِ شہ لولاک میں ہے

(عبدالمجید تمنا۔ن۔ک۔۱۵۲)

کہاں تو کہ باعثِ کن فکاں کہاں فکر ثاقب خستہ جاں
بھلا مدحت شہ انس و جاں کرے مجھ سا خانہ خراب کیا

(ثاقب زیروی۔ن۔ک۔۱۵۳)

محمد عربی وجہ خلقتِ افلاک
ودیعت اُن کو ہوا رب سے رازِ کن فیکوں

(سیّد محمد جعفری۔ن۔ک۔۱۵۷)

وہ جس کے واسطے تخلیق کائنات ہوئی
اسی کے نور سے پُر نور ہے یہ شمعِ وجود

(جمیل نقوی۔ن۔ک۔۱۶۳)

ہے وجہ کن فیکوں اس کا پیکرِ نوریں
کہ ذرّے ذرّے میں اس کا ہی نور ہے موجود

(حافظ لدھیانوی۔ن۔ک۔۱۶۶)

وہ مقصدِ کونین، وہی اوّل مخلوق
خالق کے سوا اس سے بڑا کوئی نہیں ہے

(مسعود رضا خاکی۔ن۔ک۔۱۷۹)

مرا جواز فقط یہ کہ اُمتی ہوں ترا
تری یہ شان کہ ہے وجہِ دوجہاں ترا نام

(ایوب خاور۔ن۔ک۔۱۸۵)

ترے جمال سے لپکا عدم میں شعلۂ زیست
ترے سبب سے ہوا اہتمامِ بزمِ وجود

(احسان دانش۔ن۔ک۔۱۸۸)

آستان شہِ لولاک ہو فردوسِ نظر
ہے یہی میری تمنا یہی نیت میری

(راغب مرادآبادی۔ن۔ک۔۱۹۴)

وجودِ ہستی کا ذرّہ ذرّہ انھی کا احسان مند ٹھہرا
وہ جن کا آنا فسانۂ دوجہاں کا عنوان ہوگیا ہے

(حکیم سروسہارنپوری۔ن۔ک۔۲۱۳)

دو جہاں پیدا ہوئے ہیں ان کی رحمت کے طفیل
ان کے دم سے پُر ضیا ہے ساری خلقت کا چراغ
(محمد احمد شاد۔ن۔ک۔۲۱۹)

مرے کلام پہ شاہد ہے نکتۂ لولاک
ترا وجود ہے عالم کی علت غائی
(آغا صادق۔ن۔ک۔۲۲۹)

کس کے لیے زمیں بنی، کس کے لیے فلک بنا
موجب کن فکاں ہے کون، موجب کن فکاں رسول
(صبا متھراوی۔ن۔ک۔۲۳۰)

ہوا منظور جب خالق کو اظہار اپنی وحدت کا
بنایا مصطفیٰ کو صدر اعظم بزمِ کثرت کا
(عبدالمجید صدیقی۔ن۔ک۔۲۳۱)

رشک سے کیوں نہ تکے رفعت افلاک مجھے
لوگ کہتے ہیں غلامِ شہِ لولاک مجھے
(قتیل شفائی۔ن۔ک۔۲۶۵)

محفل جاں سجی ہوئی آپ کے دم قدم سے ہے
میری تو کائنات ہی آپ کے دم قدم سے ہے
(منیر قصوری۔ن۔ک۔۲۹۶)

عرش و کرسی آفتاب و ماہتاب و کہکشاں
سب برائے احمد مختار روشن ہوگئے
(اصغر نثار قریشی۔ن۔ک۔۳۰۴)

یہ ارض و سماوات تری ذات کا صدقہ
محتاج ہے یہ ساری خدائی ترے در کی
(نصیر الدین نصیر گولڑوی۔ن۔ک۔۳۰۷)

اے باعثِ تخلیقِ عالم قبضہ ہے خدائی پر تیرا
تو جس کا خدا بھی اُس کا ہے، بن تیرے خدا ملتا ہی نہیں
(ہوش ترمذی۔ن۔ک۔۳۱۷)

چاہت ہے مرے دل میں اس جانِ دل و جاں کی
جو صورت کن ٹھہرا جاں محفل امکاں کی
خلقت کے صحیفے کا لولاک، جلی عنواں
تفسیر، دوعالم ہے اس چھوٹے سے عنواں کی

(یزدانی جالندھری۔ن۔ک۔۳۱۸)

اے صاحب لولاک لما، غایت تخلیق
ہے صبح ازل تیری تجلی سے ضیا بار
اور شام ابد ہے ترے انوار سے روشن
والیل ہیں گیسو ترے، والشمس ہیں رخسار

(غایت تخلیق۔منظورالحق مخدوم۔ن۔ک۔۴۱۳)

کہتے ہیں کہ تو صاحب لولاک لما ہے
یہ عالم کُن تیرے لیے پیدا ہوا ہے
اور یہ بھی تو کہتے ہیں کہ یہ قول ہے وضعی
مقطوع سند اس کی بہ پیش علما ہے
لیکن مجھے کچھ بحث روایت سے نہیں ہے
مَیں کہتا ہوں، یہ قول حقیقت ہے، بجا ہے
جب عشق کے نزدیک یہی حق ہے تو پیارے
حق یہ ہے کہ تو صاحب لولاک لما ہے

(ملک نصراللہ خاں عزیز۔ن۔ک۔۴۲۹)

لولاک لما خلقت الافلاک
ہر مطلع زیست پر لکھا ہے

(جعفر بلوچ۔ن۔ک۔۴۸۹)

رحمتِ عالمیاں جس کا وجود اقدس
غایت کن فیکون اصل ظہور آدم

(حافظ افضل فقیر۔ن۔ک۔۵۱۱)

تاج لولاک سے قدرت نے نوازا جس کو
اس کی مدحت میں جھکائے ہے قلم اپنی جبیں

(نفیس فتح پوری۔ن۔ک۔۵۱۹)

مختار زمیں، باعث افلاک نبی ہے
والا گہر قلزم لولاک نبی ہے

(میر انیس۔۔ن۔ک۔۵۳۷)

تخلیق کائنات کا مقصد ہے اُس کا نام
بعد از خدا مقدس و امجد ہے اُس کا نام

(تابش دہلوی۔ن۔ک۔۵۴۰)

ارض و سما بنے ہیں اسی نور کے طفیل
تارے چمک رہے ہیں اسی نور کے طفیل
گلشن ہرے بھرے ہیں اسی نور کے طفیل
دونوں جہاں سجے ہیں اسی نور کے طفیل
اس نور کا ازل سے ابد تک ہے سلسلہ
یہ نور وہ ہے جس کا طرف دار ہے خدا

(فدا خالدی دہلوی۔ن۔ک۔۵۷۳)

آستانِ شہ لولاک ہو فردوسِ نظر
ہے یہی میری تمنا یہی نیت میری

(راغب مراد آبادی۔۔ا۔ن۔۳۰۸)

اک خالقِ جہاں ہے تو اک مالکِ جہاں
اک جانِ کائنات ہے اک وجہِ کائنات

(اعظم چشتی۔ا۔ن۔۳۰۹)

طغرائے جلال تو "لعمرک"
منشور ولایت تو "لولاک"
نقش صفحات رایت تو
لولاک لما خلقت الافلاک

(استاد جمال الدین اصفہانی (نقوش رسول نمبر۔۳۰۲)

آں شاہد "لعمرک" وشاگرد "فاستقم" مخصوص "قم فانذر" ومقصودِ "کن فکاں"

(حکیم خاقانی شروانی۔ن۔۳۰۳)

بہر تو نیستی شدہ ہمہ ہست
ہمہ ہست از تو باکمال شدہ

(شیخ فخر الدین ابراہیم عراقی۔ن۔۳۱۹)

بمدح محمدت محمود عالم
محمد آں کہ شد مقصودِ عالم

(ضیا نخشبی بدایونی۔ن۔۳۳۱)

شہے کو برفراز تخت افلاک
بسر برداشت دایم تاجِ لولاک

(جمالی دہلوی۔ن۔۳۴۳)

محمدِ عربی منشا حکایتِ کن
کہ کردہ زیب قدش رابہ جامۂ لولاک

(مولانا وحشی بافقی۔ن۔۳۴۵)

چابک قدم بساطِ افلاک
والا گہر محیطِ "لولاک"

(حکیم ابوالفیض فیضی۔ن۔۳۵۱)

زمین در زیر کفشش عرش افلاک
خدا طغرائے عرشش خواند لولاک

(سعد اللہ مسیحائے پانی پتی۔ن۔۳۶۱)

بگیرم دامن آں سیّد لولاک در محشر
کہ محشر بر نتابد تابِ حسن بے حجابش را

(غلام قادر گرامی جالندھری۔ن۔۳۸۴)

اے طبیب علت ارواح اے فخر بشر
باعث ایجاد عالم اے یقینِ اولیں

(راسخ عظیم آبادی۔ن۔۴۳۱)

رتن خاص دریاے لولاک، کا
جھلک لامکاں نور افلاک کا
دیا جس کو تشریف لولاک کا
ہوا جیتی مظہر یو افلاک کا

(ملا غواصی دکنی۔ن۔۴۷۷

تری شان سر تاج لولاک کا
ترے بخت کوں تخت افلاک کا

(ملا نصرتی۔ن۔۴۷۹

وہ حسن ملیح جس کی پوشاک
"لولاک لما خلقت الافلاک"

(صفی لکھنوی۔ن۔۵۹۴

مقیاسِ جمالِ نور عیناک
کالطفل یتیم فیک ادراک
آمنتُ بقولہٖ تعالیٰ
لولاک لما خلقت الافلاک

(آغا صادق ۱۹۲۰ء۔۱۹۷۷ء

ہے وصفِ جنابِ احمد پاک
"لولاک لما خلقت الافلاک"

(شوق قدوائی۔ن۔۴۹۱

ہیں جو یہ دونوں جہاں کی آفرینش کے چمن
جس میں کیا کیا کچھ عیاں ہیں صنع خالق کے جتن
باعثِ خلق ان کے ہو تم یا حبیب ذوالمنن
اور اک مطلع پڑھوں میں یمن سے جس کے سخن
سو سعادت کے قریں ہو یا محمد مصطفیٰ

(نظیر اکبر آبادی۔ن۔۴۹۳

دانی اگر بہ معنیِ لولاک وارسی
خود ہر چہ از حق است از آنِ محمد است

(مرزا اسد اللہ خان غالبؔ)

جانو جو تم پہ معنیِ لولاک کھل سکیں
تخلیق کا فروغ ہے آنِ حضور سے

(منظوم ترجمہ ڈاکٹر اسلم انصاری۔ نعت رنگ ۱۲)

نورِ خدا و باعث ایجادِ کائنات
اعلیٰ ترین صنعت خلاقِ شش جہات

(شاد عظیم آبادی۔ ن۔ ۴۹۷)

اے رسولِ ہاشمی، اے سِرِ تکوینِ حیات
اے کہ تیری ذات ہے وجہِ نمود کائنات

(حکیم احمد شجاع ساحر۔ ن۔ ۵۳۷)

ہے طالبِ حق تو احمد پاک کو دیکھ
احمد کی گلی کے رُتبۂ خاک کو دیکھ
معلوم ہو تا حقیقتِ ذاتِ حضور
لولاک لماخلقت الافلاک کو دیکھ

(قوس حمزہ پوری (انڈیا) رباعیاتِ قوس صفحہ ۶۷)

وہ جس کو فاتحِ ابوابِ اسرارِ قِدم لکھیے
بنائے عرش و کرسی باعث لوح و قلم لکھیے

(حفیظ جالندھری۔ ن۔ ۵۴۰)

السلام اے صاحب لولاک، ختم المرسلیں!
مرحبا، صد مرحبا، اے رحمۃ للعالمیں!

(م۔ حسن لطیفی۔ ن۔ ۶۱۱)

کب تک رہیں ہم خستہ جگر یا شہ لولاک
لو جلد غریبوں کی خبر یا شہ لولاک

(اسیر لکھنوی۔ ن۔ ۶۴۳)

جمال حق بہ چشم کور منکر کب نظر آوے
مسبب اور سبب مطلق تو ہے ہی عین خلقت کا

(منشی حسن عطا شوق۔ن۔۶۵۸)

یارب! مجھے دیدار ہو اس ماہ لقا کا
مصداق جو ہے جملۂ لولاک لما کا

(محمد ضمیر الحق قیس آروی۔ن۔۶۹۲)

اے کہ ترے وجود پر خالق دوجہاں کو ناز
اے کہ ترا وجود ہے وجہِ وجودِ کائنات

(نواب بہادر یار جنگ خلق۔ن۔۷۰۱)

ہے ذاتِ نبی باعثِ تخلیق دوعالم
مضموں یہ کہے دیتا ہے لولاک لما کا

(عزیز یار جنگ عزیز۔ن۔۷۰۷)

ہو شوق نہ کیوں نعت رسولِ دوسرا کا
مضموں ہو عیاں دل میں جو لولاک لما کا

(پنڈت کیفی دتاتریہ۔ن۔۷۱۲)

آپ کی خاطر ہوئی آراستہ بزمِ شہود
مدعاے آفرینش ہے ولادت آپ کی

(میرزا جعفر علی اثر لکھنوی۔ن۔۷۳۲)

آپ کی ذات ہے حاصلِ دوجہاں
دین و دنیا کی رونق حضور آپ سے

(قمر رعینی ولاے رسول۔صفحہ نمبر ۱۲۱)

رہنے والے آسماں کے ہوں کہ فرش خاک کے
سب کے سب ممنونِ احساں ہیں شہ لولاک کے
طوف کرتے ہیں مزار صاحب لولاک کا
اور کچھ معنی نہیں ہیں گردشِ افلاک کے

(افسر صدیقی امروہوی۔جواہر النعت۔۳۶)

وہی تخلیق کا باعث وہی اُمید بخشش کی
انھیں کو ابتدا لکھوں! انھیں کو انتہا لکھوں

(صبا اکبر آبادی۔اردو میں نعت گوئی۔پروفیسر شفقت رضوی)

یہ ساری کائنات ہے لولاک آشنا
منسوب ہر چراغ ہے نور الہدیٰ کے ساتھ

(اقبال عظیم۔ج۔ن۔۳۸)

منور انجمن کائنات اسی سے ہے
فروغ جلوہ گہ شش جہات اسی سے ہے
ضمیرِ آیۂ لولاک ذات ہے اس کی
خدا کے بعد جو ہے پاک ذات ہے اس کی

(کوکب شادانی۔ج۔ن۔۸۶)

انہی کے واسطے اس محفل ہستی کی رونق ہے
خدا نے اک بشر کا کس قدر اعزاز فرمایا

(پروفیسر خالد بزمی۔ج۔ن۔۱۰۵)

آپ صدر بزمِ امکاں آپ جانِ شش جہات
آپ کا ہر نقش پا ہے مشعلِ راہِ حیات
ہے جلا بخش دوعالم، جلوۂ ذات و صفات
السلام اے مسند آرائے سریرِ کائنات
آیۂ لولاک و اسریٰ آپ کی شانِ ورود
وجہ تکوینِ دوعالم، ذاتِ اقدس کا وجود

(شاہد اکبر آبادی۔ج۔ن۔۱۱۷)

تکوینِ کائنات کا حاصل حضور ہیں
محفل حضور بانیٔ محفل حضور ہیں

(ناصر زیدی۔ج۔ن۔۱۳۲)

لاکھ بار اُس پر درود اور لاکھ بار اُس پر سلام
جس کے جلوؤں کی بدولت ہے وجودِ کائنات

(محمد افضل فضل گوالیاری۔ج۔ن۔۱۷۲)

روح و رواں حضور ہیں عنواں حضور ہیں
وجہ وجودِ عالمِ امکاں حضور ہیں

(نازش رضوی۔ ج۔ن۔۱۸۸)

نورِ حق وجہ تخلیق ارض و سما
مرحبا، مرحبا، مرحبا، مرحبا

(وصی تیموری۔ ج۔ن۔۲۳۷)

کائناتِ ہر دوعالم ہے انھی کے واسطے
نغمۂ شانِ نبوت بھی ہے ساز کن لیے

(شیخ نصیرالدین ہمایوں۔ ج۔ن۔۲۳۹)

دوجہانوں کی سب رونقیں آپ سے
باعثِ خلقت دوجہاں آپ ہیں

(سیّد ضمیر جعفری۔ تذکرہ نعت گویانِ راولپنڈی، اسلام آباد۔ از قمر رعینی۔ ص ۲۹)

ہے جن کی روشنی دونوں جہاں میں
وہی ہیں جلوہ فرما جسم و جاں میں
شہ لولاک کا صدقہ ہے عاقلؔ
حلاوت ہے جو کچھ میرے بیاں میں

(سیّد منصور عاقل۔ ت۔ ر۔ ا۔ ص ۹۳)

اے صاحب لولاک! ترا نامِ مبارک
اقصائے دوعالم میں یونہی گونج رہا ہے

(رشید وارثی۔ خوشبوئے التفات)

کائنات کی تخلیق آپ کے سبب سے ہے
اس سے بڑھ کے کیا ہوگا ذکر اُن کی عظمت کا

(رشید ساقی۔ تقدیس قلم)

آپ کی ضو سے منور ہے شبستانِ حیات
قولِ ''لولاک لما'' آپ ہی کی شان میں ہے

(رشید ساقی۔ تقدیس قلم)

آپ ہی باعثِ تخلیقِ دوعالم ہیں حضور
آپ کے سر پہ میں لولاک کا سہرا دیکھوں

(آفتاب کریمی، قوسین)

اُن کے لیے ہی خلق ہوئی ساری کائنات
بٹتا ہے دوجہاں میں صدقہ حضور کا

(مدثر سرور چاند۔ ''رنگ نعت'' پروفیسر محمد فیروز شاہ)

لولاک کے معانیٔ جان بخش کی قسم
ارض و سما ہیں موجبِ احسانِ مصطفیٰ

(بشیر حسین ناظم، ماہ نامہ فیض الاسلام، مئی ۲۰۰۷ء)

اُن کی ہستی سے ہے مشروط دوعالم کا وجود
اُن سے وابستہ ہے عالم کا گلستاں ہونا

(علامہ بشیر حسین ناظم۔ت۔ر۔ا۔ص ۵۱)

حاصل ہے جو مقام رسالت مآب کو
وہ مرتبہ کسی کو خدا نے نہیں دیا

(رشید امین، ماہ نامہ فیض الاسلام، مئی ۲۰۰۷ء)

کسی وہم نے صدا دی کوئی آپ کا مماثل
تو یقیں پکار اُٹھا کبھی تھا، نہ ہے، نہ ہوگا

(صبیح رحمانی، جادۂ رحمت)

ہو کوئی اُن کا مماثل کبھی ممکن ہی نہیں
اس حوالے سے کوئی بات نہیں ہوسکتی

(عارف منصور)

مختلف عہد کے شعرا کے کلام سے نمونے اس لیے دینے پڑے کہ یہ معلوم ہوسکے کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ التسلیم کے باعثِ تخلیق کائنات ہونے کا تصور ہر عہد میں اُمت کی اکثریت کا تصور رہا ہے، اسی لیے شعرا نے بھی اسی تصور کو شعری متن بنایا اور اہلِ لغت نے بھی جہاں ''مقصودِ کن فکاں'' لکھا ہے اس کے معنی یہی دیے کہ اس سے مراد آں حضرت ﷺ کی ذاتِ گرامی ہی ہے۔ مَیں اشعار کی تلاش میں زیادہ غوّاصی نہیں کرسکا ہوں۔ مَیں تو صرف ایک صائب اور مائل بہ حقیقت رجحان کی نشان دہی کے لیے

لاکھوں اشعار میں سے صرف اُن شعرا کے اشعار چن سکا ہوں جن کے کلام تک کسی نہ کسی درجے میں میری رسائی تھی۔ اگر کوئی سنجیدہ کوشش کی جائے تو مجھے یقین ہے کہ ایسے اشعار لاکھوں کی تعداد میں دست یاب ہو جائیں گے جن میں حضورﷺ کی ذاتِ والا صفات کو مقصودِ تخلیقِ عوالم، باعثِ خلقِ کائنات، مقصودِ کن فکاں اور وجہِ وجودِ کائنات کہا گیا ہے! الحمدللہ جمہور شعرا نے حضورﷺ کی قرابت کے باوجود کسی صحابی، صحابیہ، زوجہ مطہرہ اور اولاد و داماد نیز سبطین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں سے کسی کو وجہِ تخلیق کائنات نہیں جانا۔ دراصل محبت میں بھی کسی کو نبی کی اس صفتِ عالیہ میں شریک کرنے کا مقصد صریح شرک فی النبوت ہوتا ہے اس لیے جمہور شعرا نے اس مسئلے پر دوٹوک اور غیر مبہم الفاظ میں اعلان کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ذاتِ والا وجہِ تخلیق کائنات ہے۔ بیدم وارثی تصوف کے مغلوب الحال بزرگوں میں شمار ہوتے ہیں، اس لیے میں اُن کی نیت پر تو شبہ قطعی نہیں کروں گا۔ البتہ ہر صاحبِ ہوش (جو صوفیانہ واردات کے معنی میں سُکر سے مغلوب نہ ہو) مقرر، شاعر اور لکھاری سے درخواست کروں گا کہ وہ اپنی تقریر اور تحریر میں بیدم وارثی کے اس سکر آمیز شعر کی تکرار سے اجتناب برتے۔ میرا عقیدہ یہ ہے کہ جس طرح اللہ ربّ العزت لاشریک ہے، اسی طرح نبوت، ختم رسالت، اوصافِ حمیدہ کی یک جائی وجہِ تخلیقِ کائنات ہونے میں رسولِ اکرمﷺ کی ذات والا تبار بالکل لاشریک ہے۔ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی کوئی حد نہیں۔ جس طرح اللہ کی حاکیت کا Domain لامتناہی ہے اسی طرح رسول اللہﷺ کی رسالت کا Domain لامتناہی ہے۔ اقبال نے کیا خوب کہا ہے۔

ہر کجا بینی جہانِ رنگ و بو
آں کہ از خاکش بروید آرزو
یا زنورِ مصطفیٰ اورا بہا ست
یا ہنوز اندر تلاش مصطفیٰ است

جہاں جہاں بھی رنگ و بو کا جہاں دیکھ رہے ہو، ہر وہ جہاں جس میں کمال حاصل کرنے کی آرزو جنم لیتی ہے۔ یا تو اس کی قیمت حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کے سبب سے متعین ہو چکی ہے یا وہ عالم، نورِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی تلاش میں ہے۔

''مقصودِ کائنات'' دراصل ''افصح العربﷺ کے حضور میں'' کا تتمہ ہے اس لیے یہاں یہ بات مزید واضح کرنی ہے کہ بیدم وارثی رحمۃ اللہ علیہ کا شعر صوفیانہ سطح کے زیر اثر تخلیق ہوا تھا، اس لیے خود حضرت بیدمؔ تو کسی بھی قسم کے شرعی الزام سے بری ٹھہریں گے لیکن کوئی بھی باہوش مقرر، شاعر یا لکھاری اس شعر کو اپنے کسی موقف کی تائید میں استعمال کرے گا تو اُس پر شرعی حکم لگایا جا سکتا ہے۔ اس حوالے سے آقائے دو جہاں، وجہِ تخلیقِ عوالم، نورِ ازل اور چراغِ آخر، محمد رسولﷺ کی ایک حدیث کے دو مختلف متون پیش کرکے

رخصت چاہوں گا...

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے:

"لا یجمع اللّٰہ ھٰذہِ الامۃ علی الضلالۃ ابدا"

اللہ تعالیٰ اس اُمت کو کبھی گم راہی پر جمع نہیں فرمائے گا۔

(المستدرک۔ امام حاکم۔ صفحہ ۱۱۵۔ جلد اوّل)

"لاتجمع امتی علی الضلالۃ علیکم بالسواد الاعظم"

میری اُمت گم راہی پر کبھی جمع نہیں ہوگی۔ تم بڑی جماعت کے ساتھ رہو۔"

(کشف المحجوب، حضرت داتا گنج بخش علی بن عثمان الہجویری، ص ۵۲، زاویہ پبلشرز، لاہور)

﴿☆﴾

پروفیسر اکرم رضا۔ گوجرانوالہ

نعت نگاری میں احتیاط کے تقاضے

نعت ایک انتہائی محترم صنفِ سخن بھی ہے اور رحمتِ پروردگار بھی۔ خدائے قدوس جب محبانِ رسول ﷺ پر مہربان ہوتا ہے تو انھیں نعت کی توفیق عطا کرتا ہے۔ نعت کی روایت دُرود و سلام سے عبارت ہے۔ خالقِ کونین نے اصحابِ ایمان کو آقائے دو عالم ﷺ پر ہر لحظہ و ہر آن دُرود و سلام کے گلاب نذر کرنے کا عمل جاری رکھنے کا جو حکم صادر فرمایا ہے، اسی کی بدولت دُرودوں کی خوش بو میں بس کر جب نعت کا قافلہ چلا تو صدیاں سمٹ کر رہ گئیں۔ وقت اور زمان و مکان کے تصورات سے ماورئ اس کاروانِ نعت کی رفتار میں کبھی کمی نہیں آئی۔ اس کاروانِ نعت کے ہر خوش بخت مسافر کو توفیقِ نعت خود خدا عطا کر رہا تھا۔ کیوں کہ جس کی توصیف کا حکم دیا جا رہا ہے وہ خود ربِّ علیٰ کا محبوب ہے۔ وہ فرشتوں کے قدسی ترانوں کا موضوعِ خاص ہے۔ وہ جملہ انبیا و رُسل کی مناجاتوں کا اعزاز ہے۔ خدائے محمد ﷺ نے نعتِ محمد ﷺ کی توفیق بخش کر اصحابِ نعت کا رُتبہ اس قدر بلند کر دیا کہ نعت گو شعرا نعت کہتے ہوئے فخر محسوس کرنے لگے کہ یہ صنفِ سخن تو وجہِ نجات بن گئی ہے۔ کیوں کہ خدا اور مخلوقِ خدا ثنائے رسول ﷺ کو ہی معمول بنائے ہوئے ہیں۔ خدا اس لیے کہ وہ اس تخلیقِ نور پر اپنی رحمتوں کا نزول فرما رہا ہے اور مخلوقِ خدا اس لیے کہ ثنائے رسول کے بہانے انھیں خوشنودیِ حضور کے پردے میں رضائے الٰہی کی جلوہ گری نظر آ رہی ہے۔ یہی توفیقِ خداوندی اعزاز بھی ہے اور سرمایۂ ناز بھی۔ ایک صاحبِ نظر کے لفظوں میں:

دہد حق عشقِ احمد بندگانِ چیدۂ خود را
بہ خاصاں می دہد شہ بادۂ نوشینۂ خود را

جب شاعر نعت کو توفیقِ خداوندی سمجھ کر، عشق و عقیدت کو زادِ راہ بنا کر اشہبِ قلم کو صفحۂ قرطاس پر رواں کرتا ہے تو پھر اس کا قلم معجز رقم بن جاتا ہے۔ اس کی فکر کے آسمان پر نیاز و عقیدت کے ستارے طلوع ہوتے ہیں۔ اس کے بے جان لفظ فقط خود ہی حیاتِ دوام سے ہم کنار نہیں ہوتے بلکہ شاعر کو بھی نیک نامی اور سر بلندی کی خلعت عطا کرتے ہیں۔ یہی کلام اس قدر موثر اور دل آویز ہو جاتا ہے کہ اس کے وجود سے

قرطاس وقلم کو آبرو عطا ہوتی ہے۔ اس کے وجود سے اوراق مہکتے اور اذہان جگمگانے لگتے ہیں۔ جوں جوں شاعر فکرِ نعت میں گم ہو کر تجلیاتِ حضور ﷺ کے قلزمِ نور میں گم ہوتا ہے اس پر نئی صبحیں طلوع ہوتیں اور نئے زمانے اس کا مقدر بنتے ہیں۔ ایسے زمانے جو فردا اور امروز کے تصور سے بے نیاز ہو کر شامِ ابد تک رسائی کا اہتمام کرتے ہیں۔ ذوقِ نعت کی پختگی قلم کو عنبر فشانی اور عشق وعقیدت کے بحرِ بے کراں کو مستقبل کی نامعلوم سرحدوں کی جانب روانی عطا کرتی ہے۔

نعتِ رسول ﷺ روزِ اوّل ہی سے کائناتِ انسانی کی اپنے آقا و مولا ﷺ سے قلبی وروحانی وابستگی کی مظہر بنی ہوتی ہے۔ یہ واحد صنفِ سخن ہے جو شاعر کے کلام کو دوام عطا کرتی اور مطلعِ ہستی پر آفتاب بہ ستارہ کی صورت اُبھرتی ہے۔ نعت کی فکر اور ممدوحِ نعت کی یاد میں بسر ہونے والا ہر لمحہ عبادت، ہر ساعت سعادت اور ہر شعر صحیفۂ عقیدت کی نورانی آیت ہے۔ خدائے کریم نے ازل کی ساعتوں میں ثنائے رسول کے جس سلسلے کا آغاز فرمایا تھا وہ جاری و ساری ہے۔ ماضی ہو یا دورِ حال یا زمانۂ استقبال، ہر دور نے فکرِ نعت سے شادمانی کشید کرنے کا اہتمام کیا ہے۔

سیّدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے نعت نگاری کو نیا اسلوب اور روحانی بانکپن عطا کیا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ ربِ ممدوحِ خدا و ملائکہ پیشِ نظر تھا۔ اب غارِ حرا کی خلوتوں سے اُبھرنے والا چاند مدینہ طیبہ کو مرکزِ نور بنا کر اطراف واکنافِ عالم کو اپنی تعلیمات سے یکساں طور پر فیض یاب کر رہا تھا۔ اس لیے حسانِ بن ثابت، کعب بن زہیر، عبداللہ بن رواحہ رضوان اللہ علیہم سمیت اس عظیم دور کے نعت گو شعرا کی نعتوں میں عشق و عقیدت کا اور ہی والہانہ پن پایا جاتا ہے۔ بعد کے ادوار کے شعرا اُن کے نقشِ قدم پر چلتے رہے۔ ہر صدی اور ہر عہد میں نعتوں کی کلیاں مہکتی رہیں۔ عشق وعقیدت کے گل ہائے سدا بہار اپنی لازوال خوش بو سے دلوں کو عنبر اور افکار کو معنبر کرتے رہے۔ عربی، اردو، فارسی ہو یا ہندی ہر زبان اپنا بہترین اثاثہ دربارِ رسالت مآب ﷺ میں نذر کرتی رہی۔

عشق وعقیدت کی یہی میراث صنفِ نعت میں ڈھل کر عہدِ حاضر کا اعزاز بن کر ہم تک پہنچی ہے۔ یہی وہ صنفِ سخن ہے جو عصرِ حاضر کی نعتیہ شاعری کا سلسلہ دربارِ حضور ﷺ تک قائم کر رہی ہے اور یہ کیسا خوش گوار سدا بہار، لازوال اور دوام پذیر سلسلہ ہے جو ہر قسم کے انقلابات سے بے نیاز ہو کر گزشتہ چودہ صدیوں میں اپنے مؤثر اور بھرپور وجود کا اس شان سے احساس دلاتا ہے کہ اس سلسلۂ عالیہ کی ایک بھی کڑی کہیں سے گم ہوتی یا ٹوٹتی دکھائی نہیں دیتی۔ علامہ محمد اقبالؔ، امام احمد رضا خاں، محسن کاکوروی، مولانا الطاف حسین حالیؔ، کرامت علی شہیدی کی راہ نمایانہ قیادت عصرِ حاضر کے شعرا کے لیے نعت کے میدان میں آگے بڑھنے کے لیے شمعِ راہ کا کردار ادا کر رہی ہے۔ میرے ذہن وفکر کے البم پر اس وقت بہت سے ممتاز نعت گو شعرا

کے اسمائے گرامی اُبھر رہے ہیں جن میں سے ہر ایک حاصلِ انجمن ہے۔ مگر اس وقت ہمارا موضوع نعت کے حوالے سے احتیاط کے تقاضوں پر بات کرنا ہے۔

نعت عربی زبان کا لفظ ہے۔ جس کے لفظی معنی تو تعریف و ستائش کے ہیں مگر تمام لغات میں اس کے مستعمل معنی توصیف و ثنائے حضور ہی درج ہیں۔ بلاشبہ یہ اس لفظ کی خوش قسمتی ہے کہ یہ ہمیشہ سے صرف اور صرف حضور نبی کریم ﷺ کے محامد و محاسن بیان کرنے کے لیے استعمال ہو رہا ہے۔ حضور محمد مصطفیٰ ﷺ سب کے محبوب ہیں۔ خدا خود آپ کی رضا چاہتا ہے۔ خلقِ خدا ہمہ وقت آپ کی خوش نودی کی متلاشی ہے۔ دُرودوں کے پھول بارگاہِ رسول میں نذر کیے جا رہے ہیں۔ آنسوؤں کی سوغات زبانِ بے زبان سے بہت کچھ کہہ رہی ہوتی ہے۔ سلاموں کے گجرے روضۂ رسول پر نچھاور ہو رہے ہیں۔ نعتوں کے گلشن مہکائے جا رہے ہیں۔ عقیدتوں کی شمعوں سے چراغاں کیا جا رہا ہے۔ چاہتوں کی کلیاں مہکائی جا رہی ہیں۔ خطیب، ادیب، مفکر، دانش ور سبھی توصیفِ رسول ﷺ میں رطب اللسان ہیں۔ ہر صاحبِ ایمان اپنے فکر و عمل کو تذکارِ رسول سے آباد رکھنے کی کوششوں میں مصروف ہے۔ کیوں کہ سبھی جانتے ہیں کہ نعت ہی محبوبِ کبریا کی بارگاہِ ناز میں رسائی کا مؤثر ذریعہ ہے۔ اور یہ سارا اہتمام اسم محمد ﷺ کی عظمتوں کے حضور سرِ عقیدت خم کرنے کے لیے ہو رہا ہے۔ کیوں کہ "محمد" ہی وہ واحد اسم گرامی ہے جس کے معنی "سب سے زیادہ تعریف کیا گیا" کے ہیں۔ اور پھر اس کی تعریف و توصیف میں کیا کمی رہ سکتی ہے جس کے لیے اس کا خالق اعلان فرما رہا ہو کہ:

> "بے شک اللہ اور اس کے فرشتے نبی (ﷺ) پر دُرود بھیجتے رہتے ہیں، اے ایمان والو! تم دُرود بھی بھیجو اور سلام بھی جیسا کہ حق ہے۔"

(سورۃ الاحزاب:۵۶)

زمانہ شاہد ہے کہ سعادت جس قدر بڑی ہو، آزمائش بھی اتنی ہی کڑی ہوتی ہے جو صنفِ سخن افکارِ شاعر کو مہک بار کر دے۔ صرف دنیوی سرخ روئی ہی عطا نہ کرے بلکہ ابدی سرفرازی کی نوید بھی عطا کرے، شاعر کے لیے رضائے مصطفوی ﷺ کی صورت میں جنت کے در کھول دے۔ اس سعادت کو پانے کے لیے شعرا کو غیر معمولی احتیاط کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ نعت کہتے ہوئے ہر لحظہ یہ حقیقت مدنظر ہونی چاہیے کہ مَیں اس کی نعت کہہ رہا ہوں جس کی ثنا اس کا خالق فرما رہا ہے۔ جس خالق نے محمد ﷺ کو بے عیب بنایا ہے اُسے یہ کس طرح گوارا ہے کہ فقط شعروں کے سنگ ریزے بکھیرنے والا شاعر اس ممدوحِ کائنات کو محض ایک بشر قرار دے کر اس کے لیے فرسودہ تراکیب اور پامال مضامین کا سہارا لیتا رہے۔ غالب نے اس مقام پر عاجزی کا اظہار کر کے سخن گوئی کا حق ادا کر دیا ہے۔

غالبؔ ثنائے خواجہ بہ یزداں گزاشتیم

کاں ذاتِ پاک مرتبہ دانِ محمد است

غالبؔ جیسا مے خوار نعتِ رسول ﷺ کرتے ہوئے کس قدر ہوشیار نظر آتا ہے۔ نعت کے حوالے سے احتیاط وادب کے تقاضوں کو مدِنظر رکھنے کے لیے امامِ نعت گویاں احمد رضا خاں فاضل بریلوی کس خوبی سے اپنا مدعا بیان کرتے ہیں:

''حقیقتاً نعت شریف لکھنا نہایت مشکل کام ہے جس کو لوگ آسان سمجھتے ہیں۔ اس میں تلوار کی دھار پر چلنا پڑتا ہے۔ اگر بڑھتا ہے تو الوہیت تک پہنچتا ہے اور کمی کرتا ہے تو تنقیص ہوتی ہے۔ البتہ حمد آسان ہے کہ اس میں راستہ صاف ہے۔ جتنا چاہے آگے بڑھ سکتا ہے۔ غرض ایک جانب اصلاً کوئی حد نہیں اور نعت شریف میں دونوں جانب حد بندی ہے۔''

نعت شریف کہتے ہوئے جب شاعر دونوں جانب کی حد بندی کو حد درجہ ملحوظِ خاطر رکھتا ہے۔ الوہیت کے مقام کے تصور سے لرزتا ہے اور تنقیصِ رسالت کے احساس سے ہی عرق عرق ہو جاتا ہے تو پھر نعت ہوتی ہے۔ ایسی نعت جو اپنے دوام کی خود کفیل ہوتی ہے اور ادبِ عالیہ میں اپنا مقام خود منوا لیتی ہے۔ نعت میں عشق کے والہانہ پن اور احتیاط کے حوالے سے درویش شاعر ساغر صدیقی کی فکری اُڑان ملاحظہ کیجیے:

''نعت میرے نزدیک تعریفِ رسالت کا وہ طریقہ ہے جس میں الفاظ زبان سے نہیں بلکہ پلکوں سے ترتیب دیے جاتے ہیں۔ منصور و شمس سے مجھ تک یہ نعمتِ عظمیٰ کیسے پہنچی، چشمِ عقیدت کے لیے اس کا جواب سرمد کے قطرہ ہائے خون اور شہباز کے نعرہ ہائے مستانہ ہی دے سکتے ہیں۔ میں نعت کہتے ہوئے اپنے جسم اور روح کو دوزخ کے شعلوں سے ڈرا لیتا ہوں۔''

نعت گوئی میں حقیقی احتیاط خود کو دوزخ کے شعلوں سے ڈرا لینے ہی میں مضمر ہے۔ جب شاعر کے پیش نظر عظمتِ خداوندی اور محبوبیتِ مصطفےٰ پیشِ نظر ہوتی ہے تو احتیاط خود بخود دامن گیر ہوتی ہے۔ عرفیؔ جیسا قادر الکلام شاعر جب ایوانِ نعت میں داخل ہوتا ہے تو ممدوحِ نعت کی عظمتوں کے تصور سے ہی لرزیدہ فکر ہو جاتا ہے۔ وہ راہِ نعت میں آگے بڑھتے ہر گام پر عظمت و شانِ رسول ﷺ کے تصور سے کانپ کانپ اُٹھتا ہے۔ وہ اپنی فکرِ کم مایہ کا سرمایہ سنبھال سنبھال کر بصد احتیاط آگے بڑھتا ہے۔ اس کا اندازِ احتیاط اپنی جگہ حاصلِ فکر ہے۔

عرفی مشتاب ایں رہِ نعت است نہ صحرا است

آہستہ کہ رہ بردمِ تیغ است قدم را

ہشدار کہ نتواں بیک آہنگ سرودن
نعتِ شہِ کونین و مدیحِ کے، و جم را

یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ نعت صدیوں کے سفر طے کرتی ہوئی آج انتہائی نقطۂ عروج کو چھو رہی ہے۔ آج کا دور اپنی تمام تر فکری بے راہ روی اور ذہنی کج روی کے مظاہروں کے بعد بالآخر نعت کے کوچۂ عافیت ہی میں پناہ ڈھونڈ رہا ہے۔ یہ عصرِ حاضر کی مجبوری نہیں بلکہ کوچۂ نعت کی وسعتِ بے حد اور ثنائے حضور کی بے کرانیوں نے انھیں اپنی جانب متوجہ کرلیا ہے کہ آلامِ روزگار کے ستائے ہوئے حرماں نصیبو! کوچۂ نعت میں امان ڈھونڈ لو کہ یہاں سکون ہی سکون ہے۔ یہ کوچۂ عافیت، پناہِ بے کساں ہے۔ یہاں اسمِ محمد ﷺ کے انوار لٹ رہے ہیں۔ وہ پیارے محمد ﷺ کہ جن کی توصیف کے لیے یہ کائنات تخلیق کی گئی:

مدح اس کی بیاں سے ماورا ہے
جسے خالقِ محمد کہہ رہا ہے
مدح میں اس کی اک نقطے کی صورت
زمین و آسماں کا دائرہ ہے

اب ایک نظر ہم ربّ کریم کے بابرکت کلام پر دوڑاتے ہیں جس کے متن میں احترامِ بارگاہِ رسالت کے ستارے طلوع ہو رہے ہیں۔ قرآن مجید کے حکمت کدے میں داخل ہوتے ہی محامد و محاسن مصطفےٰ ﷺ کی فراوانی نظر آنے لگتی ہے۔ کہیں آپ کو یٰسین کہا جا رہا ہے تو کہیں طٰہٰ کہہ کر خطاب کیا جا رہا ہے۔ کہیں یاایھا الزمل اور یاایھا المدثر کی نداؤں سے آپ کو آواز دی جا رہی ہے۔ ربّ کریم آپ کے شہر کی قسم کھاتا ہے۔ آپ کی زلفوں کی شبِ تار اور چہرۂ والشمس کے انوار کا ذکر ہوتا ہے۔ آپ کے صحابہ اور آپ کی پسندیدہ چیزوں کا ذکرِ جمیل ہو رہا ہے۔ ''ورفعنالک ذکرک'' کی صورت میں آپ کے ذکر کی سربلندی کا اعلانِ عام ہو رہا ہے۔ آپ کے زمانے کی قسم کھا کر آپ کے ہر آنے والے دن کو گزرے ہوئے دن سے بہتر قرار دیا جا رہا ہے، آپ کے نام لیواؤں کو حیاتِ ابدی کی بشارت دی جا رہی ہے اور آپ کے دشمنوں کو عذابِ الیم سے ڈرایا جا رہا ہے۔ حتیٰ کہ خدائے کریم جہاں تمام انبیا و رُسل کو ان کے ناموں سے خطاب کرتا ہے، وہاں آپ کو القاب کے ذریعے پکارا جا رہا ہے۔ حضرت جامی کے بقول:

یا آدم است یا پدرِ انبیا خطاب
یاایھا النبی خطابِ محمد است

یہی نہیں بلکہ اصحابِ ایمان کو رسولِ کریم ﷺ کو مخاطب کرنے کے آداب سکھائے جا رہے ہیں۔ بارگاہِ رسول میں اپنی آوازوں کو پست رکھنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔

یاایھا الذین آمنو لا ترفعو اصواتکم فوق صوت النبی۔(الحجرات:۲)

اے ایمان والو! تم اپنی آوازوں کو نبی اکرم (ﷺ) کی آواز سے بلند نہ کرو۔

کہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بات کرتے ہوئے عجز وانکسار کو وسیلۂ اظہار بنانے کا درس دیا جارہا ہے:

ولا تجھرو الہ بالقول کجھر بعضکم بعضا۔

تم اُن کے ساتھ بات کو بلند آہنگ نہ دو جیسا کہ تم ایک دوسرے کے ساتھ بات کرتے ہو۔

کہیں حجرۂ نبوی کے سامنے حاضر ہوکر بے باکانہ پکارنے سے منع کیا گیا ہے۔

ان الذین....من وراء الحجرات۔(الحجرات:۴)

بے شک وہ آپ کو کمروں کے باہر سے پکارتے ہیں۔

کے بارے میں ''اکثرھم لایعقلون'' (اُن میں سے بیش تر عقل نہیں رکھتے) کا فیصلہ دیا جاچکا ہے، اس لیے پکار بے باکانہ نہ ہو۔ اس لیے اسم ذات سے ندا غیر محمود ہے کہ خود پروردگارِ عالم نے یوں نہیں پکارا۔ پھر ارشاد ہوا:

لایجعلو دعاء الرسول بینکم کدعاء لبعضکم بعضا۔(النور:۶۳)

تم لوگ رسول کے پکارنے کو ایسا مت خیال کرو جیسا کہ تم ایک دوسرے کو بلاتے ہو۔

سورۂ الحجرات ہی میں فرمایا جارہا ہے:

اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول سے سبقت مت کیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو۔

جوں جوں ایک صاحبِ نظر قرآن حکیم کی بے کراں تجلیات سے فیض یاب ہوتا ہوا آگے بڑھتا ہے اس پر سلطانِ دوعالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی توصیف وثنا کے اسرار منکشف ہونے لگتے ہیں۔ وہ یہ سوچ سوچ کر پریشان ہوجاتا ہے کہ ربّ کریم نے اپنے محبوب کی اس درجہ توصیف کردی ہے تو میں کیا کہہ سکوں گا؟ جب ربّ کریم اطاعتِ رسول کو اپنی اطاعت اور محبتِ رسول کو اپنی محبت قرار دے رہا ہے۔ جب غزوۂ بدر میں حضور کے ریت کی مٹھی پھینکنے والے ہاتھ کو ربّ کریم اپنا ہاتھ قرار دے رہا ہو۔ جب گفتارِ مصطفےٰ ﷺ کو گفتارِ خداوندی سے تعبیر کیا جارہا ہے۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے نام پر مقامِ حدیبیہ پر حضور ﷺ کے صحابہ کرام سے اپنے ہاتھ پر بیعت لینے کو خدا اپنے ہاتھ پر بیعت قرار دے رہا ہے تو مقاماتِ مصطفیٰ ﷺ کی بلندیوں اور رفعتوں کا احساس ہی نعت گو شاعر سے عقیدت کا خراج لینے لگتا ہے۔ وہ سوچتا ہے کہ جس کا مدح خواں خود خدا ہو اُس کی توصیف میں، مَیں کیا لکھوں گا؟ جب عجز سامانی غالب آنے لگتی ہے تو یہ احساس

یکا یک زندگی بخشنے لگتا ہے کہ اے شاعرِ خوش نوا! تو بحثوں میں کیوں اُلجھتا ہے۔ تیرے لیے تو یہی احساس کافی ہے کہ تو ممدوحِ خدا کی توصیف رقم کر رہا ہے۔ فقط احتیاط شرط ہے۔ یہ احتیاط احکامِ قرآن کا تقاضا بھی ہے اور محبوبِ دو عالم ﷺ سے محبت کی صلاے عام بھی۔ یہ احتیاط اور احترام ہی تو محبتِ رسول ہے۔ ڈاکٹر سیّد عبداللہ کے لفظوں میں ''کوئی وہ شخص عشقِ رسول ﷺ کی شاعری نہیں کر سکتا جو محبت کے کرب و درد، انہماک اور مرکزیتِ توجہ سے باخبر نہ ہو۔'' حق تو یہ ہے کہ نعت کی دنیا میں محو ہونے والا انسان، کوے حجاز کا رُخ کر ہی نہیں سکتا۔ کیوں کہ جب حقیقتِ محمدی ﷺ قلب و فکر کا احاطہ کر لے تو مجاز کے افسانے خود بخود قصۂ پارینہ بن جاتے ہیں۔

عشق اک کفر ہے جب تک ہے وہ محدودِ مجاز
اور اس حد سے گزر جائے تو ایمان ہو جائے

یہی احتیاط اور پاسِ شریعت ہے جو نعت کا حسن اور اعزاز بن کر اُبھرتا ہے۔

☆

یوں تو دور ہی دورِ نعت رہا ہے اور ہر دور کے نعت گو شعرا نے اپنی اپنی زبانوں کو وسیلۂ اظہار بنا کر نعت کہی ہے۔ آج وہ ماضی کا نعتیہ سرمایہ دست یاب ہو یا نہ ہو، یہ حقیقت ہے کہ ہر دور کے ایوان ہائے نعت، نعتوں کے زمزموں سے گونجتے رہے ہیں۔ عصرِ حاضر کو یہ افتخار ضرور حاصل ہے کہ گزشتہ تین دہائیوں سے نعت گو شعرا کی تعداد میں غیر معمولی اضافہ ہوا ہے۔ اس کے کئی اسباب ہیں۔ ماضی میں نعت پاکیزہ اور درویش صفت، خدا مست اہل اللہ تک محدود تھی۔ اُن کے نعتیہ کلام کا حسن ہی الگ ہے۔ وہ نفوسِ قدسی اپنی ستائش اور ذرائعِ ابلاغ کے عدم وجود کی بدولت جو کچھ بھی کہہ گئے وہ اُن کی اپنی ذات تک محدود رہا۔ وہ عظیم فرزندانِ توحید ستائش اور صلے یا کسی نوعیت کی ناموری سے بے نیاز تھے۔ اس لیے اُن کے لیے نعت اظہارِ فن کا ذریعہ نہیں بلکہ فقط اور فقط عبادت تھی۔

موجودہ دور میں جب ذرائع ابلاغ اور ذرائع اشاعت بہت تیزی سے منصۂ شہود پر آئے۔ نعت کو مذہبی اجتماعات کے علاوہ ہر قسم کے سیاسی، سماجی اور ادبی جلسوں کی زینت بھی سمجھا جانے لگا۔ وہ اخبارات اور جرائد جو کسی خاص تہوار پر ہی نعت کی اشاعت کا اہتمام کرتے تھے، اب نعت نمبر نکالنے لگے۔ ریڈیو، ٹیلی ویژن پر نعت کو بزرگ ترین صنفِ سخن کا درجہ دیا جانے لگا۔ تو وہ کثیر تعداد جو محض حصولِ شہرت کے لیے شاعری کے میدان میں خامہ فرسائی کر رہی تھی، حالات کے تقاضے کو سمجھتے ہوئے اس جانب متوجہ ہوگئی۔ پھر کیا تھا...... اتنی کثرت سے نعت لکھی جانے لگی کہ اصحابِ ذوق اور محبتِ رسول ﷺ کو مدعائے قلب و جان بنانے والوں کو فوراً ادب و احتیاط کے تقاضوں کو جانچنے اور نعت گوؤں کی راہ نمائی کے لیے اس جانب متوجہ

ہونا پڑا اور بڑی تیزی سے یہ سوال اُبھرنے لگا کہ نعت گو شعرا کی ایک بڑی تعداد جس تیزی سے نعت کہہ رہی ہے کیا اس کا مقصد محض قافیہ پیمائی اور اپنے ادبی قد کی نمائش ہے یا اس میں نعت کے حقیقی حسن کی جلوہ گری نظر آتی ہے۔ جب ادبی پیمانوں سے گزرتے ہوئے عشق و عقیدت کے پیمانوں کا سہارا لیا گیا تو بہت جلد روحانی کرب کا سامنا کرنا پڑا۔ کیوں کہ یہ شعرا قوافی اور اوزان سے تو آگاہ ہیں مگر بہت سوں کا کلام نعت کی حقیقی روح سے محروم ہے۔

جب یہ سوال اُبھرا کہ ان اصحاب کی نعتوں میں ادب و احتیاط کی آب و تاب کیوں نظر نہیں آتی تو یہ اصحابِ فن ماضی کے عظیم المرتبت نعت گو شعرا کے حوالے سے پیش کرنے لگے۔ وہ اس حقیقت کو بھول گئے کہ وہ ماضی کے جن درویش صفت شعرا کا حوالہ دے رہے ہیں وہ تو محبتِ رسول کی دولت سے اس درجہ بہرہ ور تھے کہ ان کے ہاں عشق کی فراوانی کے ساتھ ساتھ کمال درجے کی احتیاط بھی نظر آتی ہے اور پھر وہ نفوسِ قدسی تو فنا فی الرسول تھے۔ اُن کا محبوب فقط اور فقط ذاتِ رسول تھی۔ وہ ذاتِ رسول ﷺ کے آئینے ہی میں انوارِ خداوندی کی جلوہ گری دیکھتے تھے۔ ان کو بطورِ مثال پیش کرنے سے پہلے ان جیسا جذبۂ محبتِ رسول ﷺ، غیر معمولی زہد و ریاضت، پاکیزگیٔ کردار اور صالحیتِ افکار کا مظاہرہ کرنا ہوگا۔ وہ لوگ تو تاریخ ساز تھے۔ وہ زمانہ گر تھے۔ وہ لفظوں کے اسیر نہیں بلکہ کاروانِ عشق و سرمستی کے امیر تھے۔ لیکن ان عظیم نفوس کے مقابلے میں جب ہم عہدِ حاضر کے شبستانِ ہوس میں داخل ہوجاتے ہیں تو شعرا کی ایک بڑی تعداد ایک جیسی برق رفتاری کے ساتھ غزل بھی کہہ رہی ہے اور نعت بھی لکھ رہی ہے۔ قوافی بھی ایک جیسے، ردیفیں بھی ایک جیسی، مضامین بھی تھوڑے سے فرق سے ایک جیسے۔ یہ اس حقیقت سے بے نیاز ہیں کہ جس ترکیب اور خیال کو وہ محبوبِ مجازی کے لیے باندھ آئے ہیں اسی ترکیب اور بندش کو نعت کے لیے استعمال کر رہے ہیں۔ فقط مدینہ منورہ یا اسمِ محمد ﷺ لگا دینے ہی سے تو نعت نہیں ہوجاتی۔ وہ اس احساس سے بہرہ ور ہیں کہ مجازی تراکیب کے دوش پر سوار ہوکر محبوبِ خدا کی توصیف کا حق ادا نہیں ہوسکتا۔

ایسے نعت گو شعرا کو نعت کہنے سے کون روک سکتا ہے؟ اور کوئی کیوں روکے؟ یہ تو سرکارِ دو عالم ﷺ کو عطا کی گئی ''شانِ و رفعنالک ذکرک'' کا تقاضا ہے اور یہ بھی جانتے ہیں کہ:

فقط اتنا سبب تھا انعقادِ بزمِ ہستی کا
کہ اُن کی شانِ محبوبی دکھائی جانے والی تھی

مگر انھیں ہر حالت میں یہ ملحوظ رکھنا چاہیے کہ محبوبِ خدا اور محبوبانِ مجازی کی توصیف کے لیے صرف ادبی تقاضوں ہی کو نہیں دیکھا جاتا ہے، بلکہ ادب و احتیاط لازمی ہے۔ یہ ادب اور احتیاط ہی تو شاعری کے پلِ صراط سے کامیابی سے گزر جانے کا سلیقہ سکھاتے ہیں۔ بحمد اللہ! ایسے نام ور شعرا بھی بڑی کثرت سے

نعت کہہ رہے ہیں جو مقاماتِ مصطفوی ﷺ کی عظمتوں سے آگاہ ہیں اور جن کی قرآن حکیم اور احادیثِ رسول پر بڑی گہری نظر ہے۔

نعتیہ مشاعروں کے انعقاد کی کثرت، نعتیہ دیوانوں کی اشاعت کی کثرت اور جملہ رسائل و جرائد کے مرتبہ نعت نمبروں کی اشاعت کی کثرت اپنی جگہ محمود و مستحسن سہی مگر دیکھنا تو یہ ہے کہ یہ کثرت ہمیں نعت کے حقیقی مفاہیم سے دُور تو نہیں لے جا رہی۔ اگر تیزی سے نعت کہنے والے نعت کے روحانی لوازم اور احترامِ بارگاہِ حضور سے باخبر ہیں تو سبحان اللہ۔ ورنہ انھیں سوچنا ہوگا کہ:

شاعرو نعت کہو یہ بھی تو ملحوظ رہے
جو بھی کہتے ہو وہ سرکار کے شایان بھی ہے

ہمارے نعت گو شعرا ادب کے ہر میدان میں نعت گوئی کر رہے ہیں۔ نعتیہ قصائد بھی بڑی تعداد میں لکھے جا رہے ہیں۔ مگر ان نعتیہ قصائد میں تشبیب کا مسئلہ محلِ نظر ہے۔ تشبیب میں جنیت نوازی، شاعرانہ تعلی اور فخرِ مباہات کا ذکر شاعرانہ وقار سمجھا جاتا ہے۔ مگر یہ کسی دنیاوی بادشاہ یا کسی ایک اقلیم کے سلطان کا قصیدہ نہیں کہ تشبیب کے نام پر جو چاہے لکھ دیا جائے۔ برصغیر کے عظیم محدث شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نعتیہ قصائد میں ''تشبیب بالنساء'' کو ختم ہونا چاہیے ورنہ وہ کیسی نعت ہے جس کی ابتدا ہی غیر موزوں، بے محل اور نعت کے حقیقی حسن سے خالی ہے۔ یہ تو سلطانِ سلاطین اقالیم دو عالم ﷺ کا قصہ ہے۔ یہیں تو خدائے کریم کی ہم نوائی کا شرف حاصل ہو رہا ہے۔ پھر ایسی تشبیب سے نہ تو خدا کا محبوب خوش ہو سکتا ہے اور نہ ہی خدائے کریم اسے اپنے محبوب کی مدحت وتوصیف جان کر اُخروی سرخ روئی کا پیمانہ عطا کر سکتا ہے۔

عصرِ حاضر کی نعتوں میں حسنِ تغزل کے نام پر غزلیہ مضامین کی بھرمار ہونے لگتی ہے۔ صوفیا کے کلام کو بہانہ بنا کر ایسے ایسے مضامین پیش کیے جاتے ہیں جو نعت کے تقدس سے ماورا ہیں۔ ان صوفیائے کرام نے کوچہ رسول ﷺ کی جاروب کشی کی سعادت اور آپ کی نظرِ کرم حاصل کرنے کے لیے سب کچھ لکھا تھا۔ اگر قدما میں سے کسی سے کوئی غلطی ہوگئی تو اسے اپنی کوتاہیوں پر پردہ ڈالنے کے لیے بطورِ مثال پیش کرنے سے گریز کیا جائے۔ صوفیائے کرام کی اکثریت وہ کچھ لکھ گئی ہے جس سے ہر دور کو عشق و عقیدتِ رسول کا عملی ادراک حاصل ہوتا رہے گا۔ وہ عظیم لوگ مادّی تقاضوں سے ماورا تھے۔ اُن کا کلام فقط اپنے ذوق کی تسکین کے لیے تھا اور وہ اشاعت کی تمنا سے بے نیاز تھا۔ بہت سا کلام زمانے کی دست بُرد سے محفوظ نہ رہ سکا مگر جو ہم تک پہنچا ہے وہ اعزازِ شاعری ہے۔ کیا عصرِ حاضر کے شعرا اپنے تمام تر دعاوی کے بعد یہ کہہ سکتے ہیں کہ ان کا کلام حسان بن ثابت، کعب بن زہیر، رومی و جامی اور معظم الدین سعدی شیرازی کی طرح ہزاروں سال کی زندگی گزار کر ابدیت سے ہم کنار ہو سکے گا۔

نعت کہیے! بڑے شوق سے کہتے رہیے۔ مگر خدارا ادب و احترام سے منھ نہ موڑیے کہ ادھر تو غزلیہ مشاعرے میں اپنی تازہ ترین غزل پر واہ واہ کرالی اور اُس سے ملتے جلتے اشعار لکھ کر نعت کی سرخی جما کر داد سمیٹنے کے لیے نعتیہ تقاریب میں بھی چلے آئے۔ آپ غزل بے شک لکھیے، کیوں کہ اکثر اچھے غزل گو شعرا نے ہی میدانِ نعت میں حسنِ تغزل کے گلاب بکھیرے ہیں۔ مگر یہ ملحوظِ خاطر رہے کہ غزل کے حسنِ تغزل اور نعت کے حسنِ تغزل میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ ایک طرف بوالہوسی ہے تو دوسری طرف عشقِ رسول، ایک طرف محبوبِ مجازی کے خدوخال ہیں تو دوسری طرف صاحبِ قران کے دل آویز خطوطِ سیرت و صورت۔ ایک طرف ادبی تقاضے کا اظہار ہے تو دوسری طرف عاجزی وانکساری، ایک طرف پُرشکوہ الفاظ کی بھرمار ہے تو دوسری طرف محبتِ رسول ﷺ سے حیات تازہ پانے والے مہک بار اور مقدس تصورات کی لطافت انگیزی۔ ایسے عالم میں نعت گو شاعر ذرا بھی احتیاط سے کام لے تو نعت میں بھی حسنِ تغزل کی ضوباری دکھا سکتا ہے۔ مگر یہ کمالِ تغزل ایسا لطافت آفریں ہوگا کہ پڑھنے والوں کی آنکھیں بے اختیار اشکوں سے وضو کرنے لگیں گی۔

ایک صاحبِ فکر نے اس حوالے سے کیا خوب کہا ہے:

نعتِ نبی جو کہتا ہے! اے شاعرو تمھیں
سمجھو کہ ہے گزرنا تمھیں پلِ صراط سے
آنکھیں بھی باوضو ہوں دلوں میں بھی سوز ہو
اک حرف بھی کہو تو کہو احتیاط سے

نعت جیسی پاکیزہ صنفِ سخن میں روایتی غزل کے لیے مستعمل شدہ غزلیہ مضامین عامیانہ سطح کی تراکیب اور معمولی نوعیت کی تشبیہات اور استعارات سے حتیٰ المقدور دامن بچایا جائے۔ غزل میں تو شاعر نے اپنے ممدوح کو ہر لحاظ سے ہمہ خوبی دکھانا ہوتا ہے۔ اس لیے وہ دُور از کار تشبیہات کا سہارا بھی لیتا ہے کہ اس کا محبوب دوسرے شعرا کے محبوبوں سے زیادہ دل آویز، حسین وجمیل نظر آئے۔ اپنی بلند پردازی کے لیے وہ کسی اُصول وضابطے کا پابندی نہیں ہوتا بلکہ اس کی جملہ ادبی و شعری توانائیاں اپنے محبوب کو ہر لحاظ سے جانِ محبوبی دکھانے کے لیے صرف ہوتی ہیں...مگر نعت میں معاملہ برعکس ہے۔ یہاں تو اُس کی توصیف ہو رہی ہے جسے اُس کے خالق نے پہلے ہی سے ہمہ صفت موصوف بنایا ہے۔ جس میں کسی کمی یا خامی کا وجود تو کجا شائبہ تک نہیں ہے۔ تصور یہ ہونا چاہیے کہ ہم ایسے ہمہ صفت محبوبِ خدا کی توصیف کرکے اپنے ادبی کمالات کے ظہور میں ایک دوسرے پر بازی نہیں لے جارہے بلکہ ہم تو اس ہمہ صفت موصوف کی ثناگوئی کرکے اپنی عاقبت سنوار رہے ہیں۔ ورنہ جناب محمد (ﷺ) اور خداے محمد (ﷺ) ہماری توصیف اور حمد و

نعت کے محتاج نہیں۔ البتہ ہماری تمام تر نام وری (اگر میسر ہے تو) احترامِ بارگاہِ رسالت مآب ﷺ ہی میں مضمر ہے اس لیے عامیانہ قسم کی تشبیہات اور استعارات سے گریز کر کے مقاماتِ محمد ﷺ کی سربلندی کو وظیفۂ حیات بنا کر ہی نعت کے قافلے میں صدی خراتی کا فریضہ ادا کیا جا سکتا ہے۔

اس ضمن میں ایک تاریخی واقعے کا تذکرہ ایمان و یقین کے نخل سرسبز کو مزید بہار آفریں بنانے کے لیے کافی ہے۔ اردو زبان کے معروف شاعر جناب اطہر ہاپوڑی نے ایک نعت لکھ کر امام احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہ (المتوفی ۱۳۴۰ھ) کے پاس بغرضِ ملاحظہ ارسال کی، جس کا مطلع تھا۔

کب ہیں درخت حضرتِ والا کے سامنے
مجنوں کھڑے ہیں خیمۂ لیلیٰ کے سامنے

امام احمد رضا خاں اس پر برافروختہ ہوئے اور فرمایا کہ مطلع کا مصرع ثانی منصبِ رسالت سے فروتر ہے۔ محبوبِ پروردگار ﷺ کے گنبدِ خضرا کو خیمۂ لیلیٰ سے تشبیہ دینا بے ادبی ہے اور مجنوں میاں بیچ میں کہاں سے آ گئے۔ یہ تو ذاتِ رسول ﷺ کا معاملہ ہے۔ ساتھ ہی قلم برداشتہ یوں اصلاح فرمائی ۔

کب ہیں درخت حضرتِ والا کے سامنے
قدسی کھڑے ہیں عرشِ معلّیٰ کے سامنے

حضرت اطہر ہاپوڑی اس اصلاح پر اتنے خوش ہوئے کہ تمام زندگی اس پر ناز کرتے رہے۔ یہ اُن تمام شعرا کے لیے لمحۂ فکریہ ہے جو تنقیصِ رسالت کے باب میں معمولی سی توجہ دلانے پر برافروختہ ہو جاتے ہیں اور توجہ دلانے والا اس خوف سے پیچھے ہٹ جاتا ہے کہ ۔

انیس ٹھیس نہ لگ جائے آبگینوں کو

لیکن بات یہاں ان نازک آبگینوں کو ٹھیس لگنے کی نہیں ہے۔ یہاں تو ادب و احتیاط کے تقاضوں کو بالائے طاق رکھنے پر خدائے کریم کی ناراضگی کا خوف ہونا چاہیے۔ دلوں کے نازک آبگینوں کا کیا ہے، یہ تو شاعرانہ تعلّی کے نام پر صدیوں سے ٹھیس لگنے کے عادی ہو چکے ہیں۔ یہ تو شعرا کا معمولِ حیات ہے۔ مگر نعت کے میدان میں اس معمولِ حیات کو ترک کر کے معمولی سی گستاخی سے بھی اجتناب کرنا چاہیے۔ یہاں تو ادب و احتیاط کا یہ عالم ہونا چاہیے کہ ۔

شان اُن کی سوچیے اور سوچ میں کھو جایئے
نعت کا دل میں خیال آئے تو چپ ہو جایئے

بعض حضرات کو اپنی قادرالکلامی پر بڑا ناز ہوتا ہے۔ وہ مشاعروں اور ادبی تقاریب میں جھوم جھوم کر نعت پڑھتے ہیں اور جا بجا سامعین کی رہنمائی بھی فرماتے ہیں کہ میرے فلاں فلاں شعر میں ادبی و فنی محاسن

ملاحظہ فرمائیے۔ سامعین کی واہ واہ اور داد کو ہی متاعِ عزیز سمجھ بیٹھتے ہیں۔ اپنی قادرالکلامی کا یہ غرور ہی انھیں بے حجابانہ اور گستاخانہ انداز سے آگے بڑھنے اور سرکارِ دوعالم ﷺ سے ہم کلامی کے معاملے میں آداب و احتیاط کو فراموش کرنے کا مذموم جذبہ عطا کرتا ہے۔ انھیں جان لینا چاہیے کہ نعت میں فقط قادرالکلامی اور بیان ہی سب کچھ نہیں ہے۔ نعت گوئی کے لیے حضور اکرم کے فضائل، سعادت و کمالات، حسنِ ظاہر و باطن کی اور ذاتِ اقدس سے متعلقہ دیگر علوم سے واقفیت حاصل کرنا لازمی امر ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سیّدنا حسان بن ثابت ؓ جیسے یگانہ روزگار شاعر کو حکم دیا کہ حضرت صدیق اکبر ؓ کے پاس جائیں اور ممدوحِ نعت ﷺ کے نسب نامے کے بارے میں معلومات حاصل کریں۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ ؓ بھی شاعرِ دربارِ رسالت ہیں لیکن ایک بار اُن کے اشعار حضور ﷺ کی بارگاہِ قدس میں پسندیدگی کے حق دارانہ ٹھہر پائے، حضور ﷺ خود بعض نعت گو شعرا کو ٹوکتے اور اصلاح فرماتے رہے تو ان جلیل القدر ہستیوں کے مقابلے میں کہ جن کی خاکِ پا ہمارے لیے سرمۂ چشم بصیرت ہے، ہم کس قطار و شمار میں ہیں؟ ہماری اوقات ہی کیا ہے؟ ہماری اوقات تو فقط نسبتِ حضور ہی سے وابستہ ہے اور یہی نسبت اگر پریشانیِ خاطر یا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ میں ناپسندیدگی کا باعث بن جائے تو ہماری جادو بیانی اور قادرالکلامی یا قدرتِ زبان و بیاں کس گنتی میں ہے؟ ہمیں جان لینا چاہیے کہ نعت کیسی ہی ہو حضور ﷺ کی رضا حاصل کیے بغیر قرطاس و قلم کی زینت بن ہی نہیں سکتی۔ ہمیں ہر لحظہ یہ امر ملحوظ رکھنا چاہیے ؎

آنکھوں میں نور دل میں بصیرت ہے آپ سے
مَیں خود تو کچھ نہیں مری قیمت ہے آپ سے

ربّ کریم نے اپنے محبوب ﷺ کو افصح العرب بنایا، اسی لیے تو آپ اُمّی لقب مگر دانائے کُل ہو کر اچھے نعتیہ اشعار کی داد دیتے اور اظہارِ پسندیدگی بھی فرماتے تھے۔ عاصی کرنالی ایک نئے زاویے سے اظہارِ خیال کرتے ہیں:

> کبھی کبھی ہمارے مطالعے سے یہ "آشوب" بھی گزرتا ہے کہ ہم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی توصیف میں افراط و تفریط کا شکار ہو جاتے ہیں۔ کبھی تو کسرِ شان کا یہ انداز کہ انھیں اپنے جیسا بشر سمجھتے ہیں یا غزل کے مضامین کا اُن کو مورد قرار دیتے ہیں اور کبھی ازراہِ مبالغہ انھیں اللہ کی مخصوص صفات اور اختیارات کا حامل قرار دیتے ہیں۔ اللہ کے پردے میں وحدت کے سوا کچھ نہیں۔ اس لیے سب کچھ حضور ہی سے مانگنا ہے۔ کیا نعت کے ایسے مضامین قرآن و سُنّت کے مزاج کے مطابق اور دانش و معرفت کے اصول و اطلاق سے مناسبت رکھتے ہیں؟ ("نعت رنگ" اپریل ۱۹۹۵ء)

حضور ﷺ کے مقام و مرتبہ کی کوئی حد نہیں۔ آپ کے علوم و معارف کی کوئی انتہا نہیں۔ اس عالمِ ممکنات میں جتنے بھی غزالی، رومی، سعدی، احمد رضا خاں اور علامہ اقبال جنم لیتے رہیں گے، سب کی صلاحیتیں حضور ﷺ کی نگاہِ لطف کی محتاج نہیں۔ ضمائر کے استعمال میں واحد غائب کے لیے وہ اور واحد حاضر کے لیے تُو کا استعمال مناسب ہے یا نامناسب۔ اردو شاعری زیادہ تر فارسی اور عربی کی متبع ہے۔ فارسی میں تُو سے ایک شخص مراد ہوتا ہے جب کہ شما اور ایشاں میں وحدت نہیں اجتماع ہے۔ اردو زبان میں بہت سے شعرا نے بہت سے مقامات پر اسی روش کی تقلید کی ہے:

اے خاصۂ خاصان رُسل وقتِ دعا ہے
اُمت پہ تری آ کے عجب وقت پڑا ہے (حالؔی)

یا اقبالؔ کی شاعری۔

لوح بھی تُو قلم بھی تُو ترا وجود الکتاب
گنبدِ آبگینہ رنگ ترے محیط

لیکن اس کے باوجود اقبالؔ کے ہاں آپ کا استعمال بھی ملتا ہے۔ تُو کا صیغہ استعمال کرنے والے بیش تر شعرا کے ہاں آپ کا خطاب بھی ملتا ہے۔ اس بحث میں اُلجھے بغیر یہ سمجھ لینا چاہیے کہ تُو یا آپ کا استعمال شاعر کے بیان کردہ مضمون بحر اور قافیے کا محتاج ہوتا ہے۔ بات حسنِ نیت کی ہے۔ کوشش یہی کرنی چاہیے کہ اگر اوزان اور بحور اجازت دیں تو تعظیمی ضمائر ضرور کا استعمال کرنا چاہیے، مثلاً:

ہر نبوت کے لیے وقت پہ جانا ٹھہرا
آپ آئے تو نہ جانے کے لیے آپ آئے (عاصی کرنالی)

دانشؔ میں خوفِ مرگ سے مطلق ہوں بے نیاز
مَیں جانتا ہوں موت ہے سُنّت حضور کی (احسان دانش)

جس کے لبوں پہ ذکرِ نبی کی مٹھاس ہے
اس کو ہوائے گلشنِ فردوس راس ہے
مرہونِ لطفِ سرورِ ہر دو جہاں ہوں
میری زبانِ حال یہ حرفِ سپاس ہے (راجا رشید محمود)

اگرچہ غزل کا پیرہن تمام مضامین کے لیے موزوں ہے اور غزل کا پیرہن ہر قدِ زیبا پر سجتا ہے مگر

جیسا کہ ہم پہلے بھی عرض کر چکے ہیں کہ نعتِ رسول ﷺ میں غزل کے مروّجہ اسالیب کے استعمال پر اصرار کرنا کسی لحاظ سے بھی موزوں اور مناسب نہیں ہے۔ غزل تو ہمیں اوزان، قوافی اور بحور دیتی ہے۔ ہمیں مجبور تو نہیں کرتی کہ ہم وہ تمام احکامِ سخن نعت گوئی پر صادر کریں جو غزل کے حوالے سے دنیاوی اور مجازی محبوبوں کے نام پر استعمال ہوتے رہے ہیں۔ اگر اس پر اصرار کیا جائے گا تو نعت اپنے حقیقی روحانی اور ایمانی حسن کھو کر فقط خوب صورت شاعری کا نمونہ رہ جائے۔ یہ ایک ایسے پھول کی مانند ہوگی جس کی رنگت تو کمال کی ہے، مگر خوش بو سے محروم رہے۔ معروف نقاد ڈاکٹر فرمان فتح پوری رقم طراز ہیں:

> نعت کا موضوع اس امر کا متقاضی تھا کہ جدید ہیئتوں میں زیادہ سے زیادہ برتا جاتا۔ لیکن ایسا نہیں ہوا۔ اور ہمارے شعرائے قدیم ہیئتوں خصوصاً غزل کی ہیئت کو اپنائے ہوئے ہیں۔ اس مسئلے پر بطورِ خاص غور کرنے کی ضرورت ہے۔ ورنہ خطرہ یہ ہے کہ اردو نعت گوئی کی صنف غزل میں بند ہو کر محض جلسے جلوس میں ترنم سے پڑھنے اور محافل میں ترنم ریزی کا سرمایہ بن کر نہ رہ جائے۔

(بحوالہ ''نعت رنگ''، ا۔۲، ص ۱۲۶)

ڈاکٹر فرمان فتح پوری کا مقصود غزل کی ہیئت میں نعت کہنے پر تنقید نہیں بلکہ وہ بھی اس خیال کے ہم نوا ہیں کہ غزل کے قالب کو ہی حاصلِ شاعری سمجھ کر نعت کو اس تک محدود نہ کر دیا جائے۔

احمد ندیم قاسمی کے بقول:

> نعت عشقِ رسول ﷺ بغیر کہی ہی نہیں جاسکتی۔ رسماً کہی جائے تو اس کا کھوکھلا پن جلد ہی کھل جائے گا۔

محمد عبداللہ قریشی بھی، کچھ ایسے ہی جذبے کی ترجمانی کرتے ہیں:

> نعت گو جب تک عشقِ رسول میں ڈوب کر توحید و رسالت اور عبودیت کے نازک رشتوں میں کامل ہم آہنگی پیدا نہ کرے، جذباتِ عالیہ، سوز و گداز، رفعتِ بیان اور حسنِ ذوق سے آشنا نہ ہو اس وقت تک وہ نعت گوئی کے منصب سے عہدہ برآ نہیں ہوسکتا۔

شاہ احمد رضا خاں کے اس شعر سے مندرجہ بالا حقائق کو نئی تب و تاب ملتی ہے۔

لیکن رضاؔ نے ختمِ سخن اس پہ کر دیا
خالق کا بندہ خلق کا مولا کہوں تجھے

ممتاز نعت گو شاعر اور متعدد نعتیہ دواوین کے خالق راجا رشید محمود، مدیر ''نعت'' فرماتے ہیں:

> نعت الفاظ کا حسن اور تشبیہات کا شکوہ ہی نہیں بلکہ اس کے متن سے سلطان

دو عالم ﷺ کی سرفرازی، آپ کے محاسنِ قدسیہ اور فکر و عمل کی خوش بو آنی چاہیے۔
اس کے پہلو بہ پہلو شاعر کا جذبۂ نیاز و عقیدت بھی وسیلۂ اظہار بننا چاہیے۔ ورنہ
نعت محض لفظوں کی ساحری بن جائے گی۔

یوں تو مدح کرنے کے لیے درجنوں حوالے ہیں مگر مندرجہ بالا چند اقتباسات سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ نعت کی حقیقی روح ادب و احترامِ رسول ﷺ ہے۔ اگر یہ نہیں تو پھر روشنی سے محروم چراغوں کو پیش کرنے اور خوش بو سے محروم پھولوں کی نمائش سے کیا حاصل۔

مختصر یہ کہ:

☆ نعت ربّ کریم کی توفیقِ خاص ہے۔ نعت گو کو ہر لمحہ یہ احساس ہونا چاہیے کہ یہ توفیقِ نعت اس کائنات کا سب سے بڑا اعزاز ہے۔ نعت میں ربّ کریم کی ہم نوائی سے بڑھ کر مردِ مومن اور کیا آرزو کر سکتا ہے۔ اگر یہ توفیق مقدر کا حصہ بن جائے تو ہر ساعت ہر آن یہی فکر پیشِ نظر رہنی چاہیے کہ جو ذاتِ عظیم یہ توفیق ارزاں کر رہی ہے، وہ معمولی کوتاہی سے ناراض بھی ہو سکتی ہے اور احترام و عقیدتِ رسول کے تقاضوں کو بجا لانے پر ہر نعمتِ عظمیٰ شاعر کا مقدر بھی سنوار سکتی ہے۔

☆ نعت کا عظیم معیار قرآنِ حکیم ہے۔ نعت گو شعرا کو قرآنِ حکیم، اقوالِ رسول، احادیثِ نبوی، صحابہ کے جذبۂ عقیدت کے ساتھ، عظیم نعت گو شعرا کے کلام کا باقاعدہ مطالعہ کرنا چاہیے۔ قرآن کے دارالحکمت میں داخل ہوتے ہی ہر سورت اور ہر آیت شوکت و شانِ رسول کے ساتھ ساتھ احترامِ رسول ﷺ پر زور دیتی نظر آئے گی۔ مبارک ہیں وہ نفوسِ قدسیہ جو قرآن سے نعت گوئی سیکھتے ہیں۔ امام احمد رضا خاں فرماتے ہیں۔

ہوں اپنے کلام سے نہایت محظوظ
بیجا سے ہے المنۃ للہ محفوظ
قرآن سے مَیں نے نعت گوئی سیکھی
یعنی رہے احکامِ شریعت ملحوظ
(حدائقِ بخشش)

☆ نبی مکرم ﷺ کے اوصاف لامتناہی ہیں۔ آپ اس کائنات کی سب سے عظیم ہستی ہیں۔ فکرِ عاجز آپ کے محامد و محاسن اور کمالاتِ عالیہ کا احاطہ نہیں کر سکتی۔ آپ کی صورت کی جلوہ ریزیاں، چہرۂ انور کی طلعت باریاں، معجزات اور کمالات کی کثرت، رحمت و شفقت، پتھر کھا کر دعائیں دینا، جان کے دشمنوں کو رحمت کی قبائیں بخشنا، غارِ حرا سے لے کر سفرِ معراج تک اور مدینے کے عام شہری سے لے کر

مقتدرِ اعلیٰ تک، آپ کی حیاتِ طیبہ کا ایک ایک لمحہ انوار و فیوض لٹا رہا ہے۔ جب شاعر مقاماتِ مصطفیٰ ﷺ کی لافانی بلندیوں اور آپ کے کمالاتِ قدسیہ کی وسعتوں کا تصور کرلے تو بے اختیار اپنی عجز سامانی کا احساس ہونے لگتا ہے کہ وہ کہاں مَیں کہاں؟ جوں جوں اس احساس کی چنگاری بھڑکتی ہے ادب و عقیدت کے آداب عطا ہونے لگتے ہیں۔

☆ نعت میں فقط تخیلات کی بلندی پر زور دیا جائے تو نعت فقط شعری نمونہ بن جاتی ہے۔ اس میں تخیلات کی بلند پروازی سے زیادہ حقائق کے اِدراک کا مسئلہ پیشِ نظر ہے۔ اس بارگاہِ عالی میں کمالاتِ مصطفیٰ ﷺ کے حوالے سے کمالِ تحقیق اور انتہائے عجز کے ساتھ حاضری دینی چاہیے۔

☆ یہ احساس ہر لحظہ پیشِ نظر رہنا چاہیے کہ نعت کہتے ہوئے مَیں خالقِ دو عالم کی سُنّتِ عالیہ ادا کر رہا ہوں۔ محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذاتِ گرامی وہ ہستی ہے کہ جس کے حضور فرشتے بھی دم بخود حاضر ہوتے ہیں۔ اس بارگاہِ اقدس میں بلند آواز سے کلام کرنا بھی منع ہے۔ اسمِ محمد ﷺ کو ادا کرنے سے پہلے زبان کو ہزار مرتبہ مشک و گلاب سے عطر بیز کرنا پڑتا ہے۔ یہی نام نامی فرشتوں کا وظیفہ اور جملہ انبیا کی مناجاتوں کی قبولیت کا ذریعہ ہے۔ جب اس حوالے سے شاعر آگے بڑھے گا تو شعری تفاخر خود بخود عجز و نیاز میں ڈھل جائے گا۔

☆ ممدوحِ نعت کے اوصاف ذہن و فکر کی ہر وسعت سے زیادہ ہیں۔ اس لیے بہت کچھ لکھے جانے اور کہے جانے کی گنجائش باقی رہتی ہے۔ کیوں کہ درود و سلام کے حوالے سے حکمِ خداوندی کی حقیقی معنویت روزِ محشر اُجاگر ہوگی جب آپ شفاعت کا تاج نور زیب سر کیے ہوئے ہوں گے۔ شفاعت طلبی کا احساس شاعر کو بارگاہِ حضور میں پلکوں سے جاروب کشی کرنے کے آداب سکھا دیتی ہے۔

☆ دورِ حاضر میں نعتیہ محافل اور نعتیہ مجالس کی کثرت ہے۔ محض نعت خوانوں کی آواز اور ترنم کے پیشِ نظر یا اہلِ محفل سے داد وصول کرنے کے بجائے نعت کے حقیقی مفاہیم پر زور دینا چاہیے۔ حقیقی داد عوام الناس کی واہ واہ نہیں بلکہ بارگاہِ خدا اور دربارِ رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام میں قبولیت ہے۔ جب کہ خوشنودیِ رسول ﷺ میں خوشنودیِ خدا ہے تو آپ سے تعلقِ خاطر اور روحانی نسبت کو ادب و عقیدت کے تقاضوں کو بجالاکر مضبوط سے مضبوط بنانا چاہیے۔

وفا کا سوز تو کندن بنا دیتا ہے انساں کو
محبت جس کو خاکستر کرے گی کیمیا ہوگا

☆ نعت کے لیے ایسا قلم چاہیے جو عقیدت کے گلاب مہکانا جانتا ہو۔ شاعر اپنے دل کے آئینے کو شفاف سے شفاف تر کرے تاکہ انوارِ محمدی ﷺ کی جلوہ گری ہو سکے۔ جوں جوں شاعر محمدیت کے رنگ میں

رنگا جائے گا اس کے جذبے باوضو اور اس کے محسوسات نورِ تقدیس سے ضوریز ہونے لگیں گے۔ یہی وہ مقام ہے کہ جب ہاتفِ غیبی بھی پکار اُٹھتا ہے کہ یہی تو نعت ہے۔

☆ نعت کا موضوع عظیم بھی ہے اور نازک بھی۔ یہ عرش سے نازک تر مقام ہے۔ اس لیے احکامِ قرآنی پیشِ نظر رہنے چاہییں۔

☆ شاعر کو حضور سرورِ کونین ﷺ کی صورتِ عالیہ اور سیرتِ پاکیزہ سے مکمل آگاہی ہونی چاہیے تاکہ جب وہ فکرِ نعت میں سرمست ہو تو قلم کی نوک عقیدتِ حضور کے قلزمِ انوار سے وضو کر رہی ہو۔

☆ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرتِ قدسیہ اخلاقِ عالیہ کو اپنی نعت کا موضوع بناتے ہوئے شاعر کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا رُخِ انور پیشِ نظر رکھنا چاہیے۔ وہ رُخِ انور کہ جو قرآن سے جمالِ خداوندی کا آئینہ بن کر اُبھرتا ہے۔ یہ امر پیشِ نظر رکھنا چاہیے کہ محبوبِ خدا کی صورت نے بھی سیرت کا کام کیا ہے اور بے شمار خوش بخت تو حضور ﷺ کا چہرۂ انور دیکھتے ہی دولتِ ایمان سے مشرف ہو گئے۔ یہیں وہ حسنِ تغزل ہوگا جو مجازی تقاضوں سے ماورا ہو کر ادب و عقیدت کا ترجمان ہوگا۔

☆ یہ حقیقت بھی پیشِ نظر ہونی چاہیے کہ نعت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رضا اور عطا کے بغیر لکھی نہیں جاسکتی۔

نعت مَیں کیسے لکھوں اُن کی رضا سے پہلے
میرے ماتھے پہ پسینہ ہے ثنا سے پہلے

جب نعت رضائے مصطفوی ﷺ کی بدولت شاعر کی تقدیر سنوار رہی ہے تو کمالِ فن اور حسنِ شعریت پر غرور کیسا؟ یہاں تو ہر آن تجلیاتِ حضور سے اپنے افکار کو ضوبار، کردار کو پاکیزہ تر، محسوسات کو مہک ریز اور جذباتِ عقیدت کو عنبر فشاں کرتے رہنا چاہیے۔

الغرض نعت و ثنائے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کاروانِ نور بصد احترام و عقیدت رواں دواں ہے ازل اور ابد کی حدود سے سربلند ہو کر۔ عصرِ حاضر میں غیر معمولی تعداد میں شعرا کا نعت کی جانب متوجہ ہونا اور نعتیہ کتب اور نعتیہ رسائل و جرائد کا حیرت انگیز تعداد سے شائع ہونا بذاتِ خود رحمتِ خداوندی کی جلوہ گری ہے۔ ہمیں لغزشوں سے دامن بچا کر عشق و عقیدت اور احترام و احتیاط کی روشنی میں آگے بڑھتے رہنا چاہیے۔ اے کاروانِ نعت کے خوش بخت مسافرو! آگے بڑھتے رہو۔ تمھاری نظریں گنبدِ خضریٰ پر جمی رہنی چاہییں۔ تمھارے دلوں میں عظمتِ حضور کی شمعوں کو روشن رہنا چاہیے۔ ذاتی نمود، فنی تفاخر، غیر ضروری مبالغہ آرائی سے بے نیاز ہو کر فقط اور فقط احترامِ محبوبِ دو عالم ﷺ کے سہارے۔

☆

ڈاکٹر صابر سنبھلی۔ بھارت

کچھ آدابِ نعت کے بارے میں

اردو شاعری میں نعت موضوعی صنف ہے اور اس کی کوئی ہیئت مقرر نہیں۔ اس کے باوجود اکثریت سے غزل کی ہیئت میں کہی جاتی ہے۔ اسی لیے اس کے قواعد وضوابط الگ سے منضبط نہیں ہوئے، بلکہ جو غزل کے اصول تھے، وہی نعت پر بھی منطبق کیے جاتے رہے۔ یاد نہیں پڑتا کہ ان پر سب سے پہلے گفتگو امام احمد رضا فاضل بریلوی نے فرمائی، جو عام طور سے مشہور ہے اور شعرا سے لے کر نقادوں تک کو معلوم ہے، جیسے:

''نعت کہنا تلوار کی دھار پر چلنا ہے...''

''بیت الخلا میں فکرِ نعت نہیں کرنی چاہیے...'' وغیرہ

نعت پر پاکستان میں بہت کام ہوا ہے اور ہو رہا ہے۔ میرا اپنا خیال یہ ہے (جو بعض شعرائے ہند کو ناگوار بھی ہو سکتا ہے) کہ پاکستان کی نعتیہ شاعری بھارت سے موضوعات اور طرزِ اظہار دونوں حیثیتوں سے کم سے کم پچاس برس آگے ہے۔ پاکستان میں ہی نعت کے کام کو آگے بڑھانے کے لیے ''نعت رنگ'' اور ''سفیرِ نعت'' جیسے مجلّے بھی جاری ہوئے۔ ان میں سے ''نعت رنگ'' تو اپنی ضخامت اور موضوعات کے تنوع کے لحاظ سے مجلّہ ''نقوش'' لاہور کی یاد دلاتا ہے۔ اس مجلّے نے صنفِ نعت کی بڑی خدمت کی ہے اور نعت گوئی کے حوالے سے مختلف حضرات کے منتشر خیالات کو سمیٹ سمیٹ کر یک جا کیا ہے۔ ان خیالات میں آدابِ نعت گوئی کے بارے میں بھی بہت کچھ ملتا ہے۔ ہمیں اس کے لیے بانی و مدیر ''نعت رنگ'' کا ممنون ہونا چاہیے۔

لیکن اس سب کے باوجود آدابِ نعت گوئی کا ایک اہم نکتہ جو پاکستان کے نعت گو شعرا اور ماہرینِ فن کو نہیں سوجھا اُس پر انڈیا سے اظہارِ خیال کیا گیا۔ اگرچہ اردو نعت میں یہ کمی مجھ فقیر حقیر کو بھی کھٹکتی تھی؟ مگر نعت گوئی سے سیدھا تعلق نہ ہونے کے باعث میں اس معاملے میں پیچھے رہ گیا اور مہاراشٹر کے شہر مالیگاؤں کے خوش گو اور خوش فکر شاعر ڈاکٹر اشفاق انجم صاحب سبقت لے گئے۔ ظاہر ہے کہ اب اس بات پر افسوس

کرنے اور اپنی ناکامی کو دہرانے سے کوئی فائدہ نہیں۔ اب تو ڈاکٹر اشفاق انجم صاحب کی ترجمانی کا حق بھی ادا ہو جائے تو بڑا اور اہم کام ہوگا۔

میں نے باقاعدہ اور پابندی کے ساتھ نعت گوئی جولائی ۲۰۰۵ء سے شروع کی۔ اس سے پہلے ۲۰۰۱ء کے آخر میں ڈاکٹر اشفاق انجم کی نعتوں کا مجموعہ ''صلوا علیہ وآلہ'' موصول ہوا تھا۔ جس کو کہیں کہیں سے اُچٹتی نظر سے دیکھا تھا، پھر کچھ اہم کاموں میں اُلجھ گیا تو مجموعہ اُٹھا کر رکھ دیا اور کچھ ایسا سنبھال کر رکھا کہ وقتِ ضرورت ڈھونڈنے پر بھی دستیاب نہیں ہوا اور اُس مجموعے کی اسی غیبت میں اپنی نعتوں کے مجموعے کے دیباچے میں محض یادداشت سے ڈاکٹر اشفاق انجم صاحب کی اس پہل کا نہ صرف ذکر کر دیا بلکہ اس کی بھرپور تائید بھی کر دی۔ (یہ مجموعہ تادمِ تحریر شائع نہیں ہوا ہے)

پھر ایک روز الماری میں کوئی دوسری کتاب تلاش کرتے ہوئے بلاکوشش یہ مجموعہ دست یاب ہو گیا۔ خیال آیا کہ اب کچھ ڈاکٹر اشفاق انجم صاحب کے حوالے سے اور کچھ اپنی طرف سے آدابِ نعت کے موضوع پر خامہ فرسائی کر دوں۔

اپنے پیش لفظ ''یا محمد ﷺ'' میں ڈاکٹر اشفاق انجم صاحب تحریر فرماتے ہیں:

> آج بھی اکثر شعرا سیّد الثقلین حضور نبی کریم ﷺ کو ''تو'' سے مخاطب کرتے ہیں۔ میری نظر میں یہ گستاخی کی انتہا ہے۔ جس ذاتِ پاک کو اللہ اُن کے اسمِ مبارک کی بجائے ''یٰسین''، ''طٰہٰ''، ''مدثر'' اور ''مزمل'' جیسے القاب و خطابات سے یاد فرماتا ہے، ہم اُس ذات کے لیے تو، تیرا، تیرے جیسے الفاظ استعمال کریں تو اس سے بڑی گستاخی اور کیا ہوگی؟ غور فرمایئے کہ جب ہم اپنے باپ دادا کے لیے ''تو'' استعمال نہیں کرتے تو محبوبِ خدا، فخرِ موجودات، حضرت محمد مصطفٰے ﷺ کے لیے یہ طرزِ تخاطب کہاں تک جائز ہے؟ (صفحہ نمبر ۱۱)

بات بہت واضح اور دو ٹوک انداز میں کہی گئی ہے، لیکن ڈاکٹر اشفاق انجم صاحب نے اس احتجاج میں ایسی بدعت بلکہ گستاخی کو بڑھا دیا ہے جو اردو نعت گوئی میں ابھی تک نظر سے نہیں گزری تھی۔

حضور سرورِ انبیا ﷺ جو مخلوقات میں سب سے افضل ہیں کو نام سے ندا کرنا یوں تو نعت گویوں کے یہاں عام ہے، مگر اس کو غفلت کے سوا اور کیا کہا جائے کہ اس طرزِ تخاطب کو ہمارے شعرا گستاخی نہیں سمجھتے۔ ضمیر تُو اور تیرا کا استعمال افضل الخلوقات کے لیے ڈاکٹر اشفاق انجم صاحب کے اس فارمولے کے مطابق بھی گستاخی ہے کہ ہم اپنے باپ اور دادا کے لیے تُو اور تیرا کا استعمال نہیں کرتے تو اُن کو نام لے کر پکارنا بھی کب جائز ہو سکتا ہے۔ رسول کو یا رسول اللہ کہیے، یا نبی اللہ کہیے، یا حبیبِ خدا کہہ کر پکاریے، یا دافع البلا

کہہ کرندا دیجیے۔ اس طرزِ تکلم میں گستاخی کا شائبہ تک نہیں ہے۔ مگر جب سرکار دو عالم ﷺ کو ایک بچے کی طرح نام لے کر پکارا جائے تو یقین کیجیے میرا دل خوف سے کانپ جاتا ہے۔ خود ڈاکٹر اشفاق انجم صاحب کا یہ جملہ بھی درج بالا اقتباس میں شامل ہے:

> جس ذاتِ پاک کو اللہ اُن کے اسم مبارک کے بجائے مدثر اور مزمل جیسے القاب و خطابات سے یاد فرماتا ہے ہم اُس ذاتِ اقدس کے لیے تُو، تیرا، تیرے جیسے الفاظ استعمال کریں تو اس سے بڑی گستاخی کیا ہوگی۔

اُن جانے میں ہی سہی، مگر یہ طرزِ تخاطب نہ جانے کب سے جاری ہے اور اب بھی عام ہے مگر کسی نے اس کو اپنے مضمون کا عنوان بنایا ہو، فقیر کے علم میں نہیں ہے۔ اس بدعت کا آغاز شاید ڈاکٹر اشفاق انجم کے قلم سے ہی ہوتا ہے۔ خدا کرے اس کو رواجِ عام نصیب نہ ہو۔ اس کے علاوہ ڈاکٹر اشفاق انجم صاحب نے آقائے دوجہاں ﷺ کے لیے فعل ''کردو'' کا استعمال بھی کیا ہے۔ اس کی ضمیر ''تم'' ہے۔ (جو شعر میں مقدر ہے) یہ بھی گستاخی ہے۔ ڈاکٹر انجم فرماتے ہیں:

یہ التجا ہے مرا قلب آئینہ کردو
ہر اک زمانے کے اخبار دیکھنے ہیں مجھے

اگلا شعر یہ ہے:

مرض یہ جن کے مسیحا کو رشک آتا ہے
تمھارے عشق کے بیمار دیکھنے ہیں مجھے

(صفحہ نمبر ۶۰)

دوسرے شعر میں صاف طور سے ''تمھارے'' آیا ہے، جو تیرے سے کچھ ہی بہتر ہے۔

اس موقع پر یہ عرض کردینا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بہت سے نعت گو شعرا سچے معنوں میں عاشقِ رسول بلکہ فنافی العشق الرسول ﷺ بھی ہوئے ہیں۔ نہ تو اُن کے ذہنوں میں گستاخیِ رسول کا خیال آسکتا تھا اور نہ ہی وہ رسول اللہ ﷺ کے اعلیٰ ترین مقام و مرتبے اور نعت گوئی کے آداب سے غافل ہوتے تھے اگر ایسوں کے کلام میں یہ طرزِ تخاطب پایا جاتا ہے تو اس کو اعتراض کا ہدف بنانا درست نہیں۔ یہ وہ لوگ تھے جو عشق کی دنیا کی زینت تھے۔ اپنے آقا ﷺ کے عشق میں ایسے وارفتہ تھے کہ باوجود ہزار احتیاط کے نعت شریف کہتے وقت اُن کی حیثیت ایک مجذوب کی ہوجاتی تھی۔ اس لیے ان حضرات کو آج کل کے نعت گویوں پر قیاس نہیں کرنا چاہیے۔ ڈاکٹر اشفاق انجم نے اس ناپسندیدہ طرزِ تخاطب کی وجہ بھی تحریر فرمادی ہے، جو حسبِ ذیل ہے:

ایک زمانہ تھا جب فارسی زبان وادب کے اثرات اردو پر اس قدر حاوی تھے کہ شعرا ہر اعتبار سے اس کا تتبع اور تقلید کرتے تھے۔ فارسی میں صیغۂ واحد مخاطب (حاضر) ''تُو'' ہے۔ بچے سے لے کر بوڑھے تک، عام آدمی سے لے کر سلاطین تک ''تُو'' سے مخاطب کیے جاتے ہیں اور یہ معیوب بھی نہیں ہے۔ کیوں کہ فارسی میں ''آپ'' کا صیغہ ہی نہیں ہے، لیکن اردو میں ایسی کوئی مجبوری نہیں ہے۔ اس لیے خصوصی طور پر اس کا لحاظ رکھنا چاہیے۔

اس تعلق سے بعض حضرات قدما کے اشعار بطورِ مثال پیش کر سکتے ہیں۔ جیسے حالی نے کہا ہے:

اے خاصہ خاصانِ خدا وقتِ دعا ہے
اُمت پہ تری آکے عجب وقت پڑا ہے

تو مَیں کہوں گا کہ وہ فارسی کے اثرات کا نتیجہ تھا۔ آج کی اردو شاعری فارسی کی گرفت سے آزاد ہو چکی ہے۔ اس لیے ہمیں اس طرزِ تخاطب سے بچنا چاہیے اور اگر کوئی مجھ سے متفق نہ ہو تو میں یہی کہوں گا کہ وہ اپنے باپ دادا کو بھی ''تُو'' سے مخاطب کیا کرے۔ (صفحہ نمبر ۱۱۔۱۲)

بات اگرچہ درست ہے مگر میں اس میں اتنا اضافہ اور کرنا چاہتا ہوں کہ یہ فارسی کا اثر ہی نہیں ہے بلکہ ممکن ہے کہ کچھ اثر عربی کا بھی ہو۔ عربی میں آج بھی السلام علیک یارسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیک و بلماء یانبی سلام علیک، و علیٰ آلک و اصحابک کا چلن عام ہے۔ بات وہی ہے جو ''تُو'' اور ''تیرا'' میں ہے۔

اس کے علاوہ اردو میں واحد حاضر کی ضمیر فارسی وعربی کے مقابلے میں زیادہ سخت ہے۔ اس لیے کہ عرب اور ایران میں اپنے سے بڑوں کے لیے اس کا استعمال عام ہے۔ مگر ہندوپاک میں معیوب سمجھا جاتا ہے۔

دوبارہ عرض کرتا ہوں کہ عاشقانِ جمالِ حبیبِ خدا (ﷺ) جو فنافی العشق ہیں کے قلم سے اگر یہ ضمیریں نکلتی ہیں تو دوسری بات ہے مگر اب پندرھویں صدی ہجری میں حضور ﷺ کے لیے ایسی ضمیریں اور وہ بھی خالص دنیادار شاعروں کے قلم سے کسی طرح مناسب نہیں معلوم ہوتیں۔ زمانہ بدل گیا، قدریں بدل گئیں، مزاج تبدیل ہو گئے، ذہنی روّیوں میں فرق آ گیا۔ لہٰذا بہتر بلکہ ضروری ہے کہ حتی الامکان اس طرزِ تخاطب سے بچا جائے۔ ضمیر میں ہی نہیں فعل میں بھی اور غائب کی ضمیر وفعل میں بھی یہ خیال رکھا جائے کہ اُس میں سوئے ادب کا پہلو نہ نکلے۔ جیسے:

''چلا جب ہمارا نبی سوئے طیبہ'' یا ''وہ آ رہا ہے مژدۂ بخشش لیے ہوئے'' وغیرہما۔

آدابِ نعت میں ایک یہ نکتہ بھی اہم ہے کہ بعض نعت گو شعرا حضرت فخر الانبیا ﷺ کے بارے میں ایسے الفاظ بھی استعمال کر جاتے ہیں جن سے اُن کی مدح کا کوئی پہلو نہیں نکلتا۔ یہ درست ہے کہ اُن میں توہین کا شائبہ بھی نہیں ہوتا لیکن نعت پاک تو حضرت محبوبِ خدا ﷺ کی مدح کے لیے ہوتی ہے، اگر مدح کا پہلو نہ ہو تو ایسے الفاظ کو ''حشو'' کہا جائے گا۔

بہت واضح اور صاف مثال دینا مناسب نہیں سمجھتا، لیکن ایک اشارے سے اپنی بات کو واضح کرنا چاہتا ہوں۔ تصور کیجیے کہ آپ کسی محترم شخص کو مخاطب کرنا چاہتے ہیں اور وہ یا تو آپ سے کچھ فاصلے پر ہے یا اُس کے اردگرد بھیڑ لگی ہے، ادب اور احترام کی وجہ سے آپ اُس کا نام بھی نہیں لینا چاہتے اور اُس کو اس طرح آواز دیتے ہیں۔

''اے سفید ٹوپی والے صوفی صاحب! ذرا ادھر متوجہ ہوں۔''

تو ہوسکتا ہے کہ آپ کے اس اندازِ تخاطب سے بہت سے لوگوں کو ہنسی آ جائے اور آپ کا مخاطب بھی اس طرزِ تخاطب کا بُرا مانے۔ اس لیے اس قسم کے الفاظ سے حتیٰ الامکان پرہیز کیا جائے تو انسب ہے۔ سبھی نے سنا ہوگا:

نیلی ٹوپی والے ذرا نام تو بتا

نعت گوئی بلاشبہ کارِثواب ہے اگر چہ بعض حضرات اس کا کچھ غلط مطلب بھی نکال لیتے ہیں۔ آپ نے بھی بعض نعت گو شاعروں کو کہتے سنا ہوگا کہ وہ نعت حضرت رسولِ اکرم ﷺ کی خوشنودی کے لیے کہتے ہیں اور یہ بھی سنا ہوگا کہ اگر نعت کا ایک مصرع بھی قبول ہو جائے تو بخشش کے لیے کافی ہے۔

لاریب دونوں باتیں بالکل درست ہیں، بلکہ نعت پاک کا سننا بھی اعلیٰ درجے کا ثواب ہے، مگر خلوصِ قلب کی شرط ہر جگہ ہے۔ اگر ہمارے نعت گو حضرات خلوصِ قلب کے ساتھ نعت کہتے ہیں اور اُن کا مقصد خوش نودیِ سرکارِ دوعالم کے سوا کچھ نہیں یعنی اُس میں کوئی لوث شامل نہیں تو وہ نعت میں اپنا تخلص کیوں شامل کرتے ہیں۔ صاف ظاہر ہے کہ خوش نودیِ سرکارِ دوعالم ﷺ تو محض برائے گفتن ہے۔ اصل مقصد شہرت کی خواہش اور داد کی تمنا ہے۔ اگر کوئی بغیر تخلص شامل کیے نعت پاک کہے تو یہ مانا جائے گا کہ اُس نے خوش نودیِ آقا ﷺ کے لیے خلوصِ دل سے نعت پاک کے اشعار کہے ہیں۔ یہ بات آج کل کے دنیادار شاعروں کے لیے ہے، اہل اللہ پر اس رائے کا نفاذ نہیں ہوتا۔

یہ آخری بات اگر چہ آدابِ نعت کا حصہ نہیں ہے، مگر نعت گوئی کا خاص جز ہے اس لیے اس کو مضمون میں شامل کرلیا گیا ہے۔

☆

سلیم شہزاد۔ بھارت

آزاد نظم میں نعت کی جلوہ گری

نعت فنِ شعر کے اظہار کا ایک منفرد اسلوب ہے۔ اس لیے شعری اظہار کے تکنیکی تقاضوں سے اس کا تاثر پذیر ہونا فطری امر ہے۔ تقدیسی شاعری کی یہ صنف مختلف ہیئتوں میں اظہار سے گزرتی رہی ہے۔ مرثیے کی طرح نعت ایک موضوعی صنفِ سخن ہے جس میں قصائد، منظوم واقعات، سیرت، غزلیں، رُباعیاں اور مثنویاں سبھی ہیئتیں شامل ہیں۔ مثلاً غالب کی ایک غزل کا مشہور مقطع ہے۔

اُس کی اُمت میں ہوں مَیں، میرے رہیں کیوں کام بند
واسطے جس شہ کے غالبؔ گنبد بے در کھلا

مثنوی ''سحرالبیان'' میں میر حسن کہتے ہیں۔

نبی کون یعنی رسولِ کریم نبوت کے دریا کا دُرِّ یتیم
ہوا گو کہ ظاہر میں اُمی لقب یہ علم لدنی کھلا دل پہ سب

انیسؔ (اور دبیرؔ) کے مرثیے بھی نعتیہ اشعار سے خالی نہیں۔

خواہاں نہیں یاقوتِ سخن کا کوئی گر آج
ہے آپ کی سرکار تو یاصاحبِ معراج
اے باعثِ ایجاد جہاں، خلق کے سرتاج
ہوجائے گا دم بھر میں غنی بندہ محتاج
اُمید اسی گھر کی، وسیلہ اسی گھر کا
دولت یہی میری، یہی توشہ ہے سفر کا

احمد رضا خان نے ایک رُباعی میں رسولِ اکرم ﷺ کی ذاتِ مبارکہ کو چہار سمت میں نور افشاں دکھایا ہے۔

خالق کے کمال میں تجدّد سے بری مخلوق نے محدود طبیعت پائی

بالجملہ وجود میں ہے اک ذاتِ رسول جس کی ہے ہمیشہ روز افزوں خوبی

محسنؔ کا کوروی کا قصیدہ لامیہ تو محبانِ رسول ﷺ کے حافظے کا حصہ ہی بن گیا ہے ۔

گلِ خوش رنگ رسولِ مدنی عربی زیبِ دامانِ ابد، طرۂ دستارِ ازل
نہ کوئی اس کا مشابہ ہے، نہ ہم سر، نہ نظیر نہ کوئی اس کا مماثل، نہ مقابل، نہ بدل
مہرِ توحید کی ضو اوجِ شرف کا مہِ نو شمع ایجاد کی لو، بزمِ رسالت کا کنول
مرجعِ روحِ امیں، زیب دہِ عرشِ بریں حامیِ دینِ متیں، ناسخِ ادیان و ملل
ہفت اقلیم ولایت میں شہِ عالی جاہ چار اطرافِ ہدایت میں نبی مرسل

یہ مثالیں تو شاعری کی روایتی ہیئتوں سے آئی ہیں، عہدِ جدید میں جب تجربہ پسندی کی لہر اُٹھی تو اس نے نعتیہ اظہار کو بھی خوب متاثر کیا ہے۔ ماہیے، دوہے، غزلیے، ہائیکو، معرا اور آزاد نظمیں، غرض نعت گوئی میں تجرباتی اظہار کے شائق فن کاروں نے متعدد جہات سے اپنے عشقِ رسول ﷺ کو لسانی اظہاری رنگوں میں پیش کیا اور کر رہے ہیں۔ آزاد نظم سے پہلے نظم معرا (بے قافیہ نظم) میں نعت یوں جلوہ گر ہوئی ۔

مجتمع کس نے کیا لوگوں کو پربت کے قریب
کس نے للکارا ضلالت کو مسلسل تنہا
جَو کی روٹی کبھی مل جائے، کبھی فاقہ کشی
بھوک سے، پیٹ پہ پتھر کبھی باندھے، کس نے
تین سو تیرہ کی تعداد ہے کس گنتی میں
فکر یہ دائرہ کن خندقیں کھودی جائیں
دُور کی دھوپ میں سے فیصلہ کن راہِ تبوک

عادل منصوری کی ایک طویل نظم ''حشر کی صبح درخشاں ہو'' سے ماخوذ یہ مصرعے، بحرِ رمل، مثمن لخبون محذوف مقصور کے وزن فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلن/ فعلان میں ہیں۔ بے قافیہ نظم میں تمام مصرعے مساوی الوزن ہوتے ہیں۔ یعنی ابھی اس ہیئت نے روایت کا دامن پوری طرح نہیں چھوڑا ہے۔ آزاد نظم اس کے بعد کے مرحلے میں آتی ہے۔ جس میں مساوی الوزن مصرعوں کو غیر مساوی کر دیا گیا۔ راقم کا خیال ہے کہ ماہیا اور ہائیکو جیسی اصناف تین نابرابر سطروں میں آزاد نظم ہی ہوتی ہیں، مثلاً صبیح رحمانی کی ایک نعتیہ ہائیکو اس طرح ہے:

معراجِ سرکار
وقت نے رُک کر دیکھی ہے

انساں کی رفتار

یہ "پوری طرح" آزاد نظم نہیں کیوں کہ ہائیکو نظموں میں ہمارے شعرا پہلی اور تیسری سطروں کو مقفیٰ رکھنے کے قائل ہیں۔

نعت گوئی کے بہت سے موضوعات، بہت سے تقاضے اور خاص طور پر بہت سے آداب ہیں جن کے سبب اس شعری مظہر کی ہیئتی اہمیت بہ ظاہر کم ہوتی نظر آتی ہے لیکن بیسویں صدی کے دوسرے نصف کے بعد ادبی اظہار میں جو فکری، لسانی اور موضوعاتی انقلابات رونما ہوئے اُن میں دوسری عالمی جنگ سے پیدا مادّی اور روحانی خلفشار سے نجات کے لیے خالقِ کائنات اور ہادیِ کائنات سے انسانی روحانی رابطے کا شدید رجحان دنیا کی بہت سی زبانوں کے فن کاروں کو کسی ازلی و ابدی عقیدے کی بازیافت کی طرف لے جانے لگا۔ کرۂ ارض کے ہر خطے میں ایک قسم کی مذہبی مراجعت کے آثار صاف نظر آنے لگے، یہاں تک کہ بعض شدّت پسند تنظیموں نے اس مراجعت کو رجعت پرستی اور بنیاد پرستی کے نام دے ڈالے۔ اسی زمانے میں اردو ادب جدیدیت کے فکری رویے سے متاثر ہوا اور اس کے بہت سے فن کاروں نے اخلاقی اقدار کی شکست وریخت اور مذہبی بیزاری کے تاریک عہد میں اسم محمد ﷺ سے اُجالا کرنے کی کوششیں شروع کیں۔

ترقی پسند تحریک کے زیرِاثر آزاد نظم نے کچھ اعتبار حاصل کرلیا تھا۔ حلقۂ اربابِ ذوق سے منسلک شعرا بھی شعری اظہار میں اضافی عروضی پابندیوں کی قید سے چھوٹ کر ہیئتی آزادی کی فضا میں سانس لے رہے تھے۔ ایسے ماحول میں جب کائنات میں خدا کے وجود سے انکار کردیا گیا تھا اور خلفشار زدگی میں ہر شے اور ہر تصور بے معنی قرار پاچکا تھا، اردو کے بعض شعرا خالقِ کائنات کے وجود کا اثبات اور ہادیِ کائنات سے اپنے عشق کا اظہار کر کے بے سمتی، لغویت اور بے مقصدیت کو نئی معنویتوں سے سرشار کررہے تھے۔

اردو شاعری کی اصناف میں نعت سب سے مقدم، معتبر اور محترم صنف خیال کی جاتی ہے۔ رسولِ اکرم ﷺ کی حیاتِ مبارکہ میں اس شعری اظہار کی روایت برگ و بار لاچکی تھی اور اقصائے عالم میں جہاں جہاں آپ کا پیغام پہنچا، وہاں وہاں آپ سے اپنی دینی نسبت، عقیدت اور ارادت کے اظہار کے لیے عالموں اور فن کاروں نے آپ کی مدحت سرائی میں وقائع نویسی، سیرت نگاری اور نعت گوئی کے مختلف اسالیب اختیار کر کے اتنا کچھ لسانی متن تشکیل کردیا کہ تاریخ عالم میں کسی اور شخصیت پر اتنا تحریری مواد وجود میں نہ آیا تھا۔ یہ سلسلہ آج اکیسویں صدی میں بھی بفضلِ تعالیٰ جاری ہے اور ان شاء اللہ تا قیامت اس میں کمی نہ آئے گی۔

نعت کے روایتی اسالیب اور ہیئتیں وغیرہ جو ابتدا میں راقم نے مثالوں کے ذریعے پیش کیں، جدّت اور جدیدیت کے عہد میں ادبی و شعری اظہار میں گوناگوں تجربات کے نتیجے میں بظاہر بے نظمی کا شکار ہوئیں

لیکن اس بے نظمی میں شعری اظہار، سچے عشقیہ اظہار اور موجود بے اعتقاد اور بے اعتبار معاشرے میں رسولِ اکرم ﷺ کی بے مثال ہستی اور بامعنی کردار کے پیشِ نظر نعت کے نام سے لکھی گئی آزاد نظمیں اپنے عہد کی عظیم المرتبت بیانیہ بن کر سامنے آئیں۔ کہتے ہیں کہ ادبی متن سازی کا موجودہ عصر رزمیہ نگاری کا عہد نہیں ہے۔ آج سارے عظیم بیانیے ٹوٹ کر چھوٹی چھوٹی وحدتوں میں محدود معنویت کے اشارے بن گئے ہیں، لیکن مشاہدہ، مطالعہ اور تجربہ شاہد ہے کہ عشقِ رسول ﷺ کا اظہار کرنے والی صنف جس میں چھوٹی چھوٹی نعتوں سے لے کر طول طویل ہیئتوں کی حامل نظمیں شامل ہیں، اس کلیے کو غلط ثابت کر رہی ہیں اور دنیا بھر کے شعرا اللہ کے نبی سے اپنی محبت کا بے لوث اظہار کیے جا رہے ہیں۔

ہیئتی تجربہ پسندی کے بہت سے اختراعی اسالیب سے قطع نظر یہاں اس نعت کا تذکرہ مقصود ہے جسے آزاد نظم کی ہیئت میں پیش کرنے سے نہ صرف رسولِ اکرم ﷺ کی ذاتِ مبارکہ پر شعری اظہار کی وسعتوں کا انداز ہوتا ہے بلکہ یہ خیال بھی اُجاگر ہوتا ہے کہ آزاد نظم اپنی شش جہت روانی، سمعی ماحول کو متاثر کرنے والی موسیقانہ آہنگ اور فن کار کے تصورِ عشقِ رسول ﷺ کو زمان و مکاں پر حاوی مظہر کی طرح پیش کر سکتی ہے۔ اردو میں آزاد نظم ایک مغربی شعری مظہر ہے جو کسی روایتی شعری ہیئت کی پابندی نہیں کرتی۔ اس میں مقررہ تعداد میں مصرعوں کے بند نہیں ہوتے لیکن عروضی وزن و آہنگ کی اتنی پابندی ضرور کی جاتی ہے کہ ارکانِ افاعیل (فاعلاتن، مفاعیلن، فعولن وغیرہ) سے کوئی (ایک یا دو) رکن منتخب کر کے اسی کی تکرار کی جائے۔ اس نظم میں مصرع کا روایتی تصور مفقود ہونے کی وجہ سے سطر (یا سطروں) کو معیار مانا جاتا ہے۔ آزاد نظم کی سطریں بالعموم چھوٹی بڑی ہوتی ہیں جن کی طوالت کا انحصار خیال کی وسعت پر ہوتا ہے، مثلاً:

سلام اُس پر جو حرفِ حق ہے
وہ حرفِ حق جو سماعتوں اور خدائے برتر کے درمیان اک واسطہ ہے
جو خاکِ مردہ میں جان ڈالے، وہ کیمیا ہے (اطہر نفیس)

روایتی طور پر ان سطروں کی تقطیع یوں ہوگی:

سلام اس پر/ جو حرفِ حق ہے
فعول فعلن/ فعول فعلن

وہ حرفِ حق جو/ سماعتوں اور/ خدائے برتر/ کے درمیان/ اک واسطہ ہے
فعول فعلن/ فعول فعلن/ فعول فتلن/ فعول فعلن/ فعول فعلن

جو خاکِ مردہ/ میں جان ڈالے/ وہ کیمیا ہے
فعول فعلن/ فعول فعلن/ فعول فعلن

ویسے حقیقی آزاد نظم کا تصور محال ہے جو کسی فنی پابندی کو قبول نہیں کرتی۔ اس نظم میں قافیے کی سب سے بڑی رکاوٹ سے صرفِ نظر کیا جاتا ہے لیکن قافیہ ایک صوتی جادو ہے کہ اپنی راہ کہیں نہ کہیں اس میں نکال ہی لیتا ہے۔ چناں چہ بہت سی مثالیں ہیں کہ آزاد نظم میں جگہ جگہ مقفیٰ سطریں روانی میں ایک گونج سی پیدا کرتی ہیں (اوپر کی سطروں میں ''واسطہ'' اور ''کیمیا'' کے قافیے)۔

یہاں جن نعتیہ آزاد نظموں کا جائزہ پیش کیا جا رہا ہے، وہ صرف بصری پیکر بنانے والی ایسی نظمیں نہیں ہیں کہ جن کی چھوٹی بڑی سطروں میں نعتیہ مضامین نظم کر دیے گئے ہوں۔ یہ نظمیں جدید شاعری کے بہت سے اوصاف اپنے اندر رکھتی ہیں، ان کے خیالات ممکن ہے کہ نعت کے روایتی خیالات سے مماثلت رکھنے والوں ہوں، مگر ان کے اظہار کی زبان جدید شاعری کا خاصہ رکھنے والی زبان ہے۔ ان کے عروضی آہنگ میں تنوع اور جدّت ہے۔ ان میں دینی حسیت اور رسولِ اکرم ﷺ سے عقیدت وارادت کے نئے رنگ، نئی شعری تکنیکوں کے ساتھ اظہار سے گزرے ہیں۔ شاعر کا وجدان، اس کے وجدان پر عشقِ رسول ﷺ کی حرارت اور اس حرارت سے پگھلتے اس کے احساسات و جذبات کی نیرنگیاں ان نعتوں کو روایتی نعتیہ کلام سے ازحد مختلف ادبی مظہر کی طرح سامنے لاتی ہیں۔ روایتی نعت کا شعری اظہار معلوم خیالات، معلوم جذبات اور معلوم لفظیات کا اظہار ہے جب کہ زیرِ مطالعہ نعتوں میں نظموں کا تسلسل، ان کی طوالت اور ان سے بننے والے شاعرانہ حسی پیکر قاری اور سامع کو ایک ایسی بے کراں کائنات میں پہنچا دیتے ہیں جو نو بہ نو خوش بوؤں، رنگوں اور آوازوں سے معمور ہے۔

عمیق حنفی کی شاعری میں مادّیت/ روحانیت اور جدیدیت/ قدامت کے متضاد تصورات کی کش مکش کے ساتھ گزشتہ اور حالیہ زمانوں کے اقداری ارتباط اور بے ارتباطی کی گومگو کیفیات بہ یک منظر اپنا اظہار کرتی ہیں۔ ان کے یہاں اظہار کی زبان کا برتاؤ بھی اس صورتِ حال کے واضح شعری پیکر تراشتا ہوا ہے۔ وہ تاریخ اور داستان/ مذہب اور اساطیر کے استعاراتی اور علامتی اظہار سے اپنی نظموں کا خمیر تیار کرتے ہیں جس کی عمدہ مثال رسولِ پاک کی سیرت پر اُن کی طویل تجرباتی نظم ''صلصلۃ الجرس'' میں دیکھی جا سکتی ہے۔ اس نظم کے سارے واقعات بظاہر رسولِ اکرم ﷺ کی ذاتِ گرامی سے متعلق ہیں لیکن اس کا وسیع منظر پیش نامہ سرزمین عرب کے تاریخی عہدِ جاہلیت سے طلوعِ اسلام اور اشاعتِ اسلام کے ادوار کو محیط کرتا ہوا آج ہمارے عصر کی مادّی/ روحانی اور تشکیلی/ اعتقادی محتمل الضدین نفسی کیفیات تک پر حاوی ہوتا نظر آتا ہے۔ اس نظم میں شاعر نے اتنی آزادی برتی ہے کہ اس میں شامل رُباعیاں پانچ پانچ، سات سات مقفیٰ اشعار کے بند، مختلف اور کثیر عروضی ارکان کے حامل مقفیٰ اشعار اور متعدد اشعار پر مشتمل قصیدہ وغیرہ سب اپنی ڈھیروں پابندیوں کے باوجود رسولِ اکرم ﷺ کے لیے شاعر کے اظہارِ عشق کی وسیع و عریض کائنات میں دوڑتے

بھاگتے شہابیے بن جاتے اور ایک ماورائی آزادی کا تصور پیدا کر دیتے ہیں۔عروضی اور ہیئتی پابندیوں کے ساتھ ساتھ درمیان میں وہ آزاد نظم بھی ظہور کرتی رہتی ہے جس کی چھوٹی بڑی سطریں فکر کی رووں کو کبھی زمانِ گزشتہ سے زمانِ موجود میں کھینچ لاتی ہیں تو کبھی پیش آئند زمانوں تک کی پرچھائیاں دکھا دیتی ہیں، پھر ایک جھونکا فکر کو واپس ماضی میں پہنچا دیتا ہے:

یہ نیم اسرار وادی سے نکل کر کون آتا ہے
گماں کی گرد چھٹتی جا رہی ہے
سنکتی سنسناتی گولیاں
فضاؤں میں پگھلتی جا رہی ہیں
سرنگوں میں بچھی بارود آتش بازیاں بن کر
سیاہی پر اُجالوں کی کشیدہ کاری کرتی جا رہی ہے
یہ قصوا اور جدعا کے نقوش پا
سیاہی پر چھڑکتے جا رہے ہیں روشنی کا عود و عنبر
سواران کا
دل و جاں کا امیر کارواں ہے

''سنسناتی گولیاں'' اور ''سرنگوں میں بچھی بارود'' ہمارے زمانے کی چیزیں ہیں۔شاعر نے ''نیم اسرار وادی'' میں روشنی کرنے کے لیے جن سے آتش بازی کا کام لیا ہے۔

غارِ حرا میں نزولِ قرآن کا بڑا ڈرامائی منظر اس نظم میں کھینچا گیا ہے:

اک فرشتے کی بجلی کے لپکے کی مانند آواز گونجی
اس نے ریشم کا زرّیں خریطہ دکھا کر کہا
''یہ پڑھو''
کانپتی، کپکپاتی لرزتی صدا نے کیا اک سوال
''کیا پڑھوں''
ہاتھ اُس نے دبا کر کہا
''یہ پڑھو''
''کیا پڑھوں''
''یہ پڑھو''

''اِس میں کیا میں پڑھوں''

اور فرشتے نے ریشم کے زرّیں خریطے پہ لکھی ہوئی

شعلہ شعلہ عبارت پڑھی

واقعۂ معراج کے بیان میں شاعر نے زمان و مکاں ایک کر دیے ہیں:

طلسم عناصر تمام

زمیں کی کشش خام

بہر گام بکھرے ہوئے ہیں دِشاؤں کے دام

آزاد نظم میں قافیوں کی اس تکرار نے ایک متاثر کن صوتی حسن بھر دیا ہے۔ ایک اور مثال:

نظر آ رہا ہے حجابِ جمال

حجابِ جلال اور حجابِ کمال

کہا، یہ ہے حدِ ادب

بڑھیں آگے، حضرت اکیلے ہی اب

جدید نظم کی شعری لفظیات اس نعتیہ سیرت نظم میں شاعر کی روحانی حسیت اور صوفیانہ بصیرت کو زمانِ گزشتہ و حالیہ کے ایک دوسرے پر انطباق کی صورت میں سامنے لاتی ہے۔ ''گولیاں'' اور ''بارود'' کا ذکر آ چکا، یہاں نظم سے ماخوذ وہ لفظیات پیش ہے جس کے بغیر جدید لسانی اظہار کا تصور نہیں کیا جا سکتا:

بکھرتے منظر، گھڑی کی سوئیاں، کیلنڈر، کاغذ پر

ہلوں کو کھینچنے والے، مشینوں پر نغمے ڈھالنے والے

جن پتھر سے گزرتی لڑکیاں، کھجر اہو کی دیواریں

پرندے سوالوں کے، نقش تجرید، زمیں کی کشش

چمنی، سکائی سکریپر، گراموفون، کیمیائی زہر کی

نہریں، مشینوں کا دل، کالی آواز، یگیہ کنڈ

''صلصلۃ الجرس'' سوانحِ رسول کا محض سلسلہ وار تاریخی روایتی بیان نہیں ہے۔ ایسا بیان تو تاریخِ اسلام کی بہت سی کتابوں میں پڑھا جا سکتا ہے۔ یہ شاعری ہے، شاعر کے بے زمان و مکاں تخیل اور اس کے عشقِ رسول ﷺ کی سرد و گرم کیفیات کا امتزاج جس کے اظہار میں ممکن ہی نہیں کہ صرف اور صرف روایتی لفظوں سے کام لیا جا سکے۔ اس نظم کا ابتدا تا اختتام مطالعہ سیرتِ رسول کی نئی شناختیں اور معنویتیں قاری کے ذہن پر مرتسم کرتا ہے۔ یہ شناختیں اور معنویتیں مکمل طور پر نئی عصری حسیت کے لحہ لحہ پھیلتے بڑھتے، گمان و

تشکیک، انکار و الحاد اور کذب و زیاں کے دائروں میں جینے والے کسی مسلمان کو اعتبار و یقین، اقرار و تسلیم اور صدق و صفا کے وہ اکسیری ضابطے اور رابطے دینے والی ہیں جن کی آج اسے بے حد ضرورت ہے۔

ترقی پسند ادبی تحریک کے بالمقابل تعمیر پسند یا اسلامی ادب کی تحریک بھی اردو میں روبہ عمل رہی ہے۔ نعیم صدیقی اس کے بنیاد گزاروں میں سے تھے۔ اُن کی شاعری اسلامی اقدار و تصورات کی ترویج کا ذریعہ ضرور رہی ہے لیکن اس کے ساتھ فنی اور جمالیاتی اقدار بھی ان کی نظموں میں اپنے رس جگالی دکھائی دیتی ہیں۔ اُن کی زبان کا موسیقانہ آہنگ اُن کے خیال کو بے رس نہیں ہونے دیتا۔ اپنے نعتیہ مجموعے کے پیشِ لفظ میں انھوں نے کہا ہے:

> ہر وہ شعری کاوش نعت کی تعریف میں داخل ہے۔ جس کا مرکزی سرچشمہ تخلیق محبتِ رسول ﷺ ہو۔ حتیٰ کہ آزاد نظم کی کوئی لمبی بیل ہی کیوں نہ ہو، اس کی روح بھی اگر جذبۂ عقیدتِ رسالت ﷺ ہے تو اس کا ہر پھول، ہر پتی اور ہر کونپل نعت کی تعریف میں شامل ہے، چاہے شاعر نعت کے مخصوص ارتسامات اور اصطلاحات کو چند ہی بار استعمال کرے۔

ہمارا سروکار صنفِ نعت میں آزاد نظم کی لمبی بیل ہی سے ہے، جس کی عمدہ مثال خود نعیم صدیقی کے یہاں اُن کی طویل نعتیہ آزاد نظم ''گرداب و گہر'' میں دیکھی جاسکتی ہے۔

یہ نظم رکن ''مفاعلن'' کی تکرار سے صورت نما ہوتی ہے۔ اس کا صوتی آہنگ خاصا تیز رو اور چھوٹی بڑی سطریں گھنی گنجان بیل ہی کا سا تاثر دیتی ہیں۔ آزاد نظم ہونے کے باوجود قافیہ بندی اس نعت میں صنعتِ لزوم مالا یلزم کے مصداق صوتی روانی میں سطروں کے اختتام پر ایک مخصوص موسیقانہ ٹھہراؤ پیدا کرنے والا مظہر بن گئی ہے۔

نظم رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے شروع ہوتی ہے۔ یہاں نعت کے اس مسئلے پر بحث ممکن ہے کہ آں حضور ﷺ کو ایک روبرو موجود ہستی کی طرح تخاطب کیا جائے یا نہیں؟ خاص طور پر شاعر نعیم صدیقی کے اپنے فکری اور اعتقادی رجحانات کے پس منظر میں (اس جملۂ معترضہ سے قطع نظر) فی الوقت ہمارا مسئلہ نعت کی ہیئت ہے جس پر اس نظم کے حوالے سے اچھے کارآمد مباحث ممکن ہیں۔ نظم کے تیز رو آہنگ کا تجزیہ کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اُس کا کچھ حصہ باآوازِ بلند پڑھا جائے۔

مرے نبی
مرے نبیِ محترم
مرے نبی

تو میرے دل کی روشنی، تو میری جاں کی تازگی

حرم سے تا یروشلم، یروشلم سے تا بہ عرش

طویل ہے تری گلی

''نبی، روشنی، تازگی، گلی'' کے قافیوں سے نظم کی موسیقی کا آغاز ہوتا ہے اور شاعر ایک ہی مصرع (حرم سے تا یروشلم، یروشلم سے تا بہ عرش) میں تبارک الذی اسریٰ بعبدہ کے اشارے سے واقعۂ معراج کی تفصیلات سمو دیتا ہے۔ پھر شاعر کا رسولِ اکرم ﷺ کی ذاتِ گرامی سے جذباتی عشقیہ لگاؤ کا ذکر اور اس کا تصورِ رسول و بشر۔

مرے نگارِ دلستاں، مرے سوارِ خوش عناں

یہ دل کشی، یہ دلبری

تجسم صحیفۂ صداقت ازل ہے تو، مگر بہ شکلِ آدمی

بشر کو تیرے اسوۂ حسیں سے برتری ملی

یہی ہے، بالیقیں یہی

اس نظم کے بعض مصرعوں میں قرآنی حوالے نظم کیے گئے ملتے ہیں (جیسا کہ ''حرم سے تا یروشلم'' کی مثال میں بتایا گیا) جن سے نعت کا سر رشتہ ربّ العالمین کی تحمید و تقدیس سے جا ملتا ہے۔ مثلاً اصحابِ رسول کے متعلق یہ خیال کہ:

رحیم ہیں بہم دگر، عدو کے حق میں سخت تر

(اشداء علی الکفار رحماء بینهم)

اور ''اللہ کے رنگ میں رنگ جاؤ'' کی طرف یہ اشارہ:

یہ ایک صبغۃ اللہ کے عیاں ہیں بے شمار رنگ

(صبغة اللّٰه و من احسن من اللّٰه صبغة)

اس مصرع میں ''صبغۃ اللہ'' کا دوسرا الف اور ہا پوری طرح ادا نہیں ہوئے جس کی وجہ سے مصرع دراصل بحر سے خارج ہو گیا ہے۔

ایک نبی کا گزر ایسی بستی سے ہوا جس کی چھتیں گری پڑی تھیں:

کھنڈر کھنڈر پڑی ہوئی مرے عمل کی بستیاں

(او کالذی مر علی قریته و هی حاویة علی عروشها)

عمیق حنفی کی طرح نعیم صدیقی بھی ماضی کو حال اور حال کو ماضی میں دیکھتے اور دکھاتے ہیں۔ دونوں

کو موجودہ عصر میں روحانیت کے قحط کا شدید احساس ہے۔ دونوں کی فکر اس تعلق سے یکسانیت کی حامل ہے لیکن اظہار دونوں کا بے حد مغائرت رکھتا ہے۔

گناہ گار زندگی، سیاہ کار زندگی
یہ کم عیار زندگی، یہ کج شعار زندگی
یہ ننگ و عار زندگی، یہ شرمسار زندگی
تمام جیسے خار و خس، تمام جیسے گردِ رہ، ہمہ غبار زندگی

یہ گویا عرب کے عہدِ جاہلیت اور کرۂ ارض کے زمانِ حال کی مماثلت کی تصویر ہے اور یہ استعارتی پیکر:

شکاریوں میں گھر گیا کوئی غزالِ خوش خرام
شکاریوں کی ٹولیاں، کوئی اِدھر کوئی اُدھر
شکاریوں کی بولیاں بڑی لطیف، پُراثر
شکاریوں کی گولیاں جو چیر دیں دل و جگر
شکاریوں کی جھولیاں سمائیں جن میں بحر و بر
طرح طرح کے روپ ہیں

مصرعوں کے اخیر میں قافیوں کی جھنکار سے الگ، مصرعوں کے بیچ ٹولیاں، بولیاں، گولیاں، جھولیاں کے قافیے اپنی صوتی غنائیت سے ایک عجیب تاثر پیدا کر رہے ہیں۔

شکاریوں کی جھولیاں، سمائیں جن میں بحر و بر

عمرو عیار کی زنبیل کی طرف تلمیحی اشارہ بن گیا ہے۔ جس کی اپنی بلاغت اور معنویت ہے۔

شاعری کا خرابۂ خودی رسول اللہ ﷺ کی ایک نگاہِ التفات چاہتا ہے کہ یہ کھنڈر بستی پھر سے جی اُٹھے:

یہ سب خرابۂ خودی کسی عظیم حشر کا، پڑا ہے کب سے منتظر
اب اس کا دورِ تازہ ہے تری نگہ پہ منحصر
تری طرف مرا سفر بڑا طویل اور کٹھن

اپنی قوم اور اپنے ماحول کی نوحہ سرائی کے بعد شاعر ملتجی ہے کہ:

بس اب نگاہ کیجیے
مجھے ثبات دیجیے
کہ عرصۂ جہاد میں مری خودی نہ کھائے خم
مرے نبیِ محترم

''گرداب و گہر'' ایک علامتی عنوان ہے۔ نعت کے مطالعے سے اس کے معنی کا طلسم یوں کشود ہوتا ہے کہ فرد یا شاعر یا مسلمان حالات اور ماحول کے گرداب میں پھنسا ہوا ہے اور اسی گرداب سے اسے عشقِ رسول ﷺ، الطافِ رسول ﷺ اور پناہِ رسول ﷺ کے موتی حاصل کرنے ہیں۔

عبدالعزیز خالد کی شاعری کا بڑا حصہ مدحتِ رسول ﷺ پر مشتمل ہے۔ روایتی شعری ہیئتوں کے علاوہ خالد نے آزاد نظم میں بھی بہت سی حمدیں، نعتیں اور منقبتیں کہی ہیں۔ ان کی بعض ڈرامائی نظموں یا منظوم تمثیلوں میں بھی آزاد نظموں کے قطعات شامل ہیں۔ خیال کی وسعتوں کو جس ہمہ گیری سے اس ہیئت میں منظوم کیا جاسکتا ہے۔ اس کے تمام فنی اور تکنیکی تقاضوں کو برت کر خالد کی شاعری انھیں تمام اردو شعرا میں ایک منفرد شعری متن ساز کی طرح سامنے لاتی ہے۔ ان کی نعت کسی پابند ہیئت میں ہو کہ آزاد نظم کی صورت میں، خالد کا لسانی برتاؤ مشکل پسندی، ابہام اور کثیر لسانی لفظیات سے اپنا ایک مخصوص اسلوب تشکیل دیتا ہے۔ ان کی ایک نعتیہ آزاد نظم موسوم بہ ''ماذ ماذ'' سے ماخوذ چند سطریں ملاحظہ کیجیے:

تو کہ موضوعِ مزامیرِ زبور
تیری توصیف کا کس ابنِ بشر کو مقدور
عجزِ اظہار و بیاں کا، کرے اقرار زباں
جو تری شان کے شایاں ہوں، وہ الفاظ کہاں
تری تصویر کشی سے معذور
فانی انسان کا فن
اے خداوندِ سخن

اس سطور میں قوافی سے جو آہنگ نمو پا رہا ہے، آزاد نظم کی چھوٹی بڑی سطروں کے علاوہ اس سے صوتی حسن کے فراز و نشیب بھی ایک سمعی بصری پیکر حق کرتے نظر آتے ہیں۔ نعتیہ اظہار میں شاعر کے اپنے عجز بیانی کے اعتراف سے قطع نظر اسے یہ بھی احساس ہے کہ:

ہو ادا جس سے ترا زمزمہ، وہ ساز کہاں
طلع البدر علینا کی وہ آواز کہاں
کعب و حسان کا وہ سرمدی انداز کہاں
نطق کا قافیہ سرمنزلِ معنی ہے تنگ
کوئی محرومی سی محرومی ہے
تیرے دربار میں دارائی بھی محکومی ہے

اوپر خالد کی حس کثیر لسانی لفظیات کا تذکرہ آیا ہے، وہ اس نظم میں اگرچہ نہیں پائی جاتی لیکن نظم کے بڑے حصے پر عربیت کا غلبہ نظر آتا ہے:

تہی تلقیط و حلاحل ہے، تہی کندیدہ
المعی یلمعی اُمی حرمی حمیا
لاطخ ویوذعی وفرط وظغور وعدہ

بعض سطروں میں سہ حرفی تجنیس سے ایسی لسانی بربریت میں بھی شاعر نے غنائیت بھر دی ہے، مثلاً:

مہدی ومقتف ومامون وعروف وعمدہ

میں ''م'' اور ''ع''

قانت وکاشر وقتال وقوم وقدوہ

میں ''ق'' اور اگلی بہت سی سطور میں دوسرے حروف لفظوں کی ابتدا میں آ کر اپنی تکرار سے موسیقی کا جادو سا جگا دیتے ہیں۔

مدحتِ رسول ﷺ کے لیے شاعر اس نظم میں پھر ہیئت کی تبدیلی سے بیانیہ کیفیت کی تبدیلی کا اشارہ دیتا ہے:

نور انوار بھی تُو
سرِّ اسرار بھی تُو
خیرِ اخیار بھی تُو
برِّ ابرار بھی تُو

وغیرہ پھر یہ اعتراف کہ:

تیرے اسما کا نہیں مجھ سے تو ممکن احصا
تیری مدّاحی کا دم بھرتا ہے
وہ ترا ناعت و مناد، وہ حامد تیرا
اس کے بس میں ہے فقط، تجھ سے محبت کرنا
اس محبت کے ہیں احوال و مظاہر کتنے
ضوفشاں چرخِ بریں میں اس ستارے جتنے
دامنِ شام و سحر میں ہیں نظارے جتنے

''جتنے'' کی ردیف اور مختلف قافیوں کے استعمال سے یہ آزاد نظم اپنے اختتام پر بڑی پابند ہو جاتی

ہے مگر:

اے حبیبِ دل جو
کتنا محبوب ہے تو
کی گئی تیری ستائش، تری مدحت کتنی
آیت گل بدنی
اے رسولِ مدنی

شاعر کا یہ خطاب نظم کے تیز رو آہنگ کو یک لخت ایک آہستہ روی سے بہتی ندی سے مماثل کر دیتا ہے۔

آزاد نظم میں چند اردو شاعرات نے بھی خوب نام کمایا ہے۔ ان میں صرف شفیق فاطمہ شعریٰ کے حصے میں شہرت آئی ہے اور وہ اس لیے کہ انھوں نے نظم کی اس ہیئت میں نعت گوئی بھی کی ہے۔ شعریٰ کی نظمیں خاکِ دکن سے برگ و بار لانے والی مسلم ثقافت کی آئینہ دار ہیں۔ ان کی نظموں کا اسلوب اپنی انفرادیت کے سبب مشکل پسند، استعاراتی اور بیانیہ میں ثقافتی آثار کی تاریخ سے مربوط نظر آتا ہے۔ دکن کی ایک مثالی عورت ان کی نظموں میں اپنی خاص زبان بولتی سنائی دیتی ہے۔ اس پر مستزاد اُن کی فارسی آمیز متغزل لفظیات جو اپنے ابہامی پردوں کے باوجود قاری کو ہمہ تن متوجہ رکھنے میں کامیاب ہے۔ ''حضارتِ جدید'' اُن کی ایک طویل نظم ہے جس کا بڑا حصہ ذکرِ رسول ﷺ پر مشتمل ہے۔ اس نظم میں بھی ''گرداب و گہر'' کی طرح تیز رو عروضی رکن ''مفاعلن'' کی تکرار سے نظم کی سطروں کی تشکیل کی گئی ہے۔ اگرچہ اکثر مقامات پر شاعرہ نے اس امر پر توجہ نہیں دی ہے کہ میرا خیال، میرے آزادانہ اظہار کی بیانیہ حد تک پہنچتا بھی ہے کہ نہیں یعنی انھوں نے سطروں کو بے جا طور پر توڑ توڑ کر لکھ دیا ہے، صرف ایک مثال ملاحظہ کیجیے:

کسی ربیع کا کبھی گزر ہوا
نہ اس کے ریگ زار میں
سموم بخت
رائیگانیِ حیات ہی کے
دور لائی پے بہ پے

یہاں فنی اور لسانی تقاضا یہ ہے کہ پہلی دو سطروں کو ایک ساتھ رکھا جائے:

کسی ربیع کا کبھی گزرا ہوا نہ اس کے ریگ زار میں

پھر ''سموم بخت'' کو فاعل بنا کر بقیہ تین فقروں کو ایک جملے یا نظم کی ایک سطر کی طرح لکھا جائے:

سموم بخت رائیگانیِ حیات ہی کے دور لائی پے بہ پے

ویسے لسانی اظہار سے ایسی بے اعتنائی سبھی آزاد نظم گو شعرا کے یہاں پائی جاری ہے۔ ان کی یہ عجز بیانی نصف صدی سے زائد طویل زمانہ گزر جانے کے بعد بھی ناقابلِ علاج ہی رہی۔ آمدم برسر مطلب، زیرِ مطالعہ نظم کا پہلا حصہ ''حضارت'' (تہذیب و ثقافت) کے آثار پر نوحہ خوانی سے شروع ہوتا ہے۔ نظم کا آہنگ اور قافیے کا جگہ جگہ استعمال انسانی حضارت پر شاعرہ کی شدید طنز و تضحیک کو تند و تلخ نہیں محسوس ہونے دیتے۔ نظم کا یہ حصہ جو حضارتِ ماضیہ اور حضارتِ موجودہ کو ایک دوسرے سے آمیز دکھاتا ہے۔ عرب عہدِ جاہلیت اور آج کے علومِ حیاتیات و نفسیات و وضعیات کے عہد کو بے شعور اور عقل گم زمانوں کی طرح پیش کرتا ہے۔ اس میں ۔

وادی ہبوط، گل بکاولی، دین آزری، خواب کہفِ خوف
دستِ سامری، بولہب کا الاو، شہ رگ پر شیطان

جیسے تلمیحی علامتی حوالے نظم کی معنویتوں میں تہ بہ تہ اضافہ کرنے والے ساختیے ہیں۔ اختتام پر شاعرہ کا خطاب:

حضارت جدید
باش تا بہ یمنت
بہ سیل بے پناہ نورِلم یزل
بہ پرتوِ نگاہِ کاشفِ دُجیٰ

خدا اور رسول کی تعلیمات کی روشنی میں تہذیب و ثقافت کے نشیب و فراز کو دیکھنے سمجھنے کا اشاریہ بن گیا ہے۔

رسولِ اکرم ﷺ کے مکے سے مدینہ پہنچنے کے وقت بنو نجار کی لڑکیاں آپ کے استقبال میں گیت گا رہی تھیں، شاعرہ نے اس ہجرتِ عظیم کو انسانی حضارت کا ایک اہم موڑ تسلیم کیا ہے:

خواب ہے کہ واقعہ
دمک اُٹھی ہیں ناگہاں، جو گھاٹیاں وداع کی
کھلی فضا میں کیسے
نغمہ طلوعِ بدر گا رہی ہیں، دف بجا رہی ہیں لڑکیاں
کسے خبر تھی، ایک دن
یہ گونجیں پر شکستہ، بے نوا
الاپتی ملیں گی شکرِ جاوداں کی بے کراں الاپ

نظم کا تیسرا حصہ رومیؔ کے مصرع:

صد ہزاراں آفریں بر جانِ او

کے عنوان سے شروع ہوتا ہے:

محمد (ﷺ) اُن کا نام

وہ شہ سوارِ رہ گزارِ نور

وہ حسنِ تام، رحمتِ عمیم

سب جہانوں کے لیے

نعت کا مقصد اصلی مدحتِ رسول ﷺ ہے اور مختلف شاعروں کے یہاں اس کے مختلف طرز ملتے ہیں۔ ''حضارتِ جدی'' کی شاعرہ کہتی ہیں:

یتیم کی ہنسی، اسیر کی رہائی

پھول کی شگفتگی

کھلی فضاؤں میں طیور کی اُڑان، انھیں پسند

درندوں کی نگاہوں کے شراروں سے بھرے

گھنے بنوں میں راستے تراشتے

مچانیں باندھتے جوان، انھیں پسند

''اُڑان، انھیں پسند/ جوان، انھیں پسند'' کے قافیے اور ردیف نظم کے دونوں قطعوں کو غزل کے اشعار سے قریب کر دیتے ہیں۔

نظم ''کسی ربیع کا کبھی گزر ہوا نہ اس کے ریگ زار میں'' کی خبر سے شروع ہوتی اور اس کا آخری حصہ ''ربیعِ کشت زارِ ہاجرہ'' کے عنوان سے سامنے آتا ہے۔ حضرت ہاجرہ کو ''عرب کی اُمِ الحضارہ'' کہیں تو بے جا نہ ہوگا (اس میں یہ مفہوم بھی پوشیدہ ہے کہ عورت نہ صرف نسلِ آدم بلکہ تہذیبِ آدم کی بھی جنم داتا ہے) آپ محترمہ نے ریگ زارِ عرب میں ''زم زم'' کو روک کر جس تہذیب کی نشو و نما کے لیے آبِ حیات کا انتظام فرما دیا تھا، رسولِ اکرم ﷺ کے قرنِ خیر سے اسی چاہِ زم زم نے اسلامی حضارت کے برگ و بار لانے کے لیے بھی آب رسانی کی، جس کا تذکرہ نظم کے آخری حصے میں آتا ہے:

وہ بانیِ حرم کے ورثہ دار

بچاو کر رہے ہیں زم زم قدیم کا

حضرت ہاجرہ کی صفا و مروہ کے درمیان سعی کے ذکر کے ساتھ زم زم کے ظہور کے واقعے کے بعد

ریگ زارِ مکّہ میں حضرت اسماعیل علیہ السلام اور آپ کی آل نے جس تمدنی ثقافت کو پروانِ چڑھایا، نظم میں پسِ منظر کے طور پر اُس کا بیان ملتا ہے پھر:

یہاں سے اُن کی سوچ کا سہانا سلسلہ
خلیل کی دعا سے جاملا

کی سطروں پر نظم اچانک ختم ہوجاتی ہے۔ راقم کا خیال ہے کہ نظم ادھوری ہے۔

''وہ لیلۃ القدر کا ستارہ'' راقم التحریر کی ایک نعتیہ آزاد نظم ہے جس میں یہودیوں، مجوسیوں اور نصرانیوں کو مخاطب کیا گیا ہے، جو کسی مسیح موعود یا نجات دہندہ کی آمد کے آج بھی منتظر ہیں۔ کسی نجات دہندہ کا انتظار اجتماعی لاشعور کا حصہ ہے۔ اس کی بشارتیں کتب سماوی میں موجود ہیں۔ اہلِ فکر ونظر نے کوہ و دشت میں اس کی جستجو کی ہے مگر شافعِ محشر سے بڑھ کر ناجی کون ہوسکتا ہے؟ اس نظم میں رسولِ اکرم ﷺ کو وہ مسیح وناجی بتایا گیا ہے جس کی آمد کا اقوامِ عالم آج بھی انتظار کررہی ہیں۔ نظم کی ابتدا ملاحظہ کیجیے:

یہودیو
کس عذاب کے دشتِ لاطرف میں اسیر ہو
کس سراب کے سحر میں پھنسے، کس کے منتظر ہو
پہاڑ سے آگ لانے والے
پہاڑ کو اپنی لحنِ وجد آفریں پہ سجدہ کرانے والے
پہاڑ کو گھر بنانے والے رسول
جس آفتابِ فاران کی بشارت سنا گئے ہیں
وہ آفتاب آچکا
وہ فاران سے اُٹھا

اے مجوسیو
کس ستارے کو، کس فلک کی تاریکیوں میں
تم ڈھونڈتے پھر رہے ہو
وہ طفلِ ناطق جو وادیٔ ناصرہ میں تم دیکھ آئے تھے
آفتاب فاران کا ہے وہ شاہد ومبشر

یاایھاالنصاریٰ

صیون کے مرغ زار میں چرتی پھرتی بھیڑوں نے راہ کھودی

وہ گلہ باں جس نے آمدِ حق کی دی گواہی

تمھارے معبد میں

ایلی ایلی لما سبقتنی کہہ کے خاموش ہوگیا

اورتم نہ سمجھے اسے بھی، اے زائغانِ معتوب

آگے نظم میں مثنوی کی طرح اشعار آتے ہیں پھر غارِ حرا، واقعۂ معراج اور اسلام کے اقصائے عالم میں پھیل جانے کے شاعرانہ بیان پر بات یوں ختم ہوتی ہے:

وہ فاران سے اُٹھا

اسی نے دیو ظلمت کا سر قلم کر کے

روشنی کو نجات دی

اور طرف طرف اس کا نام روشن

ورق ورق، لفظ لفظ اس کا پیام روشن

نظم میں یونانی اور ہندو اساطیر کے حوالوں کے ساتھ اسرائیلی روایات کی تلمیحات سے بھی کام لیا گیا ہے۔

جدید نظم کی زبان اردو لسانی روایت سے جدا اپنی ایک شناخت رکھتی ہے۔ عمیق حنفی کی نظم پر اظہارِ خیال کے دوران واضح کیا گیا ہے کہ اُن کی شعری لفظیات ایک مخصوص لب و لہجہ کو تشکیل دیتی ہے۔ اسی طرح شفیق فاطمہ شعریٰ اور عبدالعزیز خالد کے یہاں زبان کے مختلف ذائقے اور رنگ نمایاں ہیں۔ بیسویں صدی کے رُبعِ آخر میں نئی لسانی تشکیلات کے نام سے جدید شعر و نثر میں زبان کا ایک بالکل ہی منفرد طرز بعض فن کاروں کے یہاں نظر آنے لگا تھا۔ شاعر کا زبان سے نجی برتاؤ، جملوں اور مصرعوں وغیرہ کی غیر قواعدی نحوی ساختیں اور معنوی خطوط پر بین السطور معانی کی اہمیت جیسے عوامل نے صلاح الدین محمود اور صلاح الدین پرویز جیسے نظم گو شعرا کے یہاں ایک تازہ کار لسانی فضا کا منظر پیش کیا۔ محمود کی ایک نعتیہ نظم کی چند سطریں:

نام تمھارا

جیسے ہاتھ میں بیکل دریا

نام تمھارا

بارش برسے اندھے دریا پر

اور ایک پرندہ
ڈوبن ڈور سمندر جائے
بن بن
سورج میٹھی آگ جلائے
اور پرویز کی محبتِ رسول ﷺ کا یہ اظہار:
وہ اکیلا ہے
بس ایک ہے
آخری ہے
اس کے پاؤں کی انگلی کے ذرّے میں چھپ جائیں
اس کی آنکھوں کے پانی کی اک بوند میں اپنی دنیا بہائیں
اس کی انگلی کے ناخن کے سائے میں اپنی شہادت اُگائیں

ایسی مثالیں کمیاب نہیں۔ عادل منصوری، راہی فدائی، کاوش بدری اور راقم کی بعض نعتیہ آزاد نظموں میں بھی نئی لسانی ساختوں اور معنویتوں کی مثالیں دیکھی جا سکتی ہیں۔

رسولِ اکرم ﷺ کے ورودِ مسعود اور بعثتِ مبارکہ نے اذہان و افکار اور احساسات و جذبات میں کیا تبدیلیاں پیدا کر دیں۔ یہ نعت گوئی کا مرغوب موضوع ہے۔ آزاد نظم میں اس کی جھلکیاں بعض شعرا کی نعتوں میں ملاحظہ کیجیے:

اور پھر ابرِ خنک آیا سرِ دشتِ تپاں
جھوم کر چھم سے جو برسا تو، ہر اک ذرہ دشت
رحمتِ عام سے سیراب ہوا
جنتِ دیدہ و دل بن کے ظفریاب ہوا
کوئی اختر، کوئی گوہر، کوئی مہتاب ہوا (عارف عبدالمتین)
جس نے دیکھا انھیں
اس کی بینائی کے واہمے ڈھل گئے
اس پہ آفاقی کے سب ورق کھل گئے
جس نے مانا انھیں
اپنے پیکر میں شہرِ یقیں ہو گیا

جس نے جانا انھیں
جہل بھی اس کا علم آفریں ہو گیا (شبنم رومانی)

اس کے ہونٹوں سے کھلے لفظ شعاعوں جیسے
جاگتی بولتی زندہ سوچیں
ذہنِ انساں میں اُٹھانے لگیں طوفاں نئے
ایسے طوفان
کہ بت سارے زمیں بوس ہوئے (احمد صغیر صدیقی)

عجیب آشوبِ حشر آثار چھا رہا تھا
بشر خود اپنی ہی آگ میں کسمسا رہا تھا
کہ دفعتہً پو پھٹی
کہ شہر بطحا کی ریگ در ریگ سرزمیں پر
بسیط فاراں کی چوٹیوں سے
طلوعِ مہرِ منیر انور کے ساتھ ہی تابشوں کے سیل ہزار پہلو نکل کے لپکے
(تحسین فراقی)

آپ نے تیرہ و تارِ دنیا میں کتنے اُجالے بکھیرے
ننگ و ناموس کو آرزو بخش دی
سب غلاموں کو آزاد رہنے، جھکی گردنوں کو اُٹھانے
خود اپنے خیالوں میں ہنسنے مچلنے
سنبھلنے کا اک حوصلہ بھی دیا (زہیر کنجاہی)

وہ جن کی آمد سے پھیلیں نورِ یقیں کی کرنیں
جہاں سے رخصت ہوئے اندھیرے
جہالت و گمرہی سے سب نے نجات پائی
جو علم و حکمت کا آستاں ہیں

شعور کا بحرِ بے کراں ہیں
حضور ہی ہیں (صبیح رحمانی)

رسولِ مقبول کی سیرت کے ہزار ہا پہلو ہیں۔ ادب کی روایتی نظم و نثر میں دینی جذبات واحساسات اور ان کے منبعِ عظیم سے محبت، عقیدت اور ارادت رکھنے والے فن کاروں نے سیرت کے تمام پہلوؤں پر اظہارِ خیال کیا ہے۔ ادب کے بدلتے منظرنامے اور بدلتے رجحانات کے تحت روایتی اصناف اور انھیں برتنے کے اسالیب بھی بدلتے رہے ہیں۔ چناں چہ معرا اور آزاد نظم کے علاوہ معاصر ادبی ماحول میں نثری نظم کی ہیئت میں بھی تقدیسی شاعری کے مختلف طرزِ معاصر تصورات وخیالات کے جلو میں نعتِ رسول ﷺ میں پیش کیے جارہے ہیں جن پر تنقیدی وتجزیاتی مباحث یہاں محلِ نظر ہوں گے کہ فی الوقت نعت اور آزاد نظم میں موضوعی اور ہیئتی رشتہ ہمارا موضوعِ سخن ہے۔

آزاد نظم میں کیے گئے نعتیہ شعری اظہار کی گزشتہ مثالوں سے واضح ہو گیا ہو گا کہ:

(۱) نعت ایک موضوعی صنفِ سخن ہے اور رُباعی کی طرح کسی مخصوص وزن و بحر کی پابندی نہیں کرتی۔

(۲) معاصر شعری ماحول میں سیرت نگاری کے لیے آزاد نظم سے بہتر دوسری ہیئت نہیں۔

(۳) آزاد نظم میں تخلیق کی گئی نعت ہیئتی بے کرانی کے سبب ماورائی تقدیسی فضا پر پوری طرح منطبق ہو جاتی ہے۔

(۴) چھوٹی چھوٹی نعتیہ آزاد نظموں (مثلاً نعتیہ ہائیکوں نظموں) سے غزل کی سی معنویت ترسیل کی جاسکتی ہے۔

(۵) طویل نعتیہ آزاد نظم سیرت نگاری کے ساتھ اسلامی ثقافت کے مطالعے کا بھی بہترین وسیلہ ہوتی ہے۔

ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی۔ بھارت

نعتِ نبی میں اُندلسی شعرا کی ایک جھلک

اُندلسی شعرانے عربی شاعری میں لازوال خدمات انجام دی ہیں۔ زبان و بیان اور فکر و خیال کی دنیا میں قیمتی اضافے کیے۔ فن ''موشحات'' [☆1] میں اندلسی شعرا کی فتوحات ناقابلِ فراموش ہیں۔ اسی طرح نیچرل شاعری میں ایسے شاعرانہ جوہر دکھائے کہ رہتی دنیا تک محبانِ ادب اس سے مستفیض ہوتے رہیں گے۔ [☆2] اندلسی شعرانے سرورِ کائناتﷺ کی ذات گرامی اور اوصاف و اخلاق کو منظر عام پر لانے میں گراں قدر کارنامے انجام دیے ہیں۔ ''نفح الطیب'' کے مصنف احمد بن محمد المقری التلمسانی (۹۹۲۔۱۰۴۱ھ) نے چند نعتیہ قصائد کو اپنی کتاب میں نقل کیا ہے۔ ان قصائد کی روشنی میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ نعتیہ قصائد میں بھی اندلسی شعرانے اپنی شعری استعداد اور اسوہ رسولﷺ سے گہری عقیدت کا اظہار کیا۔ ''نفح الطیب'' میں موجود نعتیہ قصائد سے مترشح ہے کہ زبان و بیان اور جذبات و احساسات کے نقطۂ نظر سے یہ قصائد غیر معمولی اہمیت کے حامل ہیں۔ ان قصائد میں اگر ایک طرف ادبی وقار کو پیش نظر رکھا گیا ہے تو دوسری طرف دینِ اسلام کی عظمت اور ملتِ اسلامیہ کے مقاصد کو بھی ملحوظ رکھا گیا ہے۔ اس مضمون میں چار اندلسی شعرا ابن الجیان، احمد بن محمد المقری التلمسانی، ادریس بن موسیٰ قرطبی اور ایک گم نام اندلسی شاعر کے کلام سے بحث کی گئی ہے۔

عمر بن محمد بن احمد انصاری ابوعبداللہ ابن الجیان کے نعتیہ قصائد سے ظاہر و باہر ہے کہ اللہ نے انھیں زبردست شعری ملکہ عطا کیا تھا۔ آپ کے اشعار میں یہ شہادت موجود ہے کہ رسولِ اکرمﷺ کی ذات سے آپ کا گہرا تعلق تھا۔ دین اسلام اور ملتِ بیضا کی حقیقی تصویر کا انھیں پورا ادراک تھا۔ شعرا کی بہت سی روایات آپ کے ذہن میں مستحضر تھیں، ''اہلِ مرسیہ'' سے آپ کا تعلق تھا۔ وہ قد میں اس قدر چھوٹے تھے کہ پیچھے سے دیکھنے والا آپ کو آٹھ سالہ بچہ تصور کرتا۔ ۶۴۰ھ میں اپنے وطن کو خیر باد کہہ کر مقام ''جابہ'' [☆3] میں قیام کیا۔ آپ کے مکاتیب سے واضح ہے کہ اللہ نے آپ کو تخلیقی صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ [☆4] آپ کا قابل

قدر شعرا میں شمار ہوتا تھا۔ آپ کی تحریر بلاغت کا نمونہ ہوتی۔ رسم الخط موتیوں کے مانند، طبیعت میں توازن، اخلاقِ عالیہ کے مالک، دین اور علوم و معارف باوقار تصور کیے جاتے۔ بعض سلاطینِ اندلس کے دربار میں آپ نے کتابت کا فریضہ بھی انجام دیا۔ جسے اپنے لیے باعثِ اذیت تصور کیا۔ اس لیے اس سے باز آ گئے۔ ۱۲۴۲ء میں اپنے ملک پر دشمنوں کے تسلط کے سبب وہاں سے ہجرت کر گئے۔ زہد و ورع میں اپنی مثال آپ تھے۔ ۶۵۰ھ/۱۲۵۲ء میں مقام جابہ میں انتقال ہوا۔[☆۵]

صاحب ''نفح الطیب'' المقری التلمسانی کی شخصیت محتاجِ تعارف نہیں، گو کہ وہ کئی کتابوں کے مصنف ہیں لیکن اس کتاب نے ایسا علمی و ادبی وقار قائم کیا جو تا ابد درخشاں رہے گا۔ اس کتاب میں اندلس کی ادبی اور سیاسی تاریخ کو اتنی تفصیل اور اتنے خوب صورت انداز میں رقم کیا گیا ہے کہ اہلِ علم اس کی تعریف و توصیف سے باز نہیں آتے۔ یہی وجہ ہے کہ انھیں ''ادیب المغرب و حافظ'' کے خطاب سے یاد کیا جاتا ہے۔ تلمسان کو آپ کے مولد و منشا ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔ وہاں سے ''فاس'' میں مستقل قیام پذیر ہوئے۔ جہاں انھوں نے قاضی اور خطیب کے فرائض انجام دیے۔ اس کے بعد مصر آئے اور وہاں سے مختلف مصری، شامی اور حجازی مقامات کی سیر کرتے رہے۔[☆۶] مقری کا قادر الکلام شعرا میں شمار کیا جاتا، فی البدیہہ کہنے کی صلاحیت تھی۔ علمِ کلام، تفسیر اور حدیث پر گہری نظر تھی۔ علم و ادب اور محاضرات میں گہرے نقوش ثبت کیے۔ اپنے چچا شیخ ابو عثمان سعید بن احمد المقری مفتی تلمستان سے تعلیم حاصل کی۔ جب اندلس کے حالات خراب ہوئے تو ۱۰۲۷ء میں حج بیت اللہ کے لیے تشریف لے گئے۔ ۱۰۲۹ء میں بیت المقدس کی زیارت کی۔ وہاں سے قاہرہ آ کر بار ہا مکہ کی زیارت کی اور وہاں دروس دیتے رہے۔ ۱۰۳۹ء میں مکہ سے مصر آئے۔ اس کے بعد قدس میں داخل ہوئے۔ اس کے بعد دمشق آ کر چالیس سال قیام کیا اور پوری بخاری کا املا کرایا۔ دمشق کے عوام اور علمائے کرام دونوں نے آپ کو وہ قدر و منزلت پیش کی جو کسی اور کو پیش نہ کی جا سکی، جس کا اعتراف آپ نے اپنی کتب میں کیا ہے اور اشعار میں اس کی مدح سرائی کی ہے۔[☆۷]

محاسن الشام جلت — عن أن تقاس بحد
لولا حمی الشعر قلنا — ولم نقف عند حد
کأنها معجزات — مقرونة بالتحدی[☆۸]

مقری کو اپنے وطن سے گہرا لگاؤ تھا اور اس محبت کے اظہار کے لیے انھوں نے علی ابن عبد العزیز حضری کے اشعار پڑھے:

محبتی تقتضی مقامی — و حالتی تقتضی الرحیلا
هذان لست اقضی — بینهما خوف أن أمیلا

فلا یزال الان فی خصام　　　حتی أری رأیک الجمیلا[۹]

جب آپ کے وطن سے جانے کی خبر عام ہوئی تو ابوالحسن علی الخزرجی القاسی نے سخت رنج وغم کا اظہار کیا اور ابو جعفر احمد بن خاتمہ المغربی کے درج ذیل اشعار اظہارِ جذبات کے لیے پیش کیے:

أشمس الغرب حقا ما سمعنا　　　بانک قد سمت من الاقامه

و انک قد عزمت علی طلوع　　　الی مشرق سموت به علامه

لقد زلزلت منا کل قلب　　　بحق اللّٰه لا تقم القیامة[۱۰]

آپ کی تصنیفی خدمات آپ کے علومرتبت کا ہمیشہ پتا دیتی رہیں گی اور اسی بنیاد پر اہلِ علم آپ کو خراجِ عقیدت پیش کرتے رہیں گے۔ آپ کی تصانیف درج ذیل ہیں:

(۱) اتحاف المقری، تکمیل شرح العقری (۲) أزهار الریاض (۳) أزهار الکمامة (۴) اضاءة الدجنة فی عقائد أهل السنة (۵) البداة والنشاة (۶) حاشیة علی شرح أم البراهین (۷) الدر الثمین فی أسماء الهادی الامین (۸) روض الآس العاطر الانفاس (۹) عرف الطیب فی احبار ابن الخطیب (۱۰) عرف انشق فی اخبار الدمشق (۱۱) الفت والسمین والثمین (۱۲) فتح المتعال (۱۳) قطف المهتر فی احبار المختصر (۱۴) نفح الطیب من غصن الاندلس الرطیب۔

احمد بن محمد المقری التلمسانی کی یہ کتاب ''نفح الطیب'' دراصل اندلس کی یہ ایک ایسی تاریخ ہے جس میں اس ملک کی مکمل تصویر دیکھی جاسکتی ہے۔ اسے انسائیکلوپیڈیا کا درجہ حاصل ہے، یہ کتاب دس اجزا پر مشتمل ہے۔ اس پر تحقیق وتحشیہ کا عظیم کام محمد محی الدین عبدالحمید (۱۹۰۰ء۔۱۹۷۳ء) نے انجام دیا ہے۔ اس غیر معمولی مرجع کے بغیر اندلس کے کسی گوشے پر اظہارِ خیال نہیں کیا جاسکتا۔ المقری التلمسانی کی اس علمی و تحقیقی مساعی سے نمایاں ہے کہ انھیں اندلس کے علمی واسلامی کارناموں سے گہری عقیدت ہے اس کاوش سے صاحب ''نفح الطیب'' کے اسلامی جذبات واحساسات کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ اگر یہ قابلِ ذکر کتاب منظرِ عام پر نہ آتی تو بہت سی علمی فتوحات اور تحقیقی کمالات سے اربابِ علم وفضل محروم رہتے۔ المعری التلمسانی کا یہ پہلو خصوصی طور پر قابلِ ستائش ہے کہ اس انسائیکلوپیڈیا کا اختتام نعتیہ قصائد پر ہوا ہے اور ان قصائد میں ایک طرف اگر سرورِ کائنات ﷺ کے صفاتِ عالیہ اور اعمالِ جلیلہ پر روشنی ڈالی گئی ہے تو دوسری طرف ان نعتیہ قصائد سے اندلسی شعرا کا آں حضور ﷺ سے تعلق اور گہری عقیدت کو سمجھا جاسکتا ہے۔ نیز ان کے لب و لہجے اور ادبی معیار کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ اُمید کی جاتی ہے کہ اردو قارئین اسے قدر ومنزلت کی نظروں سے دیکھیں گے اور اردو نعت گو شعرا کے اندر ان نعتیہ اشعار سے ایک تحریک اور تحریص پیدا ہوگی اور سرورِ کونین ﷺ سے عشق ومحبت میں اضافہ کا سبب بنیں گے۔

ابن سہل اسرائیلی اندلسی (۶۰۹ـ۶۴۹ھ) کا ایک نعتیہ قصیدہ بھی اس مقالہ میں شامل ہے جس سے ان کی اسلام اور آں حضورﷺ سے محبت کا اظہار ہوتا ہے، بنیادی طور پر ابن سہل غزل کا شاعر تھا، رقیق القلب ہونے کے ساتھ ساتھ وجدان وشعور کی نمائندگی بھی اس کے یہاں نمایاں ہے، جذبات واحساسات کی بھرپور عکاسی ملتی ہے۔ چالیس سال کا ہونے کے باوجود بھی اندلسی شعرا میں اسے امتیازی حیثیت کا شاعر سمجھا جاتا ہے۔ اس کے یہاں فکری بالیدگی اور جدت طرازی کا فقدان ہے۔ اسلام کی نعمت سے بہرہ ور ہونے سے قبل یہودی تھا اس لیے اس کی شاعری میں ذہنی پستی، منفی سوچ، احساسِ کم تری اور تذلل کے اثرات نمایاں ہیں۔ لیکن مشرف بہ اسلام ہونے کے بعد اس کی شاعری میں اسلامی روح پیوست ہوگئی۔ آیاتِ کریمہ کے اقتباسات سے اشعار آراستہ پیراستہ ہوگئے۔ آخری ایامِ حیات میں ایک عینیہ قصیدہ منظوم کر کے آں حضورﷺ سے گہری عقیدت کو پیش کیا۔ ہسپانی الاصل ہونے کی وجہ سے انھیں اندلس سے گہری محبت تھی اور ان کی خواہش تھی کہ اندلس عربوں کے زیر تسلط رہے۔ مثلاً درج ذیل اشعار میں اپنے ان خیالات کا اظہار اس طرح کیا ہے:

یا معشر العرب الذین توارثوا — شیم الحمیة کابراً عن کابر
ان الالٰـه قد اشتری ارواحکم — بیعوا و یھنکم ثواب المشتری
انتم احق بنصر دین نبیکم — و بکم لمتهد فی قدیم الاعصر

ابن سہل کی شاعری میں ایک چیز حد درجہ نمایاں نظر آتی ہے کہ موسیٰ نامی شخص کا کثرت سے ذکر ملتا ہے اور موسیٰ سے اپنی عقیدت و محبت کا بار بار اعادہ کیا ہے۔ ایک خیال اس سلسلے میں یہ ہے کہ موسیٰ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام مراد ہیں۔ ایک دوسری رائے یہ ہے کہ اس نام سے ایک یہودی بچہ مراد ہے جس کو وہ بے پناہ چاہتے تھے اور اس سے اپنے تعلق کو اشعار میں منظوم کرتے تھے۔ بہر کیف ابن سہل کو اندلس کے نمائندہ شعرا میں شمار کیا جاتا ہے۔ غزلیات کی طرح ''موشحات'' میں بھی ابن سہل کی خدمات کا اعتراف کیا جاتا ہے۔"☆

اس مقالے میں المقری، ابن حیان اور ابن سہل کے علاوہ موسیٰ بن ادریس قرطبی اور ایک نامعلوم شاعر کے نعتیہ اشعار شامل کیے گئے ہیں۔ مؤخر الذکر دو شاعروں کی زندگی اور علمی و ادبی خدمات کے سلسلے میں کافی تلاش و تتبع کے باوجود بھی ہمیں کچھ نہ مل سکا۔ اوّل الذکر تین شعرا کے باب میں مختصر تفصیل پیش کی گئی ہے تاکہ ان کے نعتیہ اشعار سے محظوظ ہونے سے قبل ان کی ایک ہلکی سی تصویر نظروں کے سامنے آسکے۔ یقیناً اردو داں حلقے کے لیے یہ نعتیہ تحفہ ضرور دلچسپی کا باعث ہوگا، گرچہ زبان کے معیار اور اسلوب کے اُتار چڑھاؤ سے اردو قارئین باخبر تو نہ ہوسکیں گے۔ لیکن ان کے عشقِ رسول اور فکری و ذہنی رجحانات و

میلانات کا ضرور اندازہ لگایا جا سکے گا۔ یقیناً دنیائے عربی ادب نعتیہ شاعری کے ایک قابل قدر وسیع ذخیرے سے مالا مال ہے۔ اگر اس خزینہ کے نوادرات کو رفتہ رفتہ اردو میں منتقل کیا جائے تو یقیناً ادبی خدمت کے ساتھ ساتھ ایک بڑی دینی خدمت بھی ہوگی۔ اس وقت عربی ادب میں ایسے نعتیہ قصائد کہے جا رہے ہیں جن میں عرب شعرا نبی اُمی علیہ السلام کی عظمت کو واضح کر رہے ہیں اور عشقِ رسول علیہ السلام کے حوالے سے مخالفین اسلام، یہودیت، امریکن ذہنیت، فلسطین پر غاصبانہ قبضہ کو ہدفِ تنقید بھی بنائے ہوئے ہیں۔ سب سے پہلے ابن جیان کے نعتیہ اشعار سے اس مقالے کا آغاز کیا جا رہا ہے:

اوصاف سیّدنا النبی الهادی ما نالها احد من الامجاد

ہمارے سرکار نبی ہادی علیہ السلام کو ان صفات سے نوازا گیا ہے، جنھیں شرفا میں سے کوئی شخص بھی حاصل نہ کر سکا۔

فالرسل فی هدیٰ و فی ارشاد قد سلموا لنبیّنا تسلیما

تمام رُسل نے ہدایت و ارشاد کے فرائض انجام دیے اور انھوں نے ہمارے نبی کریم علیہ السلام پر خوب درود بھیجے۔

صلوا علیه وسلموا تسلیما

آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام کی بارش کیجیے۔

آیاته جهرت سناء سناء و افادت القمرین منه ضیاء

آپ کی علامتوں کی چمک اور بلندی کا غلغلہ ہوا اور شمس و قمر نے آپ سے اکتسابِ نور کیا۔

و علت باعلام الظهور لواء فهدی به اللّٰه الصراط قویما

اور آپ کی نشانیاں تمام لہراتے ہوئے جھنڈوں پر جھنڈے کے مانند چھا گئیں، چناں چہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے توسط سے ایک واضح راستہ عنایت کیا۔

صلوا علیه وسلموا تسلیما

آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام کی کثرت کیجیے۔

شهدت له بمزیة التفضیل سور و آیات من التنزیل

قرآن کریم کی سورتیں اور آیاتِ کریمہ آپ کی عظمت و رفعت پر شاہد ہیں۔

و صلاة خالقه ادل دلیل فافهمه و اسمع قوله تعظیما

اور آپ کے خالق کا درود و سلام (آپ کی صداقت پر) سب سے بڑی دلیل

ہے، پس میں آپ کی تعریف وتقدیس میں مصروف رہتا ہوں اور آپ کے اقوال کو عقیدت سے سنتا ہوں۔

صلوا علیه وسلموا تسلیما

آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام کو نچھاور کرو

کم شاهد محمد بنبوته　　　فی اید تایید الاله و قوته

بے شمار لوگوں نے غیر معمولی تائید الٰہی اور قوتِ خداوندی سے سرور کونین ﷺ کی رسالت کی شہادت دی۔

فبذاک اعلی الله دعوة حجته　　　فمضت حاما صارما و عزیما

اسی تائید کے ذریعے اللہ نے آپ کی دعوتِ رسالت کو عام کیا، یہی دعوتِ رسالت تیغ براں اور عزم صمیم کی حامل ثابت ہوئی۔

صلوا علیه وسلموا تسلیما

آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام کی کثرت کا ثبوت دیجیے۔

و الماء بین بنانه قد سالا　　　عذباً معینا سائفا سلسالا

اور آپ کی انگلیوں سے پانی بہہ پڑا، جو بہت میٹھا، رواں، خوش ذائقہ اور خوش گوار تھا۔

کذاه یمنح رفده من سالا　　　و ینیل راجیه النوال جسیماً

اور یہ پانی بھی آپ کی جود وسخا کی طرح تھا، چناں چہ جس نے بھی سوال کیا تو اسے آپ نے بڑا پیالہ پیش کیا اور آپ سے لو لگانے والا بھاری بھر کم عطیہ سے نوازا جاتا ہے۔

صلوا علیه وسلموا تسلیما

آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر بے شمار درود وسلام بھیجو۔

والجذع حن له حنین الواله　　　یبدی الذی یخفیه من بلیاله

تنے نے آپ کے تئیں اپنی وارفتگی کا ایک عاشق کے مانند اظہار کیا، وہ اپنے ان مخفی جذبات کا اظہار کر رہا تھا جو نڈھال کر دے۔

افلا یحن یتم بجماله　　　میثاقو جها للبنی و سیما

کیا آپ کے حسن وجمال پر جنونی کیفیت کا شکار ہونے والا اپنی محبت کا اظہار نہیں

کرتا، وہ تو آپ کے رُخِ زیبا کا مشتاق رہتا ہے۔

صلوا علیه وسلموا تسلیما

آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہزار ہا ہزار درود و سلام نثار کریں۔

أو لیس ھادینا الی سبل الھدی　　　أو لیس منقذنا من أشراک الرویٰ

کیا ہمارے رہنما طرق ہدایت کی طرف نہیں بلا رہے ہیں؟ اور کیا ہمارے محافظ نے ہلاکت کے علم برداروں سے نجات نہیں دلائی۔

أو لیس أکرم من تعمم و ارتدی　　　أو لم یکن از کی البریة خیما

کیا آپ عمامہ باندھنے والوں اور چادر لپیٹنے والوں (یعنی شرفا) سے افضل نہیں ہیں اور کیا طبیعتاً تمام مخلوق سے آپ مزکّیٰ نہیں ہیں۔

صلوا علیه وسلموا تسلیما

آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر لامحدود درود و سلام بھیجیے۔

ابن الجیان کا یہ مدحیہ قصیدہ اٹھاون (۵۸) اشعار پر مشتمل ہے۔ اس میں آپ کی شخصیت اور آپ کے اوصافِ حمیدہ کے بیان کرنے کی ایک قابل قدر کاوش کی گئی ہے۔ اس میں آپ کی ہاشمیت اور تمام رسولوں کے مابین افضلیت پر روشنی ڈالی گئی ہے، آپ کو چراغِ ہدایت، بارش عفودرگزر اور تاجِ نبوت جیسے القاب سے یاد کیا گیا، آپ کو فخر انسانیت، علاماتِ بلندی اور نورِحق سے عبارت کیا گیا۔ آپ نے لوگوں کو ضلالتوں سے بچایا، ظلم وتشدد کے خلاف آواز بلند کی۔ اس قصیدے میں آپ کے مختلف معجزات مثلاً شق قمر، سورج کی رجعت، بادل کا سایہ کرنا، پوروں سے پانی کا بہنا، اونٹ کا سجدہ ریز ہونا، بکری کے دست کا اپنے زہریلے ہونے کا اعلان کرنا، شاخ کا جھکنا، چٹان کا مبارک باد دینا، گوہ کا آپ سے مخاطب ہونا اور تنے کا آپ سے اپنی شیفتگی وغیرہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ اسی طرح آپ کی اللہ کے حضور شفاعت جیسے موضوعات پر اس مدحیہ قصیدہ میں اظہارِ خیال کیا گیا ہے اور اختتام کے وقت اپنی بے بسی اور بے بضاعتی کا ذکر یوں کیا گیا ہے:

یا سامعی اخبارہ و مفاخرہ　　　و مطالعی اثارہ و ماثرہ

اے اس عظیم ذات کے احوال اور کارناموں کے سننے والو! اور اے اس کی خدماتِ جلیلہ اور قابلِ ذکر اقدامات کا مطالعہ کرنے والو!

و مومّلی وافی الثواب و وافرہ　　　ان شئتمو فوزاً بذاک عظیما

اور اے کامل اور وافر جزا دینے والی شخصیت سے آس باندھنے والو! یہ سن لو کہ تمھیں مطلوبہ عظیم کامیابی اسی سے وابستگی کے بعد مل سکتی ہے۔

صلوا علیہ وسلموا تسلیما

آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام کی بارش کیجیے۔

مذکورہ قصیدہ کی روشنی میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ عربی نعتیہ شاعری کے فروغ واحیا میں ابن الجیان نے قابل ذکر خدمات انجام دی ہیں، زبان و بیان کی رعنائی پر انھیں قدرت ہے۔ لفظوں کے انتخاب اور ترسیل افکار میں اپنی ادبی ولسانی صلاحیتوں کا بھرپور ثبوت دیا۔ ذاتِ عالیہ ﷺ سے اپنی عقیدت کا اس طرح اظہار کیا۔

صلوا علی من شرفت بوجوده　　　أرجاء مكة زمزما و حطيما

اس ذاتِ عالیہ پر درود بھیجو جس کی آمد مبارک سے مکّہ مکرمہ کے گوشے گوشے مثلاً چاہِ زمزم اور مقامِ حطیم مکرم ومعزز ہو گئے۔

صلوا علی نور تجلی صبحه　　　فجلا ظلاماً للضلال بهيما

اس ذاتِ انور پر درود بھیجئے جس کی صبح روشن ہے اور اس صبح نے ضلالت وگم راہی کی تاریک ترین راتوں کو معدوم کر دیا۔

صلوا علی هاد ارانا هديه　　　نهجا من الدين الحنيف قويما

اس رہبر پر درود بھیجئے جس کی رہبری نے دینِ حنیف کا مستند و مدلل راستہ دکھایا۔

و بدت شواهد صدقه قد قسمت　　　بدر الدجى لقسيمه تقسيما

اور اس کی صداقت کی علامتیں ظاہر و باہر ہوئیں اور انھی علامتوں نے تاریکیوں کے چاند کو تقسیم کر دیا اور یہ تقسیم بالکل نمایاں تھی۔

جلت مناقب خاتم الرسل الذى　　　بالنور ختم و الهدى تختيما

اُس خاتم الرسل کے مناقب واضح ہیں جس کے نورِ نبوت پر مہر لگ چکی ہے اور اس ہدایت پر کلی طور سے مہر ثبت ہو چکی ہے (یعنی اس کے بعد کوئی ہدایت نہیں آئے گی)

فله لواء الحمد غير مدافع　　　وله الشفاعة اذ يكون كليما

آپ کے ہاتھ میں تقدیس وتوصیف کا ایسا پھریرا ہے جو سرنگوں نہیں ہو سکتا اور اللہ کے حکم کے بعد آپ شفاعت کا سلسلہ شروع کریں گے۔

نرجوه فی يوم الحساب و انما　　　نرجو لموقفه العظيم عظيما

ہم روزِ جزا میں آپ سے پُرامید ہیں۔ آپ کے رُتبہ بلند کے سبب آپ سے بلندیوں کے طالب ہیں)

يا ايها الراجون منه شفاعة　　　صلوا عليه و سلموا تسليما

آپ سے شفاعت کی اُمید رکھنے والو! کثرت سے آپ پر درود و سلام بھیجو۔

ابن الجیان کے اس نعتیہ قصیدہ میں خوب صورت اسلوب کے ذریعے شمائل النبی ﷺ کو منظر عام پر لانے کی کوشش کی گئی ہے، ختم نبوت کو بالخصوص بیان کیا گیا ہے، آپ کے اقوال کو حکمتوں سے عبارت بتایا گیا ہے۔ آپ کی شرافت و رافت، عظمت و کرامت اور حسن و جمال کو پیش کیا گیا ہے۔ اس میں بھی آپ کے بہت سے معجزات کو قلم بند کیا گیا ہے۔ اس قصیدے کے ایک ایک لفظ سے حب نبی ﷺ کے نغمے پھوٹتے ہیں۔ یہ قصیدہ بائیس اشعار پر مشتمل ہے۔

ابن الجیان کا ایک قصیدہ بارہ اشعار پر مشتمل ہے، جس کی روعت و سلاست نا قابلِ بیان ہے، انداز سبک اور نہایت پُر لطف ہے، پڑھتے ہوئے عجیب سا کیف و انبساط محسوس ہوتا ہے۔ آغاز اس طرح ہوتا ہے:

یا من تقدس عن أن   یحیط وصف بذاته

اے ذاتِ بابرکت! تمھاری ذاتِ اقدس کا کوئی بھی صفت احاطہ نہیں کر سکتی۔

و من تعالیٰ جلالاً   عن مشبه فی صفاته

اور یہ وہ شخصیت ہے جو اپنے مانند سے اپنی تمام صفتوں میں برتر ہے۔

محمد خیر هاد   بحلمه و أناته

محمد ﷺ اپنی بردباری اور وقار کے سبب سب سے بہترین راہنما ہیں۔

محمد خیر داع   بالصدق من کلماته

محمد ﷺ اپنی سچی باتوں کی وجہ سے سب سے قابلِ ذکر داعی ہیں۔

محمد خیر مبدٍ   لناسنا معجزاته

محمد ﷺ لوگوں کے لیے اپنے معجزات کو نہایت سلیقے سے پیش کرنے والے تھے۔

ابن الجیان کا ایک قصیدہ گیارہ اشعار پر مشتمل ہے۔ رعنائی بیان میں اپنی مثال آپ ہے۔ پڑھیے تو محسوس ہوتا ہے کہ بادِ نسیم کا لطف اُٹھایا جا رہا ہو، بلکہ حبِ رسول ﷺ کی ایسی خوش بو کہ جس کے سامنے دنیا کی حلاوت بے معنی، ہر شعر سے مترشح ہے کہ شاعر حبِ رسول ﷺ میں غوطہ زن ہے اور یہی غوطہ زنی اس کی عقبیٰ و آخرت ہے۔

یارب بلغ سلامی   لاحمد ذی الشفاعة

اے پروردگار! میرا سلام اس احمد مصطفیٰ ﷺ کو پہنچا دے جو شفاعت کرنے والا ہے۔

لخاتم الرسل اعنی   امام تلک الجماعة

اے میرے رب! میرا سلام خاتم الرسل کو پہنچا دے جو رسولوں کی جماعت کا امام ہے۔

لابھر الخلق مجداً　　　یحکی الصباح نصاعه

اے میرے اللہ! میرا اسلام اُس ذاتِ گرامی کو پہنچا دے جو مجد و شرافت میں تمام لوگوں سے نمایاں ہے، جس کی دھمک کی داستان صبح بیان کرتی ہے۔

لمرشد لھداه　　　قد فاز عبد اطاعه

اے ذوالجلال! میرا اسلام اُس ہدایت کرنے والے کو پہنچا دے جس کی ہدایت اس شخص کے لیے باعث نجات ہے، جس نے اس کی اطاعت کی۔

و مدا فی کل فضل　　　لصفوة الرسل یاعه

اور آپ نے رسولوں سے مخلصانہ محبت کے سبب ہر فضل کی (اشاعت) کے لیے ہاتھ بڑھایا۔

فزده یارب فضلاً　　　و زد محبیه طاعه

اے خداوند قدوس! (اس دنیا میں) آپ کے مقام و مرتبہ میں اضافہ فرما دے اور آپ کے ان چاہنے والوں کی بہتات کر دے جنھوں نے آپ کی اطاعت کی۔

اس نعتیہ نظم میں سیلِ محبت فراواں ہے، ایک طرف شاعر ان کی عظمتوں کو سلام کر رہا ہے، وہیں اللہ سے دعا گو ہے کہ چار دانگ عالم آپ کا شہرہ ہو، آپ کے اطاعت گزاروں کی کثرت ہو۔ ایک شعر میں آپ کی قدر و منزلت کو یوں یاد کیا ہے:

لمن صفات علاه　　　تعجز اھل الراعة

آپ کو ان صفاتِ عالیہ کی توسط سے بلندی نصیب ہوئی، جو عالی مقام حضرات کو عاجز کر دیتی ہیں۔

ابن الجیان نے آں حضورﷺ سے اپنی عقیدتوں کے اظہار کے لیے ایک قصیدہ منظوم کیا جس میں یہ ثابت کیا کہ آپ کی آمد سے لوگوں کی مشکلات دُور ہوئیں۔ نورِ نبوت کی وضاحت و صراحت اس قدر عام تھی کہ اس کو تسلیم کرنا ایک معمولی مسئلہ تھا، لیکن کدورتوں اور عداوتوں نے لوگوں کو اندھا بنا دیا۔ حجتِ نبوت سے طمانیتِ قلب کے حصول کے علی الرغم مخالفت و معاندت پر اُتر آئے اور ایسا وہی کر سکتا ہے جو فہم و شعور سے کوسوں دُور ہو۔

لقد رفع الالہ عن البرایا　　　ببعث محمد محن الصروف

یقیناً اللہ تعالیٰ نے آپ کی بعثت کے سبب لوگوں سے حوادثِ روزگار کو ٹال دیا۔

فانقذھم ولولاہ لکانوا　　　لقی بین الضلالة والحتوف

چناں چہ آپ نے انھیں نجات دلائی، اگر آپ کی تشریف آوری نہ ہوتی تو لوگ ضلالت و ہلاکت سے دوچار ہوتے۔

نبی لایغل علیہ الا سخیف العقل ذو رای تؤوف

نبی کریم ﷺ کے باب میں وہی کدورتوں کے حامل ہیں جو کم فہم اور گھٹیا رائے کے مالک ہیں۔

کاغمار الیهود او النصاری أو الفلکی أو کالفیلسوف

جس طرح کہ یہود و نصاریٰ کے جہلا نجومی یا فلاسفہ آپ کے متعلق کدورتوں سے گراں بار ہوتے ہیں۔

اس قصیدے میں نبی کریم ﷺ کی سعادتوں اور برکتوں کے سمیٹنے کی بہترین کوشش کی گئی ہے اور رسالتِ محمدی ﷺ کے تئیں غل وغت رکھنے والوں کی تصویر کشی کی گئی ہے۔ انسان مذہبی عبادت میں اس قدر جہالتوں کا شکار ہو جاتا ہے کہ اسے نورِ نبوت نظر نہیں آتا لیکن ابن الجیان عقیدتِ رسالت سے سرشار ہو کر لکھتے ہیں:

فبرهان النبوة مستفیض تدل به علی رغم الانوف

نبوتِ محمدی ﷺ کے حقائق کا فیضان جاری ہے، مخالفت کے باوجود تلاشِ حق کے لیے ہم اسی کا سہارا لیتے ہیں۔

آپ کا ایک نعتیہ قصیدہ دس اشعار کا احاطہ کیے ہوئے ہے جس میں آپ کی عظمت تقدس اور حسن و جمال کو خوب صورت انداز میں منظوم کیا گیا ہے۔

لولا النبی محمد هلک الوری فی سوء حاله

نبی محمد ﷺ کی تشریف آوری نہ ہوتی تو مخلوق اپنی بدترین صورتِ حال سے تباہ ہو جاتی ہے۔

اعلی الوری قدراً و کرمهم و اظهرهم لاله

قدر و منزلت کے اعتبار سے آپ بلند ترین اور معزز ترین ہیں اور دلالت کے لحاظ سے بالکل واضح۔

شاعر اپنے حوالے سے دنیائے انسانیت کو پیغام دینا چاہتا ہے کہ اگر تم قیامت کی رسوائیوں سے مامون رہنا چاہتے ہو تو دنیا کے تمام وسائل سے لاتعلق ہو کر اسی ذاتِ عالیہ سے اپنا تعلق قائم کرلو۔

و اذا ابتغیت وسیلة و مدحته و مدحت اله

اور جب تمھیں کسی وسیلے، آپ اور آپ کے خاندان کی توصیف مقصود ہو۔

فاقطع بانک امن — یوم القیامة لامحالة

تو دنیا سے لاتعلق ہو جاؤ، اس طرح تم لامحالہ قیامت کے روز مامون ہو جاؤ گے۔

ابن الجیان نے اپنے ایک نعتیہ قصیدے میں اپنے ضعف اور کس مپرسی کا اظہار کیا ہے اور آں حضور ﷺ کو اپنا سنگِ میل قرار دیا ہے۔ فرماتے ہیں ۔

و ارجو الیہ الفضل فھو منیلہ — وماخاب لی فیہ الرجاء ولا الظن

اور میں اسی سے فضل کا طلب گار ہوں اور صرف وہی اس کا دینے والا ہے اس سے وابستہ کی گئیں تمنائیں اور آرزوئیں نامراد نہیں ہوئیں۔

علیہ اعتمادی حین لا لی حیلة — الیہ استنادی حین ینبوبی الرکن

جب تمام تدابیر سے میرے ہاتھ خالی ہو جاتے ہیں تو آپ ہی پر ٹیک لگاتا ہوں، جب ستون متزلزل ہو جاتے ہیں تو آپ ہی کو اپنا سہارا بناتا ہوں۔

و ثقت نفسی الضعیفة بعدما — اضربھامن ضعف قوتھا الوھن

میرے کم زور نفس نے آپ کو اس وقت قابلِ اعتماد قرار دیا جب کم زوریاں اس کے ضعف کے سبب اس پر حاوی ہو گئی تھیں۔

الیہ صلاتی قد بعثت و مشفعا — سلاما بہ الاحسان ینساق والحسن

مَیں نے آپ پر دُرود ارسال کیے۔ آپ ہی کی نسبت سے دریائے حسن و احسان لبریز ہے، نیز شفاعت اور سلامتی کے علم بردار بھی ہیں۔

مذکورہ اشعار میں سرورِ کائنات ﷺ سے محبت کی شعاعیں فروزاں ہیں، شاعر نے آپ کو آلام و مصائب اور حوادث ومحن سے تحفظ کا ذریعہ بتایا ہے۔ آپ سے وابستگی کا مفہوم یہ ہے کہ وہ تمام شرور وفتن سے محفوظ ہو گیا، خطرات اور ہلاکتیں خود اس سے گریز کریں گی، اس قوت کا سہارا تلاش کر لینے کے بعد تمام قوتوں سے انسان بے نیاز ہو جاتا ہے۔ ابن الجیان نے ایک جگہ اپنے چار اشعار میں اسوۂ حسنہ کو یوں پیش کیا ہے:

أیذھب یوم لم اکفر ذنوبہ — بذکر شفیع بالذنوب مشفع

کیا کوئی ایسا دن بھی گزرا ہے کہ نبی شفیع کے ذکر سے اللہ نے گناہوں کو نہ معاف کیا ہو۔

ولم اقض فی حق الصلوٰة فریضة — علی ذی مقام فی الحساب مرفع

اس صاحبِ حیثیت پر درود وسلام کا فریضہ میں ادا نہ کر سکا، کیوں کہ یہ چیز حساب و

کتاب سے بالاتر ہے۔

أرجی لدیه النفع فی صدقه حبه   و من یرتج المختار لاشک ینفع

آپ سے سچی محبت کی وجہ سے آپ سے فائدہ کا امیدوار ہوں اور جو شخص بھی آپ سے آس لگائے گا یقیناً نفع بخش ہوگا۔

و أهدی الی مثواه منی تحیة   اذا قصدت باب الرضا لم تدفع

مَیں اپنی جانب سے آپ کی رہائش گاہ کے لیے سلامِ محبت پیش کر رہا ہوں، جب تم بابِ رضا سے چمٹ جاؤ تو تمھیں ہٹایا نہیں جاسکتا۔

ابن الجیان کے یہاں اسلوبِ بیان اور اظہارِ جذبات کی رنگا رنگی ہے۔ اس سے منفرد شاعر کی وسعت اور وسعتِ زبان کا اندازہ ہوتا ہے۔ زبان کی تنگ دامانی احساسات پر قدغن لگا دیتی ہے۔ عرب شعرا قرآن کریم کی تصریف آیات سے مستفاد ہیں۔ قرآن کریم نے فکر اور زبان دونوں میں وسعت پیدا کی، اس وسعت کی وجہ سے عربی نعتیہ شاعری کا مطلع رعنائیوں اور فکری گہرائیوں سے ہم کنار ہوا۔ نعتیہ قصائد کے بہت سے فکری اور لغوی پہلوؤں کا ادراک فہمِ قرآن کے بغیر ممکن نہیں۔ یہ تمام مشاہدات ابن الجیان کے عربی نعتیہ قصائد میں مل جائیں گے۔ ایک اور قصیدے میں اپنی کم زوریوں کا دفتر لے کر آں حضور کی شفاعت کے متمنی ہیں:

یاأرحم الخلق یوم الحشر والندم   ارحم عبیدک یاذا الطول والنعم

اے ساری مخلوق سے زیادہ رحم فرما! اور روزِ حشر اور ندامت کے وقت اور اے وسعتوں اور کرم فرمائیوں کے حامل! آپ اپنے غلام پر ترس کھائیے۔

انی توسلت بالمختار سیدنا   الطاهر المجتبی من خیرة الامم

مَیں نے اپنے آپ کو اپنے سیّد مختار سے جوڑ رکھا ہے، جو اعلیٰ ترین قوموں سے زیادہ پاک باز اور چنیدہ ہے۔

الیک من سیاتی انها عظمت   یا واحداً لم یزل فرداً ولم ینم

آپ ہی کے حضور اپنے گناہوں کا بوجھ لے کر حاضر ہوں۔ اے ہمیشہ ہمیش منفرد رہنے والے اور (ہماری پکار سے) غافل نہ رہنے والے۔

علیه منک صلوٰة کلما طلعت   شمس و ماخط فی الاوراق بالقلم

ہماری جانب سے آپ پر درود و سلام کا سلسلہ جاری و ساری رہے۔ جب جب سورج چمکتا ہے اور اوراق پر قلم سیاہی بکھیرتا رہے۔

فهو الشفیع الذی ارجو النجاة به   من الجحیم اذالکفار کالحمم

آپ تو وہ شفیع ہیں جن کے حوالے سے جہنم (کی لپٹ) سے نجات کی اُمید کی جاسکتی ہے، جب کہ کفار (جہنم میں جل کر) کوئلے کے مانند ہوجائیں گے۔

اس قصیدے میں اپنی کوتاہیوں اور نقائص کا اعتراف ہے اور یہ عزمِ صمیم بھی ہے کہ میدانِ حشر کی ذلتوں اور قیامت کے شدائد اور مصائب سے صرف شفاعتِ سرورِ کونین ہی بچا سکتی ہے اور یہی سہارا ہمیں اللہ کی رحمتوں سے ہم کنار کرسکتا ہے۔

ایک دوسرے قصیدے میں اپنی محبتوں کا دریا یوں بہایا ہے اور یہ سیلِ عقیدت صرف اس کی رفعتوں کے پیش نظر ہے۔ شاعر کو اپنی تقصیرِ ذات کا اتنا احساس ہے کہ اس کی آنکھیں دریائے نیل بن جاتی ہیں، خشوع و خضوع کو ردائے زیست بنالیتا ہے اور آپ پر درود و سلام کو اپنا شیوۂ حیات قرار دیتا ہے:

مجیب القلوب معتمد الخلق   ابی ابو القاسم النبی الشفیع

ہر دل عزیز تمام لوگوں کے ماویٰ و ملجا اور نبی شفیع ابوالقاسم سے ہم جڑے ہوئے ہیں۔

قد تشفعت من ذنوبی الی   دی العزة الواحد العلی السمیع

مَیں اپنے گناہوں کی شفاعت کے لیے ربِ وحید، صاحبِ منزلت، بلندترین اور خدا سننے والے کے حضور حاضر ہوا۔

فاشفع اشفع یاخاتم الرسل   یوم الحشر والمشهد العظیم الفظیع

مَیں شفاعت کا طلب گار ہوں۔ اے خاتم الرسل! میدانِ حشر اور رسوا کن اجتماعِ عظیم کے دن آپ ضرور ہماری شفاعت کریں۔

لظلوم لنفسه قد تناهی   فی الخطایا و کل فعل شنیع

یقیناً آپ نے اپنے نفس کو خوب دبایا اور آپ نے (اسے) گناہوں اور بدترین عمل سے باز رکھا۔

فاذا ماتذکر الذنب فاضت   مقلتاه واغر و رقت بالدموع

جب آپ گناہوں کا ذکر کرتے تو آپ کی دونوں آنکھیں اشک بار ہوجاتیں اور آنسوؤں سے ڈبڈبا اُٹھتیں۔

لا تخیب رجاء ه انه من   ربه خائف کثیر الخشوع

ہم آپ سے اُمید پر پانی نہیں پھیر سکتے۔ کیوں کہ آپ اللہ کے فرستادہ ہیں، بے پناہ ڈرنے والے ہیں۔

و علیک الصلوٰۃ بدا و عودا   ما اضاءت ذکاء عند الطلوع

اور آپ پر ابتدا اور انتہا دونوں موقعوں پر درود و سلام ہو، جب تک کہ بوقتِ طلوع سورج کی شعاعیں دنیا کو منور کرتی رہیں گی۔

ابن الجیان کے ایک قصیدہ میں مختلف اوصاف نبی ﷺ پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ نیز اس پہلو کی طرف اشارہ کیا گیا کہ دنیا کی بہت سی اشیا آپ کی تقدیس و تحمید میں مشغول ہیں۔ بین السطور یہ پیغام مشتہر کرنا چاہتے ہیں کہ جب چرند پرند کا یہ حال ہے تو مکرم بنی آدم کا فریضہ ہے کہ اپنے ذہن و دل کو ترسیلِ درود و سلام سے مستقلاً محظوظ کرتے رہیں:

یاربّ ان شفیعی من ذنوبی فی   یوم القیامۃ خیر الخلق والنسم

اے بارِ الہا! قیامت کے روز میرے گناہوں کے باب میں شفاعت کرنے والی ذاتِ اقدس تمام مخلوق اور انسانوں میں بہتر ترین ہے۔

محمد خاتم الرسل المبلغ للدین   الحنیفی و الاسلام للامم

محمد ﷺ خاتم الرسل اور دیگر قوموں کے لیے دینِ حنیف اور اسلام کی تبلیغ کرنے والے ہیں۔

علیہ منی صلوۃ کلما سجع الحمام   فوق غصون البان والسلم

آپ پر میری جانب سے درود و سلام ہے، جب جب فاختہ ''بان'' (ایک طویل درخت ہے، جس سے درازیِ قد کی تشبیہ دی جاتی ہے) اور ''سلم'' ایک درخت کا نام جس کے پتے چمڑے کے رنگنے کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں) پر کوکو کرتی رہے گی۔

وبعدذلک اعدادالجبال ورمل الارض   والطیر و الحیتان والنعم

اور اسی طرح سارے پہاڑ، ریگ زار، پرندے، مچھلیاں اور مویشی آپ پر درود و سلام بھیجنے میں مصروف ہیں۔

کذاک ایضاً سلامی طیب عطیر   علیہ ما قام عبد فی دجیٰ الظلم

اسی طرح میرا بھی مشک میں بسا ہوا سلام آپ کو مبارک ہو (آپ کی وجہ سے) کوئی بندہ بھی ظلم کی تاریکی میں برقرار نہیں ہے۔

للّٰہ و ھو کئیب خائف وجل   من الذنوب حزین القلب ذو ألم

بخدا یہ سچ ہے کہ وہ رنجور، ترساں، گناہوں سے ہراساں، غم زدہ دل اور صاحبِ غم تھے۔ (یعنی یہ تمام چیزیں صرف اپنی اُمت کے احوال کی وجہ سے تھیں)

مذکورہ قصائد کی روشنی میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ ابن الجیان کی قرآنیات اور احادیث پر گہری نظر تھی۔ قرآنی نظریات اور نبوی خیالات کو اس میں سمویا گیا ہے اور یہ حقیقت ہے کہ ان دونوں کے بغیر معیاری نعت کا منظوم کرنا مستبعد ہے۔ ایک خاص نکتہ اس شاعر کے یہاں یہ ہے کہ مشرکانہ پہلوؤں سے یہ قصائد پاک ہیں۔ ان قصائد میں مختلف پیرائے میں اپنی بے کسی اور بے قراری کو لے کر آقائے نامدار ﷺ کے حضور حاضری دی گئی ہے۔ یہی حاضری اور ذاتِ اقدس سے یہی والہانہ تعلق انسان کو گرداب سے بچا سکتا ہے۔ اس پہلو کو بھی منظرِ عام پر لانے کی سعی مشکور کی گئی ہے کہ آپ کی آمد مبارک سے ایک ایسا انقلاب برپا ہوا جس کی مثال تاریخ پیش کرنے سے قاصر ہے۔ شاعر کا قابلِ ذکر وصف یہ بھی ہے کہ شمائلِ نبی کریم ﷺ کی تشریح و تفسیر میں قائدانہ کردار ادا کیا گیا ہے۔ زبان و بیان، جذبات و احساسات کی ترجمانی اور انتخابِ الفاظ و تراکیب میں ابن الجیان نے کمال کا ثبوت دیا ہے۔ شاعرانہ امتیازات کے متعدد گوشے ان قصائد میں تلاش کیے جاسکتے ہیں۔ ان میں دعوتِ دین اور دعوتِ رسالت کے فرائض کی بھی انجام دہی ہے۔ نیز مختلف انداز میں منہاجِ رسالت پر گام زن رہنے کی تاکید کی گئی ہے۔ کیوں کہ میدانِ حشر کی نکبتوں سے صرف آپ کی شفاعت ہی بچا سکتی ہے۔

اندلس کے ایک گم نام شاعر کے نعتیہ قصیدے کو حافظ شیخ احمد بن محمد مقری تلمسانی نے اپنی اس کتاب میں نقل کیا ہے جو لب و لہجے اور فکر و نظر کے اعتبار سے اہمیت کا حامل ہے۔ شعری حیثیت سے اندلس کے شعرا میں ضرور اسے نگہِ توقیر سے دیکھا جائے گا۔

اسمع حدیثاً قد تضمن شرحہ　　　روضاً من الایناس اینع دوحہ

حدیث (رسول ﷺ) کو سنو! جس کی تفسیر و تصویر محبتوں کے باغ کے مثل ہے، جس کے درخت پھلوں سے لدے ہوئے ہیں۔

فیہ الشفاء لمن تکاثر برحہ　　　وافی ربیع قد تعطر نفحہ

یہ حدیث (رسول ﷺ) ان لوگوں کے لیے باعثِ شفا ہے جو امراض میں مبتلا ہوں، (یہ احادیث) مکمل موسمِ ربیع کی طرح ہیں جس کی خوش بو پھیلی ہوئی ہے۔

از کی من المسک الفتیق نسیما

نکالی ہوئی مشک سے زیادہ خوش بودار اور بادِ نسیم کے مانند ہے۔

شھر حوی بوجود احمد اسعدا　　　بالمصطفیٰ بین الشھور تفردا

احمد مختار ﷺ کی آمد سے مہینہ برکتوں سے عبارت ہوگیا اور دیگر مہینوں میں آپ کی وجہ سے اسے انفرادیت حاصل ہوگئی۔

یا ما اجل سنا علاہ و امجدا لولادۃ المختار احمد قد غدا

احمد مختار ﷺ کی ولادت کی وجہ سے اس مہینے کی تاب نا کی اور شرافت کا کیا کہنا؟ یقیناً (ہر طرف) اُجالا ہی اُجالا ہے۔

یزھوا بہ فخراً تراہ عظیما

یہ آپ کی وجہ سے نازاں ہے، تم اس ذاتِ کریم کو عظیم پاؤ گے۔

اسدی الیک الدھر حسن صنیعہ وحباک من غصن الجنی بدیعہ

زمانے نے آپ کے بلند کارناموں کی وجہ سے تم (لوگوں) پر احسان کیا ہے اور آپ کی کرشمہ سازیوں کی وجہ سے تم (لوگوں) کو سرسبز پھل دار شاخوں سے ہم کنار کیا ہے۔

وافی ھلال محمد بربیعہ فاعتز امر اللّٰہ عند طلوعہ

ماہ تابِ محمد ﷺ اپنے موسم بہار میں شباب پر ہے۔ حکم خداوندی نے آپ کے طلوعِ ماہتاب کو اعزاز واکرام بخشا۔

و غدا بہ دین الالٰہ قویما

اور آپ کی ذاتِ گرامی سے دین خداوندی مزید مستحکم ہوگیا۔

نظم الزمان بجید عمرک درۃ فاشکر مأثرہ و واصل برہ

زمانے نے تمھاری زندگی کی گردن میں آپ ﷺ کے موتی پرو دیے تو تم آپ کے کارناموں پر شکرادا کرو اور آپ کی نیکیوں کا پیہم ذکر کرتے رہو۔

و افاک بالسر المصون فسرہ و اعرف لھذا الشھر حقا قدرہ

آپ نے ہمارے سامنے مخفی راز کو وا کردیا، چناں چہ آپ کو مبارک باد پیش کی گئی، تم اس مہینے (ماہِ ولادت مبارک) کی قدر و قیمت سے بخوبی آ گاہ ہو جاؤ۔

فلقد غدا بین الشھور کریما

یقیناً آپ کی (ولادت) کا مہینہ دیگر مہینوں سے افضل ہے۔

یاصاح جاءت بالامانی اسعد و اظل بالبشری الکریمۃ مولد

اے خواست گار! خواہشات برکتوں سے ہم کنار ہوئیں اور آپ کی ولادتِ باسعادت سے حسین بشارتوں کی رم جھم شروع ہوگئی۔

ھذا ربیع فیہ انجز موعد شھر کریم جاء فیہ محمد

یہی وہ فصل گل ہے جس میں وعدہ وفا کیا گیا، جس ماہ میں آپ کی تشریف آوری

ہوئی وہ ماہ کس قدر مقدس اور مطہر ہے۔

صلوا علیه و سلموا تسلیما

آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام کثرت سے بھیجو۔

مذکورہ بالا قصیدے کے تمام بند خوفِ طوالت سے نقل نہیں کیے گئے، لیکن یہ حقیقت ہے کہ اس میں علامہ شبلی نعمانی کے بیان کردہ ''ظہورِ قدسی'' کا ہلکا سا تاثر ضرور شامل ہے۔ عربی زبان میں اس موضوع پر بہت سی تحریریں ہیں لیکن علامہ کی ''ظہورِ قدسی'' کا موازنہ کسی سے ممکن نہیں۔ علامہ کی سیرۃ النبی ﷺ یکتائے روزگار ہے۔ بہر نوع یہ قصیدہ بھی اپنے موضوع پر انفرادی شان کا حامل ہے۔ آپ کی ولادت سے سارا زمانہ خوش بوؤں اور فرحتوں میں بس گیا۔ ہر طرف فضا پُر نور ہوگئی۔ ریگ زارِ عرب شادابیوں سے عبارت ہوگئے۔ نامعلوم شاعر نے اس موضوع کی بڑی حسین وجمیل تصویر کشی کی ہے:

''نفح الطیب'' کے مصنف نے اپنے مخصوص انداز میں جلوہ ہائے نبی ﷺ کی عکس بندی کی ہے۔ زبان اتنی لطیف کہ ہوش اُڑ جائے، انداز اتنا حسین کہ یقین نہ آئے اور عقیدت اتنی عمیق کہ رشک آئے۔

انشق ازاھر عن فنون ریاض   للعلم و اکرع من عذاب حیاض

چمنستانِ علم کی شاخوں کی خوش بوؤں سے خود کو معطر کرلو اور شیریں حوضوں سے خود کو سیراب کرو۔

واسق الریاض بذکرہ الفیاض   و احفظ کلاماً للامام عیاض

آپ کے فیضانِ ذکر سے باغات کو سیراب کرو اور امام عیاض کے کلام کو یاد کرو۔

قد تمت أقسامه تمیما

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام گوشے پایۂ تکمیل کو پہنچ گئے۔

فاضت علینا من ھداہ عوارف   زھر و انوار و ظل وارف

آپ کی ہدایت سے دریائے معارف بہہ پڑے، پھول کھل اُٹھے، تابناکیاں عام ہوئیں اور چہار طرف سایہ ہی سایہ ہے۔

و نمارق مصفوفة و مطارف   یاحسن ما ابداہ قد عارف

اور (آخرت میں) پھول دار ریشمی چادروں کے اوپر قطار در قطار گاؤ تکیہ لگے ہوئے ہوں گے۔ اس ذاتِ عظیم نے کیا ہی خوب صورتی کے ساتھ ان چیزوں کو بیان کیا ہے۔

درا بأسلاک الحدیث تظیما

احادیثِ شریف کے ریشمی دھاگوں میں موتیاں پروئی ہوئی ہیں۔

لم لا و بالملک الشفیع تشرفا　　　خیر البریة رکن ارباب الصفا

کیا ایسا نہیں ہے کہ سلطانِ شفیع سے برکتوں کا نزول ہوا جو مخلوق میں بہتر ترین ہے اور پاک بازوں کا اُستاد ہے۔

من اسعد الراجی و قصداً اسعفا　　　طٰہٰ النبی الهاشمی المصطفیٰ

طٰہٰ بنی ہاشمی مصطفیٰ دراصل اُمید باندھنے کے لحاظ سے سب سے زیادہ مناسب ہیں اور حاجت روائی کے لحاظ سے نہایت موزوں ہیں۔

صلوا علیه وسلموا تسلیما

آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام کا لامتناہی سلسلہ جاری رکھو۔

صاحبِ ''نفح الطیب'' کا نعتیہ قصیدہ زبان و بیان کے اعتبار سے انتہاؤں پر فائز ہے۔ مصنف ایک طرف اگر قابلِ قدر شاعر ہیں تو وہیں اعلیٰ شعری ذوق کے حامل بھی، تراکیب اور لفظوں کے انتخاب میں انھیں خاصا درک حاصل ہے۔ عشقِ رسول ﷺ کا یہ حال ہے کہ جیسے آپ کے اشعار میں حبِ رسول ﷺ کا دریا موج زن ہو۔ اس کتاب میں ادریس بن موسیٰ القرطبی کا بھی ایک نعتیہ قصیدہ نقل کیا گیا ہے:

اهلا بکم یا اهل هذا النادی　　　اهل اعتقاد الوعد والمیعاد

اے اس محفل کے شرکا! اے (اللہ کے) وعدوں پر اعتقاد رکھنے والو! قیامت کے وقوع پر یقین کرنے والو! تم سبھوں کو مبارک ہو۔

اهدوا الصلوٰة الی النبی الهادی　　　و صلوا السلام له مع الاباد

نبی ہادی کی طرف سلام روانہ کرو اور آپ کے حق میں تا ابد سلام بھیجتے رہو۔

یندی نسیما مذکرا تسنیما

آپ نے ایک ایسی بادِ نسیم کو عام کیا جو جنت کے چشمۂ تسنیم کا پتا دے رہی ہے۔

عیسیٰ و موسیٰ والخلیل مروع　　　من هول مطلع هنالک یقطع

حضرت عیسیٰ، حضرت موسیٰ اور حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہم السلام اس قبیح تر اور رسوا کن دن کے خوف سے ڈرے ہوئے ہوں گے۔

فیقال احمد قل فانک تسمع　　　فیقوم یحمد ربه فیشفع

اس صورتِ حال میں احمد مصطفیٰ ﷺ سے درخواست کی جائے گی کہ آپ اللہ سے کہیے کہ تو ہی یقیناً سننے والا ہے۔ چناں چہ آپ اپنے رب کی تعریف کرتے ہوئے

اُٹھیں گے اور پھر شفاعت کا سلسلہ شروع کریں گے۔

فضلا من الرب العظیم عظیما

ربِ عظیم کی جانب سے فضلِ کثیر سے نوازا جائے گا۔

لولا وصیة صاحب التنزیل　　ان لایقال له غلو القیل

اگر آپ کی جانب سے یہ وصیت نہ ہوتی کہ آپ کے متعلق غلو سے کام نہ لیا جائے۔

قول الغلاة لصاحب الانجیل　　لغلوت فی التعظیم والتبجیل

غلو کرنے والوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے باب میں بہت کچھ کہا، تو یقیناً (آپ کی) تعریف و تعظیم میں تم حدود سے نکل جاتے۔

عظم المکانته یوجب التعظیما

عظمتِ مرتبہ تعظیم و تکریم کا تقاضا کرتی ہے۔

اوصافه من کل حسن ابهج　　تعرف ینفخ والسنا یتبلج

آپ کے اوصاف ہر حسن سے کہیں حسین ہیں، (آپ کی ذات سے) خوش بوئیں پھوٹتی ہیں اور آپ کی وجہ سے شعاعیں مسکرا رہی ہیں۔

فتارج الارجاء منه و تبهج　　فاق الزواهر نورها یتوهج

آپ کی وجہ سے گوشے گوشے مہک اُٹھے، حسن و جمال میں بس گئے۔ پھولوں کی رنگت میں ایسا اضافہ ہوا کہ جیسے رنگ شباب ہو۔

والزهر نفاح النسیم و سیما

اور پھولوں سے بادِ نسیم کے جھونکے چلنے لگے اور یہ منظر کتنا خوب صورت تھا۔

ضل الذی یبغی الهدی مما سوا　　و هوی به فی کل مهواة هواه

آپ کے ماسوا ہدایت کا متلاشی ضرور گم راہ ہوگا اور اس کی خواہش نفس اسے ہر غار میں ڈال دے گی۔

من فارق الفاروق قد تبت یداه　　حیران لم یهد السبیل الی هواه

جس نے حضرت عمر فاروق کی مخالفت کی یقیناً اس کو تباہی دھر لے گی۔ درماندہ آپ کی ہدایت کا راستہ پانے سے قاصر ہوگا۔

لایعرف التحلیل والتحریم

اسے حلال اور حرام کے مابین فرق کرنے میں دشواری ہوگی۔

ثقة بفضل الواحد القهار　　　ملک الملوک مصرف الاعصار

آپ کو رب واحد اور قہار، سلطان السلاطین اور زمانوں کے رُخ موڑنے والے پر مکمل بھروسا ہے۔

جعل النبی مکرم الاثار　　　و امدہ بالنصر و الانصار

اللہ نے نبی کریم ﷺ کو معزز آثار کا درجہ دیا اور آپ (کے افکار) کو اپنی مدد اور مددگاروں کے توسط سے ہر طرف عام کر دیا۔

و اتم نعمتہ لہ تتمیما

اور آپ کے لیے اپنی نعمتوں کی خوب تکمیل کر دی۔

ادریس بن موسیٰ قرطبی کا یہ ایک طویل نعتیہ قصیدہ ہے، اس میں محبت و عقیدت کے ایسے جذبات ہیں کہ رُکنے کا نام ہی نہیں لیتے۔ عشاقِ رسول ﷺ دنیا کے موانع و مشکلات کو بے معنی تصور کرتے ہیں۔ وہ ہر خرابے اور کوہ سار کو ذکرِ رسول ﷺ سے آباد کرنا چاہتے ہیں۔ جب انسان کا دل عشقِ حبیب ﷺ سے معمور ہو جائے تو اُس کی زبان صرف اسی ذکرِ جمیل میں محور رہنا چاہتی ہے۔ قرطبی کا دل حبِ رسول ﷺ سے اس قدر مملو ہوا کہ محبتیں اور عقیدتیں الفاظ کی شکل اختیار کر گئیں اور ہم جیسے معمولی انسانوں کو یہ نعتیں عشقِ رسول ﷺ کے آداب سکھلاتی ہیں اور دلوں میں وادیِ طیبہ کی خاک روئی کا جذبہ وافر پیدا کرتی ہیں۔ قرطبی اس رو سے ایک کامیاب شاعر ہیں کہ انھوں نے معرفتِ عشقِ رسول ﷺ اور تعظیمِ سیرتِ رسول ﷺ میں ایک کلیدی کردار ادا کیا۔ قرطبی کا شمار ان شعرا میں ہے، جنھوں نے عربی نعتیہ شاعری کی ترویج میں قابلِ ذکر خدمات انجام دی ہیں۔ آپ کی اسی شعری عظمت کے پیشِ نظر صاحبِ ''نفح الطیب'' نے اپنی کتاب میں شامل کیا، اس قصیدے سے قرطبی کے شاعرانہ کمال اور سرورِ کونین سے والہانہ علاقے کو سمجھا جا سکتا ہے۔

اندلسی شعرا میں ابن سہل اشبیلی کا نام عزت و توقیر سے لیا جاتا ہے، انھوں نے بھی ذاتِ نبی کریم ﷺ سے اپنے تعلق کے اثبات کے لیے ایک طویل نعتیہ قصیدہ منظوم کیا ہے۔ آں حضور ﷺ کی مختلف صفات، معجزات اور آپ کی شفاعت کو موضوعِ بحث بنایا ہے۔ بالخصوص واقعۂ معراج پر وضاحت سے روشنی ڈالی گئی ہے۔

ابدی جبین ابیہ شاھد نورہ　　　سجعت بہ الکھان قبل ظھورہ

آپ کے والد محترم کی پیشانی نے آپ کی نورِ نبوت کی علامت کو واضح کیا، کاہنوں نے آپ کی آمد سے قبل آپ کے متعلق نغمہ سرائی کی ہے۔

کالطیر غرد معربا بصفیرہ　　　عن وجہ اصباح یعل نسیما

اُن کی نغمہ سرائی ان چڑیوں کے مانند ہے جو اپنی چہچہاہٹ سے اس آمدِ صبح کا پتا دیتی ہیں جو شبنمی نسیمِ صبح کا ذریعہ ہوتی ہیں۔

صلوا علیه و سلموا تسلیما

آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام کی جھڑی لگا دو۔

اللّٰـه اوضح فضلـه فتوضحا　　　والـلّٰـه بین حبـه فی (والضحی)

اللہ نے آپ کے مرتبے کو واضح کیا تو بالکل واضح ہو گیا اور اللہ نے (آپ سے) اپنی محبت کا اظہار سورۂ ''والضحیٰ'' میں کیا ہے۔

والجذع حن هوی لـه فترنحا　　　والـماء قد فاض بکفه تسنیما

اور تنے نے بڑی رقت کے انداز میں آپ سے اپنی محبت کا اظہار کیا اور آپ کی ہتھیلیوں سے پانی حوضِ تسنیم کی طرح بہہ پڑا۔

صلوا علیه و سلموا تسلیما

آپ پر کثرت سے درود و سلام بھیجتے رہو۔

رفعت کرامته الزنوج عن الحرم　　　و دعا جبریل المنزه فی الحرم

آپ کی شرافت کی وجہ سے حبشی حضرات حرم سے باز آ گئے اور پاک باز حضرت جبریل علیہ السلام نے حرم کے اندر آپ کو آواز دی۔

و عـزت لـه آیات نـون والقلم　　　خلقـاً بـه شهد الالـه عظیما

نون والقلم کی آیاتِ کریمہ نے آپ کے خدوخال کو استحکام بخشا اور اس کی عظمت کی گواہی اللہ نے بھی پیش کی۔

صلوا علیه و سلموا تسلیما

آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام کی انتہا نہ ہونے دو۔

لا یـفیـض الـزاد فی اصحابـه　　　غیث و لـکن کان یستصحی به

آپ بھوکے ہونے پر بھی اپنے اصحاب میں زادِ راہ لٹایا کرتے تھے، لیکن آپ کو اسی میں قرارِ جاں ملتا تھا۔

طابت ضمائر قلبه و ترابه　　　منـه بسر لم یکن مکتوما

آپ کے قلب کے گوشے آلودگیوں سے پاک تھے اور آپ کا جسدِ خاکی منزہ و مزکی تھا، آپ کی وجہ سے کوئی بھی راز پردۂ خفا میں نہ رہا۔

صلوا علیه وسلموا تسلیما

آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر تسلسل درود و سلام بند نہ کیجیے۔

آخر میں شاعر خود اپنے جذبات و احساسات سے سوالی ہے کہ یہ محروم آنکھیں کب روضۂ رسول سے سرشار ہوں گی؟ کب وادیِ طیبہ کی ریتوں کے بوسہ لینے کا وقت آئے گا؟ کب اُن جالیوں کے منظر جمیل سے طمانیت قلب حاصل ہوگی؟ کب تک دل میں اُٹھتے ہوئے طوفانوں کا سلسلۂ دراز رہے گا؟ یہ محبتیں اور عقیدتیں کہاں تک سر پٹکتی رہیں گی؟ کیا انتظار کی کوئی غایت ہے؟

یاشوقی الحامی الی ذاک الحمی
قمتی اقضیه غراماً مغرما

اے میرے عشقِ جاں نثار! تم اس چراگاہ کے فدائی ہو، (اب تمھی بتاؤ کب تک اسے جنونِ عشق میں مبتلا رکھا جائے)۔

و متی اعانقه صعیداً مکرما
بضمیر کل موحد ملتوما

اور مَیں کب اس پاک سرزمین کے معانقہ سے سرفراز ہوں گا؟ جب کہ (یہ خاکسار) ہر مومن کی نظر میں ملامت شدہ ہے۔

صلوا علیه وسلموا تسلیما

آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام کا سلسلہ موسلا دھار بارش کے مانند ہو۔

احتث فی السبع الطباق براقه
والارض واجمة تخاف فراقه

اللہ نے ساتوں آسمان میں آپ کے براق کے اندر حد درجہ قوتِ سرعت پیدا کردی، زمین کثرتِ غم سے سرنگوں تھی اور آپ کے غم فراق سے خوف زدہ تھی۔

سبحان من ادنیٰ سراه منساقه
شخصا علی ملک الملوک کریما

بابرکت ہے وہ ذاتِ الٰہی جس نے آپ کے رات کے سفر کو اپنے سے قریب کرلیا اور اللہ نے آپ کو ایک شریف انسان کی حیثیت سے فرشتوں کے سردار پر فوقیت عطا کی۔

صلوا علیه وسلموا تسلیما

آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر لامتناہی درود و سلام بھیجو۔

فاشتم ریحان القلوب الطیبا
و دنا فاسمع یامحمد مرحبا

دلوں کو لبھا دینے والی خوش بوؤں سے آپ کا مشامِ جاں معطر ہوا اور آپ (اللہ سے) قریب ہوئے تو کہا گیا کہ اے محمد ﷺ! تمھارا استقبال کیا جارہا ہے۔

انی جعلتک جار عرشی الاقربا ان کنت قبلک قدجعلت کلیما

میں نے تمھیں اپنے عرش کا نہایت قریب ترین ہمسایہ بنایا اور تم سے پہلے میں نے (حضرت موسیٰ علیہ السلام کو) کلیم کا خطاب عطا کیا۔

صلوا علیہ وسلموا تسلیما

محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام کی موسلا دھار لگادو۔

حتی اذا اقتصد البراق ینزل نادته اسرار السموات العلا

یہاں تک کہ براق بیٹھ گیا تا کہ آپ اُتر سکیں۔ بلند آسمانوں کے اسرار (اللہ) نے آپ کو آواز دی۔

یارا حلاً ودعته لا عن قلی ما کان عھدک بالغیوب ذمیما

اے مسافر! تم اپنی سواری کو بخوشی چھوڑ دو، آپ کا زمانہ غیب کے باب میں قابلِ مذمت نہیں ہے (یعنی اللہ کے توسط سے آپ کو غیب کا علم حاصل تھا)۔

صلوا علیہ وسلموا تسلیما

آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام کی کثرت سے کام لو۔

الشافع المتوسل المتقبل القانت المدثر المزمل

آپ ایک شافع، پسندیدہ وسیلہ بردار، فرماں بردار، مدثر اور مزمل ہیں۔

وافی و ظھر الارض داج ممحل فجلی ابھیم بہ و اروی الھیما

آپ اس وقت تشریف لائے جب دنیا تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھی اور قحط زدگی سے گزر رہی تھی۔ چناں چہ آپ کی آمد مقدس سے تاریک ترین راتیں اُجالوں میں بس گئیں اور آپ نے ریگ زاروں کو سیراب کیا۔

صلوا علیہ وسلموا تسلیما

آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر لاتعداد درود وسلام بھیجتے رہیں۔

مذکورہ سطور میں ابن الجیان، احمد بن محمد المقری التلمسانی، ادریس بن موسیٰ القرطبی، ابن سہل اشبیلی اور ایک نامعلوم اندلسی شاعر کے نعتیہ قصائد کے تراجم اور قدرے تبصرے پیش کیے گئے ہیں۔ ان تراجم سے دو بنیادی فائدے ہیں ایک تو اردو قارئین اندلسی شعرا کے نعتیہ شاعری کے رجحانات اور میلانات سے باخبر ہوں گے نیز سرورِ کائنات ﷺ کے تئیں اُن کی عقیدت و محبت کے مبلغ سے واقف ہوں گے۔ اندلسی شعرا نے نعتیہ شاعری میں ایک کلیدی کردار ادا کیا ہے لیکن اس حیثیت سے اندلسی شاعری کا جائزہ نہیں لیا گیا ہے۔

قرآنیات، اسلامیات، ادبیات اور شاعری میں اندلس نے ناقابل فراموش کارنامے انجام دیے اور مغرب کو مغرب بنانے میں اندلس کا نہایت نمایاں رول ہے۔ اندلس کی اسی عظمت کے پیشِ نظر علامہ اقبال اور دیگر اہلِ علم نے اس پر اظہارِ خیال کیا۔

مذکورہ قصائد کا جائزہ لیا جائے تو درج ذیل نکات پائے جائیں گے، ایک اہم نکتہ یہ ہے کہ ان میں اسلامی عقائد سے انحرافات نہیں پائے جاتے، شرک جیسے شائبوں سے یہ قصائد پاک ہیں۔ اللہ اور رسول ﷺ کے مقامات میں صحیح نقطۂ نظر پیش کرنے کی سعی کی گئی ہے اور اللہ و بندے کے مابین امتیاز برقرار رکھا گیا ہے۔ ایک دوسرا پہلو یہ ہے کہ ان قصائد میں قرآنی افکار سے استفادہ کیا گیا ہے۔ ویسے قرآنیات کے بغیر نعت گوئی کا حق ادا ہونا ممکن نہیں ہے، کیوں کہ آپ کی سچی تصویر صرف قرآن کریم ہی میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے، جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ہے کہ ''کان خلقه خلق القرآن'' (آپ کی تصویر کا دوسرا نام تفسیرِ قرآن ہے)۔ نعت گو شعرا کے واجبات میں سے ہے کہ قرآنیات کا سنجیدگی سے مطالعہ کیا جائے، اگر ایسا ممکن بنالیا جائے تو نعتیہ شاعری میں بداحتیاطیاں نہ پائی جائیں۔ اردو شاعری ان اعتراضات سے مملو صرف اس لیے ہے کہ توضیحاتِ قرآن کریم کو پیشِ نظر نہیں رکھا جاتا۔ یہی واحد وجہ ہے جو مقامِ اللہ اور مقامِ رسول ﷺ کی معرفت عطا کرسکتی ہے۔

اندلسی نعتیہ شاعری میں ایک مماثلت یہ پائی جاتی ہے کہ معجزاتِ رسول ﷺ پر خاصی توجہ مرکوز کی گئی ہے۔ ان معجزات کے توسط سے عظمتِ رسالت پیش کی گئی ہے، نیز اسی کی مدد سے صداقتِ رسالت کی تبلیغ کی گئی ہے۔ ایک قابلِ ذکر پہلو یہ ہے کہ شفاعتِ رسول کا بار بار ذکر کیا گیا ہے۔ یہ مقام و مرتبہ صرف ہمارے نبی کریم ﷺ کو حاصل ہے۔ آپ کی اس صفت کی بنا پر شعرا اپنی کوتاہیوں، معذوریوں، معائب اور مایوسیوں کو لے کر آپ کے حضور حاضر ہیں۔ شعرا نے ان ہوش رُبا تبدیلیوں پر روشنی ڈالی ہے جو آپ کی آمد سے رونما ہوئیں۔ اس کے علاوہ بھی بہت سے موضوعات پر اظہارِ خیال کیا گیا ہے۔

اندلسی نعتیہ شاعری زبان و بیان اور رنگ، آہنگ کے لحاظ سے بلند معیار کی حامل ہے، انتخابِ الفاظ اور حسنِ تراکیب سے فکر کی مقبولیت میں اضافہ ہوتا ہے، اندلسی شعرا نے ایسے لطیف و لذیذ کلمات کے ذریعے اپنے افکار کی نمائندگی کی ہے کہ پڑھتے ہوئے رکاکت و ثقالت کا احساس نہیں ہوتا ہے۔ ایک ہی مضمون اور ایک ہی فکر کو نئے انداز اور نئے اسلوب میں پیش کیا ہے اور یہی تصریف حسن کو دوبالا کردیتی ہے۔ ان شعرا نے قرآن کے اسلوب سے خاصا استفادہ کیا ہے اور اس کی معنویت کو اپنی نعتیہ شاعری میں پرونے کی کوشش کی ہے۔ احادیث کے اثرات بھی مترشح ہیں لیکن قرآنیات کے بالمقابل کم، لیکن موضوع احادیث سے اجتناب واضح طور پر نظر آتا ہے۔ بہرکیف ادبی نقطۂ نظر سے اندلسی نعتیہ شاعری انفرادیت کی

حائل ہے۔ اسی انفرادیت نے علمائے اسلام کو اندلس کا متوالا بنا دیا، سقوطِ اندلس سے اسلامی تہذیب و ثقافت کو ایک زبردست دھچکا لگا اور ملتِ اسلامیہ کا ایک زرّیں دور حوادثِ روزگار کی نذر ہوگیا۔ ملتِ اسلامیہ کی آنکھیں تا ابد اس المیے پر نم ناک رہیں گی۔

......حواشی

☆۱۔ ''موشحات'' کو آزاد شاعری ''الشعر الحر'' کی ابتدا کہا جاتا ہے، اس کے لیے دیکھیے، ''جدید عربی شاعری'' پروفیسر شفیع شیخ، شعبۂ عربی، ممبئی یونی ورسٹی، ۲۰۰۴ء، ص ۱۳۸

☆۲۔ اندلسی شعرا کے کلام سے آگاہی کے لیے ملاحظہ کریں: ''الكتيبة الكامنة، لسان الدين الخطيب''

☆۳۔ ''الاعلام''، الزرکلی، دار العلم للملایین، بیروت، لبنان، الطبعۃ التاسعۃ، نومبر ۱۹۹۰ء، ۲۹/۷، الدکتور احسان عباس، دار الثقافۃ، بیروت، لبنان (بدون التاریخ) ص ۳۲۰، نیز دیکھیے: مختارات من الشعر الاندلسی، (جمعھا و حققھا: الدکتور آرنیکل، الطبعۃ الاولی ۱۹۴۹ء، بیروت، صفحات: ۲۲۸، ''مختارات من الشعر الاندلسی'' دراصل ڈاکٹر آرنیکل کی کتاب ''کتاب الشعر الاندلسی'' سے ماخوذ ہے۔

☆۴۔ ''الاعلام''، الزرکلی، دار العلم للملایین، بیروت، لبنان، الطبعۃ القاسعۃ، نومبر ۱۹۹۰ء، ۲۹/۷

☆۵۔ دائرۃ المعارف، فواد افرام البستانی، بیروت، ۱۹۵۸ء، ۴۲۵/۲

☆۶۔ ''الاعلام''، الزرکلی، دار العلم للملایین، بیروت، لبنان، الطبعۃ التاسعۃ، بیروت، لبنان

☆۷۔ وضاحت کے لیے دیکھیے: ''نفح الطیب'' المقری التلمسانی، (حققہ وضبط غرائبہ وعلق حواشیہ: محمد محی الدین عبد الحمید) الطبعۃ الاولی، ۱۳۶۷ھ/۱۹۴۹م، مطبعۃ السعادۃ، مصر ۱۱-۱۰

☆۸۔ ''نفح الطیب''، المقری التلمسانی (حققہ وضبط غرائبہ وعلق حواشیہ: محمد محی الدین عبد الحمید) الطبعۃ الاولی مطبعۃ السعادۃ، ۱۳۶۷ھ، ۳/۱

☆۹۔ ''نفح الطیب''، المقری التلمسانی (حققہ وضبط غرائبہ وعلق حواشیہ: محمد محی الدین عبد الحمید) الطبعۃ الاولی مطبعۃ السعادۃ، ۱۳۶۷ھ، ۱/۱

☆۱۰۔ ''نفح الطیب''، المقری التلمسانی (حققہ وضبط غرائبہ وعلق حواشیہ: محمد محی الدین عبد الحمید) الطبعۃ الاولی مطبعۃ السعادۃ، ۱۳۶۷ھ، ۱/۱

☆۱۱۔ وضاحت کے لیے دیکھیے: ابن سہل الاندلسی، کمال الدسوقی، مجلہ الازہر، مارچ ۱۹۵۹ء، القاہرہ، ۳/۷، ص ۷۱۱-۷۰۷، نیز دیکھیے: دیوان ابن سہل (تحقیق وشرح، بطرس البستانی، مکتبہ صادر، بیروت، ۱۹۵۳ء، ص ۱۳-۵، نیز دیکھیے، ''الاعلام'' الزرکلی، ۱/۴۳-۴۲

☆

ڈاکٹر غفور شاہ قاسم۔ میانوالی

پاکستان میں نعت گوئی کی تحریک

(ایک سرسری جائزہ)

اُمتِ مسلمہ جب جذباتی کرب میں مبتلا ہوتی ہے، اسے کربلا کی یاد آتی ہے۔ جب تہذیبی کرب میں مبتلا ہوتی ہے، اسے اُندلس کی یاد ستاتی ہے اور جب روحانی کرب میں مبتلا ہوتی ہے، اُسے مدینہ کی یاد رُلاتی ہے۔ نعت نگاری اسی کرب کے اظہار وابلاغ کا بہترین ذریعہ ہے۔ حضور اکرم ﷺ کا اسمِ گرامی اپنے اندر مدح و ثنا کے تمام آفاق اور موضوعات سمیٹے ہوئے ہے۔ ادبیات و شعریات میں ممدوحِ کائنات کی ذات سے لے کر صفات تک، افکار سے لے کر کردار تک، اقوال سے لے کر اعمال تک، شمائل سے لے کر فضائل تک، زندگی کا کوئی پہلو ایسا نہیں جو نعت نگاری کا موضوع نہ بنا ہو۔ آپ کے اخلاق، سیرت، معجزات، خطبات، عبادات، معالات، معمولات، عادات اور تعلیمات تک دامنِ نعت پھیلا ہوا ہے۔ نعت شاعری کی ایسی صنف ہے جس میں بہت کچھ کہنے کے باوجود انسان کچھ نہیں کہہ پاتا اور کچھ نہ کہہ کر بھی بہت کچھ کہہ جاتا ہے۔ جب تک لفظ احرام باندھ کر نہ نکلیں، خیال باوضو نہ ہو، ذہن نعت کا مضمون سوچ ہی نہیں سکتا۔ سانسوں میں عقیدت کے آبگینے پھوٹیں، دل کی ہر دھڑکن حرفِ سپاس بن جائے۔ لہو کی ایک ایک بوند وجد میں آ جائے۔ چشم تر گنبدِ خضرا کا طواف کر رہی ہو، حضور اکرم ﷺ کے نقشِ پا کے تصور سے حریمِ دل کی گلیاں آباد ہوں، پلکیں بھیگی ہوئی ہوں اور سوزِ دل، سوزِ رگِ جاں بن جائے تو نعت نوکِ قلم پر آتی ہے۔

نعت پاکستانی ادب کی ایک بڑی اہم اور مقبول صنفِ سخن کے طور پر ادبی اُفق پر نمودار ہوئی ہے۔ آج پاکستان میں نعت کا زم زم بہہ رہا ہے۔ اس کی مقبولیت کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ پاکستان قریۂ مصطفیٰ ﷺ ہے اور نعت قیامِ پاکستان کے بنیادی تصور سے مکمل طور پر ہم آہنگ ہے۔ بہت سے ذہنوں اور سوچوں سے رنگ دار خوش بو کشید کرتی ہے آج صنفِ نعت پاکستان کی سب سے ممتاز صنفِ سخن بن چکی ہے۔

گزشتہ ساٹھ سالوں میں نعت گوئی کا رجحان اتنا ترقی پذیر ہوا ہے کہ جو شاعر پہلے صرف غزل گو کی حیثیت سے پہچانے جاتے تھے وہ بھی نعت کہنا اپنے لیے باعثِ فخر سمجھنے لگے ہیں اور انھوں نے بڑی ایمان افروز اور کیف آگیں نعتیں کہی ہیں۔ جن کے ایک ایک شعر سے اُن کی حضور نبی اکرم ﷺ سے والہانہ عقیدت اور

محبت کا اظہار ہوتا ہے۔ ڈاکٹر ریاض مجید نے اپنی کتاب ''اردو نعت گوئی'' میں تحریر کیا ہے:

''اردو نعت کا عصرِ حاضر جسے قیامِ پاکستان سے شروع کیا جا رہا ہے۔ ایک اعتبار سے نعت کے عصرِ جدید ہی کی توسیع ہے۔ مولانا حالیؔ، علامہ اقبالؔ، ظفرؔ علی خان، حفیظؔ جالندھری، اور اقبال سہیلؔ نے اردو نعت کو فکری و فنی طور پر جن نئے امکانات سے روشناس کرایا اور اس میں واقعیت و حقیقت نگاری کی روایت اور قومی ملی مسائل و موضوعات کے جن عنصر کو فروغ دیا، عصرِ حاضر کے نعت گو شاعروں نے انھی روایات و عناصرِ نعت کی ترجمانی کی۔''

تقسیم برصغیر کی وجہ سے ہجرت کا المیہ اور خاک و خون کا سمندر عبور کر کے ارضِ پاکستان پر قدم رکھنا نعت لکھنے کا اہم محرک ثابت ہوا۔ ہجرت کے کرب نے بارگاہِ رسالت ﷺ میں اپنا عرضِ حال بیان کرنے پر شعرا کو مجبور کیا اور پھر ارضِ پاک میں نعت گوئی کے لیے فضا سازگار ہوتی چلی گئی۔ ۱۹۶۵ء اور ۱۹۷۱ء کی جنگوں کے بعد نعت گوئی کی طرف شعرا کی توجہ بہت زیادہ بڑھ گئی۔ بالخصوص ۱۹۷۷ء میں جنرل ضیاء الحق کے دورِ حکومت سے پاکستان میں نعت کے دورِ زرّیں کا آغاز ہوا جب حکومتی سطح پر صنفِ نعت کے فروغ کے لیے ٹھوس اقدامات اُٹھائے گئے۔ ذرائع ابلاغ نے نعت گوئی کی اشاعت کے ضمن میں بڑا نمایاں کردار ادا کیا ہے۔

قیامِ پاکستان کے وقت متعدد ایسے شاعر تھے جو نہ صرف یہ کہ نعت کا اعلیٰ ذوق رکھتے تھے بلکہ نعت کی حیثیت سے مصروف بھی ہو چکے تھے۔ ان میں ضیاء القادری، بہزاد لکھنوی، ماہر القادری، اختر الحامدی، سیماب اکبر آبادی، اکبر وارثی، احسان دانش، آباد پیلی بھیتی، برگ یوسفی، حامد حسن قادری، شاہ انصار الٰہ آبادی، سرور اکبر آبادی، ستار وارثی، شورش کاشمیری، صبا اکبر آبادی، محشر رسول نگری، وحیدہ نسیم، منور بدایونی، شمس مینائی، درد کاکوروی، محمد ذکی کیفی، راجا محمد عبداللہ نیاز، اثر صہبائی اور اسد ملتانی ایسے متعدد شاعر تھے جنھوں نے نعت کے فروغ و ارتقا میں مقدور بھر حصہ لیا۔ پاکستان میں نعت گوئی کا دورِ اوّلین انھی شعرا پر مشتمل ہے۔ دوسرا دور جو جنگ ستمبر ۱۹۶۵ء سے کچھ قبل عبدالعزیز خالد کے نعتیہ مجموعہ ''فارقلیط'' کی اشاعت سے شروع ہوا۔ یہ دور پہلے دور کی نسبت زیادہ وقیع اور شان دار ہے۔ اس دور میں عبدالعزیز خالد، حافظ مظہر الدین، حافظ لدھیانوی، حفیظ تائب، راسخ عرفانی، تابش دہلوی، محشر بدایونی، حنیف اسعدی، ہلال جعفری، عبدالکریم ثمر، عبداللہ ہلال، اعجاز رحمانی، رحمٰن کیانی، صبا متھراوی، راجا رشید محمود، منیر قصوری، عاصی کرنالی، مسرور کیفی، سیّد قمر ہاشمی اور متعدد دوسرے نعت گو شاعر نظر آتے ہیں، جنھوں نے اپنی شعری صلاحیتوں کو نعت گوئی کے لیے وقف کر دیا اور نعت کے موضوع و فن، ہیئت و اسلوب میں وسعت اور تنوع پیدا کیا۔ یہ پورا دور فنی تجربے اور ادبی رفعت کا دور ہے۔ اس دور میں ہمیں نعت گوئی کے نہایت اعلیٰ نمونے ملتے ہیں۔

درج ذیل سطور میں ہم مختصراً مگر جامعیت کے ساتھ قیامِ پاکستان سے اب تک لکھی جانے والی نعت کا فکری اور فنی تجزیہ پیش کریں گے۔

مولانا ضیاء القادری برصغیر پاک و ہند کے ان نعت گو شعرا میں سے ہیں، جن کی نعت گوئی قیامِ پاکستان سے قبل مقبولیت حاصل کر چکی تھی۔ مجموعہ ''تجلیاتِ نعت'' ان کے شغفِ نعت اور جذبۂ شیفتگی رسول ﷺ کا ترجمان ہے۔ نعت گوئی ان کا ذوق ہی نہیں پوری زندگی تھی۔ نعت میں ان کی دوسری کتاب ''نغمہ ہائے مبارک'' ہے۔ اس مجموعے میں مولانا نے اپنے اور دوسرے شعرا کے سلاموں کو جمع کیا ہے، جنھیں دربارِ رسالت مآب ﷺ میں پیش کیے جانے کی سعادت حاصل ہے۔ مولانا نے ایک منظوم سفر نامہ بھی لکھا ہے جس میں انھوں نے اپنے سفرِ حجاز کی کیفیات و مشاہدات قلم بند کیا ہے۔ نعت گوئی کے علاوہ مولانا کی ایک خدمت (نعت کے ذیل میں) بہت اہم ہے اور وہ یہ ہے کہ انھوں نے اپنے حلقۂ اثر میں نعت گوئی کو مقبولِ عام بنایا اور باقاعدہ ایک اسلوبِ نعت کی ترویج کی۔

شمس مینائی ان شعرا میں سے ہیں جنھوں نے عمر کا بڑا حصہ قیامِ پاکستان سے پہلے متحدہ ہندوستان کی علمی و ادبی فضاؤں میں گزارا اور قیامِ پاکستان کے بعد بدلے ہوئے ماحول و معاشرت میں انھیں بہ مشکل ایک دہائی نصیب ہوئی۔ قیامِ پاکستان کے فوراً بعد جن شعرا کے ہاں نعتیہ عناصر نظر آتے ہیں، شمس مینائی کا نام ان میں قابلِ ذکر ہے۔ ان کا نعتیہ کلام اخبارات و رسائل میں چھپتا رہا۔ سادگیِ بیان اور مانوسِ الفاظ و تراکیب کا استعمال ان کے رنگِ نعت کی خوبی ہے۔ ان کی نعتوں میں سرزمینِ مدینہ کے لیے عقیدت و محبت کا رنگ نمایاں ہے۔

درد کاکوروی کا نعتیہ کلام ان کے مجموعوں ''جامِ کوثر'' اور ''درد کا درماں'' میں شامل ہے۔ وہ کاکورہ کی جس روایتِ شعری سے تعلق رکھتے ہیں، اس میں رعایتِ لفظی کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ ان کے اندازِ نعت پر قدیم رنگِ سخن کے گہرے اثرات ہیں۔ انھوں نے مراعاۃ النظیر اور دوسری صنعتوں کو نعتیہ مضامین کے اظہار میں شائستگی سے برتا ہے۔ ان کی نعتوں میں زبان و بیان کی سادگی نے اکثر اشعار کو سہلِ ممتنع بنا دیا ہے۔ مندرجہ ذیل نعتیہ شعر دیکھیے۔ مختصر سی بحر، آسان قوافی اور سہل لب و لہجے میں کس طرح اپنے جذبات و کیفیات کا اظہار کیا ہے:

مدینہ مدینہ مدینہ مدینہ دکھا دے دکھا دے دکھا دے خدایا
نبی کی قسم دردِ فرقت سے اب تو شفا دے شفا دے شفا دے خدایا

اُن کی نعتوں میں حبِ رسول ﷺ اور اسلام کا درد نمایاں ہے۔ انھوں نے نعت میں کچھ رُباعیاں بھی لکھی ہیں جو اُن کی شاعرانہ صلاحیتوں اور مہارتِ فن کا ثبوت ہے۔

محمد ذکی کیفی پاکستان کے مشہور عالمِ دین مولانا محمد شفیع دہلوی مرحوم کے صاحب زادے تھے۔اُن کا مجموعۂ کلام ''کیفیات'' میں ''ذوق وشوق'' کے ذیلی عنوان کے تحت ان کی نعتیں درج ہیں۔ احسان دانش اور ماہرالقادری ایسے نعت گو شاعروں نے کیفی کی پختہ کلامی اور سادگیِ بیان کی تعریف کی ہے۔ انھوں نے نعت گوئی کے علاوہ نعتیہ نشستوں کے انعقاد سے بھی نعت کے فروغ میں حصہ لیا۔ ان کی نعتوں میں علمی اندازِ بیان ہے۔ بنی نوع انسان کے لیے آں حضرت ﷺ کے فیوض و برکات کے تذکار، آپ کے اوصاف کا بیان، حرمِ مبارک کی زیارت کا اشتیاق ان کی نعتیہ شاعری کے نمایاں موضوعات ہیں، ان کا شعر دیکھیے:

اُن کی اک نظر سے قبل، اُن کی اک نظر کے بعد
ہر طرف اندھیرا تھا، ہر طرف اُجالا ہے

کس سادگی اور حسن سے آں حضرت ﷺ سے قبل اور بعد کی تہذیبی و تمدنی اور اخلاقی و روحانی صورتِ حال کے فرق کو واضح کیا ہے۔

راجا محمد عبداللہ نیاز، مولانا ظفر علی خان، سالک و غلام بھیک نیرنگ کے ہم عصر تھے۔ انّ کی نعت گوئی میں قومی و اخلاقی رنگ غالب ہے۔ ''یہ ہیں کارنامے رسولِ خدا کے'' راجا نیاز کی نعتیہ منظومات کا مجموعہ ہے۔ ان میں آں حضرت ﷺ کی سیرت مبارکہ کے ساتھ مشاہیرِ اسلام کے قومی، دینی، اخلاقی اور تاریخی واقعات اور کارناموں کا تذکرہ ملتا ہے۔ انھوں نے نظم وغزل دونوں میں نعت کی روایت کو آگے بڑھایا۔

اثر صہبائی کے مجموعہ ''بحضور سرورِ کائنات ﷺ'' کو قیامِ پاکستان کے بعد کی دہائی میں شائع ہونے والے چند نعتیہ مجموعوں میں سے ایک ہونے کی سعادت حاصل ہے۔ نعت رسولِ اکرم ﷺ کی طرف ان کا رجوع غزل گوئی میں پختگی اور مہارت کے بعد ہوا۔ ان کی نعتوں میں اسی سبب غزل کی لفظی و معنوی خوبیاں نظر آتی ہیں۔ ان کی نعتوں میں مشکل پسندی اور مشاقانہ پیرایۂ بیان کے نمونے ملتے ہیں۔ خصوصاً ان کی وہ نعتیں جو غیر معروف ہیں۔ ان کی وہ نعتیں جو انھوں نے خواب میں زیارتِ رسول ﷺ (۱۹۵۸/۶ء بمقام مری) کے بعد لکھیں، شیفتگی و سرشاری سے لبریز ہیں۔

اسد ملتانی کی نعتیہ منظومات اُن کے مجموعۂ کلام ''تحفۂ حرم'' میں ملتی ہیں۔ ''تحفۂ حرم'' اسد ملتانی کے سفرِ حج بیت اللہ اور زیارتِ روضۂ رسول ﷺ کے تاثرات پر مشتمل ہے۔ ان کی نعت گوئی کا مرکزی موضوع عشقِ رسول ﷺ کے حوالے سے مقاصدِ اسلام کی ترویج ہے۔ بقولِ اسد:

نبی کا عشق خدا کی اطاعتِ کامل
یہ دین کی اصل ہے باقی تمام افسانے

''راہِ مدینہ''، ''گنبدِ خضرا''، ''مدینہ کی گلیاں'' اور ''حضورِ نبی میں''، ''سلام'' اور ''الوداع'' اسد ملتانی کی موثر نعتیہ منظومات ہیں۔ ''دربارِ نبی'' اسد کی معروف اور نمائندہ نعت ہے۔ اس میں ملتِ اسلام کی بہبودی اور عشقِ رسولِ اکرم ﷺ جیسے بلند مقاصد حاصل کرنے کے لیے قوم و ملت کے ہر مکتبۂ فکر کو سرگرم کار و ایثار کیش ہونے کی دردمندانہ تلقین کی گئی ہے۔ ان کی خواہش کے مطابق اگر ملتِ اسلام کا ہر فرد اپنی اپنی صلاحیت کے مطابق اپنی اپنی خدمات پیش کردے تو آج دنیائے اسلام میں نظامِ مصطفیٰ کا علم لہرا سکتا ہے اور یوں ملتِ اسلامیہ اپنی کھوئی ہوئی عظمت دوبارہ حاصل کرسکتی ہے۔

بہزاد لکھنوی کے نعتیہ کلام میں غزل کی لکھنوی روایت ایک سلیقے سے منقلب ہوئی۔ ان کے والہانہ پن اور جذبۂ شیفتگیٔ رسول ﷺ نے اس تغزل میں کیف و دل آویزی پیدا کی۔ دیارِ رسول ﷺ بہزاد کی نعت کا مرکزی نقطہ ہے۔ انھوں نے مدینہ، سفرِ مدینہ، روضۂ رسول ﷺ اور مدینے کی مناسبات کے بارے میں جو شاعری کی ہے، وہ اُن کی نعتیہ شاعری کی معراج ہے۔ زیارت کے اشتیاق اور حضور ﷺ کی محبت کے اظہار میں ہر جگہ ایک بے اختیاری پائی جاتی ہے۔ انھوں نے غزل کی آرائش و تکلف اور صنعت گری کے انداز کی بجائے سادگی بیان کو رواج دیا۔ یہی امر ان کی نعتیہ غزلوں میں وجد آور کیفیت کا سبب ہے کوئے مدینہ، خاکِ حجاز، گنبدِ خضرا، روضۂ رسول ﷺ اور اس کے متعلقات کا ذکر کرتے ہوئے یہ کیفیت شدت اختیار کرلیتی ہے۔ چند شعر دیکھیے:

دل کی حالت کیا کہوں، یادِ مدینہ دل میں ہے
مَیں یہاں پر ہوں مگر یہ دل اسی محفل میں ہے
یاد آتی ہے اپنی مجبوری اس ارضِ مقدس سے دُوری
دل خون کے آنسو روتا ہے جب کوئی مدینے جاتا ہے

''کرم بالائے کرم'' میں بہزاد کا رنگِ نعت موثر اور نمایاں ہے۔ یہ مجموعۂ نعت ان کے سفرِ حج و زیارت کے بعد کا ہے۔ اس میں اخلاص، سوز و کیف کے عناصر سے پتا چلتا ہے کہ ان کی زندگی کی طرح ان کی نعت بھی عشقِ رسول ﷺ اور یادِ مدینہ میں ڈوب چکی ہے۔

چلو آئیں چلیں یثرب نگری
یہاں ہند میں ہے بڑی درد سری

بہزاد نے ایسے نعتیہ گیت بھی لکھے ہیں جو ان کی وارداتِ قلبی اور عشقِ نبی کے شدید جذبات کے مظہر ہیں۔ انھوں نے نعت میں گائیکی کے تقاضوں کو بھی ملحوظِ خاطر رکھا۔ بہزاد ان شاعروں میں سے ہیں جنھوں نے اپنی آواز کے اتصال اور لَے کاری سے نعت گوئی کو فروغ دیا۔ ترنم اور چھوٹی بحروں میں ان کا

کلام بہت مقبول ہوا۔

روح کہتی ہے کہ بہزاد مدینے چلو
قلب مضطر کو کرو شاد مدینے چلو

ماہرالقادری کی نعت گوئی میں ان کی شخصیت اور فکر وفن کا تحریکی عنصر نمایاں ہے۔ ماہر نے نعت گوئی کا آغاز کیا تو اس وقت ترقی پسند تحریک کا آغاز ہو چکا تھا۔ ماہر نے نعت کو اصلاح وتبلیغ کا ذریعہ بنایا اور اس کے ذریعے ایک طرف تو لادینیت اور ملحدانہ افکار ونظریات کی نفی کی اور دوسری طرف اسلامی عقائد میں ہندی اثرات کے سبب جو غلط عناصر پیدا ہو چکے تھے۔ ان کی بیخ کنی کی اور ان مقاصد کے حصول کے لیے نعت کو ایک تحریک کے طور پر استعمال کیا۔ ماہر کی نعت گوئی کا مقصد آں حضرت ﷺ کی بعثت کے مقاصد اور پیغام کو عام کرنا ہے۔ ان کی نعت گوئی کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ انھوں نے اکثر نعت گو شعرا کے برعکس غلوے عقیدت سے گریز کیا ہے اور توحید ورسالت کی حدِ فاصل کو قائم رکھا ہے اور مشرکانہ بدعات سے گریز کیا۔ اُن کا نعتیہ شعری مجموعہ ''ذکرِ جمیل'' نعتیہ ادب کا بے مثال اثاثہ ہے۔ ذکرِ جمیل کے دیباچہ میں ماہر کہتے ہیں کہ:

> ''یہ دیکھتے ہوئے دُکھ ہوتا ہے کہ شاعری کا تاریک پہلو نعت ومنقبت میں بھی نمایاں ہو کر رہا۔ یہاں بہت سے غلط موضوعات اور بے سروپا باتیں شاعری کی بدولت مسلمانوں میں پھیل گئیں۔ عقیدت اور محبت کے غیر محتاط جوش میں اس قسم کے چٹخاروں کو لوگ گوارا کرتے ہیں یہاں تک کہ ان چٹخاروں نے مستقل موضوعات کی حیثیت اختیار کر لی ہے۔ اس حقیقت کو نظر انداز کر دیا گیا کہ محبت وعقیدت اور پرستش میں بہت ہی نازک فرق ہے۔ غیر محتاط عقلیت، پرستش بن جاتی ہے۔''

ماہرالقادری نے نعت کے علاوہ اپنے مختلف مضامین، تبصروں اور تحریروں میں بھی نعت کے ذیل میں رواج پا چکنے والے غیر محتاط رویوں اور مشرکانہ عقائد وخیالات کے خلاف جہاد کیا اور عملی طور پر بھی نعت گوئی کا ایک صحیح اور حقیقت پسندانہ معیار قائم کیا، جو قرآنی تعلیمات کے عین مطابق ہے اور جس میں توحید کا تصور مجروح نہیں ہوتا۔ انھوں نے اپنی نعت گوئی کو شاعرانہ رنگ آمیزیوں سے دُور رکھا اور اسے اسلامی خطوط پر مرتب کیا۔ ماہر نے اپنی نعتوں میں اسوۂ حسنہ کے منور گوشے پیش کیے۔ صفاتِ نبوی کے ساتھ ساتھ تعلیماتِ نبوی پر زور دیا۔ حضور اکرم ﷺ کے ساتھ انتہائی محبت کا مظاہرہ کیا مگر محتاط طریقے سے اور اپنے جذباتِ عشق ومحبت کو شریعت کے دائرے سے باہر نہ جانے دیا۔ ''صلی اللہ علیہ وسلم''، ''اسیرانِ بدر''، ''ذکرِ جمیل''، ''حریت کا مبلغِ اعظم''، ''نذرِ عقیدت''، ''پیغمبرِ انسانیت''، ''دربارِ اقدس میں'' اور ''ظہورِ قدسی'' ان کی معروف نعتیہ نظمیں ہیں۔ ان میں ظہورِ قدسی کو بہت شہرت نصیب ہوئی۔ اپنی سادگی اور تاثیر کے سبب یہ

نظم ماہر کے نعتیہ کلام میں ایک خاص حیثیت رکھتی ہے۔ اس میں بنی نوع انسان پر آں حضرت ﷺ کے فیوض و برکات کا بیان ہے۔ یہ حفیظ جالندھری کے ''شاہ نامہ'' کی بحر اور ان کے مشہور سلام کی طرز پر ہے۔ اسی سبب بعض لوگ اسے حفیظ جالندھری سے موسوم کر دیتے ہیں۔ یہ شعر دیکھیے جو سلام کے حصے ہیں (یہ ہدیۂ سلام قریباً پچاس شعروں پر محیط ہے)

سلام اُس پر کہ جس نے بے کسوں کی دستگیری کی
سلام اُس پر کہ جس نے بادشاہی میں فقیری کی
سلام اُس پر کہ اسرارِ محبت جس نے سمجھائے
سلام اُس پر کہ جس نے زخم کھا کر پھول برسائے
سلام اُس پر کہ جس نے خون کے پیاسوں کو قبائیں دیں
سلام اُس پر کہ جس نے گالیاں سُن کر دعائیں دیں

''ظہورِ قدسی'' کے مضامین کو مختلف عنوانات کے تحت رکھا گیا ہے۔ ماہر نے عنوانات رکھتے ہوئے قرآن کریم کی آیات سے رجوع کیا ہے، مثلاً وما ارسلنک الا رحمة للعالمین اور یاایھا الذین امنوا صلوا علیه وسلمو تسلیما کے عنوانات کے تحت آں حضرت ﷺ کی ولادت و تشریف آوری اور سلام و صلوٰۃ کے مضامین بیان کیے ہیں۔ ''حریتِ کاملہ کا مبلغِ اعظم'' میں حضور اکرم ﷺ کی بعثت سے قبل کی معاشرتی و تمدنی اور سیاسی صورتِ حال کا نقشہ کھینچا ہے اور اس کے بعد اس معاشرتی عدل و مساوات و حریت فکر و اظہار اور آزادی جمہور کا تذکرہ کیا ہے جو آں حضرت ﷺ کی تشریف آوری سے بنی نوع انسان کو نصیب ہوئی۔

ماہر نے نعت حالی اور ظفر علی خان کو روایت کو فروغ دیا۔ اخلاقی مضامین پیش کرتے ہوئے آں حضرت ﷺ کے اسوۂ حسنہ کو رہنما بنایا اور نعت کے وسیلے سے معاشرتی و سیاسی سطح پر اصلاحِ احوال کی کوشش کی۔ آں حضور ﷺ کی زندگی کے شب و روز سے ان واقعات کو نظم کرنا جو دعوتِ حق کے مظہر ہوں ان کی نعتیہ شاعری کا مرکزی نقطہ ہے۔

نعیم صدیقی اور آسی ضیائی بھی اس تحریک اسلامی سے وابستہ ہیں جس سے ماہر القادری عمر بھر وابستہ رہے۔ ان کے ہاں بھی سیرتِ رسولِ اکرم ﷺ کے مختلف پہلوؤں کا بیان اور اس کی روشنی میں اپنی زندگیوں کو بدلنے کا اصلاحی جذبہ موجود ہے۔ اُن کے نزدیک نعتِ رسولِ اکرم ﷺ شاعرانہ زورِ بیان کے نمونے کی بجائے حیات افروز اسلامی مقاصد کے حصول کا ذریعہ ہے۔ مولانا نعیم صدیقی کی مشہور نعت ''میں ایک نعت کہوں سوچتا ہوں کیسے کہوں؟''

ایسے ہی جذبات و احساسات کی ترجمان ہے۔ اس میں ''نعت برائے نعت'' کی بجائے ''نعت

برائے اصلاح'' کا درس ہے اور نعت گوئی کے اس رویے پر تأسف و افسوس کا اظہار کیا گیا جو نعت گو کے داخل اور کردار میں تبدیلی پیدا کرنے کی بجائے محض قافیہ پیمائی تک محدود ہے۔

نعیم صدیقی کہتے ہیں:

یہ تیرے عشق کے دعوے یہ جذبہ بیمار
یہ اپنی گرمیٔ گفتار، پستیٔ کردار
رواں زبانوں پہ اشعار، کھوگئی تلوار
حسین لفظوں کے انبار، اُڑ گیا مضموں!
مَیں ایک نعت کہوں...الخ

اسی مضمون کو آسی ضیائی نے اپنی ایک نعت میں وضاحت سے باندھا ہے۔ ان کے نزدیک عشقِ رسول ﷺ کا دعویٰ تبھی سچا اور معتبر ہے اگر وہ نعت گو کو اسوۂ حسنہ پر عمل پیرا ہونے کی طرف راغب کرے اور لفظوں کی بجائے عمل و کردار سے نعت لکھے۔ وہ کہتے ہیں ؂

اُن کی محبت میں مجھے گالی ملے تب نعت ہو
فاقوں کے مارے پیٹ پر پتھر بندھے تب نعت ہو

نعیم اور آسی کے طرزِ اظہار اور اسلوب کے فرق کے باوجود مضامین و موضوعاتِ نعت اور مقاصدِ فنِ نعت ایک سے ہیں۔ ان کی نعتیں ان کے نظریاتِ حیات کی ترجمان ہیں۔ انھوں نے اپنی نعت گوئی میں اتباعِ رسول ﷺ کے جذبہ کو اُبھارا ہے اور آں حضرت ﷺ کی سیرت و کردار کے ان پہلوؤں پر زور دیا ہے جو ان کے نزدیک عصرِ حاضر میں اُمتِ مسلمہ کی اصلاحِ احوال کا باعث بن سکتے ہیں۔

عصرِ حاضر کے سب سے منفرد نعت گو عبدالعزیز خالد ہیں۔ انھوں نے نعت نگاری کا ایک خاص انداز ایجاد کیا ہے جو انھیں نہ صرف زیرِ جائزہ دور کے نعت گو شاعروں سے ممیّز کرتا ہے بلکہ ادوارِ ماقبل کے اردو نعت گو شاعروں سے بھی منفرد و ممتاز ٹھہراتا ہے۔ جس طرح اردو شاعری میں وہ ایک خاص الخاص اسلوب کے موجود ہیں۔ اسی طرح وہ نعت نگاری میں بھی ایک اجتہادی شان رکھتے ہیں۔ اسی سبب ڈاکٹر سیّد عبداللہ انھیں مخترع نعت نگار کہتے ہیں۔

ان کی نعت گوئی کا رنگ انفرادیت ان کے نعتیہ مجموعوں کے نام ہی سے جھلکتا ہے، مثلاً ''فارقلیط''، ''منحمنا''، ''حمطایا''، ''ماذ ماذ''، ''عبدہ'' وغیرہ۔ خالد کے نعتیہ مجموعوں کے نام حضورِ اکرم ﷺ کے ان اسمائے مبارکہ سے ماخوذ ہیں جن کا ذکر کتبِ سابقہ اور صحائفِ آسمانی میں آیا ہے۔ خالد نے ان اسمائے صفات کی معنوی وسعت و رفعت اور بلاغت کے سبب انھیں از سرِ نو متعارف و روشناس کرایا اور اردو نعت میں ان کی

ترویج کی۔ عصرِ حاضر کے نعت گو شاعروں میں حضور ﷺ کے اسماے صفات کا ذکر اور تلاش خالد کے اسی ذوقِ اختراع و اجتہاد کا مرہونِ منّت ہے۔

خالد اپنی انفرادیت کے باعث اردو نعت کی تاریخ وارتقا میں ایک اہم اور ممتاز مقام کے حامل نظر آتے ہیں۔ ان کی نعت دوسرے تمام نعت گو شعرا کے کلام سے مختلف اور جدا ہے۔ ان کے نعتیہ مضامین محبتِ رسول ﷺ کے جذبات سے لے کر تاریخ اسلام کے مختلف واقعات تک پھیلے ہوئے ہیں۔ علوم وفنون، اساطیر وتلمیحات، تمدن وتاریخ، تہذیب وثقافت، معاشرت وعمرانیات وغیرہ کے متعدد حوالوں نے ان کی نعت کے دائرے کو بہت وسعت دی ہے۔ خلافتِ راشدہ کے بعد کی خلافت اور ملوکیت نیز ملتِ اسلامیہ کے عروج وزوال اور تاریخ وواقعات کے ذکر کے باعث خالد کی نعت پھیل کر تاریخِ اسلام اور تذکرۂ مد و جذر قومی بن گئی ہے۔

خالد کی انفرادیت اُن کے موضوعات ومضامین کی بجائے زیادہ تر ان کے لب ولہجہ اور زبان وبیان کے سبب ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ انھوں نے نعت کو وصفِ رسول ﷺ کے ساتھ ساتھ تاریخ و عمرانیات سے ہم آہنگ کردیا ہے۔ خالد کی انفرادیتِ فن صحیح معنوں میں ان کے اسلوب کا سبب ہے جس پر علمیت کی گہری چھاپ ہے۔ اُن کی نعتوں میں عربی، فارسی اور ہندی کے علاوہ بہت سی زبانوں کے الفاظ نہ صرف بہ کثرت بلکہ تواتر سے استعمال ہوئے ہیں۔ ان زبانوں میں عربی کے الفاظ نمایاں ہیں بعض جگہ پر مصرعے کے مصرعے عربی میں چلے آتے ہیں۔ ''فارقلیط'' کے یہ شعر دیکھیے:

کثیر المکام کریم السماعی
نمائندہ حضرت کبریا ہے
ضلیع الضم اشکل العین ابیض
نہ تاب نظارہ نہ تاب ثنا ہے
نہ ضرب المثل خانض الطرف اکحل
یہ اثمد کا سرمہ بھی کحل وجے ہے
کریم العصارہ شریف الارومہ
تو فخر انام وحبیب خدا ہے

خالد کے اسلوبِ نعت میں ایک اہم عنصر ان کی نوتراشیدہ اور وضع کردہ ترکیبیں ہیں جنھوں نے ان کی نعت کو وقیع اور مزین کیا ہے۔ ان کی نعت گوئی میں الفاظ کی غرابت، تراکیب کی ثقالت اور قرآن و حدیث کے حوالوں کی کثرت کے باوجود ایک کشش ہے۔ اس کی ایک بڑا وجہ یہ ہے کہ خالد نے اسلوب کی

اس روایت کو زندہ کیا ہے جو عربی شاعری اور مربی اسالیب سے ہمارے ذہنی و جذباتی اور ذوقی و روحانی رشتوں کو استوار کرتی ہے۔ خالد کے مندرجہ بالا اشعار اس کی عمدہ مثال ہیں۔ ''فارقلیط'' اور ''منمنا'' دونوں میں وہی کیفیت موجود ہے۔ خالد کے فنِ نعت گوئی کا ایک اہم عنصر وہ الفاظ ومناسبات ہیں جن کا تعلق ہندی زبان و مذہب سے ہے، جنھیں انھوں نے نمایاں طور پر اپنی نعتوں میں برتا ہے۔ ان ہندی الفاظ کو ناقدین نے تنقید کا نشانہ بنایا۔ بلاشبہ خالد نے ہندی الفاظ کو اپنے فن میں نہایت سلیقے سے برتا اور اس سے اُن کے فن میں کیف اور نرمی کے عناصر بھی پیدا ہوئے مگر اُن سے خالد کی نعت کا تقدس بھی مجروح ہوا۔ ان ناقدین نے نعتِ رسولِ اکرم ﷺ میں ہندی الفاظ خصوصاً وہ نام جو ہندی گیتوں اور بھجنوں میں کرشن مہاراج سے خاص ہیں کونعت کی متانت وتقدس اور احترام کے منافی قرار دیا ہے۔ بقولِ جون ایلیا:

''اگر خالد صاحب خالص ہندی یا ہندی آمیز لہجے ہی کے شاعر ہوتے تب بھی اس موقع پر اُن کو یہ لہجہ ملتوی کر دینا چاہیے تھا کہ یہ لہجہ رسول ہاشمی ﷺ کے مزاج سے قیامت تک ہم آہنگ نہیں ہوسکتا اور اس سے قاری کے ذہن کو شدید جھٹکا لگتا ہے۔''

مولانا ماہر القادری، نعیم صدیقی اور دوسرے کئی نعت گو شعرا نے بھی نعت کے ذیل میں اسی اسلوب و انداز اور ہندی زبان اساطیر، مذہب اور دیومالا کے ان الفاظ کو احترامِ نعت رسالتِ مآب ﷺ کے منافی اور نامناسب قرار دیا ہے۔

خالد کے کلام میں اساطیری عناصر میں ہندو دیومالا کے ساتھ یونانی دیومالا کی تلمیحات بھی نظر آتی ہے۔

وہ میرا مہاراج پر بھو گسائیں
سلونا ہے، سجدار ہے، سانولہ ہے
تو ساجن سوامی میں باندی بیاکل
میں مورکھ نمانی تو گن ہے کلا ہے
بچھاؤں تری سیج چن چن کے کلیاں
تو صاحب ہے میرا تو میرا ملا ہے
کیا تو نے قبضے میں تریا کا جوبن
منوہر ہے، اچپل ہے تو چالیا ہے
مستاتی ہے مدماتی بیرن جوانی
کوئی کام دیو اس کو برما گیا ہے

اسی لسان ولہجہ کا عکس ''منمنا'' میں بھی ملتا ہے

براجمان ہوئے آکاش پر مکٹ دھاری
سلج، سباس سے چھلکائے پریم رس پریشم
یہ سرب بھومی کا راجا مہابلی سمراٹ
اپار، اتھاہ، اننت، ایک، انیک وشواتم
یہی ملن یہی یوگیشور یہی کاہن
سدا آتما، اپراجت، انوپم اور دردم
مہاپرش جسے آکار الکھ پرش کا کہیں
پسینہ ہے جس کا ہے سونا، سوگندھ وہ ستم

خالد کے اردو لہجے کے چند شعر دیکھیں۔

شہنشاہ لولاک و مولائے سدرہ — تو میرے تخیل سے بھی ماورا ہے
تری ذات فخر بنی نوع انساں — تو صلِ علیٰ خیرِ خلقِ خدا ہے
کریم السجیہ جمیل الطویہ — تو خیر البریہ شہہ انبیا ہے

خالد نے کلام میں ہندی دیومالا وغیرہ کا استعمال تاثر کو گہرا کرنے کے لیے یا رنگ کو زیادہ شوخ کرنے کے لیے کیا ہے تاکہ نعت میں اسراریت Mystry عظمت اور تخیلی رومانیت، ہیبت و جدت اور جلال و جمال سب کے لیے ذائقے جمع ہو جائیں۔ مختصر یہ کہ خالد کے اسلوبِ نعت میں علمی حوالے، اساطیری عناصر، مشکل پسندی و سنگ لاخ آفرینی اور فارسی و عربی تراکیب و الفاظ کی کثرت ایک اجتہاد کا درجہ رکھتی ہے۔ خالد کی خاراشگافی نے اسلوبِ نعت میں صوت کاری اور تاثر کو ملحوظ رکھا ہے اور اس کا لسانی اجتہاد و رویہ انھی خصوصیات کو اجاگر کرنے کے لیے ہے وہ معقولات کی بجائے محسوسات کی زبان سے گفتگو کرتا ہے۔ خالد ان معنوں میں حس کا شاعر ہے۔ مشکل الفاظ کا شاعر جو سہل انگاری سے اُکتا گیا ہے۔ محاورۂ عام سے اُس کا جی بھر گیا ہے وہ نادر محاورہ اختیار کر کے ندرت اور جدت کا نیا راستہ کھولتا ہے۔

اسلوب کے علاوہ خالد کے موضوعاتِ نعت میں بھی ایجاد و اختراع کی مثالیں ملتی ہیں۔ خالد کی نعت حضور ﷺ کی عظمت، ختمِ نبوت، رحمت للعالمینی، اتباعِ رسول ﷺ اور اسماے رسول ﷺ کتبِ سابقہ کی مبشرات، آپ کی سیرت وسوانح کے واقعات، خصائل وشمائل اور اوصاف حمیدہ اور آں حضرت ﷺ کی سیرت و کردار سے لے کر حمدِ باری تعالیٰ اور منقبتِ صحابہ کے موضوعات کو محیط ہے۔ اس میں جابجا قومی وملی اشارے اور تاریخی و عمرانی مضامین بھی نظر آتے ہیں۔ ان کی کتابوں میں موجود قرآنی، تاریخی، صنمیاتی، عربی، معاشرتی اور تمدنی معلومات کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ خالد کی نعت شاعری کے علاوہ قاموس العلم بن گئی ہے۔

خالد کے متفرق نعتیہ کلام میں ان کا وہ استغاثہ بہت مشہور ہے جو انھوں نے ''سقوطِ ڈھاکہ'' کے موقع پر لکھا اس میں قوم و ملک کو درپیش ابتلا و مصائب کا حال بڑی دردمندی سے بیان ہوا ہے۔ سادہ بیانی کے باعث یہ نظم خالد کی دوسری نعتوں سے مؤثر ہے۔

یا رحمت للعالمین! یا رحمت للعالمیں
اک ملتِ واحد ہی کا فر قہر مانی طاقتیں
تیرے سوا حالِ دلِ آفت زدہ کس سے کہیں؟
آہوں سے دم گھٹتا ہے سینے میں، خدایا کیا کریں
ڈر ہے مبادا ضبط گریہ سے کلیجے پھٹ پڑیں
مرنے کی کیا صورت نکالیں کس طرح زندہ رہیں
اے رحمت للعالمین....

بحیثیتِ مجموعی خالد نے اپنے عالمانہ اندازِ نگارش، خاص الخاص اسلوب اور تنوع موضوعات سے اردو نعت کو وسعت اور عظمت دی ہے۔ کلام پاک کی آیات اور احادیث کو جس کثرت سے اور جس انداز سے انھوں نے نعت میں سمویا وہ ان سے پہلے اور موجود شعرا کے ہاں نایاب ہے۔ قوتِ بیان، قادر الکلامی کے علاوہ دیگر فنی محاسن کے سبب ان کی نعت ایک وقیع اور منفرد مقام کی حامل ہے اور صحیح معنوں میں انفرادیت کا لفظ انھی کی نعت کے لیے زیادہ موزوں اور مناسب ہے۔ بقولِ حفیظ تائب:

وہ ہے نوا گر فطرت کی منفرد آواز
وہ ہے شہنشہ عالم کا شاعر اعظم

حافظ مظہر الدین کا نعتیہ کلام عصرِ حاضر کی نعت میں جس انداز و روایت کا نمائندہ ہے۔ اس کا تعلق حضورِ اکرم ﷺ سے وابستگی و شیفتگی سے ہے۔ نعت گوئی حافظ کے فن کا کوئی مختلف زاویہ نہیں بلکہ اُن کا فن ہی نعت گوئی ہے۔ انھوں نے دوسری اصنافِ سخن سے کنارہ کشی کر کے اپنی تمام تر فکری و فنی صلاحیتیں تخلیقِ نعت کے لیے وقف کر دیں۔ نعت گوئی اُن کے قلم کی عبادت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اُن کی نعت کو وسعت اور عظمت دی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی نعت گوئی میں عبادت کی سی یک سوئی اور انہماک پایا جاتا ہے۔ اُن کے نعتیہ کلام میں حبِ رسول ﷺ کا استغراق نمایاں وصف کی حیثیت رکھتا ہے۔ ان کے نعتیہ مجموعوں میں ایک عاشقِ رسول ﷺ کے جذبات و کیفیات اور قلبی واردات و مشاہدات کی متنوع جھلکیاں ملتی ہیں۔ انھوں نے آں حضرت ﷺ سے اپنی عقیدت کو اشعار میں سمونے کی جو کامیاب و مشکور سعی کی ہے وہ بہت کم نعت گو شعرا کا مقدر بنی ہے، بقول اُن کے:

یوں تو ہیں نعت کے اسلوب ہزاروں لیکن
طرح نو میری ہے ہر رنگ دگر میرا ہے

ان کا رنگِ نعت والہانہ ہے اور یہ خصوصیت دوسری خصوصیات سے افضل ہے۔ والہانہ پن کے بعد ان کے نعتیہ کلام کی دوسری نمایاں خوبی ان کی مضمون آفرینی ہے۔ انھوں نے نعت میں کئی خوب صورت مضمون پیدا کیے ہیں۔ جو ان کی جدت طرازی اور نکتہ آفرینی کے مظہر ہیں، مثلاً یہ شعر دیکھیے۔

جو حسن میرے پیشِ نظر ہے اگر اسے
جلوے بھی دیکھ لیں تو طوافِ نظر کریں
اللہ کو مرغوب ہیں کیا تیری ادائیں
"قل" کہہ کے سُنی بات بھی اپنی تیرے لب سے
مرے لیے ہے جہنم خلد داور محشر
جو آج ہونا ہے وہ اُن کے روبرو ہوجائے

مظہر کی زبان شیریں وشگفتہ ہے۔ کیفیات حبِ رسول ﷺ کے بیان میں مایوسی کی بجائے سرمستی و نشاط کا پہلو غالب ہے۔ ان کے ہاں سادگی، بے ساختگی کے رنگ نمایاں ہیں مگر کہیں کہیں علمی انداز بھی ملتا ہے۔ انتخاب واستعمال الفاظ میں وہ صنفِ نعت کی فنی نزاکتوں کا پورا پورا لحاظ رکھتے ہیں۔ حبِ رسول ﷺ اور مدحِ جمال کے ساتھ اُن کی نعتوں میں حضورِ اکرم ﷺ کے پیغام وارشادات بھی ملتے ہیں۔ نیز پاکستان واسلام کو درپیش مسائل کا اظہار بھی ملتا ہے۔ اُن کی نعتیہ نظموں میں دیارِ حرم، ذکرِ میلاد، ربیع الاوّل، مطلع انوار، برہانِ عظیم، جامِ طہور، شبِ معراج، نغمہ نور، شبِ اسریٰ کے علاوہ عقیدۂ نوریہ اور تضمین بر نعت قدسی اسی کے رنگ خاص کی عکاس وترجمان ہیں۔ انھوں نے اردو نعت کو تاثیر وکیف کے متعدد گراں قدر نمونے دیے ہیں۔

حافظ لدھیانوی ان نعت گو شعرا میں منفرد حیثیت رکھتے ہیں، جنھوں نے کامیاب اور پختہ غزل گوئی کے بعد نعتِ رسولِ اکرم ﷺ کی طرف رجوع کیا۔ ان کی نعت حسنِ تغزل اور کیفِ نعت کا دل پذیر امتزاج ہے۔ ان کے پہلے نعتیہ مجموعے "ثنائے خواجہ" میں حسنِ تغزل کی خوبی نمایاں ہے جب کہ دوسرے مجموعہ نعت "نشیدِ حضوری" میں کیفِ نعت کا عنصر غالب ہے۔

دراصل یہ دونوں مجموعے ان کے سفرِ نعت کے تدریجی ارتقا کے دو اہم سنگِ میل ہیں۔ وہ "قال" سے "حال" کی طرف جس تدریج کے ساتھ بڑھے ہیں۔ اس کی مثالیں ان دونوں مجموعوں میں دیکھی جاسکتی ہیں۔ ان دونوں کتابوں کو حافظ لدھیانوی کی نعت گوئی کے دو نمایاں ادوار بھی کہا جاسکتا ہے۔ پہلا دور جس میں فنی پختگی تو ہے مگر نعت کا جذب کم اُجاگر ہوا ہے۔ غزل کے رنگ میں نعتیہ عناصر پوری طرح لو

نہیں دے سکے اور یوں نعت گوئی کا رنگ رسمی انداز کا رہا۔ دوسرے دور میں اور مجموعے میں کیف و جذبِ نعت موجود ہے۔ رنگِ غزل یہاں بھی ہے مگر کیفِ نعت کے تابع ہے۔ شاعر کا مقصد قافیہ پیمائی یا غزل خوانی نہیں بلکہ کیفیاتِ حبِ رسول ﷺ کا اظہار ہے۔ اس دورِ نعت میں حقیقی نعت گوئی کے خوب صورت نمونے ملتے ہیں۔ جن میں حافظ کی وارداتِ قلبی، جذب و شوق اور عقیدت وارادت مندی کی فراوانی ملتی ہے۔ حافظ نے ''نشیدِ حضوری'' میں مدینہ اور سرکارِ مدینہ ﷺ کے روضے کے قرب و حضوری کے ایسے ایسے نازک تجربات بیان کیے ہیں جو بلاشبہ اردو نعت کی تاریخ میں ایک گراں قدر اضافہ ہیں۔ اِس پر مستزاد یہ کہ بیان میں فارسی واردو غزل کی وہ شائستگی اپنی پوری نزاکتوں کے ساتھ نظر آتی ہے جس کی تاریخ کئی صدیوں پر پھیلی ہوئی ہے۔ حافظ صاحب نے اپنی تمام فن کارانہ صلاحیتیں صنفِ نعت کے لیے وقف کر رکھی ہیں۔ ان کی نعت کی فن کارانہ مساعی تخلیقی مہارت اور قادرالکلامی کا ماحصل ہے۔ نعت کا نام اور فن اُن کے ہاں ایک رسم کی بجائے ایسی ذہنی وروحانی واردات بن گیا ہے جن سے ان کا لفظ لفظ سرشار ہے۔ ان کی نعتوں میں جذبے کا رچاؤ انتہا پر ہے ؎

خوش بو ہر ایک سانس میں شہرِ نبی کی ہے
یہ کیفیت حضور سے وابستگی کی ہے

حافظ مظہر الدین، حافظ لدھیانوی کے نعتیہ کلام میں عقیدت و محبت کے جذبات اور کیف و مستی کے عناصر کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں:

> نعت کہنے کے لیے جس گدازِ قلب کی ضرورت ہوتی ہے وہ حافظ صاحب کے دامن میں موجود ہے وہ ازل ہی سے یہ سرمایہ سمیٹ لائے ہیں۔

حفیظ تائب نے بھی ان کے بارے میں کچھ اسی قسم کی رائے کا اظہار کیا ہے:

> حافظ نے نعت کے نئے تقاضوں کو داخلی کیفیات اور نرم و نازک پیرایۂ اظہار کے ساتھ موسیقیت سے ہم آہنگ کر کے حسن و معنویت میں جو توازن پیدا کیا وہ اردو نعت کے لیے انتہائی خوش آئند ہے۔

حافظ کی نعتوں میں فکری شعور اور ملّی سیاست واحوال کا پرتو بھی ملتا ہے اور اپنی ذات کے علاوہ وطنِ عزیز اور ملتِ اسلامیہ کے مسائل واحوال کی بہبود وفلاح کے لیے استمداد والتجا کی جھلک نظر آتی ہے۔ اس کے علاوہ اپنے فنِ نعت کے متعلق مختلف خیالات و کیفیات کا بیان ملتا ہے۔

یوں تو نعت میں بدلا ہے اندازِ غزل خوانی
لطف شہ طیبہ سے ہر شے ہے نورانی

ہر ایک شعر پہ اُن کے کرم کا پرتو ہے
حضور کی یہ عنایت ہے بے نوا کے لیے

حفیظ تائب اس دورِ نعت کے ایک اور منفرد شاعر ہیں۔ ان کی نعت ذوقِ جدید کی نمائندہ ہے۔ طرزِ احساس اور پیرایۂ اظہار کے لحاظ سے بھی وہ نئے شاعروں کے زیادہ قریب ہیں۔ نعت گوئی جن بنیادی خطوط سے عبارت ہے ان میں احترامِ رسالت مآب ﷺ اور جذبۂ شیفتگی کو خصوصی اہمیت حاصل ہے، بقولِ ڈاکٹر وحید قریشی:

''حفیظ تائب کا مجموعۂ نعت دو لحاظ سے اہمیت رکھتا ہے۔ ایک تو اس اعتبار سے کہ اس میں اردو کی نعتیہ شاعری کی عام روایت سے ہٹ کر رسولِ مقبول ﷺ سے عقیدت ومحبت کا اظہار کیا ہے۔ انھوں نے عام نعتوں کی پیروی میں رسولِ پاک ﷺ کے سراپے کو موضوع نہیں بنایا اور نہ ہندی شاعری کی روایت سے اثر لے کر حبِ رسول ﷺ کو کرشن اور گوپیوں کی سطح پر محسوس کیا ہے۔ انھوں نے رسولِ اکرم ﷺ کی ذات کے احترام کو بھی برقرار رکھا ہے اور محبت کے ساتھ اسوۂ حسنہ کی تفصیلات بھی بیان کی ہیں۔ مجموعے کی دوسری اہم خوبی یہ ہے کہ یہ اشعار تائب کے نزدیک محض ثواب کمانے کا ذریعہ نہیں بلکہ انھوں نے جو کچھ کیا ہے اسے تخلیقی سطح پر محسوس کیا ہے۔ یہ کلام ان اعلیٰ لمحات کی روداد ہے جو کسی بھی بڑے شاعر کے لیے سرمایۂ افتخار ہو سکتے ہیں۔''

نعت کے موضوع سے حفیظ تائب کی تخلیقی وابستگی کے اثرات اُن کے طرزِ اظہار میں نمایاں ہیں۔ سبک الفاظ کا انتخاب، مترنم، بحور، جذبے کا رچاؤ اس دور کے نعت گو شعرا کے نمایاں اوصاف ہیں۔ تائب کے فن میں اپنی پوری دل آویزی کے ساتھ جھلکتے ہیں۔ ان کے ساتھ جذب وکیف اور اخلاص وگداز کے جوہر نے انھیں معاصر نعت نگاروں کی صف میں ممتاز ومنفرد حیثیت عطا کی ہے۔

حفیظ تائب کی نعت کا مرکزی موضوع آں حضرت ﷺ کی ذات ومتعلقات سے ارادت وعقیدت مندی ہے مگر یہ عقیدت مندی آپ کی شان کی مدح وتوصیف تک محدود نہیں۔ تائب نے صاحبِ موضوع کے ارشادات و پیغامات اور مقصدِ نبوت و بعثتِ نبوی کو جو جدید نعت کی اصل خوبی ہے مسلسل پیشِ نظر رکھا ہے ان کی نعت گوئی اصلاحی اور مقصدی پہلو لیے ہوئے ہے۔ پاکستان اور ملتِ اسلامیہ کو درپیش مسائل کا اظہار جس شائستگی سے اُن کی نعتوں میں ملتا ہے، دوسروں کے ہاں نظر نہیں آتا۔ مسلمانوں کی زبوں حالی، پاکستان میں سیاسی انتشار، اخلاقی و مذہبی قدروں کی پامالی سے لے کر مسجدِ اقصیٰ کے ماتم، افغانستان میں

روسی جارحیت پر نالہ وفریاد کے جو مضامین تائب کی نعت گوئی میں ملتے ہیں، اُن کے سبب نہ صرف تائب کے فن بلکہ صنفِ نعت کو وسعت ملی ہے۔

حفیظ تائب کے ذوقِ نعت کا وہ پہلو جس کے سبب وہ معاصر نعت گوشعرا میں منفرد ہیں۔ عصرِ حاضر میں نعت کے فروغ وترویج کے سلسلے میں ان کے مساعیِ جمیلہ ہیں۔ انھوں نے نعت گوئی کے علاوہ مختلف مضامین اور انٹرویو وغیرہ کی صورت میں صنفِ نعت اور نعت گو شاعروں کو قارئینِ ادب سے روشناس و متعارف کرایا ہے۔ ادبی حلقوں اور نئے شاعروں میں نعت کا ذوق ایک حد تک حفیظ تائب کی نعت گوئی اور صنف سے گہرے شغف کا نتیجہ ہے۔

پیرایۂ غزل میں نعت لکھنے والے دوسرے شاعروں میں راسخ عرفانی کا نام قابلِ ذکر ہے۔ انھوں نے نعت میں جو کچھ کہا اس کا بڑا حصہ رنگِ تغزل میں ڈوبا ہوا ہے۔ ایک حقیقی غزل گو کی طرح وہ نعتیہ مضامین کو بھی اپنے اوپر وارد کر کے جذبے کی پوری آمیزش سے شعر کہتے ہیں۔ ان کے نعتیہ اشعار میں گھلاوٹ، سپردگی اور شوق کی فراوانی کا سبب یہی کیفیت ہے۔ راسخ عرفانی کا تعلق اگر ان کی شعرگوئی کی عمر کو مدنظر رکھا جائے تو پُرانی نسل سے ہے۔ انھیں فکرِ سخن کرتے ہوئے کم وبیش نصفِ صدی بیت گئی ہے۔ بقولِ ڈاکٹر وحید قریشی:

> ''راسخ کا کلام پختگی اور کہنگی کی فرسودہ تراکیب کا متحمل نہیں۔ انھوں نے فن کے راستے میں جو منزل پائی ہے اُس میں قدامت کی حدود کے اندر جدیدیت کی بے تابانہ امواج رقصاں ہیں۔ گہرے دینی شعور کے ساتھ ساتھ غزل کی ہنرمندانہ جذباتی بافت کلامِ راسخ کا جوہر ہے جو انھیں عصرِ حاضر کے اضطراب میں اخلاقی انداز کا سراغ لگانے پر اُکساتا ہے۔ راسخ اسلام کا والہ وشیدا ہی نہیں بلکہ عملی زندگی میں دین کی ضرورت واہمیت کے علاوہ دورِ حاضر کی روحانی ابتری کا واحد علاج بھی جانتا ہے۔ راسخ کا دینی جذبہ فکری پختگی کا امین ہے جس کے گواہ اس کے متعدد نعتیہ مجموعے ہیں۔''

ان کا اسلوب سہل اور آسان ہے۔ رنگِ تغزل کے سبب ان کی نعتوں میں موسیقیت اور خوش آہنگی کا احساس نمایاں ہے۔ انھوں نے غزل کی معروف زمینوں میں بھی نعتیں کہی ہیں اور نعتِ رسولِ اکرم ﷺ کے لیے نئی زمینیں بھی تلاش کی ہیں۔

رحمتیں برسیں زمانے پر سحابوں کی طرح
دل بنامِ مصطفیٰ نکھرے گلابوں کی طرح

درِ حضور پہ پہنچوں تو ان کی نذر کروں
چمک رہے ہیں جو پلکوں پہ آبگینے سے

ہنس ہنس کے زندہ رہنے کی عادت ملی مجھے
راسخ غموں میں اسوۂ حضرت کے فیض سے

معتبر دیدہ سے ہے لفظ شنیدہ میرا
غیب نے تیرے نوازا ہے یقین ہے مجھ کو

راسخ عرفانی کی نعتیں ان کی قلبی واردات کی مظہر ہیں، خصوصاً ان کا وہ نعتیہ کلام جو دیارِ نبی ﷺ کی یاد اور محبت میں لکھا گیا ہے۔ شوق و جذب کی فراوانی لیے ہوئے ہے۔ اخلاص اُن نعتوں کا جوہر ہے جو نہ صرف اُن کی تخلیق میں کارفرما ہے بلکہ قارئین میں بھی اشتیاق انگیز جذبات پیدا کرتا ہے۔

عبدالکریم ثمر کی نعت گوئی میں جدید موضوعاتِ نعت کی فراوانی ہے۔ ان کی نعتوں میں آں حضرت ﷺ کے اسوۂ حسنہ کے بیان کو خصوصی اہمیت حاصل ہے جس نے زمانے کو زیست کے آداب اور تہذیب سکھائی۔ ان کی نعتیں سوز اور خلوص کی آنچ سے لبریز ہیں۔ اُن کی نعت گوئی ایک گہرے شعور کی مظہر ہے۔ ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم نے پوری فنی روایت اور تہذیبی پس منظر میں نعت کہنا شروع کی۔ وہ نعت کو کوئی روایتی وسیلہ اظہار نہیں سمجھتے بلکہ ان کے ہاں خالصتاً عشقیہ رچاؤ کے ساتھ اظہارِ عقیدت ملتا ہے۔ اُن کا والہانہ پن اپنے اور نبی کریم ﷺ کی ذات میں کسی بھی ایسے وسیلے کو روا نہیں جانتا جس سے طالب و مطلوب کے درمیان ذرّہ بھر بھی فصل ہو اور ان کی نعتوں میں صیغۂ متکلم کا بہ کثرت استعمال ان کی اسی شیفتگی کا مظہر ہے۔

سیف زلفی نے نعتِ رسول ﷺ میں منقبت کی روایت کو خوش اسلوب سے آگے بڑھایا ہے۔ ان کی نعتوں میں حضور اکرم ﷺ کی محبت کے ساتھ ساتھ اہلِ بیتِ اطہار کی ستائش خصوصاً حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی منقبت کا بیان بھی ملتا ہے۔ ان کے اس رنگِ خاص کو ان کی حسن تشبیہ و استعارہ اور رنگِ تغزل نے کیف آور بنا دیا ہے۔ حسنِ ادا اور منقبت کا انداز دیکھیے:

جب اندھیرے سازشیں کرنے لگے شبِ خون کی
اپنے بستر پر سلا دی مصطفیٰ نے روشنی

راغب مراد آبادی نے مدحتِ خیر البشر ﷺ کا فریضہ بیش تر غالب کی زمینوں میں سرانجام دیا جو اُن کی فنی مہارت اور پختگی کا ثبوت ہے۔ اُن کی نعتوں میں وجد و کیف کی سرمستی بھی ہے اور خیال کی بلندی اور ندرت بھی۔ انھوں نے اگرچہ غزل کی ہیئت میں نعتیں لکھیں مگر بقولِ انور سدید ''نعت کے محبوب ربانی ﷺ پر غزل کے خیالی محبوب کا پرتو پڑنے نہیں دیا۔''

جن کا اُمتی ہونا زندگی کا حاصل ہے
آگے اُن کے قدموں میں زیست کا مزا پایا

اختر حیدر آبادی کی نعتوں میں ہیئتوں کا تنوع ہے۔ ان کے مجموعہ نعت ''ترتیل'' میں مسدس، مخمس، مربع، غزل اور قطعہ کی ہیئت اور اسلوب میں نعت گوئی کی روایت کو آگے بڑھایا گیا ہے اور ان کی بحور مترنم

ہیں اور سماع کی ضرورتوں کے مطابق ان کا ایک خمسہ جس کا مصرع یہ ہے:

محمد حشر کے میدان میں دولہا بن کے نکلیں گے

ایک زمانے تک محافلِ سماع میں بہت مقبول اور پسندیدہ رہا۔ ان کی نعتوں میں معرفت وتصوف کے مضامین عام ہیں۔ جذب وکیف اور والہانہ شیفتگی کے سبب نعتوں میں تاثیر ہے۔

یوسف ظفر کی وہ نعتیں جو انھوں نے سفرِ حج کے بعد لکھیں، کیف سے لبریز ہیں۔ اُن میں شیفتگی و سرشاری کا رنگ نمایاں ہے۔

شورش کاشمیری کی نعت میں ردّ قادیانیت اور عصری مسائل و واقعات کے حوالے ملتے ہیں۔ جن میں فرنگ کے بڑھتے ہوئے اثرات، مٹتی ہوئی اخلاقی اقدار، قومی رہنماؤں کی منافقت اور ملکی سیاست پہ درد مندانہ اظہارِ خیال کے ساتھ حضورِ اکرم ﷺ کے استغاثہ واستمداد کے مضامین ملتے ہیں۔ تحفظِ عقیدۂ ختمِ نبوت ﷺ شورش کا مضمونِ خاص ہے، جو اُن کی نعتوں کے علاوہ دوسری منظومات میں بھی ملتا ہے۔

احسان دانش کی نعت گوئی کا بھرپور اظہار ان کی طویل نعت ''دارین'' میں ہوا ہے۔ جو مسدس کی ہیئت میں ہے۔ ''دارین'' بہ یک وقت کئی موضوعاتِ نعت کو محیط ہے۔ اس میں حمد کے بعد بنی نوعِ انسان پر حضورِ اکرم ﷺ کی فضیلت اور اوصاف کے تذکار ہیں۔ آں حضرت ﷺ نے جس طرح باطل کو شکست دے کر گدائی اور شاہی کا امتیاز ختم کیا اور بندہ ومولا کو یک جا کر کے غلامی کو افتخار دیا۔ احسان دانش نے اس کے ذکر سے آپ کی مدح وستائش کی ہے۔ نیز منصفی وعدالت کی خوبیاں جہادِ نفس، قلم کی معطلی، تعلیم نو کی صنعت ایجاد، فتنۂ الحاد اور اُمت کو درپیش مسائل کا بیان ہے۔ ''دارین'' اصلاحی ومقصدی رنگ لیے ہوئے ہے۔ اس میں اُمت سے خطاب بھی ہے اور خدا سے دعا بھی:

تم اُمتی احمدِ مرسل؟ نہیں نہیں......

حج حرم کو عرس کا میلہ سمجھ لیا......

نظم کے آخری میں دانش نے اتباعِ رسول ﷺ پر زور دیا ہے اور اسے درپیش خرابیوں کا حل بتایا ہے۔

عزیز حاصل پوری کی تخلیقی صلاحیتوں نے نعت کو نئی زمینوں سے روشناس کرایا ہے۔ اُن کی نعتوں میں آہنگ کی تازگی کا وصف نمایاں ہے۔ اُن کا ''قصیدۂ نور'' ان کی مہارت کا آئینہ دار ہے۔ اس طویل قصیدے کے ہر شعر کے دونوں مصرعوں میں عزیز صاحب نے قوافی کا اہتمام کیا ہے اور پھر کوئی قافیہ دوبارہ نہیں آنے دیا۔ نعت میں ان کا معروف مخمس جو گیارہ بندوں پر مشتمل ہے۔ ان کی نکتہ دانی اور رمز آفرینی کا ثبوت ہے۔ اس مخمس کے ہر بند میں آں حضرت ﷺ کے اسمِ مبارک ''محمد ﷺ'' کے حروف سے دل آویز نکتے پیدا کیے گئے ہیں۔ بقول ان کے:

یہ کارنامہ سرِ حشر کام آئے گا
عزیز نعتِ محمد میں نام کرکے چلے

انھوں نے نعتِ محمد ﷺ میں اپنی مہارت و مشاقیٔ فن کے سبب نمایاں مقام حاصل کرلیا ہے، جسے وہ باعثِ نجات کارنامہ سے تعبیر کرتے ہیں۔

اعظم چشتی زیرِ بحث دور کے معروف نعت گو ہیں جنھیں ریڈیو اور ٹیلی وژن کے ذریعے ملک گیر شہرت حاصل ہے۔ اُن کی ذات میں نعت گوئی اور نعت خوانی دونوں صفات کا خوش گوار امتزاج موجود ہے۔ موسیقی و ترنم کے خاص ذوق کے سبب انھوں نے اپنے نعتیہ کلام کو ایک مؤثر لحن و آہنگ سے تخلیق کیا ہے۔ الفاظ و تراکیب کے استعمال سے لے کر بحور اور زمینوں کے انتخاب میں وہ سلیقہ اور نفاست سے کام لیتے ہیں۔

اُن کے مختلف نعتیہ مجموعے ان کے ذوقِ نعت اور ذاتِ رسالت مآب ﷺ سے گہری عقیدت و ارادت مندی کے مظہر ہیں۔ اُن کے موضوعاتِ نعت میں آں حضرت ﷺ کے اوصاف، ذکرِ میلادِ مبارک، انسانیت پر آپ کے فیوض و برکات، معجزات خصوصاً واقعۂ معراج کا بیان نمایاں ہے۔ عام سامعین نعت کے نزدیک اعظم چشتی کی وجۂ شہرت سے ان کی نعت گوئی کی بجائے نعت خوانی ہے لیکن ان کی نعتیہ مجموعوں کے جائزے کے بعد ایک نعت گو کی حیثیت سے ان کا مقام و مرتبہ کا اندازہ ہوتا ہے۔ ان کی نعتوں میں عوامی مضامین و موضوعات کا تذکرہ بہ کثرت ملتا ہے۔ مگر قرآن و حدیث کے حوالے اور فارسی و عربی تراکیب بھی نظر آتی ہیں۔

مظفر وارثی نے اردو نعت کو ایک مترنم اسلوب دیا۔ ان کی نعت گوئی کا غالب اظہار پیرایۂ غزل ہی میں ہوا ہے، مگر انھوں نے قطعہ بند نظموں کی صورت میں بھی نعتیں لکھی ہیں۔ ان نظموں کے تخلیقی پس منظر میں ان کا ذوقِ ترنم چھلکتا ہے۔ اُن کی بحریں مختصر، زبان سہل اور لب و لہجہ سادہ ہے اور اسی ترنم و سادگی کے سبب وہ محافلِ نعت میں بڑے ذوق و شوق سے سُنی جاتی ہیں۔

مظفر وارثی کی نعت میں نغمہ کاری کے علاوہ شوق و عقیدت کی فراوانی، ملکی و ملّی مسائل کا بیان اور دوسرے جدید مضامین ملتے ہیں۔ انھوں نے قرینے اور سلیقے سے ان موضوعات کو جزوِ نعت بنایا ہے بعض ناقدینِ نعت ان کی نغمہ کاری کے سحر سے آگے نہیں جاتے، لیکن اگر بہ نظرِ غائر ان کی نعت گوئی کا تجزیہ کیا جائے تو احساس ہوتا ہے کہ انھوں نے اپنی غزل کی ندرت و جدت اور دردمندی کو نعت میں بھی سمو دیا ہے۔ اُن کی نعت گوئی کو اُن کے مجموعی شعری رویے سے الگ کرکے دیکھنا ممکن نہیں۔

انھوں نے موضوع کی تبدیلی سے شاعری کے اسلوب میں تبدیلی نہیں کی۔ اُن کی عام غزلوں اور نظموں میں تازہ کاری اور تازہ خیالی کی جو کیفیت ملتی ہے، وہ نعتوں میں بھی نظر آتی ہے۔ انھوں نے لفظ اور

جذبے کی خوش گوار ہم آہنگی اور عقیدے اور ادبیت کو یک جا کر کے ایسی نعتیں لکھی ہیں جن کو اردو نعت گوئی کی تاریخ میں یقیناً نمایاں حیثیت حاصل ہوگئی ہے۔

رحمٰن کیانی کی شاعری ملی موضوعات سے عبارت ہے۔ اُن کے ہاں اسی اسلامی روایتِ شاعری کا جان دار اور شان دار تسلسل ملتا ہے جو حسان بن ثابت اور جامی و سعدی سے ہوتی ہوئی حالی اور اقبال کے وسیلے سے عصرِ حاضر کے شاعروں تک پہنچی۔ بقولِ سیّد عبداللہ:

> نعت میں کیانی کا لہجہ اپنا ہے۔ وہ نعت میں جہادیہ رنگ پیدا کرتا ہے۔ ہر نعت گو کے اپنے مزاج کے مطابق اس کے پیرائے بھی بے شمار ہیں۔ کیانی نے بھی اپنے مزاج کے مطابق نعت لکھی ہے۔ اس کا پیرایہ بھی اپنا ہے۔ التجا بھی ہے، اوصاف بھی ہیں مگر سب پر جہاد اور فریادِ اُمت کا سایہ جلوہ فگن ہے۔

ان کی نعتوں پر قدسی و محسن کے انداز کی جھلک بھی ہے مگر جہاد اور فریاد کا مؤثر پیرائیہ اظہار بھی نمایاں ہے۔

عاصی کرنالی قبیلۂ نعت کے اُن شعرا سے تعلق رکھتے ہیں جو احترامِ رسالتِ مآب ﷺ کے گہرے شعور کے ساتھ آں حضرت ﷺ کے مقاصدِ بعثت کی تفسیر و تشریح میں مشغول ہیں۔ اُن کی نعت کا اسلوب اصلاحی و مقصدی ہے۔ نعت اُن کے نزدیک ایک مقدس عبادت ہے، جس کے وسیلے سے وہ زندگی کے اعلیٰ و ارفع مقاصد اور دنیا اور عقبیٰ کی سرخ روئی کے طلب گار ہیں۔ اُن کی نعتوں میں فنِ نعت کی نزاکتوں کا پورا پورا احترام نظر آتا ہے۔ شیفتگی و شوق کی فراوانی کے باوجود حضورِ اکرم ﷺ کے دربار میں حد درجہ احتیاط ان کی فنِ نعت شناسی کی دلیل ہے۔ جدید طرزِ اظہار نے اُن کی نعتوں کو اور زیادہ دل آویز بنا دیا ہے۔

عبدالرحمٰن عاجز نے نعت میں دنیا کی بے ثباتی اور زر و مال کی ناپائیداری کا نقشہ کھینچ کر اعمالِ صالح کی ترغیب دی ہے۔ محی الدین خلوت کے نعتیہ کلام میں اسلامی تاریخ و مذہب کے حوالے دراصل تجدید و احیائے دین کی ترغیب ہیں۔ منظور احمد منظور کی ''شاخِ طوبیٰ'' عقیدت شائستگی کے ساتھ غنائی آہنگ لیے ہوئے ہے۔ خلیق قریشی کی نعتوں میں عذرِ گناہ، احساسِ ندامت اور عفو طلبی کے جذبات نمایاں ہیں۔ نظیر لدھیانوی کی نعتوں میں کلاسیکی شائستگی کے ساتھ فنی مہارت کے عناصر لو دیتے ہیں۔ کرم حیدری کی نعتوں میں علمی حوالے اور جذبۂ حبِ رسول ﷺ کی کیفیات کا اعتدال قابلِ ذکر ہے۔ اقبال عظیم کی نعتوں میں درد مندی اور دل سوزی کا عنصر نمایاں ہے۔

صائم چشتی، سکندر لکھنوی، ادیب رائے پوری، خالد محمود خالد نقش بندی، سیّد ریاض سہروردی، قمرالدین احمد انجم، عبدالستار نیازی اور ظہوری نے نعت گوئی میں عوامی خواہشات کو پیشِ نظر رکھا۔ ان کی

نعتوں میں حضور اکرم ﷺ اور دیارِ رسول ﷺ سے متعلق سودا اعظم کی کیفیات کا اظہار ہوا ہے۔ شیر افضل جعفری کی لسانی تشکیلات اُن کی نعتوں میں بھی نظر آتی ہیں۔ انھوں نے نعتِ حضرت ﷺ میں پنجاب رنگ شامل کر کے اسے اپنے ہم عصروں سے ممتاز کر دیا ہے۔ یہ شعر اُن کی انفرادیتِ نعت کا نمونہ ہیں ۔

وہ سونے سینوں کا ساون صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
اُس کی سوچ دلوں کا پھاگن صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
تاج اُس کے منگتے کا کاسہ تخت اُس کے بردے کا موڑھا
شاہی اُس کے شہر کی جوگن صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
اس کی حکمت کے دیوانے زنجیروں کو زیور جانیں
ہتھکڑی اُس کی دھن میں کنگن صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

شمیم یزدانی کی طویل نظم "بقعہ انوار" سیرت و اخلاقِ حمیدۂ رسول ﷺ پر لکھا جانے والا موثر اور پُر سوز مرقع ہے۔ یہ طویل مثنوی آں حضرت ﷺ کے مکارمِ اخلاق کے تذکار مبارک پر مشتمل ہے۔ سرو سہارن پوری کا قصیدہ "رحمت للعالمین" اور یزدانی جالندھری کی "صبحِ سعادت" عصرِ حاضر کی نمائندہ نعتیں ہیں۔

صوفی محمد افضل فقیر کی نعت گوئی اُن کی حبِ رسول ﷺ میں سرشاری و شیفتگی کا رنگ لیے ہوئے ہے۔ اُن کی نعت حسن اور تاثیر سے مملو ہے۔ خالد بزمی، عابد نظامی، راجا رشید محمود، ریاض مجید، گوہر ملسیانی، عاصی کرنالی، مسرور کیفی، ابوالخیر کشفی، اختر لکھنوی، اقبال صفی پوری، بشیر ناظم، قمر میرٹھی، علیم ناصری، خالد شفیق، اکرم رضا، صبیح رحمانی، قمر وارثی، طاہر سلطانی، رشید وارثی، آفتاب کریمی، عزیز الدین خاکی، آصف بشیر چشتی، محمد اقبال نجمی اور تبسم رضوانی اُن نعت گو شاعروں میں سے ہیں جنھوں نے نعت گوئی کے علاوہ نعت کی ترویج و تشہیر میں قابلِ ذکر کام کیا ہے۔

شروع شروع میں تو نعت گوئی کے ضمن میں ترقی پسند شعرا کا رویہ بے اعتنائی کا رہا لیکن بعد ازاں کچھ ترقی پسند شعرا نے بھی صنفِ نعت میں طبع آزمائی کی۔ ان شاعروں میں احمد ندیم قاسمی کا نام سب سے نمایاں ہے۔ قیامِ پاکستان کی دوسری دہائی میں انھوں نے اپنے افکار و نظریات کے اظہار کے لیے نعت گوئی کو بھی اپنایا اور اعلیٰ نعتیں لکھیں۔ ۱۹۶۵ء کی جنگ کے بعد احمد ندیم قاسمی کے علاوہ دوسرے ترقی پسند شعرا کے ہاں بھی نعت گوئی کی طرف میلان نمایاں ہونا شروع ہو گیا۔ چناں چہ ترقی پسند شعرا نے بھی نعتوں کے مجموعے ترتیب دیے۔ ان شعرا کی نعت گوئی میں حضور اکرم ﷺ کی سیرت و کردار کے ان پہلوؤں کا بطورِ خاص ذکر ملتا ہے جو اُن شاعروں کے خیالات و نظریات کی اشاعت میں معاون ثابت ہو سکتے ہیں اور جن کا تعلق معاشرتی مساوات اور عدل و انصاف سے ہے۔ اُن شاعروں میں عارف عبدالمتین، قتیل شفائی، ظہور

نظر، احمد فراز اور حبیب جالب کے نام لیے جاسکتے ہیں۔ عارف عبدالمتین نے آزاد نظم میں نعت کے نمونے تخلیق کیے ہیں۔ اُن کی نعتوں میں جدید غزل کا پَرتو غالب ہے۔ تاہم ترقی پسند شعرا میں صنفِ نعت کے حوالے سے جو منفرد مقام احمد ندیم قاسمی کو حاصل ہو چکا ہے کوئی دوسرا شاعر حاصل نہیں کر سکا۔ اُن کی نعتیں نہ صرف شعر وسخن کے اعلیٰ معیارات پر پوری اُترتی ہیں بلکہ عوام میں بھی بہت مقبول و پسندیدہ ہیں۔ موجودہ دورِ پاکستان میں نعت گوئی کے حوالے سے نہایت اہم اور مبارک ہے بلکہ یہ کہنا زیادہ موزوں ہوگا کہ یہ نعت کے ضمن میں دورِ زرّیں کہلانے کا مستحق ہے۔ اب مستند شخصیاتِ شعروادب نے فنِ نعت کو اپنی شعری تخلیقات کا مرکز ومحور بنالیا ہے۔ موجودہ دور میں بھی اگرچہ نعت کا مرکزی موضوع مدحِ رسولِ پاک ﷺ ہی ہے مگر اس بڑے دھارے میں مضامین وخیالات کے وہ چھوٹے چھوٹے سوتے آ کر ملتے رہے ہیں جو بدلتے ہوئے عصری رجحانات ومیلانات، حالات وتحریکات کے بطن سے پھوٹتے رہے ہیں۔ ڈاکٹر ریاض مجید کے بقول:

> قیامِ پاکستان سے اب تک جن ملّی و مذہبی اور قومی و سیاسی تحریکوں نے نعت گو شعرا کو متاثر کیا، اُن میں تحریکِ ختمِ نبوت، جنگ ستمبر ۱۹۶۵ء، سقوطِ ڈھاکہ اور تحریکِ نظامِ مصطفیٰ زیادہ اہم ہیں۔ ان تحریکوں کے ساتھ ساتھ تاریخ و سیاست کے اہم واقعات نے بھی اردو نعت پر اثرات ڈالے ہیں۔

اُمتِ مسلمہ کو درپیش مختلف اور متنوع مسائل کا تذکرہ عصرِ حاضر کی نعت گوئی کا خاص موضوع ہے۔ اس میں داخلی احساسات و کیفیات کے ساتھ ساتھ ملکی وملّی آشوب، نالہ وفریاد اور آں حضرت ﷺ سے التماس اور استغاثہ کے عناصر نے نعت کے دائرے کو بہت وسیع کردیا ہے۔ موضوعات کے تنوع کے ساتھ ساتھ پاکستان میں لکھی جانے والی نعت میں اسالیب اور ہیئتوں میں بھی اضافہ ہوا ہے۔ پاکستان میں لکھی جانے والی نعت کا انداز قدیم نعت سے مختلف ہے۔ قدیم نعت پر قصیدے کا رنگ غالب تھا جب کہ آج کی نعت اپنے تمام عصری شعور کے ساتھ اس عہد کے مسائل کو محیط ہے۔ یہ نعت اپنے آہنگ اور فرہنگ کے اعتبار سے بھی جدید ہے۔ پاکستان میں لکھی جانے والی نعت محض مذہبی عقیدت مندی کا اظہار نہیں ہے بلکہ روایتی مضامین سے آگے جا کر نئے فکری، منطقی، نفسیاتی اور سائنسی انکشافات کی روشنی میں لکھی جارہی ہے۔ آج پاکستان کا نعت گو شاعر اپنے عہد کے فکری اور اخلاقی انحطاط کے حوالے سے اپنی خامیاں اور کوتاہیاں دربارِ رسالت ﷺ میں پیش کر کے آپ سے رہنمائی کا خواست گار ہے۔

دورِ حاضر میں نعت کے ضمن میں کئی تجربے بھی کیے گئے ہیں۔ ہائیکو، آزاد نظم، نظمِ معریٰ اور نثری نظم کی ہیئت میں بھی نعتیں لکھی جارہی ہیں۔ اسی کے ساتھ ساتھ غیر منقوط نعتیں، نعتیہ قطعات اور نعتیہ رُباعیات بھی لکھی جارہی ہیں۔ زیادہ تر شعرا نے نعت کو غزل کے قریب لانے کی شعوری کوشش کی ہے۔ راغب مراد

آبادی کا مجموعہ ''مدحِ رسول'' اور سید محمد امین نقوی کا ''محمد ہی محمد'' اور ''حسنِ محمد'' غیر منقوط ہیئت کے کامیاب تجربے ہیں۔ حفیظ تائب نے اردو میں پنجابی بحور کا استعمال کیا ہے۔ انھوں نے پنجابی کی مشہور صنف سہ حرفی کو اردو میں اس طرح استعمال کیا ہے کہ حروفِ تہجی بند کے آخر میں بطورِ ردیف آئے ہیں اسے انھوں نے سہ حرفی زمزمہ درود کا نام دیا ہے۔ راجا رشید محمود نے نعتوں کا ایک ضخیم اور مکمل انتخاب ''نعت کائنات'' کے نام سے شائع کیا ہے۔ اس میں شامل اُن کے تفصیلی تحقیقی مقدمے نے اس کتاب کو حوالہ جاتی دستاویز بنا دیا ہے۔ اسی طرح عبدالغفار قمر کی انتخابِ نعت (۱۳ر جلدوں میں) ایک اہم ریفرنس بک ہے۔ گورنمنٹ کالج شاہدرہ لاہور نے ۱۹۹۳ء میں کالج میگزین ''اوج'' کا نعت نمبر دو جلدوں میں شائع کیا۔ یہ پروفیسر آفتاب نقوی مرحوم کی قابلِ قدر کاوش تھی۔ ماہ نامہ ''الرشید'' کا ضخیم نعت نمبر بھی نعت کی صنف پر مستند دستاویز ہے۔ ''نقوش''، ''شام وسحر'' کے نعت نمبر بھی خاصے کی چیز ہیں۔ اسی طرح رسالہ ماہ نامہ ''نعت'' لاہور (راجا رشید محمود)، ماہ نامہ ''حمد ونعت'' کراچی (شہزاد احمد)، ماہ نامہ ''نوائے نعت'' کراچی (ادیب رائے پوری)، مجلّہ ''نعت رنگ'' کراچی (سیّد صبیح رحمانی)، مجلّہ ''سفیرِ نعت'' کراچی (آفتاب کریمی)، مجلّہ ''جہانِ حمد'' کراچی (طاہر سلطانی)، مجلّہ ''دنیائے نعت'' کراچی (عزیز الدین خاکی)، مجلّہ ''نعت نیوز'' کراچی (زکریا شیخ اشرفی)، مجلّہ ''عقیدت'' سرگودھا (شاکر کنڈان)، مجلّہ ''شہرِ نعت''، فیصل آباد (شبیر احمد قادری)، ماہ نامہ ''کاروانِ نعت'' لاہور (ابرار حنیف مغل)، ماہ نامہ ''مفیض'' گوجرانوالہ (محمد اقبال نجمی) کی خصوصی اور عام اشاعتیں نبی کریم ﷺ کی عقیدتوں کے اس کارواں کو لے کر مسلسل آگے کی جانب پیش قدمی کر رہی ہیں۔ بالخصوص مسلح افواج کا ہفت روزہ ''ہلال'' بھی نعت کے فروغ میں گراں قدر خدمات سرانجام دے رہا ہے۔

نعتیہ ادب کے علمی، تحقیقی، تخلیقی اور تہذیبی پہلوؤں کو محیط رجحان ساز کتابی سلسلہ ''نعت رنگ'' کا ۱۹۹۵ء میں کراچی سے اجرا ہوا۔ اس کے مدیر معروف نعت گو، مدحت خواں سیّد صبیح رحمانی ہیں۔ اس جریدے نے پاکستان میں ثباتِ تسلسل کے ساتھ نعتیہ ادب کی تشریح، تفہیم، توسیع اور ترویج کے لیے انتہائی گراں قدر خدمات سرانجام دی ہیں۔ ''نعت رنگ'' میں اشاعت پذیر ہونے والے مضامین اور مقالات اس صنفِ ادب کے مختلف پہلوؤں کو محیط ہیں۔ پروفیسر شفقت رضوی کی کتاب ''نعت رنگ کا تجزیاتی وتنقیدی مطالعہ''، پروفیسر محمد فیروز شاہ کا ''رنگِ نعت'' (شعری انتخاب) اسی منفرد جریدے کے تعارف اور تحسین کی نہایت عمدہ کاوشیں ہیں۔

پاکستان میں نعت گوئی ایک رجحان سے زیادہ ایک تحریک کی شکل اختیار کر چکی ہے اور یہ نہایت نیک اور خوش آئند شگون ہے۔

☆

سیّد محمد اکرام شاہ جیلانی۔ اوسلو

نعتِ رسولِ اعظم و آخر ﷺ

(ایک پیغام...ایک تحریک)

اُمتِ مسلمہ کے باشعور افراد۔ غارِ حرا کی خلوتوں کو چھوڑ کر اُمت کی غم خواری کے لیے نسخۂ کیمیا لے کر آنے والے رحیم و کریم آقا ﷺ کے مقاصد بعثت کی عالمگیریت اور حصول مقاصد کے لیے اسباب میں ہمہ گیریت کو اپنانے کی حکمتوں میں ذرا غور کریں کہ پیغمبر رحمت ﷺ نے ان عالم گیر مقاصد کے حصول اور اُن کی تبلیغ بلیغ کے لیے ہر طرح کے معلّمین، مبلغین، مجاہدین کے ساتھ ساتھ ہر قدم پر نعت گو شعرائے کرام کو بھی اس تحریک میں اہم منصب اور نمایاں حیثیت عطا فرمائی۔

معلمِ انسانیت ﷺ نے نعت گوئی کے لیے اپنا منبر مبارک اور اپنی چادر و بردہ مبارک عطا فرما کر صرف نعت گو حضرات کو ہی اعزاز نہیں بخشا بلکہ نعت گوئی کو اسلام کے اعلیٰ مقاصد کی تبلیغ اور ہمہ جہت تحریک کے پیش نظر اس منصب کی عظمت کو بھی ظاہر فرمادیا اور جبریل امین کو نعت گوئی میں اُن کا الہامی معاون قرار دے کر اس منصب کی عظمت کو تائیدِ الٰہی حاصل ہونے کی بشارت بھی عطا فرمادی جو نعت گوئی کی آسمانی فضیلت اور مقبولیت کے ساتھ ساتھ اس کی زمینی ہمہ گیر ضرورت و اہمیت کو بھی بدرِ منیر بنا رہی ہے۔

تصورِ مقصدیت نعت

کسی عملُ کی روح اس کے مقصد کی واضحیت، خالصیت اور ہمہ گیریت سے متعلق ہوتی ہے اور پچھلی چند صدیوں سے اسلام کو قوت و فروغ دینے والے بنیادی عناصر اور شعائر کو محدود مقاصد اور نجی مفادات کے لیے استعمال کیا جا رہا ہے۔ اس صورت حال کو ایک باشعور درد دل رکھنے والا مسلمان جب دیکھتا ہے کہ اسلام کے دورِ اوّل میں اُن اسلامی عناصر، ارکان اور شعائر کو جن عظیم مقاصد کے لیے جاری کیا گیا تھا اور اس نے کیا اثرات مرتب کیے جس سے اسلام ایک زندہ تحریک بن کر اُبھرا اور اقوامِ عالم کے قلوب واذہان کو تسخیر کرتا چلا گیا اور آج تصورات محدود ہو جانے کی وجہ سے مقاصد و مفادات بھی محدود ہو گئے ہیں۔ نتیجتاً

اُن کے نتائج بھی کم سے کم ہوگئے ہیں۔

اس صورتِ حال کو دیکھ کر ہر باشعور مسلمان خون کے آنسو روتا ہے۔ بالخصوص نعت کے شعبے سے وابستہ نعت گوشعرا کو، نعت خوانان حضرات کو، نعتیہ ادب پر لکھنے والے دانش وروں کو محافلِ نعت منعقد کرنے والوں کو، نعت کے شائقین کو، فیکٹریوں، کارخانوں، ہوٹلوں، سیاسی وسرکاری جلسوں، میڈیا پر سالانہ محافل منعقد کروا کر کروڑوں روپے لٹانے اور سیکڑوں عمرے کی ٹکٹیں بانٹنے والوں کو جب دیکھتا ہے اور دوسری طرف عہدِ رسالت مآب ﷺ اور اس سے متصل صدیوں میں نعت کے عالی شان منصبِ سعادت اور اس کے عظیم جہادی، اصلاحی، تعلیمی وتربیتی مقاصد کی لگن نے جو مؤثر تحریک پیدا کی اسے تصور میں لاتا ہے تو وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ آج کے گم کردہ راہ مسلمان کو کیسے سمجھایا جائے کہ کیا نعتِ رسول اکرم ﷺ صرف ایسے ہی چند محدود مقاصد کے لیے شروع کی گئی تھی، جن کو تم نے اپنا رکھا ہے؟

کیا نعت صرف حضور ﷺ سے فرد کی ایمانی محبت کے اظہار کے لیے تخلیق ہوئی؟

کیا صحابہ کرام ؓ نے صرف اپنے عقیدے کی صحت پر دلیل قائم کرنے کے لیے نعت خوانی کی؟

کیا شعر وادب کے شوقین چند صحابہ کرام ؓ نے شعری ادب کی روایت کے تسلسل اور ذاتی ذوقِ شعر گوئی کو قائم رکھنے کے لیے نعت گوئی کی؟

کیا نعت گوشعرا نے ادبی محافل گرم کرنے اور اپنے بلند تخیل اور فکری پرواز کے جوہر دکھانے کے لیے نعت کہی؟

کیا رسولِ اکرم ﷺ نے شعر کی سحر انگیزی کے ذریعے دینی دعوت کو مؤثر بنانے اور شاعروں کی دین میں عزت افزائی فرمانے کے لیے شعر وشاعری کو دین میں شامل کیا؟

یا مسلمانوں کو اپنے مال واولاد یا کاروبار میں برکت کے لیے اور اپنے شادی ہال، کارخانے اور ہوٹل کی تشہیر کے لیے وہاں محفلِ نعت یا فیکٹری کے مالکان کی طرف سے عمرے کا ٹکٹ دے کر اعلانات کروا کر نعت ومذہب کے اسٹیج سے بزنس چمکانے کے لیے نعت جاری کی گئی ہے؟ یا صرف عوام کی نظروں میں معزز بننے کے لیے میڈیا اور اسٹیج کی زینت بنے اور مذہبی مجالس یا حکومتی جلسوں کو کامیاب کرنے کے لیے بہترین فن کا مظاہرہ کر کے صدارتی تمغے لینے کے لیے نعت کو بھی ایک شغل وفن اور نعت خواں کو فنکار بنانے کے لیے یہ نعت خوانی شروع کی گئی؟ وغیرہ وغیرہ وغیرہ۔

یقیناً دورِ خیر القرون کا مطالعہ کرنے والے کا فیصلہ یہی ہوگا کہ اسلام میں نعت خوانی کے مقاصد ہرگز یہ نہیں ہو سکتے اور رفعتِ ذکرِ مصطفےٰ ﷺ کا صرف یہی معنیٰ نہیں ہو سکتا؟

دعوتِ فکر

اُمتِ مسلمہ کے زوال کے اسباب میں سے کیا ایک یہ بھی نہیں کہ ہم نے ہر دینی شعائر اور مذہبی فریضے کو ایک عادت و راویت تو بنا لیا ہے مگر فرد کی کردار سازی، معاشرے کی اصلاح اور اسلامی معاشرت کے استحکام و فروغ کے لیے متحرک وسیلہ نہیں بنا سکے۔ وقتی تسکین اور ذاتی دینی شہرت کا وسیلہ تو ہم نے بنا لیا مگر اسلامی معاشرے کی تشکیل نو کا وسیلہ بنانے کی ذمّے داریاں نبھانے میں پورے اخلاص سے کام نہیں لیا۔

آئیں اِس نکتہ پر دعوتِ فکر دینا شروع کریں کہ رحمتِ عالم ﷺ کی نعت کے وسیلے سے اُمتِ مسلمہ کے افراد کی پیغامِ رسالت کے ذریعے بیداری کا کام لیا جائے۔ فیضانِ رسالت مآب ﷺ کے ذریعے قلوب واذہان کی آب یاری اور دین وایمان کی سرشاری کا کام لیا جائے۔ عرفانِ رسالت کے ذریعے افراد کی ارواح ونفوس میں اعلائے کلمۃ الحق کے لیے جانثاری کا جذبہ پیدا کرنے کا کام کیوں نہیں لیا جاسکتا۔ مضامینِ نعت میں نظامِ مصطفےٰ ﷺ کی اشاعت، اصلاحِ احوالِ اُمت اور حضور ﷺ کی دینی مدد ونصرت کا شعور کیوں نہیں بڑھایا جاسکتا اور انسانیت کے دکھوں اور غموں کے بہتر مداوے اور امراضِ ملت کی دوا کا کام کیوں نہیں لیا جاسکتا۔ ورنہ ایسا نہ ہو کہ لوگ اسلام کے بہتر نتائج حاصل ہونے سے ناامید ہونا اور نعت خوانی کے انسانی زندگی میں مفید نتائج کو ہمیشہ کے لیے بھول جانا شروع نہ کردیں کہ ان چیزوں سے کیا ملتا ہے۔

گر ذکرِ نبی درد کا درمان نہ ہوتا
ہرگز یہ میری زیست کا سامان نہ ہوتا

آج تھوڑی دیر کے لیے رک کر ہمارے دینی راہنماؤں، دانش وروں اور سرکاری قائدین کو سر جوڑ کر سوچنا چاہیے اور اسلامی ممالک میں دینی روح کی کمزوری کے اسباب ختم کرنے اور صحابہ کرام ؓ کے نعت و ذکرِ مصطفےٰ ﷺ کے ذریعے قوم میں ملی روح مضبوط بنانے کے طریقوں کو پھر سے زندہ کرنے کے لیے انھی کی مقدس زندگیوں سے مفید طریقے تلاش کر کے من وعن جاری کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

خدا تجھے کسی طوفاں سے آشنا کردے

میری معلومات کے مطابق جب کسی غافل ادیب نے سیّد صبیح الدین صبیح رحمانی صاحب کے سامنے علم وادب کی دنیا میں نعت کے علمی و ادبی مقام کا انکار کیا تو اس عاشقِ صادق کی روح تڑپ اُٹھی اور نعتیہ ادب کے منکرین کے ردّو جواب اور نعتیہ ادب کی علمی وشرعی حجیت ثابت کرنے کے لیے اس معصوم عاشقِ رسول ﷺ نے اپنے لمحاتِ زندگی اس عظیم ادبی کام کے لیے وقف کردیے۔ علم وادب میں شعر کا مقام، نعتیہ ادب کے اجزاے ترکیبی، نعت کی تعریف، اسلام میں نعتیہ ادب کی تاریخ اور اس کے دینی مرتبہ ومقام، نعت

گوشعرائے کرام کی طویل فہرستیں اور ہر دور میں نمایاں نعت گو شعرا اور گم نام عاشقانِ نعتِ مصطفےٰ ﷺ کے کلام اور دیوان کا تعارف بڑی محنت سے تلاش کر کے سامنے لا رہے ہیں اور عہدِ نبوی سے نعت گو صحابہ کرام ؓ اور صحابیات کے کلام اور بارگاہِ رسالت مآب ﷺ سے قبولیت کی سند اور خصوصی اعزازات پانے والے نعت سے متعلقہ خوش نصیبوں کا ذکر ہر دور میں مختلف علمی و ادبی، فنی و تنقیدی اور تحقیقی و تاریخی موضوعات اور اس جیسے کثیر قدیم و جدید موضوعات کا خوب صورت سلسلہ اہلِ علم و دانش کی محنتوں اور کاوشوں سے سامنے آیا مگر میرا موضوع حضور رسالت مآب ﷺ کے عہدِ مبارک میں تحفظِ ناموس و عصمتِ رسول ﷺ، فروغِ عشقِ رسول ﷺ، تبلیغِ سیرتِ رسول ﷺ، اشاعتِ دینِ رسول ﷺ، اصلاحِ عہدِ رسول ﷺ، تربیتِ اُمتِ رسول ﷺ، بیداریِ ملّتِ رسول ﷺ، جہادِ قومِ رسول ﷺ، تحریکِ اصحابِ رسول ﷺ جیسے کئی دیگر مقاصد کے لیے نعت و شعر نے جو نتائج پیدا کیے اُن سے علمی و عملی، فکری و نظریاتی، روحانی و جذباتی، دعوتی و تربیتی اور معاشرتی و ثقافتی برکتوں کا شعور مانگ کر اپنے عہد کے غموں کا مداوا کرنے کی دعوت دینا ہے۔ کیوں کہ پوری انسانیت کے لیے صرف وہی کامل و آخری الوہی شفا خانہ ہے۔ جہاں سے جاں بلب انسانیت اور پریشان معاشروں کو حقیقی سکون افزا زندگی کی خیرات ملتی ہے۔

ہمیں تلاش ہے جس کی وہ زندگی کا نظام
شہِ انام کی وابستگی سے ملتا ہے

خدا کرے سیّد صبیح الدین صبیح رحمانی صاحب کی طرح کسی اور پُر درد شاعر اور فاضل ادیب کو بھی ایسا حادثہ پیش آئے کہ دورِ حاضر میں سیکولر مادّی نظام کے دلدادہ اور دینِ مصطفےٰ ﷺ کی علمی و معاشرتی روح کے دشمن کو جو اُمت کے تنِ بیمار سے روحِ محمدی ﷺ کو نکالنے کی سرتوڑ کوشش کر رہے ہیں، اُن میں سے کسی کا سامنا ہو جائے اور اُس شاعر و ادیب کے دل میں مادیت زدہ مایوس سیکولر ذہنوں کو اسلام کے روحانی نظام کی اور اپنے انتہا پسند مذہبی ذہنوں کو نظامِ مصطفےٰ ﷺ کی حقیقی ہمہ جہت برکتوں کو متعارف کروانے کی اور عملاً ذمّے دار ذہنوں کو اس ذمّے داری کا شعور دے کر ذوقِ عمل اور سُنّت کی شاہراہِ اعظم پر گامزن کرنے کی تحریک پیدا کرنے کی تڑپ پیدا ہو جائے اور ''نعت رنگ'' کی طرح یا اسی کو عملاً تحریک ''نعت رنگ'' یا سیرت و ''نعت رنگ'' بنانے کے لیے اپنی صلاحیتیں وقف کر دے۔ اور جس شاعر کی نوا مُردہ و افسردہ و بے ذوق ہو چکی ہے اس کی خودی کی تلوار کو تیز کر کے اپنا ہم نوا بنا سکے تاکہ چمنستانِ نعتِ مصطفےٰ ﷺ میں صرف ایک بلبل ہی محوِ ترنم نہ رہے بلکہ ہر طرف سے غیرتِ مسلم کو زندہ و بیدار کرنے والے نغمے سنانے والے ملتے جائیں اور کارواں بنتا جائے اور کاروانِ اُمتِ مصطفےٰ ﷺ کی عظمتِ رفتہ کے نقوش اور شوکت و سطوت کے آثار مٹانے والوں سے نعت کی تلوار لے کر اعلانِ جہاد کریں۔

اس اُمت کا سرمایۂ افتخار لوٹنے والوں کا احتساب کریں اس کی صفوں میں افتراق و انتشار پیدا کرنے والوں کو ادب کی لگام ڈالیں۔ اس اُمت کے جسدِ واحد کو متحد و متحرک رکھنے والی روحِ محمدی ﷺ کے دشمنوں کو تلاش کر کے اُمت کے سامنے بے نقاب کریں اور اس اُمت کو راکھ کا ڈھیر بنانے والوں کی ہر سازش ناکام بنا دیں اور ایسے افراد کو، ان کے اسباب کو اور گلشنِ اُمت کے لیے نقصان دہ عناصر کو پنپنے کی اجازت دینے والے باغبانوں اور ذمے داروں کی غفلتوں کو دُور کر کے پھر سے اُمت کی پاسبانی اور باغ بانی کا کام کرنے کے لیے عزم پیدا کریں اور حرم کی پاکیزہ مٹی اور مدنی چشموں اور کنوؤں کا شیریں پانی ڈال کر اس کی بہارِ تازہ کا سامان کرنے کی فکر اور ذوقِ جستجو عام کریں۔

جس شعر سے ہوتی نہیں شمشیر خودی تیز

آج اگر ہم مقامی، قومی اور انٹرنیشنل محفلِ نعت کی صورتِ حال پر غور کریں کہ اگر ہمارے نعتیہ مشاعروں اور محافلِ نعت سے فرد میں بیداریٔ شعور، قوم میں اصلاحِ احوال اور اُمت کا اجتماعی دینی فلاحی مقاصد کی طرف سفر شروع نہیں ہوتا تو پھر ان مقامی، قومی اور عالمی سطح پر محافلِ نعت پر اُٹھنے والے کروڑوں کے اخراجات کا حاصل بجز ثوابِ اخروی کے اَور کیا ہے؟

اور اس کا معنی یہ ہوگا کہ نعت گو شعرا نے عہدِ نبوی ﷺ سے مقاصدِ نعت کو کشید کر کے آج کے دور کے دکھوں کا مداوا کرنے کے لیے خوب صورتی سے نظم دینے اور شعر کو حیات بخش بنانے کے لیے اپنا جگر خون نہیں کیا اور نعت خوان حضرات نے اپنے دل کو ذاتی و محدود اغراض سے پاک کر کے اُمت کی حالتِ زار کے درد و سوز کو دل سے اُٹھا کر آواز کے ذریعے اُمت کے جذبات اور سماعتوں کو متاثر کرنے کی کوشش و توجہ نہیں کی، بلکہ اپنے معاشی و ذاتی غموں کا مداوا کرنے کو ہی اپنا مقصد بنا کر حجاب میں ہیں اور محافلِ نعت کا انتظام کرنے والوں نے بھی وقتی لذت اور دینی شہرت کی خاطر مزید اصلاحِ اُمت کو ترجیحی مقصد نہیں بنایا اور سننے والوں نے بھی دنیاوی کاموں سے فرصت نہ ہونے کی وجہ سے دل کی دنیا آباد کرنے اور اپنی اصلاحِ احوال کی طرف زیادہ شوق اور فکر کو نہیں دوڑایا۔ یعنی ہم سب نے اصل مقصد سے رخ پھیر رکھا ہے۔ (الا ماشاءاللہ)

سوچیں اگر ان سب کوششوں کے باوجود اصل منزل کی طرف قدم نہیں بڑھ رہے تو پھر ہم نے کیا کھویا اور کیا پایا؟ اس نعت گوئی اور نعت خوانی نے کتنے دلوں کے اور روحوں کے زنگ دُور کیے ہیں؟

کاش سیّد صبیح الدین صبیح رحمانی صاحب کی طرح یہ صورتِ حال دیکھ کر بھی کسی فاضل شاعر و ادیب کی روح تڑپ اُٹھے اور ایک مؤثر علمی و عملی تحریکِ نعتِ رسول ﷺ پیدا ہو جائے اور نعت کو روایتی انداز اور

محدود مقاصد کے ذریعے ذاتی شہرت ونفع اندوزی سے اُٹھا کر عظیم علمی وادبی روایات، عملی ومعاشرتی اصلاح کے نظریات اور جہادی وتحریکی جذبات جیسے بلند مقاصد کے احیا تک پہنچانے کے لیے اجتماع ادبی اور معاشرتی جدوجہد کا آغاز کردے۔ یقیناً حق تعالیٰ کی ظاہری وباطنی قوتیں ایسے مخلصین نعت گوشعرا کی مدد ونصرت کے لیے ہر طرف سے قطار اندر قطار اُتر کر آنے کے لیے آج بھی مائل بہ کرم ہیں اور ہوں گی، اگر وہ کامل اخلاصِ نیت اور غلامانِ مصطفےٰ ﷺ کی تمام قوتوں کو متحد کر کے صحیح سمت پر نکل کھڑے ہونے کی کوشش شروع کردیں تا کہ صرف خود کو ہی عقلِ کُل اور مستحق قیادت سمجھ کر خدمتِ دین کے نام پر اُمت مسلمہ کو تقسیم در تقسیم کر کے داخلی طور پر دوریاں اور جدائیاں بڑھانے میں مسلمانوں کی توانائیوں پر عیش کرتے کرتے عمر گزار کر آں جہانی ہو جائیں اور آگے جا کر جب حساب ہوگا کہ اس خداداد منصب نعت اور نعمت شعور کو کس راہ پر خرچ کیا ہے، تو کیا جواب بن پائے گا؟

میں گدا ہوں اپنے کریم کا میرا دین پارۂ ناں نہیں

موجودہ صورتِ حال کی اصلاح کے لیے ضروری ہے کہ پہلے فروغِ نعت کے اہم اور زندہ مقاصد سب کے لیے واضح کیے جائیں ''نعت رنگ'' کے اس معیاری ادبی پلیٹ فارم پر مکمل علمی وفکری اور عملی و تحریکی تحقیق کا ذوق رکھنے والے احباب کی توجہ اس عظیم انقلابی ادبی مقصد کی طرف مبذول کروا کر تحقیقی آرا اکھٹی کی جائیں۔ کام کا آغاز علمی وعملی طور پر ہمہ جہت اور ہمہ گیر ہونا چاہیے۔ پھر ہر ہر شعبۂ زندگی میں سے پُر امن طریقے سے عملی کام کرنے والے عاشقانِ رسول ﷺ کو تلاش کر کے مؤثر رابطہ کے لیے فہرست تیار کرلی جائے۔ پھر ایک شہر، ایک صوبہ یا ایک ملک یعنی پاکستان کی سطح سے کام شروع کیا جائے۔ تعلیمی نصاب مرتب کرنے والوں سے لے کر اساتذہ کی تربیت، طرزِ تعلیم وتدریس، دینی طرزِ فکر وانسانی تصورات کے سانچے، تعلیمی ومعاشرتی سطح پر قومی وملی ہیروز کا تصور، گھر، خاندان، اسکول، حال اور مستقبل، ہماری تاریخ، ہماری ملّی اقدار، ہمارے عروج کے دنوں اور ذلّت کے اسباب الغرض ان سب میں نعت کے ذریعے روحِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی تازہ بہار پھونک دی جائے۔ سب راستے ایک ہی سمت کو لے جانے والے اور بلانے والے ہوں اور تمام بُری راہوں سے خبردار کر کے بچانے والے ہوں تو ہم انسانی زندگیوں پر نعت کے گہرے اثرات اور اس کی برکات سے عملی تبدیلیاں دیکھ سکتے ہیں۔

ورنہ تاریخ گواہ ہے کہ ہماری کم نگاہی کی وجہ سے انھی مذکورہ بالا محاذوں پر معاشرے کے منفی مؤثرات کے چھا جانے کی وجہ سے رفتہ رفتہ دینی مؤثرات غیر مؤثر ہوتے چلے گئے، جس سے آج ہمیں یہ دن دیکھنے پڑ رہے ہیں کہ عشقِ سرکارِ دوعالم ﷺ کی شمع کو بجھانے والے ہمارے گھروں، مسجدوں، مدرسوں،

تعلیمی اداروں، کالجوں و یونی ورسٹیوں، میڈیا اور ملکی سطح پر ہر طرف سے زہر آلود پھونکوں کے ساتھ اس شمعِ محبتِ رسول ﷺ کو بجھانے کی سرتوڑ کوشش کر رہے ہیں اور نورِ خدا ان کی کافرانہ حرکتوں اور ہماری مسلسل غفلتوں پر ضرور خندہ زن ہو رہا ہوگا۔ آج مقابلہ عالمی سطح پر جس طرح ایٹم کا ایٹم سے اور جدید سائنسی علم کا علم سے ہے اسی طرح انسانی مؤثرات کی سطح پر سریلی آواز کا مقابلہ پُرسوز آواز سے بھی ہے۔ کلام کی موسیقیت کا مقابلہ کلام سے ہے۔ سوزِ جگر کا مقابلہ سوزِ جگر سے ہے۔ الغرض شاعر کا مقابلہ شاعر سے ہے، ادیب کا مقابلہ ادیب سے ہے، استاد کا مقابلہ استاد سے ہے، علیٰ ہٰذا القیاس شیطان کا مقابلہ ایمان سے ہے۔
لہٰذا عہدِ نبوی ﷺ میں ایسے ہی محاذوں پر بالخصوص نعت کے محاذ پر جیسی سریلی آوازوں، جگرِ سوز کلام کی صلاحیتوں والے نعت گو شاعروں کو جن جن مقاصد کے حصول کے لیے حضور آئینۂ جمالِ خداوندی ﷺ نے زندگی کے ہر گوشے کو منور اور متحرک کرنے کے لیے ان مؤثرات کو استعمال کیا، انھی روشن خطوط پر پھر کام کرنے کی ضرورت ہے۔ آج کے نعت گو شعرائے اکرام اگر اہلِ دول کی مداح سرائی کرنے میں عمر ضائع کرنے کی بجائے فرزدق شاعر کی طرح کعبۃ اللہ کو گواہ بنا کر حکمرانی کے نشے میں بدمست حکمرانوں، جاگیرداروں اور حکومتی منصب داروں کو نسبتِ رسالت مآب ﷺ کی عزت و عظمت یاد کروانے اور جہادِ اکبر کرنے کا فریضہ انجام دینا شروع کریں تو یقیناً فرزدق شاعر کی طرح انہیں بھی دنیا و آخرت کی نعمتوں و عزت کی کمی نہیں رہے گی اور قیدِ حیات کے یہ دن رات یونہی بے کیف نہیں گذریں گے۔ پھر اسی طرح بقول مولانا محمد علی جوہر ماحول یوں بدل جائے گا۔

تنہائی کے سب دن ہیں، تنہائی کی سب راتیں
اب ہونے لگیں اُن سے خلوت میں ملاقاتیں
ہر لحظہ تشفی ہے، ہر آن تسلی ہے
ہر وقت ہے دل جوئی، ہر دم ہیں مداراتیں
کوثر کے تقاضے ہیں، تسنیم کے وعدے ہیں
ہر روز یہی چرچے، ہر روز یہی باتیں
معراج کی سی حاصل سجدوں میں ہے کیفیت
اک فاسق و فاجر میں اور ایسی کراماتیں
بے مایہ سہی لیکن شاید وہ بلا بھیجیں
بھیجی ہیں دُرودوں کی کچھ ہم نے بھی سوغاتیں

اور اسی طرح نعت خوان حضرات بھی اگر چند پارۂ نان کی خاطر محفلِ نعت کے منتظمین کی طرف

نظریں اُٹھا کر دیکھنے اور نعت خوانی کے عظیم القدر منصب تبلیغ عشق رسول ﷺ کو بدنام کرنے کی بجائے تاج دارِ مدینہ ﷺ کے مبارک کاندھوں پر ناز سے جھولنے والی کالی کملی یا بردۂ یمنی پر نظریں جما کر مدحِ ممدوح یزداں ﷺ کی سعادت حاصل کریں تو یقیناً حضرت حسان و بوصیری کی پیروی کرنے والے غلاموں کی صفوں میں اُن کا نام بھی آسکتا ہے اور اگر نعت گوئی اور نعت خوانی کے مقام کا صحیح شعور نصیب ہو جائے تو یہ اعزاز دنیا کے تمام اعزازوں سے جتنا بلند ہے اُتنا ہی اسے حاصل کرنا کوئی آسان کام بھی نہیں ہے۔

بقولِ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ:

فان ابی ووالدتی و عرضی لعرض
محمد منکم وقاء

اور بقولِ راقم:

جس کا ہر وقت لگا دھیان مدینہ میں رہے
وہ جہاں پر بھی ہے انسان مدینہ میں رہے
نہیں آساں صفِ حساں میں جگہ جیلانی
جان و دل جس کے ہوں قربان مدینہ میں رہے

غلام مصطفیٰ رضوی۔ بھارت

عقیدۂ ختمِ نبوت اور ''ذوقِ نعت''

سرزمینِ ہندوستان پر فرنگی تسلط کے بعد جو مہیب طوفان رونما ہوئے وہ مخفی و پوشیدہ نہیں۔ خلافِ اسلام افکار و نظریات بڑی شدت وقوت کے ساتھ پھیلائے گئے اور اس کے لیے انگریزوں نے انھیں افراد کا سہارا لیا جو کلمہ گو کہلاتے تھے۔ اُن کے ذریعے مسلّمہ عقائد کے خلاف ماحول تیار کروائے گئے، بالخصوص عظمت و ناموسِ رسالت کی نفی کرنے والی کتابیں تالیف کی گئیں۔ انھیں اہتمام سے چھپوا کر عام کیا گیا اور اُمتِ مسلمہ میں انتشار و افتراق کو پروان چڑھایا گیا۔ ان فتنوں کی تفصیلات سے صرفِ نظر کرتے ہوئے فتنۂ انکارِ ختمِ نبوت کا ذکر کیے دیتا ہوں۔

مولوی قاسم نانوتوی جو بانیِ دارالعلوم دیوبند کہے جاتے ہیں، انھوں نے ایک کتاب ''تحذیر الناس'' لکھی جس میں تحریر کیا:

> اگر بالفرض بعد زمانۂ نبوی ﷺ کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیتِ محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا چہ جائے کہ آپ کے معاصر کسی اور زمین میں یا فرض کیجیے اسی زمین میں کوئی اور نبی تجویز کیا جائے۔

(تحذیر الناس، ص ۴۳، مطبوعہ دار الکتاب دیوبند)

اس طرح ختمِ نبوت کے ضروری دینی عقیدے میں شبہ پیدا کرنے کی کوشش کی گئی۔ مولوی قاسم نانوتوی کے اِس فارمولے کو قادیان کے مرزا غلام احمد نے عملی شکل میں پیش کر دکھایا اور دعویٔ نبوت کر بیٹھا۔ علماے عرب و عجم نے بالاتفاق انھیں دائرۂ اسلام سے خارج قرار دیا۔

(ملاحظہ کریں: حسام الحرمین از امام احمد رضا، مطبوعہ دہلی)

سرورِ کائنات ﷺ کے خاتم النّبیین ہونے سے متعلق چند قرآنی حوالے بھی درج کر دیے جاتے ہیں تا کہ اس عقیدے کی اہمیت و افادیت مزید واضح ہو جائے۔

الیوم اکملت لکم دینکم.

آج مَیں نے تمھارے لیے تمھارا دین کامل کر دیا۔ (المائدہ:۳/ کنزالایمان)

اس آیت کے تحت صدرالافاضل مولانا سیّد نعیم الدین مرادآبادی ''خزائن العرفان'' میں تحریر فرماتے ہیں:

ایک قول یہ ہے کہ دین کا اکمال یہ ہے کہ وہ پچھلی شریعتوں کی طرح منسوخ نہ ہوگا اور قیامت تک باقی رہے گا۔

(خزائن العرفان، مشمولہ کنزالایمان، ص ۱۷۱، مطبوعہ رضا اکیڈمی، ممبئی)

جب سرورِ کائنات ﷺ کا دین غیر ناسخ ہے تو آپ کی نبوت بھی آخری اور کامل ہے۔ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: وما ارسلنک الا کافة للناس۔

ترجمہ: اور اے محبوب ہم نے تم کو نہ بھیجا مگر ایسی رسالت سے جو تمام آدمیوں کو گھیرنے والی ہے۔ (سبا:۲۸/ کنزالایمان)

یہ آیت مبارکہ بھی ملاحظہ کریں:

ما کان محمد ابا احد من رجالکم و لکن رسول اللہ و خاتم النبین

ترجمہ: محمد تمھارے مَردوں میں کسی کے باپ نہیں ہاں اللہ کے رسول ہیں اور سب نبیوں میں پچھلے۔ (الاحزاب:۴۰/ کنزالایمان)

مولانا سیّد نعیم الدین مرادآبادی رقم طراز ہیں:

یعنی خاتم الانبیا کہ نبوت آپ پر ختم ہوگئی، آپ کی نبوت کے بعد کسی کو نبوت نہیں مل سکتی، حتیٰ کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں گے تو اگرچہ نبوت پہلے پا چکے ہیں مگر نزول کے بعد شریعتِ محمدیہ پر عامل ہوں گے اور اسی شریعت پر حکم کریں گے اور آپ ہی کے قبلہ یعنی کعبہ معظمہ کی طرف نماز پڑھیں گے۔ حضور ﷺ کا آخرالانبیا ہونا قطعی ہے نصِ قرآنی بھی اس میں وارد ہے اور صحاح کی بہ کثرت احادیث تو حدِ تواتر تک پہنچتی ہیں۔ ان سب سے ثابت ہے کہ حضور ﷺ سب سے پچھلے نبی ہیں آپ کے بعد کوئی نبی ہونے والا نہیں۔ جو حضور ﷺ کی نبوت کے بعد کسی اور کو نبوت ملنا ممکن جانے وہ ختم نبوت کا منکر اور کافر خارج از اسلام ہے۔

(تفسیر خزائن العرفان مشمولہ کنزالایمان، مطبوعہ رضا اکیڈمی، ممبئی ۶۷۵۔۶۷۶)

علمائے حق نے اس یقینی و اجماعی عقیدے کے خلاف عقیدہ رکھنے والے فرقوں کا ردِ بلیغ کیا اور اُن کا استیصال کیا، کتابیں بھی تصنیف کیں۔ اُن میں امام احمد رضا محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۴۰ھ/

۱۹۲۱ء) کی قومی خدمات سرفہرست ہیں۔ آپ کے برادرِ اوسط استاذِ زمن علامہ حسن رضا خاں بریلوی نے بھی منکرینِ ختمِ نبوت کے سدباب میں اہم کردار ادا کیا۔ عقیدۂ ختمِ نبوت کے جلوے آپ کے دیوان ''ذوقِ نعت'' میں دیکھنے کو ملتے ہیں۔ یہاں صرف اس کی ایک جھلک پیش کی جاتی ہے۔

علامہ حسن رضا خاں بریلوی کی ولادت ۲۲؍ربیع الآخر مطابق ۱۸؍نومبر ۱۸۵۹ء کو بریلی میں ہوئی اور آپ نے ۳؍شوال المکرم ۱۳۲۶ھ مطابق ۲۸؍اکتوبر ۱۹۰۸ء کو وصال فرمایا۔ پہلے غزلیں کہتے تھے۔ امام احمد رضا کی صحبت نے نعت کی طرف مائل کردیا۔ عشقِ رسول ﷺ سے سرشار تھے اور محتاط نعت گو بھی۔ ڈاکٹر صابر سنبھلی آپ کے نعتیہ دیوان ''ذوقِ نعت'' کی بابت لکھتے ہیں:

> ذوقِ نعت کی نعتیں فکروفن اور جذبہ وتخیل کا حسین امتزاج ہیں۔ جذبۂ عشقِ رسول ﷺ کی تیز آنچ قاری کے دل میں احساس کی گرمی پیدا کرتی چلی جاتی ہے۔ اپنے ممدوح کی شانِ ارفع واعلیٰ کو شاعر نے جس انداز سے اُجاگر کیا ہے وہ قابلِ تعریف ہے اور وہ اس لیے کہ اس کا دائرہ صرف جذباتِ حبِ نبی کے حصار تک ہی محیط نہیں بلکہ وہ عمدہ شاعری کا نمونہ بھی ہے۔ اگر ''ذوقِ نعت'' کا مطالعہ اس نظر سے کیا جائے کہ اس کے مذہبی جذبات کو نظر انداز کر کے صرف اس کی ادبیت کو ہی ملحوظ رکھیں تو اس میں فصیح الملک حضرت داغ دہلوی کے اندازِ شاعری کی بھرپور چھوٹ دکھائی دیتی ہے۔

(سال نامہ یادگارِ رضا، ۲۰۰۵ء، ص ۲۵، رضا اکیڈمی ممبئی)

نعت کے موضوع میں بڑی وسعت ہے۔ سرورِ کائنات ﷺ کے خصائل و خصائص، عادات و اطوار، تابندہ کردار و گفتار، حسن وملاحت، جودوعطا، معجزات وعنایات اور شمائل بیان کیے جاتے ہیں۔ عقائد کا بھی اظہار ہوتا ہے اور منکرینِ فضائلِ رسالت کا استیصال بھی۔ نعت کے مضمون میں ان کا بیان کچھ نیا نہیں۔ عہدِ صحابہ سے لے کر اب تک برابر یہ روایت چلی آئی ہے۔ یہی سبب ہے کہ اسلاف کے اشعار میں جہاں سرورِ کائنات ﷺ کے اوصاف و فضائل اور حیاتِ طیبہ کے گوشوں کا ذکر موجود ہے وہیں ختمِ نبوت کا وصف بھی خوب بیان ہوا ہے۔ علامہ حسن رضا خاں بریلوی نے ذوقِ نعت میں جہاں معنی آفرینی کے جلوے دکھائے، اشعار کو نیا رنگ و آہنگ عطا کیا، وہیں سلف کا اتباع بھی کیا۔ بایں سبب اشعار فکرِ امام رضا سے مستفیض و مستفید صاف دکھائی دیتے ہیں۔

آپ نے سرورِ کائنات ﷺ کی خاتمیت پر متنوع انداز میں روشنی ڈالی ہے۔ کہیں کھلے اور واضح طور پر، کہیں خصوصیات کے بیان میں، کہیں ولادت و بعثت کے تذکرے میں اس نوع کے چند اشعار ملاحظہ کریں

(۱)

اے نظمِ رسالت کے چمکتے ہوئے مقطع　　تو نے ہی اسے مطلعِ انوار بنایا

(۲)

ترے زیرِ پا مسندِ ملکِ یزداں　　ترے فرق پر تاجِ ملکِ خدا ہے

(۳)

شاہیِ کون و مکاں آپ کو دی خالق نے　　کنزِ قدرت میں ازل سے تھی یہ دولت محفوظ

(۴)

تیرے قانون میں گنجائشِ تبدیل نہیں　　نسخ و ترمیم سے ہے تیری شریعت محفوظ

(۵)

ظاہر ہے کہ سلطانِ دوعالم کی ہے آمد　　کعبہ پہ ہوا نصب جو یہ سبز علم آج

(۶)

کمان دارِ نبوت قادر اندازیٔ میں یکتا ہیں　　دوعالم کیوں نہ ان کا بستۂ فتراک ہو جاتا

(۷)

ظہور پاک سے پہلے بھی صدقے تھے نبی تم پر　　تمھارے نام ہی کی روشنی تھی بزمِ امکاں میں

ان اشعار میں مختلف انداز میں عقیدۂ ختمِ نبوت کا مضمون موجود ہے۔ ملاحظہ کریں:

پہلے شعر میں ''نظمِ رسالت کا چمکتا ہوا مقطع'' کہا گیا۔ دوسرے اور تیسرے شعر میں کائنات کا تاج دار کہا گیا۔ چوتھے شعر میں سرورِ کائنات ﷺ کی شریعت کا بیان ہے اور یہ کہ یہ شریعت تبدیل و ترمیم سے محفوظ و مامون ہے۔ شریعت کی جامع کتاب قرآن مجید ہے، جس کے بارے میں ارشادِ الٰہی عزوجل ہے:

انا نحن نزلنا الذکر و انا لہ لحافظون.

بے شک ہم نے اُتارا ہے یہ قرآن اور بے شک ہم خود اس کے نگہبان ہیں۔ (الحجر:۹/ کنزالایمان)

جب شریعت محفوظ و نافذ تو سرورِ کائنات ﷺ کی نبوت تبدیل و ترمیم سے مبرا یعنی سرورِ کائنات ﷺ خاتم النّبیین۔ یوں ہی آخری تینوں اشعار میں ''سلطانِ دوعالم'' اور ''کمان دارِ نبوت'' اور ظہورِ پاک سے قبل کی بشارت کا بیان ہے۔ سرورِ کائنات ﷺ کی آمد آمد اور بعثت و خاتم الانبیا ہونے کی بشارت انبیاے کرام اپنی اپنی اُمتوں میں دیتے رہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک بشارت بابرکت سنانے کا سلسلہ جاری رہا۔

موضوع کی مناسبت سے ''ذوقِ نعت'' سے چند اشعار اور پیش کر دیے جاتے ہیں:

(۱) مہر پشت پاک میں تجھ پر فدا دے دے آزادی کا فرماں الغیاث
(۲) تمام ہوگئی میلاد انبیا کی خوشی ہمیشہ اب تری باری ہے بارھویں تاریخ
(۳) خدا کی خلق میں سب انبیا خاص گروہِ انبیا میں مصطفےٰ خاص
(۴) نرالا حسنِ انداز و ادا خاص تجھے خاصوں میں حق نے کرلیا خاص
(۵) نبی ہم پایا ہوں کیا تو نے پایا! نبوت کی طرح ہر معجزہ خاص
(۶) تھی جو اس ذات سے تکمیل فرامیں منظور رکھی خاتم کے لیے مہرِ نبوت محفوظ

پہلے شعر میں ''مہرِ پشت پاک'' سے مراد ''مہرِ نبوت'' ہے جو سرورِ کائنات ﷺ کے خاتم الانبیا ہونے پر دال ہے۔ امام احمد رضا کا مشہور شعر ہے:

حجرِ اسود کعبۂ جان و دل
یعنی مہرِ نبوت پہ لاکھوں سلام

سرکارِ دوعالم ﷺ کی آمد سے قبل انبیا کی آمد کا سلسلہ جاری رہا اور ان کی ولادت کے تذکرے ہوتے رہے لیکن جب سرورِ کائنات ﷺ تشریف لے آئے تو خاتم النبیین بن کر آئے۔ لہٰذا انبیاے کرام کی بعثت کا سلسلہ آپ کی ذات پاک پر مکمل ہوگیا۔ قیامت تک ولادتِ مصطفےٰ ﷺ کا انعقاد ہوتا رہے گا۔ دوسرے شعر میں اسی مضمون کو باندھا گیا ہے۔ سرورِ کائنات ﷺ کے میلاد کا بیان انبیاے کرام اپنی اُمتوں میں برابر کرتے رہے، گویا جس ذاتِ پاک کا میلاد ہمیشہ منایا جائے گا بعثت سے قبل ہی چرچے شروع کردیے گئے تھے۔ چناں چہ مولانا سیّد نعیم الدین مرادآبادی تفسیر ''خزائن العرفان'' میں رقم طراز ہیں:

''حدیث حضرت عطا بن یسار نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے سیّد عالم ﷺ کے وہ اوصاف دریافت کیے جو توریت میں مذکور ہیں۔ انھوں نے فرمایا کہ حضور کے جو اوصاف قرآن کریم میں آئے ہیں انھیں میں سے بعض اوصاف توریت میں مذکور ہیں۔ اس کے بعد انھوں نے پڑھنا شروع کیا (یہاں صرف ایک اقتباس پیش کیا جاتا ہے) اللہ تعالیٰ نے آپ کی صفت میں فرمایا کہ میں انھیں ہر خوبی کے قابل کروں گا اور ہر خلق کریم عطا فرماؤں گا اور اطمینان قلب و وقار کو اُن کا لباس بناؤں گا اور طاعات و احسان کو ان کا شعار کروں گا اور تقویٰ کو ان کا ضمیر اور حکمت کو ان کا راز اور صدق و وفا کو ان کی طبیعت اور عفو و کرم کو ان کی عادت اور عدل کو ان کی سیرت اور اظہارِ حق کو ان کی شریعت اور ہدایت کو ان کا امام اور اسلام کو ان کی ملت بناؤں گا احمد ان کا نام ہے۔''

ایک اور حدیث میں توریت شریف سے حضور ﷺ کے یہ اوصاف منقول ہیں:

''میرے بندے احمد مختار اُن کا جائے ولادت مکہ مکرمہ اور جائے ہجرت مدینہ طیبہ ہے۔ ان کی اُمت ہر حال میں اللہ کی کثیر حمد کرنے والی ہے۔''

(خزائن العرفان، مشمولہ کنز الایمان، ص ۲۷۴، ۲۷۵)

یوحنا کی انجیل کے باب سولہ کی ساتویں آیت ہے:

''لیکن مَیں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا تمھارے لیے فائدہ مند ہے کیوں کہ اگر میں نہ جاؤں تو وہ مددگار تمھارے پاس نہ آئے گا لیکن اگر جاؤں گا تو اُسے تمھارے پاس بھیج دوں گا۔''

اس میں حضور ﷺ کی بشارت کے ساتھ اس کا بھی صاف اظہار ہے کہ حضور خاتم الانبیا ﷺ ہیں۔ آپ کا ظہور جب ہی ہوگا جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی تشریف لے جائیں۔ اس کی تیرھویں آیت ہے:

''لیکن جب وہ یعنی سچائی کی روح آئے گا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا اس لیے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا لیکن جو کچھ سنے گا وہی کہے گا اور تمھیں آئندہ کی خبریں دے گا۔''

اس آیت میں بتایا گیا کہ سیّد عالم ﷺ کی آمد پر دینِ الٰہی کی تکمیل ہو جائے گی اور آپ سچائی کی راہ یعنی دینِ حق کو مکمل کر دیں گے اس سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ ان کے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔ (ایضاً)

تیسرے اور چوتھے شعر میں انبیاے کرام کے مقدس گروہ میں سیّد عالم ﷺ کے خاص ہونے اور خاصوں میں خاص ہونے کا بیان ختمِ نبوت کی خصوصیت کے ضمن میں نظم ہوا۔

پانچویں شعر میں یہ مضمون باندھا گیا ہے کہ جس طرح سیّد عالم ﷺ ختمِ نبوت کی خصوصیت سے سرفراز و ممتاز ہیں یوں ہی معجزات بھی بڑی شان و خصوصیت رکھتے ہیں۔

چھٹے شعر میں جو مضمون نظم کیا گیا وہ یوں کہ دینِ حقہ کی تکمیل سیّد عالم ﷺ کی ذاتِ پاک سے ہوئی اور بابِ نبوت پر مہر کرنے والے آپ ہی ہیں۔ نبیوں کا سلسلہ آپ کی ذاتِ پاک پر ختم ہوا۔ اللہ تعالیٰ کے احکام و فرامین کی تکمیل ہوئی اور آخری کتاب ''قرآن مقدس'' خاتم النبیین سیّد عالم ﷺ پر نازل ہوئی:

تھی جو اس ذات سے تکمیلِ فرامیں منظور
رکھی خاتم کے لیے مہرِ نبوت محفوظ

فکر و فن

ڈاکٹر سراج احمد قادری۔ بھارت

راجندر نرائن سکسینہ بسمل شمس آبادی
(شخصیت اور نعتیہ شاعری کا مطالعہ)

اردو کے عظیم شاعر و نقاد راجندر نرائن سکسینہ بسمل شمس آبادی کی ولادت ۱۷ر نومبر ۱۹۲۰ء میں قصبہ شمس آباد، ضلع فرخ آباد کے ایک تعلیم یافتہ گھرانے میں دیوی چرن کے یہاں ہوئی۔ ان کے والد اردو اور فارسی کے ایک بہترین جانکار اور مہارت رکھنے والے عالم تھے، بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ وہ اردو اور فارسی زبان پر کامل دست گاہ رکھتے تھے تو بے جا نہ ہوگا۔ اپنی علم دوستی کی بنا پر انھوں نے اپنے فرزندِ ارجمند راجندر نرائن سکسینہ کو اس وقت کے ماحول کے اعتبار سے حصولِ تعلیم کے لیے مکتب میں بٹھایا۔ بس یہیں سے بسمل شمس آبادی کی پرواخت کا سلسلہ شروع ہوا اور آگے چل کر انھوں نے اردو کے ایک عظیم شاعر و نقاد کی حیثیت سے اپنی عظمت کا اعتراف اربابِ علم وفضل سے کرایا۔

مکتب کی تعلیم کے بعد مزید ذوقِ وجدان کی پذیرائی کے لیے انھوں نے اپنا تعلیمی قدم آگے بڑھایا اور قصبہ ہی کے اینگلو ورنا کیولر اسکول سے درجہ آٹھ تک تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد شعر کی بالیدگی اور علمی تجسس نے ان کو شہر فرخ آباد پہنچا دیا۔ فرخ آباد کرسچین اسکول سے ہائی اسکول پاس کیا اور پھر اعلیٰ تعلیم کے لیے اتر پردیش کے مشہور شہر بریلی کا انتخاب کیا، جہاں سے ۱۹۴۰ء میں بی اے اور ۱۹۴۲ء میں قانون کی ڈگری حاصل کی۔

ابھی تعلیمی سلسلہ جاری ہی تھا کہ اسی اثنا میں رشتۂ ازدواجیت سے بھی بندھ گئے۔ ان کی شادی شہر بریلی کے مشہور ومعروف شاعر وادیب شام موہن لال جگر بریلوی کی منجھلی بیٹی شانتی دیوی سے ہوئی۔ چناں چہ وہ خود رشتۂ ازدواجیت سے منسلک ہونے کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں:

> ۱۹۴۱ء میں جب میں بریلی کالج میں طالب علم تھا۔ بریلی کے نامور شاعر وادیب شام موہن لال جگر بریلوی کی منجھلی دختر شانتی دیوی میری رفیقۂ حیات بنیں۔ جگر کے

کلام کے مطالعے نے میرے خیالات کو ایک نیا روپ اور شعر گوئی کے دھارے کو
ایک نیا موڑ دیا۔ جب تک وہ زندہ رہے میں نے انھیں سے اصلاح لی۔[☆۱]

راجندر نرائن سکسینہ کا تعلق جگر بریلوی سے ہونے کے بعد ان کی شعر گوئی نے وہ تب و تاب حاصل کی کہ مہرِ درخشاں کے مانند اردو ادب کی تاریخ میں ان کا نام جگمگانے لگا اور اگر یہ کہا جائے کہ جگر بریلوی کی تربیت نے ان کو کندن بنا دیا تو غلط نہ ہوگا۔

راجندر نرائن سکسینہ بسمل شمس آبادی کی تعلیم و تربیت، ان کی اصلاح اور ان کے فن کو عروج و ارتقا وقت کی دو عظیم شخصیتوں نے دیا۔ اوّلاً ان کے والد بزرگوار دیوی چرن مرحوم دوسرے ان کے خسر شام موہن جگر بریلوی مرحوم۔ چناں چہ راجندر نرائن سکسینہ اپنے بچپن کے ماحول کو یاد کر کے اپنے والد کو خراجِ محبت پیش کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

> ''میرے والد اردو، فارسی میں کافی دست گاہ رکھتے تھے۔ اکثر فارسی کے اشعار سناتے اور ان کا ترجمہ کر کے مجھے سمجھاتے۔ ان کی علم دوستی کا مجھ پر شروع ہی سے اثر پڑا۔[☆۲]
>
> مَیں نے دورانِ تعلیم محسوس کیا کہ فارسی زبان سخن طرازی کے لیے اتنی لطیف ہے کہ اس کو بیان نہیں کیا جاسکتا جو الفاظ و معانی فارسی زبان کے پاس ہیں دنیا کی اور زبانوں کے پاس نہیں۔ خصوصاً شعر گوئی کے حوالے سے دلوں کی ترجمانی کرنے کے لیے جو الفاظ فارسی زبان میں مل جاتے ہیں وہ دنیا کی اور زبانوں کے پاس نہیں مل پاتے۔''

راجندر نرائن سکسینہ کا مطالعہ فارسی زبان سے گہرائی و گیرائی کی حد تک ہونے کی وجہ سے ان کی شاعری دلوں کی ترجمانی کرتی ہوئی نظر آتی ہے۔

انسان کا ذوق و تجسس اور اس کا مطالعہ و مشاہدہ اس کو کامیابی کی طرف لیے جاتا ہے۔ بسمل شمس آبادی کے اندر شعر گوئی و شعر فہمی کی صلاحیت کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ مزید ان کی تعلیم و تربیت نے ان کو کامیابی و کامرانی کے دہانے تک پہنچا دیا۔ زبان و ادب پر کسی قوم یا کسی ملک کا اجارہ نہیں ہوتا۔ اس پر ہر انسان کا برابر کا حق ہے چاہے وہ کسی ملک یا قوم سے تعلق رکھنے والا ہو۔ کسی بھی زبان یا ادب میں مقام و مرتبہ حاصل کرنے کے لیے اس کی اپنی کوشش و کاوش کافی ہوا کرتی ہے۔ دنیا کی ادبی و لسانی تاریخیں آج بھی ہمیں متنبہ کر رہی ہیں کہ اس میں اسی آدمی نے مقام و مرتبہ حاصل کیا، جس نے ذوق و تجسس اور مطالعہ مشاہدہ کے بعد اس کی زلفِ پریشاں کو سنوارا ہے۔

بسمل شمس آبادی بذاتِ خود اردو کے ایک عمدہ شاعر ہیں۔ ان کا کلام غزلوں، نظموں، آزاد نظموں اور نعتیہ اشعار پر مشتمل ہے۔ انھوں نے بڑی عقیدت و محبت کے ساتھ بزرگانِ دین کی شان میں منقبتیں بھی تحریر فرمائی ہیں۔ انھوں نے سلام بھی تحریر کیے ہیں۔ اُن کے سلام کے اشعار بڑے ہی دردمند اور سوز و گداز کے حامل ہیں۔ ان کی نعتیں، منقبتیں اور سلام عظیم نعت گو شاعر مولانا احمد رضا خاں بریلوی، مولانا حسن رضا خاں بریلوی اور حفیظ جالندھری کی یاد دلاتے ہیں۔

اردو ادب کی جملہ اصنافِ شعر گوئی پر ان کی گرفت اتنی مضبوط ہے کہ بیان نہیں کیا جاسکتا۔ مَیں نے اُن کے اب تک شائع ہونے والے مجموعہء کلام: (۱) گلِ صحرا (۲) زخمِ نہاں (۳) رستے چھالے (۴) خشتِ حرم کا بالاستیعاب مطالعہ کیا ہے۔ مَیں نے مطالعے سے پایا کہ اُن کی شعر گوئی اتنی ٹھوس اور مستحکم ہے کہ اردو ادب کے ماہرین کے لیے مجالِ انکار نہیں۔ مَیں نے مطالعے سے یہ بھی پایا کہ وہ اپنے نظریات میں اتنے راسخ ہیں کہ ان کو زمانے کی ہوائیں لرزہ براندام نہیں کرسکتیں۔ وہ جو بھی بات کہتے ہیں یا جو نظریہ پیش کرتے ہیں وہ بہت ہی ٹھوس اور ٹھوک بجا کر۔ جسے ہم اور آپ اپنی زبان میں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ شاعر و ادیب کو اعلانِ حق کے لیے پیدا فرماتا ہے۔ جو بات مل کر پوری قوم نہیں کہہ سکتی اس بات کو شاعر شعر کے توسط سے بڑی چابک دستی سے کہہ کر گزر جاتا ہے اور لوگ تماشائی بنے رہ جاتے ہیں۔ اس کے ثبوت میں، میں بسمل شمس آبادی کا ایک شعر حیطۂ تحریر میں لانا چاہتا ہوں۔ آپ فرماتے ہیں:

ہم نے سوچا ہے کہ سچ بات کہیں گے کچھ ہو
سامنے ہیں رسن و دار خدا خیر کرے ☆۳

اسی نظریے کو ایک دوسرے شعر میں اس طرح تحریر فرماتے ہیں:

دل میں چبھتی ہے جو دن رات کہوں یا نہ کہوں
کش مکش میں ہوں وہ بات کہوں یا نہ کہوں ☆۴

اور وہ حقیقت اس شعر میں آکر اور زیادہ نمایاں ہوگئی:

مَیں چاہتا نہیں تھا کہ لب اپنے وا کروں
لیکن ہر ایک تلخ حقیقت ہے کیا کروں ☆۵

اس وقت میرا موضوع اُن کی نعتیہ شاعری ہے۔ اگر ان کی جملہ شعر گوئی میرا مطمحِ نظر ہوتی تو میں واضح کرتا کہ وہ قوم اور ملک کو کیا پیغام دینا چاہتے ہیں نیز اُن کی شاعری کس قدر اسرار و رموز سے لبریز ہے۔ وہ جب غزل کے پیرائے میں عشقِ حقیقی کی گفتگو کرتے ہیں تو دل وارفتہ ہوا جاتا ہے۔ جب ملک کی محبت میں ان کا قلم حرکت میں آتا ہے تو وہ ملک کے بہت بڑے دافع اور فدائی معلوم ہوتے ہیں اور جب وہ

رہنمایانِ ملک سے ان کی بدعنوانیوں کے خلاف شکایت کرتے ہیں تو وہ ایک سچے مصلحِ قوم و وطن معلوم ہوتے ہیں۔

مَیں راجندر نرائن سکسینہ بسمل شمس آبادی کی مذہبی شاعری خصوصاً اسلامی نعتیہ شاعری کے مطالعے سے اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اُن کا اسلامیات کا مطالعہ بہت ہی وسیع و عمیق ہے۔ وہ اسلام کے جس بھی موضوع پر بھی قلم اُٹھاتے ہیں اُس کی روایت و اسناد کا خصوصی لحاظ رکھتے ہیں۔ مجال نہیں کہ وہ کسی غیر معقول و منقول روایت کو اپنی شاعری کا موضوع بننے دیں۔ انھوں نے اپنے مجموعہ کلام ''خشتِ حرم'' میں ایک حمد تحریر فرمائی ہے جس کا عنوان ہے ''خالقِ کائنات کے حضور میں'' اس حمد پاک کی خصوصیت جو مَیں نے محسوس کی ہے وہ یہ کہ اُس کا ایک ایک شعر ہمیں ربّ کائنات کی بارگاہ میں اس حیثیت سے پیش کرتا ہے جس طرح سے بندے کو اپنے مالک کے حضور حاضری دینا چاہیے۔ اس حمد پاک میں عجز و انکساری کا ایسا تصور پیش کیا گیا ہے جو اپنی مثال آپ ہے اور نفس الامر میں اسی تصور و خیال کے ساتھ ربّ کریم کی بارگاہ میں ایک انسان کو حاضری دینا چاہیے۔ بسمل نے مجھے ایک مکتوب کے ذریعے باخبر کیا کہ اُن کی اِس حمد پاک کو متحدہ امریکا میں لوگ وظیفے کے طور پر پڑھتے ہیں۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

اے خالقِ کون و مکاں — اے مالکِ ہر دو جہاں
ہے ذات تیری لافنا — ممکن نہیں تیری ثنا
ہر شے کی تجھ سے ابتدا — ہر شے کی تجھ پر انتہا
تو حسن عالم گیر ہے — ہر شے تیری تصویر ہے
جب تک نہ ہو مرضی تیری — ہلتا نہیں پتا کبھی
مظہر تیرے فرمان کی — آیات ہیں قرآن کی
اے مالکِ لوح و قلم — دے وہ مجھے تاب رقم
تیوہار ہوں وہ مذہبی — یا ذکرِ اوصافِ نبی
جب میں کروں اُن کا بیاں — قاصر نہ ہو میری زباں
ہر لفظ میں تاثیر ہو — ہر شعر میں تطہیر ہو
نورِ حقیقت سے بھرا — جوشِ عقیدت سے بھرا

اک عزم میرے ساتھ ہے
اب لاج تیرے ہاتھ ہے[۲۶]

راجیند رنرائن سکسینہ بسمل شمس آبادی نے اپنے تمام تر اسلامی کلام کو اپنے چوتھے مجموعہ کلام ''خشتِ

حرم‘‘ میں یک جا کر دیا ہے جس کو اُن کی اسلامی شاعری کا مجموعہ قرار دیا جاسکتا ہے جو ماہ فروری ۲۰۰۳ء میں اشاعت پذیر ہو کر منظرِ عام پر آیا ہے۔ اس کے شروع میں حسبِ معمول انھوں نے اپنے خاندانی، تعلیمی و شعر گوئی کے احوال و کوائف بیان کیے ہیں جو کسی بھی کتاب کے شروع میں ہونا چاہیے۔ اس لیے کہ اس سے کتاب اور صاحبِ کتاب کے سلسلے میں ایک ایسا تصور اُبھر کر آتا ہے جو اس کی تخلیق کی تفہیم میں معاون ہوا کرتا ہے۔ اس کے بعد تسلیم غوری بدایونی کا پیش لفظ ہے جو ایک طرح سے کتاب اور صاحبِ کتاب کا تعارف ہے۔ نیز اس کے بعد قابلِ قدر ادیب و نقاد اردو ادب کے جاں نثار ویریندر پرشاد سکسینہ سابق ممبر اتر پردیش اردو اکادمی لکھنؤ کا ایک گراں قدر تبصرہ ہے۔ ایک تبصرہ ایم راجا شعلہ چیف ایڈیٹر ’’بہار‘‘ ہردوئی (یوپی) کا ہے۔

راجندر نرائن سکسینہ بسمل شمس آبادی کے مجموعہ ’’خشتِ حرم‘‘ میں حمد پاک کے بعد ہی نعتِ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جلوہ سامانیاں ہیں۔ اُن کے اس مجموعے کے شروع میں نعت پاک کا ایک ایسا شعر ہے جو ہزار ہا نعت کے اشعار پر بھاری ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ بہت سے نعتیہ دواوین اور مجموعہ ہائے کلام پر بھاری ہے تو بے جا نہ ہوگا۔ ملاحظہ ہو:

اعجاز ہے نبی کا کہ بسمل سا، بت پرست
طوفِ حرم کو، دیر سے جاتا ہوا ملا

آپ ایک لمحے کے لیے سوچ سکتے ہیں کہ بسمل شمس آبادی کے اس شعر میں کس قدر ہمہ گیریت اور وارفتگی جلوہ فرما ہے جس کا بیان نہیں کیا جاسکتا ہے۔ ایک طرف تو بت پرستی کا دعویٰ ہے اور دوسری طرف حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے معجزے کی بات کہی جارہی ہے اور آخری مصرعے میں بات بالکل صاف کردی گئی ہے کہ بت پرست ہونے کے باوجود حرمِ مقدس کی زیارت کا عزم بہت ہی پختہ ہے۔ جیسے یوں کہا جاسکتا ہے کہ عشقِ رسول کا جادو سر چڑھ کر بول رہا ہے۔

راجندر نرائن سکسینہ خود اور دیگر ہندو نعت گو شعرا نے جابجا اپنے نعتیہ کلام میں ایمان و کفر کی بات کہی ہے۔ آج نعتیہ ادب کے ناقدین کے مابین اس قسم کے اشعار تنقید و تحقیق کا موضوع بنے ہوئے ہیں کہ اس طرح کے اشعار کو اسلامی جذبہ یا عشقِ رسول کہا جائے یا پھر شاعرانہ تعلّی۔ اس لیے کہ فقہِ اسلامی میں ایمان و کفر کی جو توضیح و تشریح موجود ہے وہ ان شعرائے کرام کے کلام سے ہٹ کر ہے۔ چند اشعار بسمل شمس آبادی کے مجموعۂ کلام سے بھی ملاحظہ ہوں:

چھائی تھی زمانے پہ جب کفر کی تاریکی
پیدا ہوئے ایمان کے لمعات مدینے میں☆

☆

ایماں کی تو یہ ہے کہ ایماں کی راہ پر
اُمت کو لائی جس کی قیادت تمھیں تو ہو☆۸

☆

آپ پر لائے جو ایمان رسولِ عربی
آدمی ہے وہی انسان رسولِ عربی☆۹

اسی طرح شفاعت و بخشش کی باتیں بھی کہی گئی ہیں جب کہ شفاعت و بخشش کا مقام ایمان کے بعد کا ہے۔ مگر جس جوش اور جذبے کے تحت شفاعت و بخشش طلب کی جارہی ہے وہ لائقِ صد ستائش ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

بخشے جائیں گے بسملؔ سرِ حشر جو
اُن کی فہرست میں تیرا نام آگیا☆۱۰

☆

یہ کہہ کے مجھے بخشش سینے سے لگا لے گی
دیکھو یہ محمد کا دیرینہ غلام آیا☆۱۱

☆

انجام کار داورِ محشر کے سامنے
جس سے ہے اک اُمید شفاعت تمھیں تو ہو☆۱۲

الحاصل راجندر نرائن سکسینہ ہوں یا دیگر غیر مسلم نعت گو شعرا اُن کا کلام اُن کی تحریر کردہ نعتیں اور حمد پاک ان کے ایمان و عقائد۔ سے ہٹ کر آج بھی پڑھنے کے بعد متاثر ضرور کرتی ہیں اور صرف متاثر ہی نہیں کرتیں بلکہ اپنا گرویدہ بنالیتی ہیں۔ اس طرح کی ایک نعت پاک بسملؔ شمس آبادی کے مجموعۂ کلام سے ملاحظہ ہو جس وقت میں اس مقالے کی تیاری کر رہا تھا اور اشعار کا انتخاب تیار کر رہا تھا جب میں نے درج ذیل نعت پاک کا مطالعہ کیا تو میں فیصلہ ہی نہیں کرسکا کہ کس شعر کو منتخب کروں اور کس کو چھوڑ دو۔ بالآخر میں نے پوری نعت پاک تحریر کرنا مناسب سمجھا آپ بھی ملاحظہ فرمائیں اور محظوظ ہوں۔ عنوان ہے ”عید میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم:

اللہ اللہ مبارک ہو دن آج کا، آج نبیوں کا اک پیش امام آگیا
گود میں آمنہ کی وہ نورِ ازل وہ رسالت کا ماہِ تمام آگیا

پیکر سادگی، روح پاکیزگی، جانِ ہر انجمن ہر مقام آ گیا
جس کے رخسار کا عکس نورِ سحر جس کے گیسو کا سایہ ہے شام، آ گیا
دیکھنے کو اسے عرش سے فرش تک جمع تھے جتنے قدس و حور و ملک
روئے اطہر کی بس دیکھتے ہی جھلک ان کے لب پر درود و سلام آ گیا
کملی والے کے آنے کی تھی جو خبر، چاند تارے رہے فرشِ راہ رات بھر
لے کے کرنوں کی سوغات وقتِ سحر مہر تاباں پئے احترام آ گیا
روشنی جس سے ایماں کی حاصل ہوئی مشکل انساں میں ہلتی وہ نازل ہوئی
آج نازاں بجا طور پر ہے بشر، آج نازِ بشر کا مقام آ گیا
لفظ کُن کی بیاں جس نے تفسیر کی جس نے سمجھا دیا موت ہے زندگی
واقفِ رازِ ہستی و نیستی رازدارِ فنا و دوام آ گیا
عفو عصیاں کی خاطر پریشان نہ ہو وقت آخر اب آٹھ آٹھ آنسو نہ رو
بخشے جائیں گے بسملؔ سرِ حشر جو ان کی فہرست میں تیرا نام آ گیا ☆۱۳

اس کے علاوہ بسملؔ شمس آبادی کے مجموعۂ کلام ''خشتِ حرم'' میں تقریباً تیرہ نعت پاک اور ہیں۔ایک سلام بھی ہے، سلام کا انداز بتا رہا ہے کہ آپ حفیظ جالندھری سے زیادہ متاثر ہیں۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

سلام اُس پر جسے شایاں ہے فخرالانبیا کہنا
سلام اُس پر جسے زیبا ہے محبوبِ خدا کہنا

سلام اُس پر جو نقشِ اوّلیں تھا روئے گیتی پر
سلام اُس پر جو ختم المرسلیں تھا روئے گیتی پر

سلام اُس پر جو عقلِ کُل تھا، اُمّی لقب جس کا
سلام اُس پر جہاں میں نام تھا ماہِ عرب جس کا

سلام اُس پر جو شمع راہِ عرفاں بن کے آیا تھا
سلام اُس پر جو گم راہوں کو راہِ حق پہ لایا تھا

سلام اُس پر جو دکھیوں کا ہمیشہ دُکھ بٹاتا تھا
سلام اُس پر خطا کاروں کی جس نے ہر خطا بخشی

سلام اُس پر کہ جس کا فیضِ عالم آشکارا تھا
جو بیواؤں، یتیموں، بے سہاروں کا سہارا تھا ☆۱۴

راجند رنرائن سکسینہ بسمل شمس آبادی نے نعت پاک کے علاوہ دیگر موضوعات پر بھی اپنے فکر وفن کے جوہر دکھائے ہیں۔ جیسے رمضان کا مہینہ، نماز، روزہ، محرم، اے فاتحِ خیبر کے لال، اے عزادارِ حسین، عیدالاضحیٰ، عیدالفطر، عید ہے، یہ عید کا دن ہے، عید کا دن ہے، اجمیر شریف، صوفی ستار شاہ، آستانہ ستاریہ فتح گڑھ وغیرہ۔

حوالے

☆۱۔ ''خشتِ حرم'' راجیند رنرائن سکسینہ بسمل شمس آبادی، گاڑی خانہ فتح گڑھ، ص ۱۰

☆۲۔ ''زخم نہاں'' راجیند رنرائن سکسینہ بسمل شمس آبادی، گاڑی خانہ فتح گڑھ، ص ۱۳

☆۳۔ ''رستے چھالے'' راجیند رنرائن سکسینہ بسمل شمس آبادی، گاڑی خانہ فتح گڑھ، ص ۱۴

☆۴۔ ''رستے چھالے'' راجیند رنرائن سکسینہ بسمل شمس آبادی، گاڑی خانہ فتح گڑھ، ص ۱۵

☆۵۔ ''رستے چھالے'' راجیند رنرائن سکسینہ بسمل شمس آبادی، گاڑی خانہ فتح گڑھ، ص ۱۶

☆۶۔ ''خشتِ حرم'' راجیند رنرائن سکسینہ بسمل شمس آبادی، گاڑی خانہ فتح گڑھ، ص ۲۵

☆۷۔ ''خشتِ حرم'' راجیند رنرائن سکسینہ بسمل شمس آبادی، گاڑی خانہ فتح گڑھ، ص ۵۰

☆۸۔ ''خشتِ حرم'' راجیند رنرائن سکسینہ بسمل شمس آبادی، گاڑی خانہ فتح گڑھ، ص ۳۴

☆۹۔ ''خشتِ حرم'' راجیند رنرائن سکسینہ بسمل شمس آبادی، گاڑی خانہ فتح گڑھ، ص ۳۷

☆۱۰۔ ''خشتِ حرم'' راجیند رنرائن سکسینہ بسمل شمس آبادی، گاڑی خانہ فتح گڑھ، ص ۲۸

☆۱۱۔ ''خشتِ حرم'' راجیند رنرائن سکسینہ بسمل شمس آبادی، گاڑی خانہ فتح گڑھ، ص ۳۰

☆۱۲۔ ''خشتِ حرم'' راجیند رنرائن سکسینہ بسمل شمس آبادی، گاڑی خانہ فتح گڑھ، ص ۳۴

☆۱۳۔ ''خشتِ حرم'' راجیند رنرائن سکسینہ بسمل شمس آبادی، گاڑی خانہ فتح گڑھ، ص ۲۷۔۲۸

☆۱۴۔ ''خشتِ حرم'' راجیند رنرائن سکسینہ بسمل شمس آبادی، گاڑی خانہ فتح گڑھ، ص ۴۸۔۴۹

پروفیسر افضال احمد انور۔ فیصل آباد

سیماب اکبر آبادی کی نعت نگاری

حضرت علامہ عاشق حسین سیماب اکبر آبادی (پیدائش ۱۸۸۰ء، وفات ۳۱ رجنوری ۱۹۵۱ء) داغ دہلوی کے تلمیذِ رشید تھے۔ وہ اپنے دور کے جید عالم، مستند ادیب اور ایسے شاعر تھے جن کا طوطی پاک و ہند کے ہر گلستانِ سخن میں بولتا تھا۔ ہزاروں شعرائے کرام نے اُن سے اصلاحِ کلام لی۔ یقیناً وہ اپنے عہد کے بڑے اساتذہ میں تھے۔ ان کے لختِ جگر حضرت مظہر حسین صدیقی کی فراہم کردہ معلومات کے مطابق وہ نظم ونثر کی چھوٹی بڑی تقریباً تین سو کتابوں کے مصنف و مؤلف تھے۔ اُن کی سب سے اہم تصنیف قرآن مجید کا منظوم ترجمہ موسوم بہ وحیِ منظوم ہے۔ جس پر صدرِ مملکت کی طرف سے ہجری ایوارڈ دیا گیا۔ وہ غزل اور نظم کے یکساں قادرالکلام شاعر تھے۔ انھوں نے اپنے دور کے بعض اہم ہفت روزہ اور ماہ نامہ مجلّوں کی ادارت کے فرائض بھی انجام دیے۔

علامہ سیماب اکبر آبادی مذہبی و روحانی پس منظر بھی رکھتے تھے۔ وہ وارثیہ سلسلۂ طریقت کے مہرِ منیر حضرت الحاج حافظ سیّد وارث علی شاہ صاحب سرکار کے دستِ حق پرست پر شرفِ بیعت رکھتے تھے۔ اسی نسبت سے وہ کبھی کبھار اپنا تخلص سیماب کے بجائے وارثی بھی اشعار میں استعمال کرلیا کرتے تھے۔ انھوں نے دیگر اصناف کے علاوہ حضور نبی برحق حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح وثنا میں بہت سی نعتیں بھی زیبِ قرطاس کی ہیں۔ اُن کا پہلا ادبی شہ کار ''نیستاں'' کے نام سے قصرالادب آگرہ سے ۱۹۲۵ء میں شائع ہوا تھا جو نعتیہ اور دیگر مذہبی نظموں پر مشتمل تھا۔ اُن کے صاحب زادے مظہر حسین صدیقی نے اس نایاب نسخے سے اور اُن کے مختلف رسائل وجرائد میں شائع شدہ نعتیہ فن پاروں سے ان کا نعتیہ مجموعہ ''سازِ حجاز'' کے نام سے ۱۹۸۲ء میں شائع کرایا تھا۔ سیماب اکیڈمی، کراچی سے شائع شدہ یہ عظیم نعتیہ شہ کار راقم الحروف کے پیشِ نظر ہے۔ اس میں مظہر حسین صدیقی نے ان کے ابتدائی دور کے نعتیہ کلام کو ''منتخباتِ نیستاں'' کے عنوان سے کتاب کے آخر میں دیا ہے، جس سے اُن کے ابتدائی اور پختہ دور کے کلام میں حدِ فاصل قائم ہوگئی ہے۔ ان کے تدریجی ارتقا کی تفہیم میں یہ امر معاون ثابت ہوسکتا ہے۔

''سازِ حجاز'' یقیناً ایسا فن پارہ ہے جسے نعتیہ ادب کے تذکرے میں نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ فکر اور فن ہر دو لحاظ سے یہ اہم مجموعہ ہے۔ اس مجموعے کی سب سے بڑی خوبی شاعر کا عشقِ رسول ﷺ ہے، جو صفحے صفحے سے پھوٹا پڑتا ہے۔ اس والہانہ شیفتگی اور قلبی عقیدت کے بغیر نعت لکھی بھی نہیں جاسکتی۔ شاعر نے حضور پُرنور ﷺ کی بعثت سے پہلے کی دنیا کی حالتِ کفر وظلمت، ولادت و معراجِ رسولِ اکرم ﷺ کی کیفیات و برکات، سراپائے محبوبِ خدا، تمام عالمین پر عموماً اور اہلِ اسلام پر حضور پُرنور ﷺ کی رحمت و شفقت کا خصوصاً ذکر بڑی محبت سے کیا ہے۔ وہ سرورِ کائنات کو زندہ اور مختار مانتے ہیں۔ اس لیے ذاتی اور مسلمانوں کے اجتماعی مسائل و مصائب کا استغاثہ بارگاہِ نبوی ﷺ میں بڑے کرب و سوز سے پیش کرتے ہیں۔ جہاں حسنِ محبوبِ خدا ﷺ اُن کی مدحت و تحسین کا مرکز ہے، وہاں وہ باعثِ کون و مکاں ﷺ کے متعلقات و مناسبات پر بھی جاں دیتے ہیں۔ تذکارِ سیرت اُن کا محبوب مضمون ہے۔ مدینہ منورہ کی حاضری اور اس سے متعلق کیفیات دلی عشق سے بیان کرتے ہیں۔ مدینہ کریمہ میں دفن ہونے کا ارمان ان کے سینے کا تمغہ ہے۔ اُن کی شاعری کے یہ تمام موضوعات اُن سے پہلے کے بلکہ انؐ کے ہم عصر نعت گو شعرا کے ہاں بھی بہ کثرت مل جاتے ہیں لیکن سیماب نے خود کو روایت کی پاس داری تک محدود نہ رکھا بلکہ عصرِ نو کے تقاضوں کے عین مطابق جدید موضوعات کو بھی شاعری کا حصہ بنایا۔ حالؔی نے اپنے مسدّس سے نعت میں معاشرے کی اصلاح، اسلام کی نشاۃِ ثانیہ اور تہذیبِ تمدن کی مقصدیت کو جو رواج دیا تھا، اُس کا سلسلہ چل نکلا تھا۔ مسدّسِ حالؔی سے متاثر ہو کر لکھی جانے والی شاعری میں اقبال کے شکوہ اور جوابِ شکوہ کو لافانی مقام حاصل ہو چکا تھا۔ ان دونوں شعرا کی کاوشوں نے حضور نبی اکرم ﷺ کے حوالے سے ذاتِ خداوندی سے یا براہِ راست بارگاہِ نبوی ﷺ میں استغاثہ پیش کرنے کی روایت کو جدید خطوط پر استوار کر دیا تھا، سیماب اس سب کچھ سے واقف ہی نہیں بے حد متاثر بھی تھے۔ انھوں نے حالؔی اور اقبالؔ کی اس روایت کو اپنے کلام میں پیش کرنے کی خوب صورت کوششیں کیں۔ اس سلسلے میں حالؔی اور اقبالؔ ہی کی طرح مسدّس کی ہیئت کو بھی برقرار رکھا۔ اس سے جہاں احوالِ عالم پر ان کی گہری نظر کا ثبوت ملتا ہے، وہاں عالمِ اسلام کے لیے اُن کے گدازِ دل کی گواہی بھی ملتی ہے۔ ترکی سے خلافت کے خاتمے اور اٹلی سے ترکی کی جنگِ بلقان کے پس منظر میں لکھی گئی ملّی نظمیں اس پر شاہد ہیں۔ حیرت یہ ہے کہ سیماب نے ملّی شاعری کو نعتیہ بنا دیا ہے، یقیناً یہ امر قابلِ قدر ہے۔ اس حوالے سے کہا جاسکتا ہے کہ موضوعات کے حوالے سے سیماب نے روایت و جدّت کے اکثر مضامین کو نعت میں جگہ دی ہے۔

جہاں تک اُن کے فن کا تعلق ہے، سبحان اللہ وہ مسلّم الثبوت اساتذہ میں سے ہیں۔ وہ ایسی ہستی جن پر فن خود ناز کرتا ہے۔ زبان و بیان پر ان کی گرفت انھیں بلند درجہ عطا کرتی ہے۔ متعدد زبانوں پر عبور کے باعث ان کا انتخابِ الفاظ کا فن قابلِ داد ہے۔ لفظ گری اور ترکیب سازی کے بھی ماہر ہیں۔ ان کی بعض

تراکیب دامنِ دل کھینچتی ہیں، مثلاً:

عروسِ فطرت، محوِ آرائشِ مسلسل، دامن کشِ عقیدت، اشارۂ انقلاب، داغِ فسردہ، تابِ یدِ بیضا، ہنگامۂ بے حد، بارشِ یک سوئی، شورشِ گہہِ ہستی، محویتِ سینا، محفلِ ویراں، تجدیدِ سرشکِ غم، ایوانِ فراعینِ عالم، مردودِ خزاں، خاکسترِ سوزاں، قاسمِ کیفِ بے خودی، آیۂ رحمت و نجات، غازۂ مہرِ تاب ناک، ذرّۂ آستانِ پاک، کوکبِ افسرِ شہی، ظلمتِ کفر زار، سرمۂ بینائی، دفترِ آزادی، ذہنِ تنقید کی جولانی، قابلِ افشائے راز، اندیشۂ باطل، پامالِ حوادث، بحرانِ نبضِ کائنات، شورشِ زخمِ حیات، معمورِ ضرب و کرب، نشاط اندوزِ تسکیں، صہبائے مینائے ازل، جستجوئے رنگ و بو، اوّلِ ارواح، فطرتِ بالانشیں، بانگِ سبحان الذی اسریٰ، خلوتِ قوسین، رنگِ مازاغ البصر، قالبِ کونین، اہتمامِ اخذِ سامانی، مذاقِ سجدہ، لیلائے راز، ابروئے شہود، دعوتِ حسن و نور، مہِ آسمانِ فیض، نعرۂ تقدیس و تحسین، خراب آباد دنیا، دلیرِ خودی و کبر، تجلّی گاہِ وحدت، نسیمِ صبحِ طیبہ، صہبائے محبت، صحرائے تماشا، خاکسترِ غم، لعب گاہِ سفیہانہ وغیرہ۔ سیماب کی ان تراکیب سے زبان پر ان کی مہارت کا اندازہ ہوتا ہے۔ یہ تراکیب بلاشبہ میر انیس، مرزا غالب یا علامہ اقبال کی وضع کردہ تراکیب جیسی تو نہیں لیکن ان بزرگوں کے فیوض واثرات سے ترکیب سازی کا جو فن سیماب کے ہاں نظر آتا ہے۔ وہ لائقِ توجہ ضرور ہے اور اس قابل بھی کہ مابعد ادوار کے شعرا کی اس فن میں رہنمائی کر سکے۔

سیماب کے ہاں تشبیہات، استعارات، کنایات وغیرہ کا استعمال بھی خوبی سے ہوا ہے۔ علمِ بیان کے علاوہ علمِ بدیع کی جلوہ ریزیاں بھی اُن کے ہاں عام دکھائی دیتی ہیں۔ صنائع کے استعمال میں ان کے ہاں تکلّف کا احساس تک نہیں ہوتا کیوں کہ وہ کسی صنعت کو استعمال کرنے کے لیے شعر نہیں کہتے بلکہ شعر کے لیے صنعت لاتے ہیں۔ سیماب قرآن و حدیث اور سیرت کے مطالعے کے باعث وسیع علمی ذخائر رکھتے ہیں۔ لہٰذا تلمیحاتِ قرآنی ہوں، احادیثِ نبوی سے ماخوذ ہوں یا تاریخی وادبی ان کے کلام کے حسن کو چار چاند لگاتی ہیں۔ آج جب کہ عربی، فارسی کا علم بہ تدریج اُٹھتا جا رہا ہے صنائع بدائع کی باریکیوں پر غور کرنے والے بھی کم ہوتے جاتے ہیں، مگر سیماب جس دور سے تعلق رکھتے تھے، تب علم کی یہ حالت نہیں تھی۔ عام طلبہ تو کجا عوام بھی فنی باریکیوں پر نظر رکھتے تھے، سیماب تو پھر استاد تھے اور مرزا داغ کے شاگردِ رشید بھی، لہٰذا ان کے کلام بلاغت نظام میں ان فنی خوبیوں کا پیدا ہونا با آسانی سمجھ آتا ہے۔ اس بحث کو مزید پھیلانے یا سازِ حجاز سے فنی خوبیوں کو تلاش کر کے ان کا انبار لگانے کے بجائے اختصار سے کام لیتے ہوئے اُن کی ایک نعتیہ غزل ''صلی اللہ علیہ وسلم'' کے چند اشعار پیش کیے جاتے ہیں۔

یہ نعت صنعتِ توشیح میں لکھی گئی ہے یعنی ہر شعر کے پہلے مصرعے کے پہلے لفظ کے پہلے پہلے حروف کو جمع کیا جائے تو مطلوبہ لفظ (عنوان = صلی اللہ علیہ وسلم) بن جائے۔ گویا علامہ سیماب کی مجبوری تھی کہ وہ پہلے شعر کا آغاز حرف ''ص'' سے کریں، دوسرے کا ''ل'' سے...

علیٰ ہٰذا القیاس۔ اس میں آورد اور تکلف کو بہت دخل تھا لیکن شاعر نے اس چابک دستی سے اس فن کو برتا ہے اور اس میں اتنی سرعت، روانی، بے تکلفی اور آمد کی کیفیت کھپا دی ہے کہ تصنع کا شائبہ تک نہیں ہوتا۔

صبحِ ازل تھا، روئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم
شامِ ابد گیسوئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم

پہلے مصرعے کا آغاز حرف ''ص'' سے بھی ہو گیا اور دو خوب صورت تشبیہات بھی عطا ہوئیں۔ نبی پُرنور ﷺ کے چہرۂ اقدس کو صبحِ ازل اور آپ کے گیسوؤں کو شامِ ابد سے تشبیہ دی گئی ہے۔ چہرے کی چمک اور تازگی نیز زلفوں کی سیاہی وجہِ شبہ ہے۔ ازل اور ابد کی لامتناہی خصوصیات از خود روئے اقدس اور مبارک گیسوؤں کا لازمہ ٹھہریں۔ سبحان اللہ، کس قدر جامع، مقدس اور دل کش اور دل کشا تشبیہات ہیں۔ عنوان ''صلی اللہ علیہ وسلم'' کو ردیف بنا کر نعت کے حسن کو اور مجلا کیا گیا ہے۔ شعر کے دونوں مصرعے برابر آدھے آدھے ٹکڑوں میں تقسیم ہو جاتے ہیں۔ صبح اور شام میں تضاد ہے اس سے بھی ایک صنعت، حسنِ طباق ایجابی پیدا ہو گئی ہے۔ جو بحر چنی گئی ہے درجۂ کمال کی غنائیت رکھتی ہے۔ کسی بھی مصرعے کے ارکان کو ایک بار دہرائیے، دیکھیے ارکان کیسے زبان پر پھسلتے ہوئے ادا ہوتے ہیں۔ کہیں جھٹکا نہیں لگتا۔ ردیف کا ترنم اس پر مستزاد ہے، موزوں، سبک اور سہل نیز مترنم الفاظ کا انتخاب مزید مزید خوبیاں ہیں۔ نامِ نامی ''محمد'' کے فوراً بعد درود پڑھنے کا مسئلہ بھی ردیف نے حل کر دیا۔

لامِ رسالت زلف سے پیدا، سرِّ امامت سر سے ہویدا
نورِ سویدا موئے محمد، صلی اللہ علیہ وسلم

لام کا حرف لکھیں تو ''ل'' کی شکل بنتی ہے یہی گیسو کی شکل ہے۔ لفظ رسالت میں لام بالکل واضح گیسوئے خم دار کی طرح ل کی شکل میں صاف دکھائی دیتی ہے۔ شاعر کے نزدیک رسالت کی لام آپ کی زلف سے ظاہر ہے۔ امامت کا راز حضورِ اکرم ﷺ کے سرِ اقدس سے نمایاں ہے۔ زلف اور ل میں تشبیہ ظاہر ہے۔ سر اور سِرّ میں صنعتِ شبہ اشتقاق کا استعمال اپنی چھب دکھا رہا ہے۔ دوسرے مصرع میں نورِ سویدا کی ترکیب حیرت زا ہے کہ نور سیاہ بھی ہو سکتا ہے؟ لیکن موئے محمد ﷺ سے فوراً ذہن و دل میں اثبات کا نعرہ گونجتا ہے۔ پہلے مصرعے میں ''پیدا'' اور ''ہویدا'' کے اندرونی قوافی غنائیت کو مزید حسن دیتے ہیں۔

یٰسین شرحِ عقدۂ دنداں، صورتِ لب خُم میں پنہاں
کعبۂ جاں ابروے محمد، صلی اللہ علیہ وسلم

سرکارِ ابد قرار ﷺ کے دندانِ مبارک کی تشبیہ شاعر کہاں سے لائے؟ کچھ نے قیمتی موتیوں سے تشبیہ دی ہے لیکن کیا یہ تشبیہ جامع ہو گی؟ تشبیہ میں مشبّہ کی نسبت سے مشبّہ بہٖ کی فضیلت مسلّم ہے، تو کیا نعوذ باللہ موتی آپ سرکار ﷺ کے دانتوں سے افضل یا برابر بھی ہیں؟ ہرگز نہیں، تو پھر تشبیہ کہاں سے لائیے؟ حضرت

سیماب نے آپ کے ایک لقب اور قرآنِ مجید کے ایک لفظ یٰسین پر غور کیا۔ اس لفظ میں حرف س کے دندانے اس طرح آپس میں پیوست ہیں جیسے دانت، اس تشبیہ پر گن کر ایک لاکھ دفعہ بھی سبحان اللہ کہا جائے تو کم ہے۔ تقدس کا بھی خیال رکھا اور تشبیہ کا بھی حق ادا کر دیا۔ اس مصرع کے دوسرے ٹکڑے میں صورتِ لب ۔کے متعلق بتایا گیا ہے کہ وہ حٰم میں پنہاں ہے۔ ذرا ہونٹ اور حٰم کے اوپر کی مد "سہ" کی شکل ذہن میں لائیے اور دیکھیے کتنی شان دار اور بلیغ تشبیہ کا حق ادا ہو گیا ہے۔ حٰم میں پنہاں کا مطلب ہے کہ یہ تشبیہ ذرا تلاش کرنا ہوگی۔ لفظ حٰم کو غور سے دیکھیے، ح کی گولائی م سے ملنے سے پہلے پہلے لب کی شکل اختیار کر لیتی ہے اگر بات واضح نہیں ہوئی تو چلیے حٰم کی مد پر غور کر لیجیے۔ دوسرے مصرع میں حضور پُر نور ﷺ کے ابرو کو کعبۂ جاں کہا گیا ہے۔ کون صاحبِ عشق ایسا ہوگا جو اس سچی اور روحانی حقیقت کی داد نہیں دے گا۔ اس شعر میں بھی دنداں اور پنہاں سے اندرونی قوافی کا نظام تیار کیا گیا ہے، جو جانِ ترنم ہے۔ خوفِ طوالت مانع ہے لہٰذا مزید اشعار کی فنی شرح سے ہاتھ روکتے ہوئے اسی نعت کے چند مزید اشعار لکھنے پر اکتفا کر رہا ہوں۔

لمعۂ ساکن، خالِ مزین، ذرّۂ روشن، نقطۂ ممکن
یا حبشی ہندوے محمد، صلی اللہ علیہ وسلم

عارضِ روشن، نورِ تجلی، سینۂ اطہر، آئینہ سیما
شمعِ وفا بازوے محمد، صلی اللہ علیہ وسلم

لوحِ جبیں تھی عرش کا تارا، اور پسینہ تھا چمن آرا
عنبر سارا بوے محمد، صلی اللہ علیہ وسلم

☆

ہادی و رہبر پاے مصطفیٰ، راہ نما سے جادۂ اولیٰ
رحلِ شرف، زانوے محمد، صلی اللہ علیہ وسلم

سیماب ایک بہتر غزل گو بھی ہیں، وہ غزل کو پابندِ ایماں کر کے اس کا حسنِ تغزل، نعت میں استعمال کرنے کا ہنر جانتے ہیں۔ رسولِ کریم ﷺ کے سفرِ معراج کے موقع پر شاعر نے آسمان کی خوشی کا ذکر کیا ہے، انسانی عروج کو بھی زیرِ بحث لائے ہیں۔ ذرا حسنِ تغزل دیکھیے:

خاکداں کے جھک کے بوسے آسماں لینے لگا
ارتقا انسان کا انگڑائیاں لینے لگا
(نظم: معراجِ رسول)

لوازمِ غزل کو نعت میں استعمال کرنے کے حوالے سے تین اشعار مزید بطورِ نمونہ پیشِ خدمت ہیں:

ہوا مصرِ ازل میں جب جمال و ناز کا سودا
بہائے حسنِ یوسف تھا، تری چتون کا بیع نامہ

☆

پتا تیرا مجھے دے کون، اس گلزارِ عالم میں
جو نکہت ہے تو آوارہ، جو سبزہ ہے تو بیگانہ
(نظم: سلام اے صبحِ کعبہ)

طوافِ روضۂ خضرائے احمد کرکے آیا ہوں
مری آنکھوں پہ کوئی ڈال دے پردے زبرجد کے
(نظم: خادم ہیں محمد کے)

یہاں ایک نکتہ ذہن نشیں رہنا چاہیے کہ غزل بنیادی طور پر محبوبِ مجازی کا تذکرہ ہے جب کہ نعت بنیادی طور پر محبوبِ حجازی ﷺ کی مدح وثنا ہے۔ غزل کی چھیڑ چھاڑ، نعت میں آ ہی نہیں سکتی۔ نعت کے فنی تقاضے اور ہیں۔ غزل کی بے باکی غالب کے ڈھول دھپے تک بھی جا پہنچتی ہے لیکن نعت میں سچ، ادب و عقیدت کی انگلی پکڑ کر چلنا ہے۔ بعض غزل گو اس نازک فرق کو سمجھ نہ سکنے کی بنا پر ہی نعت گو نہ بن سکے، علامہ سیماب غزل گو بھی ہیں اور نعت گو بھی، وہ جب نعت میں لوازمِ غزل کو برتتے ہیں تو حزم واحتیاط کا خیال رکھتے ہیں۔

سیماب کی نعت کا ایک بہت بڑا وصف نعت کے لیے کھلی فضاؤں کا انتخاب ہے۔ بلاشبہ انھوں نے غزل کی ہیئت میں بھی نعتیں کہی ہیں لیکن اس سے آگے بڑھ کر دیگر شعری ہیئتوں سے بھی کام لیا ہے اور جس ہیئت میں نعت کہی ہے، انصاف کیا ہے۔ تنکنائے غزل کی نعتیں الگ الگ مضامین کی حامل بھی ہیں اور تسلسلِ مضمون کی بھی۔ جہاں انھوں نے نعت میں ایک ہی موضوع کو مسلسل باندھا ہے وہاں غزل میں نظم کی چاشنی پیدا کردی ہے۔ اُن کی نعت ''درِ مصطفےٰ'' (ص ۹۷) سات اشعار پر مشتمل غزلیہ ہیئت میں ہے۔ اس کے مختلف اشعار میں مختلف مضامین ہیں گویا یہ نعت اپنی ہیئت اور مضمون دونوں لحاظ سے غزلیہ ہے۔ یہی حال نظم ''مدینے لا کے، نہ لائے خدا مدینے سے'' (ص ۹۹)، ''جلوہ آپ کا'' (ص ۱۰۱)، ''فیضانِ رسول'' (ص ۱۰۶)، ''نعتِ ناتمام'' (ص ۱۰۹) کا ہے۔ ''مدینے لا کے نہ لائے خدا مدینے سے'' کے یہ اشعار دیکھیے، (شاعر نے ہر شعر میں الگ مضمون باندھا ہے)۔

پیام لائی ہے بادِ صبا مدینے سے — کہ رحمتوں کی اُٹھی ہے گھٹا مدینے سے
حساب کیسا نکیرین ہوگئے بے خود — جب آئی قبر میں ٹھنڈی ہوا مدینے سے

(کتاب میں ''حساب کیسا کہ نکیرین'' ... چھپا ہے ''کہ'' غالباً سہوِ کتابت تھا)

ہمارے سامنے یہ نازشِ بہارِ فضول — بہشت لے کے گئی ہے فضا مدینے سے
خدا کے گھر کا گدا ہوں، فقیرِ کوے نبی — لگاؤ ہے مجھے مکّے سے یا مدینے سے
وداع ہو کے جو مکّے سے آئے بعدِ طواف — گئے نہ لوٹ کے پھر مصطفےٰ مدینے سے
نہ آئیں جاکے وہاں سے یہی تمنا ہے — مدینے لا کے نہ لائے خدا! مدینے سے

سیماب کی غزلیہ ہیئت میں لکھی گئی کچھ نعتیں ایسی بھی ہیں جس میں مضمون کے تسلسل نے نظم کی چاشنی بھی پیدا کردی ہے، مثلاً ''وہ خاتمِ منصبِ نبوت'' (ص۷۵)، ''نغمۂ اسلام'' (ص۷۷)، ''خیر البشر'' (ص۸۱)، ''شاہِ دوسرا'' (ص۸۳)، ''رہبرِ آخر'' (ص۸۴)، ''دلِ شکستہ کا ایک آسرا'' (ص۸۷)، ''سلام اے صبحِ کعبہ'' (ص۸۹)، ''احمدِ مختار'' (ص۹۳)، ''خادم ہیں محمد کے'' (ص۹۶)، ''خدا آنے کو ہے'' (ص۱۰۵)۔ بطورِ نمونہ نعت ''احمدِ مختار'' کے یہ شعر دیکھیے:

گل خانۂ ہستی کی بنا، احمدِ مختار — گرمیِ رگِ نشوونما، احمدِ مختار
دارین میں الہامِ وِلا، احمدِ مختار — کونین میں پیغامِ وفا، احمدِ مختار
اے خاصۂ خاصانِ خدا، احمدِ مختار — اے بندۂ اللہ نما، احمدِ مختار

اُن کے ہاں غزلیہ میں مضمون کا تسلسل برقرار رکھنے میں بعض اوقات ردیف بھی اہم کردار ادا کرتی ہے جیسے ''خدا آنے کو ہے''میں غزل سے ہٹ کر دیگر ہیئتوں میں بھی سیماب نے کامیاب طبع آزمائی کی ہے۔ مثلاً ان کی نعت ''معراجِ رسول'' مثنوی کی ہیئت میں ہے۔ اس میں سرکارِ دو عالم ﷺ کے دورِ عروج و زوال کی ایک شاعرانہ توجیہہ پیش کی گئی ہے۔ شاعر کے نزدیک جب مکّہ مکرمہ میں نبیِ آخر زماں ﷺ کی پیدائش مبارک ہوئی تو:

شور برپا ہوگیا یک بارگی افلاک پر — سرورِ لولاک کی خلقت ہوئی کیوں خاک پر
جلوہ گاہِ عرش کیا شایانِ پیدائش نہ تھی — عرش سے تا چرخ، کیا جلووں کی گنجائش نہ تھی
کیوں نوازا فطرتِ بالانشیں نے خاک کو — کیوں یہ ذلت خیز محرومی ملی افلاک کو
آج خوش بختی پر اپنی مسکراتی ہے زمیں — آسماں کی رفعتوں پر چھائی جاتی ہے زمیں

☆

دی ندا ہاتف نے اے کرسی و عرش و آسماں — اے بہشت و سلسبیل و کوثر و قدوسیاں
عالمِ ارضی کی ہے تخلیق مشتِ خاک سے — سب نبی پیدا ہوئے تھے اس کی خاکِ پاک سے
اس لیے ختم النبی کو بھی وہیں پیدا کیا — اور کردی نسلِ انساں کے شرف کی انتہا
تم نہ گھبراؤ، یہاں بھی ہم بلائیں گے انھیں — عرش پر اک رات کو مہماں بنائیں گے انھیں

پھر معراج کی رات کا سماں کھینچنے کے بعد شاعر نے یوں خیال آرائی کی:

ہو چکے جب عبد اور معبود میں راز و نیاز
ہوگئی انسانیت، روحانیت سے سرفراز
تھا یہ منشا اب یہیں رہ جاؤ اے میرے حبیب
عرش و کرسی کو تمھارا فخرِ قربت ہو نصیب
ہوگئے خاموش یہ سُن کر رسولِ مجتبیٰ
کہہ رہا تھا، چپکے چپکے دل، کہ جو تیری رضا
عرش گھبرایا وقارِ سیّدِ ابرار سے
آسماں خم ہوگئے، انسانیت کے بار سے
لوٹ آئے جانبِ دنیا رسولِ کائنات
پیکرِ مردہ میں جیسے عود کر آئے حیات

جلوۂ احمد سے دنیا ضوفشاں کردی گئی
یہ امانت پھر سپردِ خاک داں کردی گئی

پوری نظم پچاس اشعار پر مشتمل ہے۔ مندرجہ بالا اشعار اس کا خلاصہ ہیں، لیکن ان اشعار سے بھی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ سیماب نے کسی خوبی سے مثنوی کی ہیئت کا حق ادا کیا ہے۔ قصہ پن، کردار، مکالمہ، منظرکشی، جذبات نگاری کس چیز کی کمی ہے؟ اس نظم کا خیال صرف خیال ہے لیکن شاعر کے عشقِ رسول ﷺ نے اسے اس خوبی سے پیش کیا ہے کہ سچ کا گمان ہوتا ہے۔ عنوان میں ''شاعرانہ توجیہہ'' کی وضاحت کے باوصف حقیقی مکالمہ لگتا ہے۔ موضوع بہت نازک تھا لیکن شاعر نے بڑی ہنر وری سے یہ رستہ طے کیا ہے، خصوصاً حضور پُر نور ﷺ کی عرشِ علےٰ سے واپسی کے لیے عرش کی گھبراہٹ کا جو جواز پیش کیا ہے:

عرش گھبرایا وقارِ سیّدِ ابرار سے
آسماں خم ہوگئے انسانیت کے بار سے

وہ کتنا ایمان افروز ہے، اس جواز کا اساسی نقطہ ''وقارِ سیّدِ ابرار'' ہے جس سے کوئی انکار کر ہی نہیں سکتا۔ یہی حقیقت اس خیال کو واقعیت کی شان عطا کرتی ہے۔

ایک اور نعت ''خدا کا آخری پیغام'' بھی مثنوی کی ہیئت میں ہے، یہ تیئس اشعار پر مشتمل ہے۔ ایک شعر دیکھیے:

وہ نور النور، جو آئینہ انوارِ سرمد ہے
حدودِ فہم انسانی میں نام اُس کا محمد ہے

مثنوی کے لیے ماہرینِ فن نے جو سات بحریں مخصوص کی ہیں، یہ مثنوی ان سے تعلق نہیں رکھتی۔ گویا یہ بھی شاعر کا فنی اجتہاد ہے کہ وہ کسی ہیئت کے لیے مخصوص کردہ اوزان سے ہٹ کر دوسرے وزنوں میں کلام کہنے کی مہارت رکھتا ہے اور کمال یہ کہ تسلسل، تجسس روانی، جاذبیت، شعریت کسی چیز کی کمی پیدا نہیں ہونے دیتا۔

نظم ''روحِ اعظم'' قطعہ کی ہیئت میں ہے۔ تین اشعار پر مشتمل یہ نظم ص ۳۲ پر درج ہے۔ اس میں حضور ﷺ کی اُس اوّلین رہنمائی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جو آپ نے روزِ الست، مخلوقاتِ خدا کی فرمائی تھی۔

ساقیِ بزمِ کائنات، قاسمِ کیفِ بے خودی   آیۂ رحمت و نجات، عقدہ کشائے زندگی
غازۂ مہرِ تاب ناک، ہے تری رہ گزر کی خاک   ذرّۂ آستانِ پاک، کوکبِ افسرِ شہی
کان جب آشنا نہ تھے، نغمۂ صبحِ عرش سے   ظلمتِ کفر زار میں پہلی اذان تو نے دی

قطعہ ایک مختصر خیال کو بہ تدریج اپنے حسنِ انجام تک پہنچاتا ہے۔ موضوع اور ہیئت دونوں اعتبار سے یہ ایک کامیاب قطعہ ہے۔

سیماب اکبرآبادی نے مسمّط کی ہیئت میں کامیاب نعت نگاری کی ہے۔ مسمّط دراصل مثلث، مربع، مخمس، مسدس، مسبّع، مثمن، متسع اور معشّر ہیئتوں کے خاندان کا نام ہے۔ اگر ایک نظم کے مختلف بند ہوں اور ہر بند تین، تین مصرعوں پر مشتمل ہو، تو اسے مثلث کہا جائے گا اور اگر ہر بند چار، چار مصرعوں پر مشتمل ہو تو اس کا نام مربع ہوگا...علیٰ ہٰذا القیاس اگر ہر بند کے دس دس اشعار ہوں تو اسے معشّر کہا جائے گا۔ مسمط کی متعدد شکلیں علامہ سیماب کے ہاں دکھائی دیتی ہیں، مثلاً ان کی نعتیہ نظم ''اے وہ، کہ تو سب کچھ ہے'' مربع کی ہیئت رکھتی ہے جو ص ۱۲۸ پر مندرج ہے۔ اس کے کل گیارہ بند ہیں، مثلاً تیسرا بند ہے:

تو خلق کا مولا ہے، تو سرورِ عالم ہے   تو سرِّ معظم ہے، تو خلقِ مجسم ہے
تو شافعِ محشر ہے، تو شاہِ مکرم ہے   اے وصف سے بالاتر، جو کچھ بھی کہوں کم ہے

نظم میں یہی ترتیب آخر تک چلتی ہے۔ تاہم سیماب نے اس مربع میں دو جدتیں کی ہیں۔ ایک تو یہ کہ تیسرے بند کے بعد اور چوتھے بند سے پہلے، درمیان میں نظم کا عنوان بارِ دگر بطور مصرع ''اے وہ، کہ تو سب کچھ ہے'' لائے ہیں۔ یہی حال نویں بند کے بعد، دسویں بند کے آغاز کا ہے۔ وہاں بھی یہ مصرع اسی طرح درمیان میں لائے ہیں۔ اس سے تکرارِ تخاطب کا کام لیا گیا ہے۔ بہرحال اگر سطور کو واقعی ''مصرعے'' مان لیا جائے (اور نہ ماننے کی کوئی وجہ بھی نہیں ہے) تو اس مصرعے کا وزن مفعول مفاعیلن قرار پاتا ہے جب کہ باقی نظم کے ہر مصرع کا وزن اس سے دوگنا ہے یعنی ''مفعول مفاعیلن، مفعول مفاعیلن'' یہ بحر ہے۔ شاعر نے ان اضافی مصرعوں (یا سطور) کو قوسین (بریکٹ) میں بھی نہیں دیا، لہٰذا قرینہ چاہتا ہے کہ انھیں باقاعدہ مصرع مانتے ہوئے مربع کی ہیئت میں تجربہ قرار دیا جائے۔ اگر ایسا تسلیم کرلیا جائے تو یہ مربع ہیئت میں اجتہاد مانا جائے گا۔

دوسری اہم تر تبدیلی یہ ہے کہ نظم کے آخری بند کے بعد اسی نظم کے تیسرے بند کا پہلا شعر تو خلق کا مولا ہے...دہرا دیا گیا ہے، جو آخری بند (بند نمبر ۱۱) کا حصہ بالکل نہیں ہے، اسے بھی اس ہیئت میں نیا تجربہ ہی قرار دیا جائے گا۔ بہرحال ہیئت، مواد اور غنائیت ہر حوالے سے یہ ایک کامیاب مربع نظم ہے جس میں شاعر نے ہیئتی تنوع پیدا کیا ہے۔ صفحہ نمبر ۱۳۱ پر درج نعتیہ نظم ''ہوازن'' بھی مربع ہیئت میں ہے۔ ہوازن سے مراد قربِ مکّہ کی وہ مقدس سرزمین ہے جہاں حضرت سیّدہ حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کا دولت

کدہ تھا اور جہاں محبوبِ خدا ﷺ کے بچپن مبارک کا ابتدائی دور گزرا۔ اس خطہ زمین کو سیّد الانبیا ﷺ کی رضاعت گاہ بننے کا عظیم شرف حاصل ہوا۔

یہ نظم چھیاسٹھ (۶۶) مصرعوں پر مشتمل ہے۔ بنیادی طور پر ساری نظم چار، چار مصرعوں کے سولہ بندوں پر مشتمل ہے۔ اس لحاظ سے اس کے کل ۱۶x۴ = ۶۴ مصرعے ہونے چاہییں، جب کہ اس کے چھیاسٹھ ہیں۔ دراصل بند نمبر ۱۲ کے بعد ایک شعر ہے جو پہلے کے بارہ اور بعد کے چار بندوں سے بالکل ہٹ کر (کہ وہ چار چار مصرعوں پر مشتمل ہیں) محض دو مصرعوں پر مشتمل ہے۔ وہ شعر یہ ہے:

تیرے ذرّوں میں ہے اب تک تابشِ مہر و کمال
سنگ ریزوں میں ترے اب بھی شرر پوشیدہ ہیں

[راقم الحروف کی ذاتی رائے ہے کہ مرتب (مظہر حسین صدیقی صاحب) یا کاتب (عبدالروٴف عثمانی صاحب) سے سہواً اس کا دوسرا شعر درج کرنا رہ گیا ہے۔ ہوسکتا ہے یہ بھی چار ہی مصرعوں پر مشتمل پورا بند رہا ہو۔ افسوس کہ علامہ سیماب کا پہلا مجموعہ ''نیستاں'' مطبوعہ ۱۹۲۵ء اب ناپید ہے ورنہ تقابلِ متن سے صحیح متن دریافت کیا جاسکتا ہے] اگر اس شعر سے بعد والا شعر درج کرنے سے رہ گیا ہے تو محض سہو ہے لیکن اگر شاعر نے دیدہ دانستہ یہاں کیا ہی ایسے ہے تو پھر یہ مربع کی بنی بنائی ہیئت میں جدت ہوگی۔ اس اکیلے شعر کو ایک طرف رکھ کر باقی نظم مربع کی ہیئت کی پاس داری کرتی ہے۔ بطورِ نمونہ اس کا ایک بند (نمبر ۱۱) ملاحظہ کیجیے:

اے ہوازن، گو تو صدہا سال سے خاموش ہے
دے رہے ہیں سب پتا تیرے کھنڈر ٹوٹے ہوئے
منبعِ برکات تیرا منظرِ خس پوش ہے
اور کسی کے عہدِ طفلی کے مزے لوٹے ہوئے

اس بند میں پہلا مصرع، تیسرے مصرعے کے ساتھ اور دوسرا مصرع، چوتھے مصرعے کے ساتھ تو ہم قافیہ و ہم ردیف ہے۔ پوری نظم میں اسی ترتیب کو برقرار رکھا گیا ہے۔ اس سے شاعر کی قادر الکلامی کا اندازہ ہوتا ہے۔ نظم ایک خاص قسم کا روحانی جوش اپنے اندر سموئے ہوئے ہے، جس کی داد نہ دینا ظلم ہوگا۔ بعض شعرا نے اس قسم کے اشعار لکھے کہ جب مختلف دائیاں مکّہ میں آئیں تو امرا کے بچے لے کر چلی گئیں۔ آخر میں حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کو ایک یتیم بچہ ملا، حضرت حلیمہ کو انعام کی اُمید نہیں تھی۔ اس خود ساختہ مفہوم کی تغلیط کا یہ موقع نہیں البتہ یہ اشارہ کرنا بے حد ضروری ہے کہ علامہ سیماب نے پیارے آقا دُرِ یتیم ﷺ کا جس طرح ذکر مبارک کیا ہے، وہ اس قسم کے خامی خیال سے پاک ہے۔ صرف دو بند ملاحظہ کیجیے:

سیّدِ عالم کے جلووں سے چمک اُٹھا جہاں — پستیٔ ارضِ عرب کا بول بالا ہوگیا

ہر طرف چھائی ہوئی تھیں کفر کی تاریکیاں　　　دفعتاً گھرے اندھیرے میں اُجالا ہوگیا

☆

گود پھیلائے ہوئے دائی حلیمہ سعدیہ　　　آئیں مکّہ کو تلاشِ گوہرِ مقصود میں
خوبیٔ قسمت سے وہ دُرِ یتیم اُن کو ملا　　　اُن کا حصہ تھا نیازِ احمدِ محمود میں

''خورشیدِ رسالت (آغوشِ آمنہ میں)''، مخمس ہے۔ پانچ پانچ مصرعوں پر مشتمل کل بارہ بند ہیں۔ ہر بند کا پانچواں مصرع ٹیپ کا ہے جو''صلِ علیٰ محمد، صلِ علیٰ محمد'' کے الفاظ پر مشتمل ہے۔ ایک بند بطورِ نمونہ دیکھیے:

زیبِ کنارِ آمنہ، ہے شرفِ عُلا کا چاند
اور کہاں ہوا طلوع، ایسی نئی ضیا کا چاند
اس کا مقابلہ میں کیا آئے بھلا سما کا چاند
وہ تو ہے ماہِ آسماں، اور یہ ہے خدا کا چاند
صلِ علیٰ محمد... صلِ علیٰ محمد

چوں کہ پانچواں مصرع ہر بند کے بعد بغیر کسی تبدیلی کے مِن وعَن دُہرایا گیا ہے لہٰذا اس نظم کی ہیئت مخمس ترجیع بند ہے۔ نظم ''سن او جہاز راں'' بھی ص ۱۲۱ پر درج مخمس ترجیع بند ہیئت میں ہے۔ پانچواں ٹیپ کا مصرع ''سن او جہاز راں'' ہے۔

لاشہ مرا مدینے کے صحرا میں ہو پڑا　　　آئے نسیمِ روضہ سے لبیک کی صدا
تشریف لائیں خود مری میّت پر مصطفیٰ　　　چہرے سے ہو عیاں مری حسرت نصیباں
سُن او جہاز راں

اس نظم کے عام مصرعوں کا وزن مفعول فاعلات مفاعیل فاعلن ہے۔ لیکن ٹیپ کا مصرع ہے''سن او جہاز راں'' جس کا وزن محض مفعول فاعلن ہے۔ اسے بھی تجربہ قرار دیا جائے گا۔ انھوں نے چوتھے مصرعے کو اس مختصر مصرعے سے ہم قافیہ بنا کر نظم کی غنائیت میں بے پناہ اضافہ کردیا ہے جس کی تحسین ضروری ہے۔ نظم ''اے قافلے والو!'' بھی مخمس ترجیع بند ہے۔ صفحہ ۱۲۳ پر مندرج اس مخمس کے کل دس بند ہیں۔ شاعر اس میں مدینہ منورہ کو جاتے ہوئے ایک قافلہ سے درخواست کرتا ہے کہ اُسے بھی ساتھ لے جائے۔ عاشقانہ سوز و ساز اور مومنانہ دردِ مجبوری اس نظم کے ماتھے کا جھومر ہے۔

اس نظم کے ہر بند کے پہلے تین مصرعے الگ قافیہ ردیف رکھتے ہیں، چوتھا مصرع پانچویں مصرعے سے ہم قافیہ ہے جب کہ پانچواں مصرع ٹیپ کا ہے۔

''اے قافلے والو، اے قافلے والو'' اس کے دو بند دیکھیے اور شاعر کے جذبِ اندروں نیز عشقِ مدینہ کا اندازہ لگایئے:

خادم کی طرح ساتھ چلوں گا میں تمھارے | آہیں بھی نہ کھینچوں گا کبھی درد کے مارے
بن جاؤ تمھی قلبِ شکستہ کے سہارے | پھر شوق سے میرے دلِ بے کس کی دعا لو
اے قافلے والو، اے قافلے والو

رہنے دو، مجھے ساتھ، غلام اپنا سمجھ کر | ہونے دو مرا کام بھی کام اپنا سمجھ کر
چلنے دو مجھے گام بہ گام، اپنا سمجھ کر | دیوانہ سمجھ کر نہ مجھے راہ سے ٹالو
اے قافلے والو، اے قافلے والو

نظم ''مکے کی ایک صبح'' بھی مخمس کی ہیئت میں ہے۔ صفحہ ۱۱۷ پر اس نعت کے ۱۳ بند ہیں۔ چوں کہ ہر بند کا پانچواں مصرعہ پہلے چار اشعار سے الگ قافیہ (ردیف) رکھتا ہے لہٰذا یہ مخمس ترکیب بند قرار پاتی ہے۔ اس میں سیّدِ مرسلین ﷺ کے میلادِ مبارک کا ذکر بڑے ذوق وشوق سے کیا گیا ہے۔ یہ بند ملاحظہ کیجیے:

آمنہ کے گھر پہ چمکا، مہرِ افلاکِ جلال
نورِ رحمت بن کے آیا، نیرِ برجِ کمال
صبح سے پہلے ہوا، آثارِ شب کا انتقال
بن گئی خورشیدِ عالم، وسعتِ حسن و جمال
کون تھا، جس کو نمودِ صبح کا دھوکا نہ تھا

سازِ حجاز، کے دوسرے حصے ''منتخباتِ نیستاں'' میں ایک طویل نظم ''اب سنانی ہے دلِ زار کی روداد مجھے'' صفحہ نمبر ۱۳۷ پر درج یہ نظم قومی شاعری، ملّی جذبات، نعتیہ مضامین اور اسلام کے سچے ہمدرد کے جذباتِ سوز وساز اپنے اندر سموئے ہوئی ہے۔ اس میں عالمِ اسلام پر چھائے ہوئے ادبار کے حوالے سے بارگاہِ رسالت میں استغاثہ کیا گیا ہے۔ حالی اور اقبال نے بڑی محنت سے ملّی شاعری میں نعت کا سلیقہ سمویا تھا، یہ نظم اس روایت کی پوری پوری پاسداری کرتی نظر آتی ہے۔ یہ مسدس کی ہیئت میں ہے۔ چوکہ ہر بند کا پانچواں اور چھٹا مصرع پہلے کے چار مصرعوں سے الگ نظامِ قافیہ وردیف رکھتا ہے، لہٰذا یہ مسدس ترکیب بند کی ہیئت ہے۔ سیماب نے جس خلوص سے نعتیہ وملّی جذبات کو یہاں ہم آہنگ کیا ہے، قابلِ غور بھی ہے اور قابلِ داد بھی:

یا نبی وقتِ بد آیا ہے مسلمانوں پر | جو ہوئی دیر تو بن جائے گی اب جانوں پر
ہوگیا قبضۂ اغیار خدا خانوں پر | نظرِ رحم، کہ بات آگئی ایمانوں پر
ہوا ایمان کو نقصاں تو ہے نقصان کی بات
جان سے بڑھ کے ہے ایماں، ہے یہ ایمان کی بات

اس نظم پر علامہ اقبال کے ''شکوہ'' کے کامل اثرات ہیں۔ سیماب نے آخری بند میں خود اسے ''شکوہ درد ہے افسانۂ افتاد ہے یہ'' قرار دیا ہے۔ اس نظم کے بعض بند خالصتاً نعتیہ ہیں اور بڑے ایمان پرور بھی۔

مظہرِ ذاتِ خدا، مصدرِ اسرارِ خدا　　منبعِ نورِ خدا، مشرقِ انوارِ خدا
مخزنِ صدق و صفا، معدنِ آثارِ خدا　　مرکزِ جود و سخا، باعثِ اظہارِ خدا

ناز کرتی ہے خدائی میں رسالت تم پر
تم ہو ایسے کہ ہوئی ختم رسالت تم پر

(ص ۱۴۰)

(اس بند کے آخری دونوں مصرعوں میں قافیے کا فقدان ہے لگتا ہے یہاں بھی سہوِ کتابت سے کوئی لفظ بدل گیا ہے) مسدس کے حوالے سے اس نظم پر حالی کے مسدس ''مدوجزرِ اسلام'' کے اثرات بھی نمایاں ہیں۔ حالی کا سوز اور اقبال کا جوش دونوں اس میں جھلکتے ہیں۔ ص ۱۴۹ پر درج نظم ''فریاد'' بھی مسدس ترکیب بند ہے۔ یہ نعتیہ نظم بھی مسلمانوں کے مصائب (خصوصاً جنگِ بلقان کے پس منظر) میں لکھی گئی ہے۔ اس میں بھی علامہ اقبال کے علاوہ مولانا حالی کی روح بولتی ہے۔ اس نظم میں بھی نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں استغاثہ پیش کیا گیا ہے۔ اس میں بھی کچھ بند عظیم نعت پارے ہیں، مثلاً:

للہ الحمد، میں جس در کا گدا زادہ ہوں
باادب اُس درِ دربار پر استادہ ہوں
پستیٔ قسمتِ بد سے بسر افتادہ ہوں
یوں شکستِ لبِ خاموش پر آمادہ ہوں

آج فریادیِ مظلومیِ اُمت ہوں میں
نغمۂ عیش نہیں، سازِ مصیبت ہوں میں

تیرے قربان، مرے گیسوؤں والے آقا
اب تو بردِ یمنی رُخ سے ہٹا لے آقا
قیدیوں اور یتیموں کی دعا لے آقا
نکل آ لے کے ملائک کے رسالے آقا

جلوہ افروز ہو یوں، حیرتِ دوراں ہوکر
کفر بھی سجدے میں جھک جائے مسلماں ہوکر

نظم ''روحِ اعظم گہوارۂ کائنات میں'' کی ہیئت مسبّع ترجیع بند ہے۔ نظم کے کل دس بند ہیں اور ہر بند سات مصرعوں پر مشتمل ہے۔ ہر بند کے پہلے چار مصرعے آپس میں ہم قافیہ (وہم ردیف) ہیں۔ پانچواں

مصرع چھٹے اور ساتویں مصرعوں کے ساتھ قوافی کا صوتی نظام رکھتا ہے۔ پہلے پانچوں مصرع ہم وزن ہیں جب کہ ہر بند کا چھٹا مصرع صرف ''مرحبا'' پر مشتمل ہے۔ ساتویں مصرع میں ہر بار ''مرحبا۔صد۔مرحبا'' کو دہرایا گیا ہے۔ صد سے پہلے اور بعد کی لکیر (Dash) وقفے کا کام دیتی ہے۔ ہر بند کے پہلے پانچوں مصرعوں کا وزن ''فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلن = بحر ہے، جب کہ چھٹا مصرع صرف ''مرحبا'' یعنی فاعلن پر اور ساتواں ''مرحبا۔صد۔مرحبا'' یعنی فاعلاتن فاعلن پر مشتمل ہے۔ سیماب نے اس پابندی کو آخر تک برقرار رکھا ہے۔ اس سے:

(الف) ہر بند کے تمام مصرعوں میں وزن کی یکسانیت نہیں رہی۔ گویا آخری دو مصرعوں میں وزن کے مختصر ارکان کو استعمال کیا گیا ہے۔

(ب) اس سے کمال درجہ شیفتگی، روانی اور غنائیت پیدا ہوگئی ہے۔ تمام نظم قابلِ مطالعہ ہے۔ اس میں اوّلین تخلیق کے حوالے سے نورِ سیّدالانبیا ﷺ کی پیدائش مبارک کی تفصیل کمال جذب وشوق سے دی گئی ہے۔ اس نظم کا تیسرا بند ہے:

یک بہ یک پردے پر ایک☆[1] (اک) تصویر کو جنبش ہوئی
چشمِ قدرت سے آمادۂ بینش ہوئی
اپنی ہی تصویر جب انجامِ صد کاوش ہوئی
فکرِ آرائش ہوئی۔ اور۔ سعیٔ افزائش ہوئی
رنگ اس تصویر میں سارا ہی اپنا بھر دیا
مرحبا
مرحبا ...... صد ...... مرحبا

یہ نظم ۱۹۲۹ء میں لکھی گئی۔ اُس وقت تک انجمن پنجاب کی تحریک چل نکلی تھی۔ آزاد نظم بھی سامنے آگئی تھی چناں چہ مصرعے چھوٹے بڑے لکھے جانے لگے تھے۔ سیماب اس رجحان سے غافل نہیں تھے، انھوں نے نئی تبدیلیوں کو خندہ پیشانی سے نہ صرف قبول کیا بلکہ اپنے کلام میں جگہ دی۔ یہ نظم سیماب کے فنی مقام و مرتبہ کے تعین میں معاون بھی ہے۔ آٹھویں بند میں سرکارِ ابد قرار ﷺ کی ولادت باسعادت کا ذکر کس سرشاری سے کرتے ہیں:

عظمتِ کعبہ نے کچھ ڈھونڈا سحر کی گود میں
مل گیا دُرِ یتیم اک ابرِ تر کی گود میں
نور چمکا برگزیدہ مستقر کی گود میں

بام و در کی گود میں اور[۲] اپنے گھر کی گود میں
بھر گئی اس نور سے آغوشِ پاکِ آمنہ

مرحبا

مرحبا ...... صد ...... مرحبا

راقم کے نزدیک یہ نظم مسبّع ہی ہے لیکن اس پر غزل کی ہیئت میں مستزاد کا اثر بھی جھلکتا ہے۔ مستزاد حصہ مصرعے کے سامنے لکھا جاتا ہے جب کہ یہاں نیچے لکھا گیا ہے۔ بہر حال ہیئتی تنوع سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔

نظم ''جنت البقیع'' صفحہ نمبر ۱۲۵ پر شائع ہوئی ہے۔ اس کے کل چار بند ہیں۔ ہر بند قطعہ کی ہیئت میں ہے جس کے آخری دو مصرعے ٹیپ کے ہیں۔ ہر بند معمول کے آٹھ اشعار (سولہ مصرعوں) اور ٹیپ کے ایک شعر (دو مصرعوں) پر مشتمل ہے۔ ٹیپ کے دو مصرعے درج ذیل شعر پر مشتمل ہیں:

''اگر فردوس بر روئے زمیں است
ہمیں است و ہمیں است و ہمیں است''

اس میں جنت البقیع کی تعریف کی گئی ہے اور مرنے کے بعد وہاں دفن ہونے کی آرزو کا اظہار کیا گیا ہے۔ رنگ نعتیہ ہے۔ مندرجہ بالا شواہد سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ علامہ سیماب اکبر آبادی اپنے دور کے زبردست عروضی، ہیئتی سانچوں کے آشنا اور اپنے عہد کے شعری تبدیلیوں کو قبول کرنے والے تھے۔ انھوں نے غزل، مثنوی، مسمط کی ہیئتوں کے علاوہ فردیات یا ابیات میں بھی شاعری کی ہے۔ چند فردیات بطورِ نمونہ پیشِ خدمت ہیں:

خراب فردِ عمل ہو نہ جائے اے سیمابؔ اسے جنابِ رسالت مآب دیکھیں گے
میں تو کچھ بھی نہیں سیمابؔ، مگر بات ہے یہ بات میری، مرے سرکار بنا لیتے ہیں
مرے کفیل ہیں دونوں جہاں میں اے سیمابؔ رسولِ ابطحی و ہاشمی و مطلبی

اتنی ہیئتوں میں اتنی زبردست نعتیہ شاعری کرلینا بذاتِ خود بہت بڑا اعزاز ہے، ڈاکٹر فرمان فتح پوری صاحب نے بالکل درست لکھا ہے کہ ''...بیسویں صدی کے ادب پر محاکمہ کرتے وقت کوئی مؤرخ یا ناقد اُن کی تخلیقات کو نظر انداز نہیں کرسکتا۔'' (''مقدمہ سازِ حجاز''، ص ۱۱)

اُن کی فکری و فنی عظمت کے تعین سے پہلے اس امر کو بھی ملحوظِ خاطر رکھ لینا چاہیے کہ ان کا کام اور کلام خالصتاً اللہ ہی کی رضا کے لیے تھا۔ اس وقت پی ایچ۔ ڈی احباب کو کوئی الاؤنس نہیں ملتا تھا۔ نعت خواں رقم طے کر کے نعتیں نہیں سناتے تھے اور نعت گو کسی صدارتی ایوارڈ کے پیشِ نظر مجموعے مرتب نہیں

کرتے تھے۔ سیماب بھی دین وملت کی بے لوث خدمت کے قائل تھے۔ نعت گوئی میں بھی اُجرت لینا گوارا نہیں تھا، خود کہتے ہیں:

اجر لے کر تو نے لے لی، اُجرتِ حُبِ رسول
یہ نہ سمجھا تو، محبت ہے محبت کے لیے

اس بحث سے اس بے لوث، قادرالکلام، استاد شاعر کا نعت گوئی میں اہم مقام سامنے آتا ہے جس کا انھیں خود بھی احساس تھا:

مَیں اے سیمابؔ طوطی گلستانِ محمد ہوں
ہے میرے ہر نفس سے نزہتِ خلدِ بریں پیدا

علامہ سیماب اکبرآبادی کی جملہ ادبی، ملی اور روحانی خدمات کے اعتراف، ان کی قادرالکلامی بلکہ استادی کی تحسین اورفنی سطح پر ان کی کامل دست گاہ کے اقرار کے باوجود ''روایت'' کی کچھ ایسی چیزیں بھی ان کے نعتیہ کلام میں پائی جاتی ہیں جن کی اسلام توصیف کرتا ہے نہ ذوقِ سلیم۔ میری مراد اُن کے کلام، سازِ حجاز کی وہ پروف ریڈنگ کی غلطیاں نہیں جنھیں صرفِ سہوِ کتابت کے کھاتے میں ڈالا جا سکے، بلکہ چند ایسی باتیں ہیں جن پر کھلے دل سے غور کرنے کی ضرورت ہے، مثلاً:

جنگِ بلقان (اٹلی بہ مقابلہ ترکی) کے پس منظر میں لکھی گئی اُن کی ایک نظم ''فریاد'' سازِ حجاز کے صفحہ ۱۴۹ تا ۱۶۸ پر شائع ہوئی ہے۔ اس میں شاعر نے عالمِ اسلام کی تکالیف پر اپنے شدید اندرونی کرب کا اظہار کیا ہے، مسائل کے حل کے لیے بارگاہِ نبوی ﷺ میں دردمندانہ استغاثہ پیش کیا ہے۔ یہ ملّی اور روحانی جذبہ بے شک واجبِ تحسین وتوصیف ہے اور اس نظم کے بعض بعض شعرا تنے ایمان افروز ہیں کہ قاری پر بڑی کیفیت پیدا کرتے ہیں، لیکن مقامِ افسوس ہے کہ اس ملّی نعتیہ نظم میں بعض مصرعے ایسے بھی ہیں جنھیں پڑھ کر دُکھ بھی ہوتا ہے، مثلاً:

گنبدِ سبز میں او چین سے سونے والے　　او نمازوں میں ہمارے لیے رونے والے
شان ہم اپنی بہت جلد ہیں کھونے والے　　ہوچکے ہم پہ ستم، تھے جو نہ ہونے والے
خفتہ بختی کا اثر، عالمِ اسباب میں ہے
فتنے جاگ اُٹھے الٰہی، تو ابھی خواب میں ہے

اس ایک بند میں سرورِ کائنات، سیّدِ لولاک ﷺ کی ذاتِ ستودہ صفات سے دو مرتبہ لفظ ''او'' سے خطاب کیا گیا ہے۔ ''او'' تخاطب کے جس تحمیمی بلکہ غیر تعظیمی صیغے سے تعلق رکھتا ہے، اہلِ ادب سے مخفی نہیں۔ حضور اکرم ﷺ کے لیے اس کا استعمال بے شک وشبہ بے ادبی ہے۔ ملّی جذبے کے باعث شاعر پر

جیسی بھی کرب کی حالت یا جھنجھلاہٹ سوار ہو، بے چینی کی کیسی بھی کیفیت سے وہ دوچار ہو، بارگاہِ سرکار ابد قرار ﷺ میں تخاطب کے آداب کا خیال رکھنا بہر حال، بہر طور، بہر نوع لازم ہے۔ یہ بند پڑھ کر احساس ہوتا ہے کہ جیسے (نعوذ باللہ) اُمت مصائب کی چکّی میں پس رہی ہو لیکن محبوبِ خدالاتعلق ہو کر سبز گنبد میں سو رہے ہوں، اُمت پر ناروا ستم بھی ہو چکے، اُمت کی اجتماعی شان وشوکت بھی چھن جانے والی ہے لیکن وہ سو ہی رہے ہیں۔ حد یہ کہ فتنے تو جاگ اُٹھے ہیں، مگر سرکار ﷺ ابھی تک سوئے ہوئے ہیں۔ اس طرح تو ایک عام آدمی کو بھی چیخ چیخ کر نہیں جگایا جاتا۔ حضور نبی اکرم ﷺ تو ظاہری حیاتِ مبارکہ میں بھی کبھی غفلت کی نیند نہیں سوئے۔ حدیثِ مبارکہ ہے: ''میری آنکھیں سوتی ہیں لیکن میرا دل جاگتا رہتا ہے۔'' پھر قرآن مجید میں آپ کو حجرات کے باہر سے آواز دے کر بلانے سے منع کیا گیا ہے کہ شایانِ شان نہیں۔ راقم کا ایمان ہے حضور پُر نور ﷺ اپنی قبرِ اطہر میں زندہ ہیں اور ایسی زندگی بسر فرما رہے کہ اس دنیا کے لوگ اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے، ان کی ساری اُمت بلکہ کائنات کا ذرّہ ذرّہ ان کے مشاہدے میں ہے، وہ باذنِ الٰہی سب کچھ جانتے ہیں اور ظاہری وفات کے بعد بھی ان کے ساتھ تخاطب میں اسی ادب واحترام کو ملحوظ رکھا جانا چاہیے جو ان کی ظاہری زندگی میں صحابہ کے ہاں نظر آتا ہے۔ آخری مصرعے میں ''الٰہی'' کا لفظ بھی تکلیف دہ انداز میں استعمال ہوا ہے۔ اگر یہاں خدا مراد ہے، تو خدا کو ''خواب میں ہے'' کہنا کیسے روا ہو سکتا ہے؟ اور اگر حضور نبی کریم ﷺ مراد ہیں، تو بھی یہ شانِ الوہیت کے خلاف ہے کہ حضور الٰہ نہیں عبداللہ ہیں اور اگر الٰہی فتنے...کوئی نئی ترکیب ہے تو سمجھ سے بالاتر ہے۔ اسی نظم کا ایک دوسرا بند ہے:

یا نبی کیوں نہیں موجودہ مصائب پہ نظر　　سیکڑوں گوہرِ خوش آب ہوئے خاک بسر
دل چھدے تیر سے، زخمی ہوئے نیزوں سے جگر　　چشم رحمت بکشا، جانبِ ٹرکی بنگر
کچھ تجھے اُمتِ عاصی کی خبر، ہے کہ نہیں؟
آبرو ریزیِ اسلام کا ڈر ہے کہ نہیں؟

توبہ ہے، یہ تخاطب اُس عظیم ہستی سے ہے جن کی بارگاہ میں جنید و بایزید جیسے اکابر اولیا نفس گم کردہ آتے ہیں، جہاں ذرا اونچی بولنا حبطِ اعمال کا باعث بن جاتا ہے۔ جہاں پیغام رسانی کے لیے لفظ نہیں اشک کام آتے ہیں۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ شاعر کو کتنا ہی ملتِ اسلام کا درد ہو، اُسے بانیِ اسلام کے حضور اس تخاطب کی اجازت مل سکتی ہے؟ اگر نہیں تو یقیناً تخاطب کا یہ انداز جائز نہیں قرار دیا جا سکتا۔ ہم اس کتاب کے مطالعے سے یہ اندرونی شہادت حاصل کر چکے ہیں کہ شاعر عاشقِ رسول ﷺ ہے، وہ حضور اکرم ﷺ کو زندہ، بااختیار اور معاون و مددگار مانتا ہے، تو ایسا عقیدہ رکھنے والے کو تو بارگاہِ نبوت میں کمالِ ادب واحتیاط کے ساتھ اپنی گزارشات عرض کرنی چاہییں۔ یہاں پہلے مصرعے کے ''کیوں نہیں نظر'' کا دُکھ روح کو

کچوکے لگا رہا ہوتا ہے کہ پانچویں اور چھٹے مصرعے بم بن کر ذہن پر برستے ہیں۔ ''کچھ تجھے خبر ہے کہ نہیں'' بلکہ ''ڈر ہے کہ نہیں'' یوں لگتا ہے جیسے نعوذ باللہ شاعر کو حضور ﷺ کی اُمت کی فکر حضور پُر نور ﷺ سے بھی زیادہ ہو (ثم نعوذ باللہ)۔ ماں سے زیادہ بچے سے محبت کا دعویٰ کرنے والی ڈائن ہی ہوتی ہے۔ حضور ﷺ ہی کی بارگاہ میں حضور ﷺ ہی کی اُمت کی مصیبتوں کی یوں فریاد کر کے حضور ﷺ ہی سے طالبِ امداد ہونا، چہ معنی دارد؟ اسی مسدس کا ایک اور بند ہے:

تجھے اللہ نے بخشی ہے حیاتِ ابدی — عالمِ قدس میں باقی ہے یوں ہی روح تری
وقت امداد کا ہے خذ بیدی، خذ بیدی — مرحبا سیّدِ مکی مدنی العربی

شانِ اسلام، زمانہ پہ عیاں کر، آجا
کفنی پہنے ہوئے، قبر سے باہر آجا

اس بند کے سیماب کے پہلے تین مصرعے اور جان محمد قدسی کا چوتھا مصرع جو مزا دیتا ہے بیان سے باہر ہے لیکن حضور پُر نور ﷺ کو صاحبِ حیاتِ ابدی مانتے ہوئے اور اُمت کی مدد کرنے پر صاحبِ اختیار مانتے ہوئے اور خذ بیدی کی فریاد کرتے ہوئے ''کفنی پہنے ہوئے قبر سے باہر آجا'' کے الفاظ ذوقِ لطیف پر کتنے گراں گزرتے ہیں۔ جو نبی قبر سے باہر آنے پر قدرت دیا گیا ہو کیا وہ کفن (وہ بھی کفنی) بدل نہیں سکتا؟ علامہ سیماب ہی نے اسی نظم میں آگے جا کر ایک اور نداز سے اپنے اس خیال کی خود آپ ہی تغلیط بھی کر دی ہے۔

ہاتھ میں تیغ بھی ہو، رایتِ اسلام بھی ہو
جسم پر جامۂ نوری بھی ہو، احرام بھی ہو

نظم ''سلام اے صبحِ کعبہ'' کا ایک شعر ہے۔

ترے جلوے کی حسرت ہے کلیسا ہو کہ مسجد ہو
ترے درشن سے مطلب ہے حرم ہو یا ہو بت خانہ

مسجد اور کلیسا دونوں جگہ حضور ﷺ کے جلوے کی حسرت تو سمجھ آتی ہے، لیکن بت خانے میں آپ کے درشن کا کیا مطلب ہو سکتا ہے؟ اسی نظم کا ایک شعر ہے۔

تجلی گاہِ وحدت بن گیا دنیا کا ویرانہ
سلام اے صبحِ کعبہ، السلام اے شامِ بت خانہ

دوسرے مصرعے میں السلام اے شامِ بت خانہ سے مراد سلامِ مقاطعہ ہے تو بجا لیکن اگر حضور پاک ﷺ ہی کو شامِ بت خانہ کہا گیا ہے تو جسارت ہے۔ سیماب ہی نے ایک دوسری جگہ اس مضمون کو کتنے ایمان افروز پیرائے میں باندھا ہے۔

صبحِ ازل تھا روئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم
شامِ ابد، گیسوئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم

صفحہ نمبر ۱۰۵ پر ایک نظم ہے "خدا آنے کو ہے" اس کے کچھ شعر دیکھیے:

وہ امام الانبیا آنے کو ہے — بادشاہِ اولیا آنے کو ہے
ظلمتیں دنیا کی سب ڈھل جائیں گی — رحمتوں کی اک گھٹا آنے کو ہے
دیکھنے والو ادب سے دیکھنا — آج محبوبِ خدا آنے کو ہے
جس کے آنے سے ہے رونق خلق کی — وہ محمد مصطفیٰ آنے کو ہے

اب ذرا جی کڑا کر کے اس نعت کا مقطع بھی پڑھ لیجیے:

مختصر یہ ہے کہ اے سیمابؔ آج
آدمی بن کر خدا آنے کو ہے

آدمی کبھی خدا نہیں بن سکتا۔ رسالت و الوہیت کی اپنی حدیں ہیں۔ یہاں سیماب اُس حزم و احتیاط کو مدنظر نہیں رکھ سکے جو ایک کامل موحد اور سچے مسلمان کا طرۂ امتیاز ہے۔

وحدۃ الوجودی صوفیا کچھ بھی کہیں، حضور پُر نور ﷺ عبدہ ہیں خود ھُو یا الٰہیہ نہیں ہیں۔ ایک اور نعتیہ نظم "انسان کے پیکر میں" کا مطلع دیکھ لیجیے جو صفحہ نمبر ۳۰۷ پر یوں درج ہے:

رسول اللہ کی آمد ہے عبداللہ کے گھر میں
خدا پیغام بن کر آئے گا بندے کے پیکر میں

نظم ..."ہوازن" کے نویں بند کے دو شعر ہیں (تخاطب حضرت سیّدہ حلیمہ سعدیہ سے ہے)

تیرے جنگل میں چرائیں، مصطفےٰ نے بکریاں — گلہ اُمت کا گلہ بان، چرواہا بنا
اُس گلِ صد رنگ نے کیں خوب جلوہ تابیاں — ہو کے نیرنگی سے اپنی مست، جو چاہا بنا

ان اشعار میں جہاں حضور پُر نور ﷺ کو گلِ صد رنگ کہا گیا ہے وہاں گلہ بانِ اُمت بھی کہا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو بارگاہِ نبوت میں "راعنا" کے استعمال سے منع فرما دیا تھا۔ اس کا مطلب تو تھا "ہماری رعایت فرمائیے"، لیکن کافر و منافق "راعنا" کو ذرا کھینچ کر "راعینا" کہتے، جس کے ایک دوسری زبان میں ذم والے معانی بنتے لیکن عربی میں اس کا مطلب "ہمارا چرواہا" بنتا، بہر حال اس کی جگہ "اُنظرنا" عرض کرنے کا حکم دیا گیا۔ یعنی آقا ہم پر نظرِ کرم فرمائیے۔

اللہ تعالیٰ علامہ سیماب کو معاف فرمائے کہ وہ گلہ بان کا لفظ استعمال کر رہے ہیں، بلکہ چرواہا بھی تو کہہ ہی دیا ہے۔ اگرچہ یہ تاریخی صداقت ہے کہ ہمارے پیارے آقا ﷺ نے بچپن میں بکریاں چرائی ہیں،

لیکن ہمیں زیب نہیں دیتا کہ اُن کے لیے ایسا لقب استعمال کریں جس کے استعمال سے خلافِ ادب پہلو نکلتا ہو اور جس کے استعمال سے خدا نے منع بھی کر دیا ہو۔ کتاب کے مقدمے میں ڈاکٹر فرمان فتح پوری نے کمالِ محبت و محنت سے سیماب کی فکری و فنی خوبیوں کا خوب صورت احاطہ کیا ہے، لفظ لفظ قابلِ داد ہے۔

انھوں نے لکھا:

> نعت گوئی کے سلسلے میں انھوں نے پھونک پھونک کر قدم رکھا ہے، لغزشِ زبان و لغزشِ خیال کا کہیں شکار نہیں ہوئے۔ وفورِ جذبات سے مغلوب ہو کر رسالت کو توحید کی حدود میں نہیں لے گئے۔ (''سازِ حجاز''، مقدمہ، ص ۱۴)

ڈاکٹر صاحب کی تنقیدی و تحقیقی حیثیت مسلّمہ ہے جس کا راقم الحروف دل سے معترف بھی ہے لیکن جن چند نکات کی طرف اس عاجز نے اشارہ کیا ہے، وہ یقیناً ڈاکٹر صاحب سے بارِ دگر غور کرنے کا تقاضا کرتے ہیں۔ اگر علامہ سیماب خود بقیدِ حیات ہوتے تو یہ خاکسار اُن سے بھی ان اشعار میں تبدیلی کی ضرور درخواست کرتا۔ دراصل بے عیب اور بے ریب صرف ذاتِ خداوندی ہے، وہی کامل (Perfect) ہے اور اُس نے کاملیت (Perfection) صرف اپنے حبیبِ کریم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو عطا کی ہے، ہم سب کو تو بارگاہِ نبوی کے آداب کا خیال ہی رکھنا چاہیے۔

اوپر بیان کیے گئے چند مقامات کے علاوہ علامہ سیماب اکبر آبادی کا مجموعہ ''سازِ حجاز'' فکر و فن کی عظیم چوٹی پر دکھائی دیتا ہے۔ اُن کا عشقِ رسول، جذبۂ حبُ الوطن، دردِ ملت، فکر کی وسعت اور فن کی بلندی انھیں بلند مقام عطا کرتی ہے۔ ہیئتوں کے حوالے سے انھوں نے نعت میں جو خوب صورت تنوع پیش کیا ہے، وہ انھیں عظیم مقامِ فکر و فن کے سنگھاسن پر بٹھاتا ہے۔

حواشی

☆۱۔ اصل نسخے میں ایک ہی چھپا ہے جو یقیناً سہوِ کتابت ہے۔ اک ہونا چاہیے (راقم)

☆۲۔ ''اور'' کا لفظ غالباً سہوِ کتابت سے اصل کتاب میں طبع نہیں ہو سکا ورنہ علامہ سیماب بے وزن مصرع نہیں باندھ سکتے۔ (راقم)

☆

پروفیسر شبیر احمد قادری۔ فیصل آباد

احمد ندیم قاسمی بحیثیت نعت نگار

قرآن حکیم میں ربّ کائنات نے حضور سرورِ دارین، امام الانبیا ﷺ کو مختلف ناموں سے یاد کیا ہے۔ یہ فی الاصل حضور کے اوصافِ حمیدہ ہیں جو قرآن حکیم میں بیان ہوئے ہیں۔ حضرت حسان بن ثابت ؓ نے حضور ﷺ کو روشن چراغ قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ وہ چراغ اس طرح چمکتا ہے جس طرح ہندی شمشیر چمکتی ہے۔ سیّد وحید الحسن ہاشمی نے اپنے نعتیہ مجموعے ''یا مین'' میں فنِ نعت گوئی کے ذیل میں چھ اصولوں کا حوالہ دیا ہے:

(۱) مقصدیت (۲) خیال (۳) جذبہ
(۴) الفاظ (۵) طرزِ ادا (۶) وزن☆[۱]

اس تناظر میں ممتاز شاعر اور ادیب احمد ندیم قاسمی مرحوم کی نعتوں کا جائزہ لیا جائے تو اُن میں محولہ بالا اصول اپنی بھرپور موجودگی کا احساس دلاتے ہیں۔

ہے میرے لفظ لفظ میں گر حسن و دل کشی
اس کا یہ راز ہے، مرا معیار آپ ہیں☆[۲]

ندیم کے فکر و فن کا محوری نکتہ تلاشِ جمال اور ستائشِ جمال ہے۔ وہ جمال کے محدود و مقرر معانی کے بجائے اس کے اندر نئی وسعتوں اور نئے ابعاد کا کھوج لگانے کے خواہش مند ہیں۔ ہماری تہذیبی زندگی کا یہ بہت بڑا المیہ ہے کہ ہم نے بعض الفاظ و اصطلاحات کے وسیع معنی کو محدود کر دیا ہے اور پھر انھیں انھی محدود معانی میں اتنے تواتر سے استعمال کیا ہے کہ اس کے اصلی مفاہیم قطعی طور سے پس منظر میں چلے گئے ہیں۔ حسن و جمال اور احساسِ جمال اور آرائشِ جمال کے تو اس انتہا تک معنی بدل گئے ہیں کہ یہ الفاظ بے معنی سے ہو کر رہ گئے ہیں۔ حد یہ ہے کہ گھروں میں کوئی حسن کا لفظ استعمال کر بیٹھے تو بزرگوں کی تیوریاں چڑھ جاتی ہیں کہ یہ بُری صحبت کا اثر ہے۔ اسی طرح جمالیات کا تذکرہ بھی خلاف تہذیب ہے جب کہ جمالیات ہی تو جانِ تہذیب ہے۔☆[۳]

انسانی تہذیب و اقدار کے سب سے بڑے رہ نما نبی اکرم ﷺ کی ثنا کرتے ہوئے انھوں نے اپنے مجموعۂ نعت کا نام بھی ''جمال'' رکھا ہے۔ نعت کہتے ہوئے وہ لفظ ''محمد'' کو نطق کا جمال قرار دیتے ہیں کہ یہ شاعر کی تمنائے جمیل ہے۔ شعر ملاحظہ ہو:

لفظ محمد اصل میں ہے نطق کا جمال
لحن خدا نے خود ہی سنوارا ہے اُن کا نام [۴]

ندیم اخلاق اور تہذیب کی اصلاح اور فروغ کے لیے مذہب کی جمالیات کی ترویج کو ضروری سمجھتے ہیں۔ کنعانِ عصر میں تہذیب کے حسن کا جو قحط پڑا ہے ندیم اس پر بہت مشوش و متاسف ہیں۔ وہ اسلام اور اس کی تہذیب و اقدار کی عظمت کے قائل اور نقیب ہیں۔ دینِ اسلام انسان کے وقار اور عظمت کا جو تصور پیش کرتا ہے وہ بے مثال ہے۔ پاکستان جو اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا، اس میں اسلامی نظام کے نفاذ کے عمل میں بے جا تاخیر اور اس کی مخالفت جیسے معاملات ہر ذی حس کو متاثر کرتے ہیں۔ اسلام محبت کا پیغام اور مطلعِ تہذیب کا خورشیدِ درخشاں اور معدنِ مکارم ہے۔ ندیم اسلام میں فرقہ واریت کی مذمت کرتے ہوئے اسے تضیع اوقات قرار دیتے ہیں۔ رہنمایانِ دین فروعات میں وقت ضائع کر رہے ہیں اور انھیں اہلِ پاکستان کے بنیادی مسائل (روزگار، معاش، خوش حال زندگی) سے کوئی خاص شغف نہیں... جب ہم اسلام کو پاکستان کی بنیاد قرار دیتے ہیں تو ہمارے پیشِ نظر وہ اسلام ہوتا ہے جس میں ایک بڑھیا کو یہ بھی حوصلہ اور حق حاصل ہوتا ہے کہ وہ فاروقِ اعظم ؓ کو بر سرِ عام ٹوک دے جس میں مملکت کا تصور بہترین فلاحی مملکت کا تصور ہے، جس میں کوئی محتاج نہیں ہے، کوئی حقیر نہیں ہے، جس میں خیر اور توازن ہے، حسن اور تناسب ہے اور جسے اجتہاد کی قوت بھی حاصل ہے تاکہ اسلام کے بنیادی عقائد کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے ہر عصر کے ساتھ دیا جا سکے اور ایک لمحے کو بھی یہ محسوس نہ ہو کہ ہم محض مسلمان ہونے کی وجہ سے مادّی ترقی کے میدان میں دنیا سے پیچھے رہے جا رہے ہیں۔ آج پاکستان میں اسلام کا یہ تنومند اور صحت بخش نظام رائج نہ سہی مگر اس سے پاکستان کی نفی کا پہلو کہاں سے نکلتا ہے۔[۵] ندیم نے اسلام اور پاکستان سے اپنی محبت کا اظہار کئی مقامات پر کیا ہے۔ تاہم اس ذیل میں ان کی ایک کتاب ''تہذیبِ فن'' کا بغور مطالعہ ناگزیر ہے۔ یہ کتاب ندیم کے جملہ افکار و نظریات کو محیط ہے۔ نہ وہ مسلمان ہونے پر نادم ہیں اور نہ پاکستانی ہونے پر شرمندہ ہیں۔ اپنی ان مستحکم حیثیات پر ان کا احساسِ تفاخر جا بہ جا جھلکتا ہے۔ اہم بات یہ ہے کہ وہ معاصرین اور قارئین کو بھی فخر کے اس دائرے میں شامل ہونے کے لیے مائل کرنے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتے۔ حیران کن پہلو یہ ہے کہ ندیم کا شمار ترقی پسند مصنفین کی تحریک کے اہم کارکنوں اور عہدے داروں میں ہوتا تھا۔ ترقی پسند تحریک سے وابستگی کے باوجود انھوں نے شاعری کو نعرہ نہیں بننے دیتے (جیسا کہ اس تحریک

سے متعلق بیش تر اہلِ قلم کا حوالہ بنتا ہے) یہ ندیم کے کمالِ فن کی دلیل ہے کہ وہ اپنا مدّعا بھی بیان کرتے ہیں اور شعری لطافتوں کی روح کو مجروح بھی نہیں ہونے دیتے۔۔اس لیے کہ وہ اوّل و آخر تخلیق کار تھے، انسان اور کائنات کے جملہ مظاہر کو بیان کرنے کے لیے وہ شاعری کو ایک وسیلہ خیال کرتے تھے۔ حسن رضوی (مرحوم) کے اس سوال پر کہ پہلے ''فنون'' (ادبی رسالہ جس کے مدیر احمد ندیم قاسمی تھے جاری شدہ ۱۹۶۳ء) میں نعتیہ شاعری کا حصہ مخصوص نہیں ہوتا تھا۔ یہ کہا جاتا ہے کہ موجودہ سیاسی حالات کے ساتھ ساتھ ندیم صاحب کے فکری رویے میں تبدیلی واقع ہوئی ہے۔ ندیم نے بتایا کہ

> مَیں تو جب ترقی پسند مصنفین کا سیکریٹری جنرل تھا اس وقت بھی میری نعتیں ''امروز'' میں چھپتی تھیں اور یہ نہیں کہ کسی کونے کھدرے میں چھپ جائیں، پورے پورے صفحے پر چھپتی تھیں۔ اس لیے میری نعت نگاری کوئی نئی بات نہیں ہے اور اگر اب میں نے ''فنون'' میں نعتیں چھاپنی شروع کی ہیں تو اس وقت کون سا ایسا رسالہ ہے جو نعتیں نہیں چھاپ رہا۔ کسی بھی اچھے رسالے کا نام لیجیے، اس کا پہلا صفحہ نعتوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ اگر مَیں نے سب کو مشرف بہ اسلام کردیا ہے، تب بھی یہ ثواب کا کام ہے۔[☆۶]

احمد ندیم قاسمی نے ''فنون'' کے ذریعے دیگر منظوم و منثور تخلیقات و نگارشات کے ساتھ ساتھ حمد و نعت کے فروغ کے لیے ایک فضا تیار کی۔ بیسویں صدی کے رُبع آخر کے بیش تر نمایاں اور معروف نعت نگاروں کی نعتوں کا بڑا حصہ ''فنون'' ہی میں شائع ہوکر قبولیت کے درجے کو پہنچا۔ ''جمال'' میں شامل بیش تر نعتیں بھی ''فنون'' میں چھپیں۔ ڈاکٹر ریاض مجید کی رائے میں ترقی پسند مصنفین کی تحریک سے وابستہ شاعروں نے فنی اعتبار سے معیاری نعتیں تحریر کیں۔ آپ کی سیرت و کردار کے بعض گوشوں کو عصری احوال و مسائل کے پس منظر میں منفرد اور مؤثر انداز میں پیش کیا۔ ڈاکٹر صاحب کا کہنا ہے کہ ترقی پسند شعرا نے اسلوبِ نعت سے زیادہ موضوعاتِ نعت پر توجہ دی۔ اگرچہ ان کے موضوعات کا دائرہ خاص ہے مگر انھوں نے اس دائرہ ہی میں نعت گوئی کے اعلیٰ نمونے پیش کیے ہیں۔ موصوف احمد ندیم قاسمی کو ان شاعروں میں سرفہرست قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ان کی نعتیں نہ صرف شعر و سخن کے اعلیٰ معیارات و اقدار پر پورا اُترتی ہیں بلکہ عوام میں بھی بہت مقبول و پسندیدہ ہیں۔[☆۷]

ندیم کے ہاں خط و خال، خوباں کی مدح سرائی کا رنگ موجود ہے۔ وہ نئے مضامین اور جدید آہنگ کی تلاش میں بھی دکھائی دیتے ہیں۔ ترقی پسند تحریک سے وابستگی کے دوران میں ان کے تصورِ انسان میں استحکام اور پختگی پیدا ہوگئی جس پر انھوں نے عمر بھر پہرا دیا۔ اُن کی شاعری سنجیدہ، علمی اور فکری موضوعات کا

احاطہ کرتی ہے۔ انھوں نے خاطر گرفتہ انسانوں کے دُکھوں کو اپنے دُکھ محسوس کرتے ہوئے اپنی تصانیف کے صفحات کو ان افکار سے منور کیا۔ ندیمؔ کا اپنا تعلق بھی ایک گاؤں (انگہ، ضلع خوشاب) سے تھا اس لیے انھیں محنت کشوں اور کسانوں کے مسائل کو بڑے قریب سے دیکھنے کے مواقع میسر آئے۔ ان کا یہی مشاہدہ انسان دوستی کا اوّلین حوالہ قرار پایا۔ اُن کی تمنا ہے کہ انسان اپنی مذہبی اور تہذیبی انفرادیت برقرار رکھتے ہوئے دوسرے مذاہب کے پیروؤں اور دوسری تہذیبوں کے نمائندوں کے ساتھ انسانیت کی لگن محسوس کرے۔ ندیمؔ کی رائے میں انسان دوستی تو کسی دُور دراز کی صورت میں بھی اسلامی ثقافت کے بنیادی اصولِ توحید سے نہیں ٹکراتی وہ تو اس کی نفی کے بجائے اس کی تائید کرتی ہے۔☆[۸] ندیمؔ معتدل مزاج شخص اور شاعر تھے انھیں خود بھی اس امر کا بخوبی احساس تھا کہ اُن کی سرشت سرسبز و شاداب رویوں کی حامل ہے۔ اُن کا سبھاؤ، نعروں کے الاؤ کی تپش میں دامن کش رہا۔ یہ ان اوصاف کی تاثیر وعطا ہے کہ ندیمؔ نراس کی کھیتی سے آس اور اُمید کے پھل پھول پیدا کرنے میں کامیاب رہتے ہیں۔ یہ آس اور اُمید ہی ہے جو ندیمؔ کو اس فیض گستر ذات کے حضور مدح کے پھول پیش کرنے پر آمادہ کرتی ہے۔

نعت گوئی دراصل سیرت وصورتِ مصطفیٰ کی مدح وثنا کا نام ہے۔ انوارِ مصطفوی سے تہذیب وتمدن نے جو روشنی حاصل کی اس سے کائنات کا ذرّہ ذرّہ آج بھی منور ہے۔ حضور علیہ السلام کا اُسوۂ حسنہ کائنات میں مثالی حیثیت کا حامل ہے، رسولانِ ماسبق میں آپ کو جو مقام ومرتبہ حاصل ہے اس کے ذکر سے لاکھوں کروڑوں تصانیف وتالیفات کے صفحات سے روشنی پھوٹ رہی ہے۔ ندیمؔ کو ہادیِ اسلام سے جو ربطِ عمیق ہے، ان کی نعتیں اس کا روشن ثبوت ہیں۔ ان کی نعتیں معدنِ سخن کے دل کش جوہر ہیں، ان کے خامۂ سِحر طراز نے جو نعتیں لکھیں، وہ اپنی دل آویزی اور محبتِ رسول ﷺ سے مملو ہونے کے باعث قبولِ عام کے درجے کو پہنچیں، ندیمؔ کی نعتوں میں حضور علیہ السلام کی سیرت پاک اور اعمالِ حسنہ کا بار بار ذکر آیا ہے:

سنگ زنوں میں گھر کے بھی تُو نے انھیں دعا ہی دی
دشتِ بلا سے بارہا، گزرا ہے قافلہ ترا ☆[۹]

☆

اپنے رفیقوں کے لیے پتھر بھی ڈھوئے آپ نے
اور دشمنوں کے حق میں مصروفِ دعا بھی آپ ہیں ☆[۱۰]

☆

اُٹھا کے قعرِ مذلت سے ابنِ آدم کو
وقار تُو نے دیا، باوقار تُو نے کیا

جمالِ قول و عمل ہو کہ حسنِ صدق و صفا
خدا نے جو بھی دیا، پائیدار تُو نے کیا☆[11]

☆

مجھے قسم ہے تری سیرتِ منزہ کی
کہ تاج و تخت پہ اک طنز تھی چٹائی تری☆[12]

احمد ندیم قاسمی اپنی بھرپور شعری صلاحیتوں کو استعمال میں لاکر نعتِ مصطفیٰ ﷺ کے ذریعے دامانِ رسول ﷺ سے وابستگی کا اعلان واظہار کرتے ہیں۔ ندیمؔ کو خدا نے حساس اور دردمند دل اور شفاف فکر عطا کی تھی۔ یہی حساس دل، حضور سرورِ کائنات ﷺ کی کرم باریوں اور احسانات کا ادراک کرتا ہے تو قلم سے توصیفِ رسول ﷺ کی شعاعیں پھوٹنے لگتی ہیں۔ ندیمؔ کی نعتیں عشق وعقیدت، ذوق وشوق اور وارفتگیٔ فکر کے ساتھ ساتھ اُن کا ایک اہم ادبی حوالہ بھی ہیں۔ اُن کی نعتیں رنج وفشار کے عالم میں سکون وراحت کے پیغام کا درجہ رکھتی ہیں۔

ندیمؔ کی انسان دوستی بیسویں صدی کے اہلِ قلم میں مثالی حیثیت رکھتی ہے۔ وہ انسان پر بداعتمادی کا اظہار کرنے اور اسے بے توقیر اور بے وقعت سمجھنے والوں کی شدید مذمت کرتے ہیں۔ اُن کی شاعری کا بیش تر حصہ انسان دشمن رویوں کے خلاف صدائے احتجاج کا درجہ رکھتی ہے۔ یہ بجا کہ انسان خیر اور شر کا امتزاج ہے مگر رفعِ شر اور ترویجِ خیر کے لیے کام کرنا اور اس سوچ اور فکر کے استحکام کے لیے جدوجہد کرنا، نیک اور مبنی بر خیر عمل ہے۔ اسلام تکریم وتوقیرِ انسانیت پر خصوصی زور دیتا ہے۔ عظمتِ انسان کے حوالے سے ندیمؔ کی نعتوں میں تعلیماتِ نبوی کا بیان، خراجِ تحسین کی صورت اختیار کرلیتا ہے۔ ندیمؔ بجا طور پر سمجھتے ہیں کہ انسانیت کی عظمت، توقیر اور فلاح کا جو تصور اسلام نے دیا ہے۔ اس کی مثال کہیں اور نہیں ملتی۔ یہی فکر اور سوچ انھیں خیر البشر ﷺ میں ہدیہ سلام ونیاز پیش کرنے پر راغب کرتی ہے:

تُو جب آیا تو مٹی روح و بدن کی تفریق
تُو نے انساں کے خیالوں میں لہو دوڑایا☆[13]

☆

یہ بتانے کو، کہ باوزن ہے انسان کی ذات
دستِ یزداں نے جو بخشی ہے، وہ میزان تُو ہے☆[14]

☆

گواہی دیتا ہے یہ، ارتقاے انسانی
کہ کام آئی جہاں بھر کو پیشوائی تری [۱۵]

☆

اُن کے پیکر میں محبت کو ملی ہے تجسیم
پیار کرتا ہے ہر انسان سے، پرستار اُن کا [۱۶]

ندیم کے نعتیہ اشعار اور اُن میں پائی جانے والے تہ داری، اُن کے دل سے نکلنے والی وہ آواز ہے جو محبوبِ کائنات کی مدح وثنا کے لیے بلند ہوتی ہے۔ نعت دراصل اُن کے دامانِ کرم سے وابستگی کا شعری وسیلہ ہے۔ وہ اُس محبوب کے در کی گدائی پر اظہارِ تفاخر کرتے ہیں جس کا سہارا اپنے ماننے والے کو زندگی کے کسی بھی میدان میں جھکنے نہیں دیتا۔ وہ جس کی یاد، تنہائیوں کے جنگل میں بھی بھٹکنے نہیں دیتی۔ ندیم نبی رحمت کے فکر وعمل سے فیض حاصل کرتے اور اُسے بصورتِ نعت قارئین کو منتقل کرتے ہیں، یوں اُن کی نعت اظہارِ عقیدت ومودّت کے ساتھ ساتھ تبلیغ کے دائرے میں داخل ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ ندیم کا پُر اعتماد اور عقیدت خیز قلم، اہلِ وِلا کے دلوں کی دھڑکن ہے۔ اسی سے ان کے پایۂ سخن وری کا تعین ہوتا ہے۔ اُن کی نعت کا حصہ بننے والے الفاظ متانت، سلاست اور فصاحت کا عمدہ نمونہ ہیں۔ ندیم کا شمار ان شعرا میں ہوتا ہے جنھوں نے عددی اعتبار سے نعتیں تھوڑی لکھی ہیں مگر معیار کے اعتبار سے بڑی عمدہ ہیں۔ کہنہ مشاقانِ عصر بھی اس ضمن میں اُن کے معترف ہیں۔

فن کے اظہاری پہلوؤں کا جائزہ لیتے ہوئے فن کار کے ذہنی اور فکری میلانات کا مطالعہ بھی ازبس ضروری ہے۔ اثناے مشق میں فن کار، فن اور فکر کے کئی مدارج طے کرتا ہے اور کمالِ فن کے درجے کو چھونے کے بعد وہ خود کو ایسی نزہت گاہ کا مکین خیال کرنے لگتا ہے جہاں ہر طرف امن وآشتی اور سکون وراحت کی خوش بو، بکھری ہوئی ہوتی ہے۔ فن کو فن کار کی سوچ سے الگ کر کے دیکھنا، فن کا ادھورا مطالعہ کرنا ہے۔ ندیم بھی فن اور فن کار کے باہمی ارتباط واتصال کو بڑی اہمیت دیتے ہیں:

> ''فن کار کے فن اور شخصیت کے رشتے بہت گہرے ہوتے ہیں اور آپس میں اتنے الجھے ہوئے، اتنے گتھے ہوئے ہیں کہ انھیں ایک دوسرے سے الگ کرنا چاہو تو اس کے فن کے چہرے پر بھی خراشیں پڑ جاتی ہیں اور اس کی شخصیت بھی زخمی ہو جاتی ہے۔'' [۱۷]

ندیم کے فن کا جھکاؤ دین کی طرف ہے اور بحیثیتِ فن کار وہ اپنی تمناؤں کا مرکز ہادیِ برحق علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذاتِ ستودہ صفات کو سمجھتے ہیں:

وقت اور فاصلہ برحق، لیکن
میرا فن کرتا ہے بیعت اُن کی[18]

ندیمؔ تا دمِ واپسیں، فروغِ ادب کے لیے سعی کناں رہے۔ وہ لفظ کی توقیر کے پاس صادر ہونے کے ناتے شانۂ فن سے اس کی زلفِ دوتا کو سنوارنے کے لیے سرگرمِ عمل رہے۔ ان کا فن ایسی شاخِ ثمردار ہے جس سے معاصرین نے خوب استفادہ کیا۔ ان کے ابیاتِ متین، بلند اور دقیق مسائل کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہیں تاہم ان کا اسلوب سادہ اور عام فہم ہے۔ وہ غزالِ معنی کو دام میں لانے کا ہنر بھی خوب جانتے تھے۔ ڈاکٹر عبادت بریلوی مرحوم کی رائے میں ندیمؔ کی شاعری ایسے دل نشیں اور دل آویز اندازِ بیاں سے بھری پڑی ہے، اس اندازِ بیاں میں جذبے کی صداقت نے تخیل کی بلندی سے مل کر کچھ ایسی گل کاریاں کی ہیں کہ فنی اعتبار سے اُن کی شاعری بڑی ہی شگفتہ اور شاداب نظر آتی ہے۔[19] ندیمؔ کی نعتیہ شاعری کو ہم دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

(۱) غیر مستحکم نسبت کی شاعری (۲) مستحکم نسبت کے بعد کی شاعری

غیر مستحکم نسبت کا دور ندیمؔ کے خیال میں وہ ہے جب وہ کسی ایسی ہستی اور ایک ایسے مرکز کی تلاش میں رہے جہاں انھیں الجھنوں سے نجات ملے۔ اس ذیل میں وہ کبھی عمر بھر فلسفوں کی دھوپ میں جلنے کی بات کرتے ہیں، کبھی انھیں نصف اندھیرا اور نصف اُجالا دکھائی دیتا تھا، لیکن جب یہ نسبت پختہ تر ہوتی ہے تو کہہ اُٹھتے ہیں کہ:

میری پہچان ہے، سیرت اُن کی
میرا ایمان، محبت اُن کی[20]

☆

ترے کمال مساوات کی قسم ہے مجھے
کہ تیرے دیں سے بڑا کوئی انقلاب نہیں
صدی صدی کی تواریخِ آدمیت میں
تری مثال نہیں ہے، ترا جواب نہیں[21]

☆

پس ہر حرف وہی جلوہ فگن رہتے ہیں
میری مانند مرا فن بھی وفادار اُن کی[22]

مدینہ منورہ واہلِ ایمان کی عقیدتوں اور محبتوں کا مرکز ہے۔ سبز گنبد کو دیکھنے اور اس کے سائے میں

زندگی گزارنے کی تمنا کرنے والے شعرا کی کمی نہیں ہے۔ شاید ہی کوئی شاعر ہو جس نے اپنی نعتوں میں اس سرزمین کے ذرّوں کو چومنے کی خواہش کا اظہار نہ کیا ہو۔ ندیم بھی درِ اقدس پر حاضر ہو کر درود و سلام کا نذرانہ پیش کرنے کے خواہاں ہیں۔ اس لیے کہ یہ اس عظیم المنزلت ہستی کا شہر ہے جس نے انسانوں کو قعرِ مذلت سے نکال کر اوجِ ثریا تک پہنچایا۔ ندیم مجبوری کے عالم میں تڑپتے اور اضطراب اور بے قراری کا اظہار کرتے ہیں اور اپنے قلب و ذہن کو اس شہرِ بے مثال کی خوش بوے دل آویز سے سرشار اور معمور کرنا چاہتے تھے۔ شاعر جب تک درِ اقدس پر حاضری کو دنیا کا سب سے بڑا انعام خیال نہ کرے، سچی لگن اور حقیقی تڑپ پیدا نہیں ہو سکتی۔ ندیم تو مدینے کو اپنے سینے میں لیے پھرتے ہیں:

درونِ سینہ، مدینہ اُٹھائے پھرتا ہوں
کہ ایک پل بھی گوارا نہیں جدائی تری ☆۲۳

یہاں ندیم کی ایک نعت کا اندراج اور مطالعہ حصولِ ثواب کا ذریعہ ہوگا، جس میں وہ مدینہ منورہ کے قیام کے دوران میں وہ اپنے جذبات و محسوسات کا اظہار بڑے عمدہ اور دل کش پیرائے میں کرتے ہیں:

مَیں کہ بے وقعت و بے مایہ ہوں — تیری محفل میں چلا آیا ہوں
آج ہوں مَیں ترا دہلیز نشیں — آج مَیں عرش کا ہم پایہ ہوں
کائناتوں پہ تیرے دم سے — آسمانوں کی طرح چھایا ہوں
چند پل یوں تری قربت میں کٹے — جیسے اک عمر گزار آیا ہوں
جب بھی مَیں ارضِ مدینہ پہ چلا — دل ہی دل میں بہت اِترایا ہوں
تیرا پیکر ہے کہ اک ہالۂ نور — جالیوں سے تجھے دیکھ آیا ہوں
کتنی پیاری ہے ترے شہر کی دھوپ — خود کو اکسیر بنا لایا ہوں
یہ کہیں خامیِ ایماں ہی نہ ہو — مَیں مدینے سے پلٹ آیا ہوں ☆۲۴

ندیم کے اس اندازِ نعت گوئی کو معاصر اہلِ قلم نے خوب سراہا اور ان کی راست بازی، مثبت فکر اور پختگیِ فن کو خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔ اشفاق احمد رقم طراز ہیں:

> ندیم کو پہلے نعت کہنے کا اذن ملا، پھر اظہار کے مختلف النوع ذرائع کا مواد ملا، پھر صوت کی کمند سے دلوں کے اندر اترنے کا طریق بتایا گیا... جب بھی نعت کہنے والوں کی نعت خاص طور پر ندیم صاحب کے ہدیہ ہاے عقیدت بحضور سرورِ کائنات ﷺ نظر سے گزرے تو ایک بات کا بار بار احساس ہوا کہ صحیح اور سچی خود شناسی ہم سے پیدا نہیں ہوتی بلکہ محسوسات، واردات اور واپرتا سے ہوتی ہے۔

زندگی کے رستوں کو جو آنکھیں روشن کرتی ہیں وہ دماغ کی آنکھیں نہیں ہوتیں، دل کی آنکھیں ہوتی ہیں۔ ☆[۲۵]

ندیم، نعت گوئی میں خود کو حفیظ تائب کے قبیل کا شاعر سمجھتے تھے۔ اس حقیقت کو اب تمام اہلِ فن کے ذہنوں پر آفتاب بن کر طلوع ہونا چاہیے کہ حفیظ تائب ہی نے اردو اور پنجابی نعت گوئی کو حیاتِ نوبخشی ہے اور ہم سب لوگ جو کبھی کبھار نعتیں کہہ لیتے ہیں، دراصل اس کے مقلد ہیں۔ ☆[۲۶]

اردو کے نعتیہ سرمائے پر نگاہ دوڑاتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ بیش تر نعتیں غزل کی ہیئت میں لکھی گئی ہیں۔ غزل کے رائدین کی تعداد اگرچہ زیادہ نہیں مگر اس ذیل میں جتنی آوازیں بھی بلند ہوئیں وہ معتبر اہلِ قلم کی تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ حامیانِ صنفِ غزل نے ان کا موثر اور مدلل جواب دیا۔ اہم بات یہ ہے کہ ان کا اندازِ مدافعانہ نہیں تھا بلکہ انھوں نے بڑے اعتماد سے اپنی یہ ذمے داری پوری کی۔ جہاں تک ندیم کا تعلق ہے تو انھوں نے بیش تر اصنافِ سخن میں طبع آزمائی کی۔ تاہم ان کی محبوب اصنافِ سخن دو ہی ہیں۔ غزل اور نظم...ندیم نے نعت نگاری کے لیے اکثر و بیش تر غزل کا پیرایہ اختیار کیا مگر اپنے لہجے اور الفاظ وتراکیب کے عمدہ برتاؤ کی بدولت وہ معاصر شعرا میں صاف پہچانے جاتے ہیں۔ وہ ترقی پسندانہ رجحانات کے حامل تھے مگر ان کی فکر دینی تعلیمات کے زیرِ سایہ آگے بڑھتی ہے۔ غزل کی زلفوں کو سلجھانے اور ان میں نکھار پیدا کرنے کے ذیل میں ندیم کی کاوشوں کی ستائش عزیز احسن نے بھی کی ہے۔ ندیم نے غزل کو روایتی بندھنوں سے نکالنے اور اسے سنوارنے میں جو پُرخلوص کاوش کی ہے وہ بھی کسی سے ڈھکی چھپی نہیں ہے۔ ندیم نے نعت بھی کہی ہے اور اس صنف میں بھی اپنے لہجے کی انفرادیت کو برقرار رکھا ہے اور اس خوبی سے کہ نعت کا حسن بھی قائم رہا، احمد ندیم قاسمی کے لہجے کی تازگی نے نعت نگاری کی روایت میں مروجہ غزل کا آہنگ اس طرح سمویا ہے کہ نعتیہ شاعری کے اعتبار میں اضافہ کر دیا ہے۔ ☆[۲۷] احمد ندیم قاسمی نے غزل کے اسلوب میں سرکارِ رسالت مآب ﷺ کا ایسا سراپا لکھا ہے جو آپ کی سیرت کے نور سے مستنیر ہے۔ ''جمال'' کی شاعری میں عقیدت کا مقدس جذبہ فن اس طرح ڈھل گیا ہے کہ عقیدت اور شعر کی تخلیقی دانش میں ایک حسین توافق (Harmony) پیدا ہو گیا ہے۔ ☆[۲۸]

احمد ندیم قاسمی کی نعتیں عشق ومحبت، ذوق وشوق اور وارفتگیٔ فکر کے ساتھ ساتھ اُن کا ایک اہم ادبی حوالہ بھی ہیں۔ ندیم کی نعتیں رغم وفشار کے عالم میں سکون وراحت اور امن وآشتی کا پیغام بن کر سامنے آتی ہیں۔ ان کی نعت نویسی کا عمل ان کے پختہ اور گتھے ہوئے دینی رجحانات کی علامت بن کر اُبھرتا ہے۔ ان کے ہاں خصائل وشمائلِ رسول ﷺ سے زیادہ تعلیماتِ نبوی کو منظوم کرنے کا رجحان پایا جاتا ہے۔ ان کی نعتوں کا یہ وصف خاص ان کے گہرے تفکر اور عصری شعور کا پتا دیتا ہے۔

''جمال'' کے آخری صفحات پر دو نظمیں ''بحضور اکرم ﷺ'' (صفحہ نمبر ۷۵-۷۲) اور ''مرے حضور'' (صفحہ نمبر ۷۷-۷۶) بھی شامل ہیں۔ یہاں دوسری نظم درج کرتا ہوں:

مرے حضور ﷺ

مرے حضور! سلام و درود کے ہمراہ
کئی گلے بھی کروں گا کہ دردمند ہوں مَیں
جدید تر ہے تمھارا نظامِ زیست مگر
قدیم آنچ پہ اک دانہ سپند ہوں مَیں
مدارِ امن و اماں ہے تفاوتِ زر و خاک
اس امتیاز سے ہر چند کچھ بلند ہوں مَیں

☆

مرے حضور! میں سچ بولتا رہوں، لیکن
مری زبان پہ رکھتے ہیں لوگ انگارے
مَیں ظلمتوں میں تجلّی کی جب دہائی دوں
تو میرے سر پہ برستے ہیں آہنی تارے
تمھارے نام کا تنہا جنھیں سہارا تھا
تمھارے نام پہ لٹنے لگے ہیں بے چارے

☆

مرے حضور! اسی نور کے سہارے پر
میں تیرگی میں اُلجھ کر بھی مسکراتا ہوں
شہنشوں کے قصیدے لکھوں تو کیسے لکھوں
رواں لبوں پہ تمھارا ہی نام پاتا ہوں
مجھے خبر ہے، تمھاری نگاہ ہے مجھ پر
اسی لیے تو میں شعلوں میں تیر جاتا ہوں ☆۲۹

حواشی

☆۱۔ وحیدالحسن ہاشمی، سیّد: یاسین، الحبیب پبلی کیشنز، لاہور، اشاعتِ اوّل ۱۹۹۷ء، صفحہ ۲۵،۲۴

☆۲۔ احمد ندیم قاسمی، ''جمال'' بیاض، لاہور، اشاعتِ اوّل ۱۹۹۲ء، صفحہ ۲۵

☆۳۔ احمد ندیم قاسمی، تہذیب وفن، پاکستان بکس اینڈ لٹریری ساؤنڈز، لاہور، ۱۹۹۱ء، صفحہ نمبر ۹۶

☆۴۔ ''جمال'' صفحہ نمبر ۶۲

☆۵۔ احمد ندیم قاسمی، تہذیب وفن، صفحہ نمبر ۳۳،۳۲

☆۶۔ احمد ندیم قاسمی، انٹرویوز، حسن رضوی مشمولہ گفت وشنید، ۱۹۹۰ء، صفحہ نمبر ۲۰

☆۷۔ ریاض مجید، ڈاکٹر: اردو میں نعت گوئی، اقبال اکادمی، لاہور، اشاعتِ اوّل، صفحہ نمبر ۵۲۲

☆۸۔ تہذیبِ فن، صفحہ نمبر ۳۵،۳۲

☆۹۔ جمال، صفحہ نمبر ۱۲
☆۱۰۔ جمال، صفحہ نمبر ۲۹

☆۱۱۔ جمال، صفحہ نمبر ۵۳،۵۲
☆۱۲۔ جمال، صفحہ نمبر ۶۴

☆۱۳۔ جمال، صفحہ نمبر ۲۶ ☆۱۴۔ جمال، صفحہ نمبر ۴۵

☆۱۵۔ جمال، صفحہ نمبر ۶۴ ☆۱۶۔ جمال، صفحہ نمبر ۷۰

☆۱۷۔ احمد ندیم قاسمی، میرے ہم سفر، اساطیر، لاہور، صفحہ نمبر ۱۸۱

☆۱۸۔ جمال، صفحہ نمبر ۳۳

☆۱۹۔ عبادت بریلوی، ڈاکٹر، احمد ندیم قاسمی اور شعلہ گل، مشمولہ مٹی کا سمندر، مرتبہ: ضیا ساجد، مکتبہ القریش، لاہور، اشاعتِ اوّل، صفحہ نمبر ۵۷۴ ☆۲۰۔ جمال، صفحہ نمبر ۳۱

☆۲۱۔ جمال، صفحہ نمبر ۶۷ ☆۲۲۔ جمال، صفحہ نمبر ۱۷

☆۲۳۔ جمال، صفحہ نمبر ۶۴ ☆۲۴۔ جمال، صفحہ نمبر ۶۹، ۶۸

☆۲۵۔ اشفاق احمد، نعت نگار، احمد ندیم قاسمی، مشمولہ مٹی کا سمندر، صفحہ نمبر ۵۴۶، ۵۴۵

☆۲۶۔ احمد ندیم قاسمی، مضمون مشمولہ اک شخص مہکتی چھاؤں جیسا، مرتبہ: عمران نقوی، خزینہ علم و ادب، لاہور، س۔ن، صفحہ ۳۸

☆۲۷۔ عزیز احسن: اردو نعت اور جدید اسالیب، فضلی سنز، کراچی، اشاعتِ اوّل، ۱۹۹۸ء، صفحہ نمبر ۸۳

☆۲۸۔ عزیز احسن: نعت کی تخلیقی سچائیاں، اقلیم نعت، کراچی، اشاعتِ اوّل، ۲۰۰۳ء، صفحہ نمبر ۱۹۸

☆۲۹۔ جمال، صفحہ نمبر ۷۷۔۷۶

پروفیسر محمد اقبال جاوید۔ گوجرانوالہ

التفاتِ سیّد السادات ﷺ

''ریاضِ مدحت'' پروفیسر سیّد ریاض حسین زیدی کا مجموعۂ نعت ہے، جب کہ مندرجہ بالا عنوان، حافظ لدھیانوی مرحوم کے مندرجہ ذیل شعر سے ماخوذ ہے:

التفاتِ سیّدِ سادات کب محدود ہے
وسعتِ دامن بھی دیتے ہیں عطا کرتے ہوئے

اللہ تعالیٰ عطا کرنے والے ہیں اور حضرت محمد ﷺ بانٹنے والے، وہ ربّ العالمین ہیں اور یہ رحمۃ للعالمین، محتاج کی طلب محدود ہو سکتی ہے مگر عطا و تقسیم کا دائرہ محدود نہیں ہوا کرتا کہ بات اپنے اپنے ظرف کی ہے۔ بندہ جب اپنی جبینِ نیاز جھکا کر کہتا ہے ''ایاک نعبد'' تو اللہ تعالیٰ حکم دیتے ہیں کہ یہ بندہ جو لایا ہے قبول کر لو اور جب ''ایاک نستعین'' کہتا ہے تو حکم ہوتا ہے کہ جو کچھ مانگتا ہے اسے دے دو اور حق یہ ہے کہ شاہوں کے خزانوں کی ساری رونق سائلوں ہی کے دم قدم سے ہوتی ہے اور اگر پکار میں دل کی دھڑکنیں بھی شامل ہو جائیں تو طلب سے کہیں سوا ملتا ہے۔ مقصود احساسِ محرومی کی شدّت اور نگہِ طلب کا اُس معطی اور منعم کے دروازے پر مرکوز ہونا ہے جسے محروم لوٹانے سے تکلیف ہوتی اور بامراد لوٹانے میں لطف آتا ہے۔ سخی کا دروازہ ہر لحظہ، ہر ایک کے لیے کھلا ہوتا ہے جب کہ طلب کا خلوص، جذبۂ سخا کو بال و پر عطا کرتا ہے اور یہ بھی لازم ہے کہ محتاج و سخی کے درمیان کوئی حجاب نہ ہو، جس طرح ہر حسن اپنے اظہار کے لیے بے تاب ہوتا ہے۔ اسی طرح ہر عطا، اپنی نمود کے لیے بے قرار رہتی ہے۔ عطا، سائل کی صدا کے مطابق نہیں بلکہ معطی کی ادا کے مطابق ہوا کرتی ہے۔ اسی لیے عطا کے ساتھ ساتھ دامن کو بھی وسعت ملتی چلی جاتی ہے۔

عطا کے بعد عطا کی قدر ضروری ہے۔ لازم ہے کہ اس عطا کی بقا کے لیے انسان فکر مند رہے اور اس میں اضافے کے لیے آرزومند۔ کمی اور محرومی کے احساس کے ساتھ آرزو اُبھرتی اور نکھرتی ہے۔ معطی بھی رحمٰن و رحیم ہے اور اس کی لامحدود عطاؤں کا امین اور اس کے بے خزاں خزانوں کا قاسم بھی حرص کی حد تک رؤف و رحیم۔ اس لیے قاسم کے وسیلے سے معطی کے ساتھ تعلق کو قائم و دائم رہنا چاہیے اور درود و سلام اس

نسبت کے قیام و دوام کی ایک شرعی شکل ہے اور نعت، درود و سلام کا ایک شعری انداز۔ ریاض زیدی کہتے ہیں۔

حاضر ہوں میں حضور! سلامِ نیاز ہے — آقا، ترے کرم کا درِ فیض باز ہے
مَیں آ گیا ہوں مانگنے کردیں عطا مجھے — دستِ کرم حضور کا بندہ نواز ہے
عزت مآب ہوگیا جو آپ کا ہوا — جس پہ نظر ہے آپ کی، وہ سرفراز ہے

ریاض حسین زیدی کی نعتیہ شاعری میں بلاشبہ اُن کی محبت کا خلوص بھی جلوہ گر ہے، فن اور جذبے کا ایک حسین امتزاج بھی واضح ہے۔ اِملا و انشا اور زبان و بیان کی اغلاط بھی نہیں ہیں جب کہ دورِ حاضر کے بیش تر ''ابوالکلاموں'' اور ''میر تقیوں'' کے ہاں اس نوع کی لُکنتیں فراواں ہیں۔ اس میں بھی کلام نہیں کہ اُن کے ہاں نکتہ رسی بھی ہے اور معنی آفرینی بھی۔ لطفِ زبان بھی اور ندرتِ اظہار بھی۔ عرفان و آگہی، اسلوب و ادا کے سلیقے سے ہم آہنگ ہے، عقیدت کی انگلی تھام کر رواں دواں ہے اور یہ بھی حقیقت ہے کہ اُن کی نعتیہ شاعری کو رنگ، سوزِ دروں کی آنچ نے اور آہنگ غزل کی ایمائیت نے عطا کیا ہے:

بات کرنے کی ادا ہوتی ہے
نکہتِ گل بھی صدا ہوتی ہے

مگر میرے پیشِ نظر ایک اساسی نکتہ ہے اور وہ اُن کا نسبی پس منظر، دل کی تڑپ اور سیّد سادات ﷺ کا التفات ہے اور یہ التفات ایک ایسی نعمت ہے جس کے حصول کی محض آرزو بھی، رنگ و نور کی ایک ایسی کہکشاں ہے کہ آرزو مند کو عمر بھر مسحورِ لذت رکھتی ہے یہی وہ التفات ہے جس سے فکر کو رعنائی، عزم کو توانائی، بیان کو زیبائی اور محبت کو برنائی نصیب ہوتی ہے:

صد عالم آفرید ز نور و سرور و علم
فکری کہ منسلک بہ خیالِ محمد است

جہاں تک سیّد ریاض حسین زیدی کے خاندانی پس منظر کا تعلق ہے۔ اُس نصیب پرور جتنا شکر ادا کریں اتنا ہی کم ہے۔ ایسے اجداد کسی کسی کو نصیب ہوتے ہیں اور ایسے اخلاف بھی کم کم ہوتے ہیں جنھیں اسلاف کی نسبتوں سے یاد کیا جاتا اور یاد رکھا جاتا ہے۔ اُن کے والد گرامی قدر حکیم سیّد اکبر علی زیدی اور برادر اکبر حضرت سیّد کوثر زیدی، نہ صرف پختہ فکر شاعر تھے بلکہ تصوف کی چاشنی نے اُن کے علمی رسوخ کو عمل کا حسن اور اُن کی شعری صلاحیت کو تقدس کا بانکپن عطا کر رکھا تھا۔ اُن کے خسر، علامہ سیّد محمد یعقوب شاہ، خانوادۂ سادات گیسودراز رحمۃ اللہ علیہ سے متعلق ایک عالی مرتبت صاحبِ نظر تھے اور پھر اُن کے چچا حضرت سیّد نفیس الحسینی کی قلبی نزہتوں اور قلمی آرائشوں سے کون ہے جو آشنا نہیں ہے۔ ایسے خاندان کے چشم و چراغ سے مجھے بہت پہلے توقع تھی کہ کاش۔ وہ شعر کی بے نام وادیوں میں بھٹکنے اور بہکنے کے بجائے، اُن راستوں کی طرف آ جائیں جو ایک واضح، روشن اور پُرنور منزل کی طرف جاتے ہیں اور یہ اعتراف، قلم

کے لیے وجہِ طمانیت ہے کہ اُن کی غزل بھی بہر نوع معتبر رہی ہے اور حسب ونسب کی پاکیزہ فضا کا فیضان، زندگی کے ہر مرحلے میں اُن کی رفتار وگفتار کا وقار رہا ہے:

کچھ کھیل ہے کہ کہنہ حکایات چھوڑ دے
کیسے کوئی عزیز روایات چھوڑ دے
ماں کا مزاج، باپ کے عادات چھوڑ دے
گھٹی میں تھے جو حل، وہ خیالات چھوڑ دے

مقامِ شکر ہے کہ وہ اب غزل کے سراب سے منھ موڑ کر، اُس راہِ شوق پر گامزن ہیں جہاں ہر لحظہ نیا طور ہے، نئی برقِ تجلی ...۱۹۸۸ء میں حضرت سیّد محمد یعقوب شاہ کی آرزو نے ان سے ایک نعت کہلوائی بلکہ لکھوائی۔ ظاہر ہے کہ اس مردِ درویش کی نگہِ دل نواز ہی نے آورد کی کیفیت کو آمد کا کیف عطا کیا ہوگا کہ وہ اہل اللہ کے اس قافلے سے فیض یاب تھے جن کی تمنائیں مشیت قبول فرماتی جن کی توجہ سرگرداں فکر کو منزل کا سکون بخشتی اور جن کی برقِ نگاہ دل کی ظلمتوں کو اُجالتی ہے۔

یاد رہے کہ وہ فکری تقدس کے ساتھ ساتھ شعری موزونیت سے بھی بہرہ ور تھے:

یہ زخم آسودگانِ فن بھی کیا درویش سیرت ہیں
اُجالے بانٹتے ہیں اور دیا گھر میں نہیں رکھتے

یہ بھی التفات ونسبت کے اس روحانی سلسلے کی ایک خوب صورت کڑی ہے کہ ۱۹۹۷ء میں اللہ تعالیٰ انھیں اپنے اور اپنے حبیب پاک ﷺ کے دروازے تک لے گئے اور حق یہ ہے کہ بلایا اُسے ہی جاتا ہے جسے نوازنا مقصود ہوتا ہے۔ دیارِ ناز کی اس حاضری نے قسمت کی اس تابانی کو فراوانی عطا کی اور یوں عمر بھر کی آبلہ پائیوں کو راحت منزل ملی اور شعری آوارہ خرامیوں کو نعت کا حسن نصیب ہوا:

جب عشق اپنے مرکزِ اصلی پہ آ گیا
خود بن گیا حسین زمانے پہ چھا گیا

یہ ہے ایک اجمالی روداد "ریاضِ مدحت" کی ترتیب وتدوین اور طباعت واشاعت کی اور ریاض زیدی کے اپنے الفاظ میں:

> میں شرحِ صدر سے اعتراف کرتا ہوں کہ حضور ﷺ کی تعریف وتوصیف کا حق مجھ سے ادا نہیں ہوسکا، مَیں تو اس بحرِ بے کراں سے ایک آدھ قطرہ حاصل کرنے کا بھی دعوے دار نہیں ہوں۔ اپنی بے بضاعتی کا مجھے احساس، یہ حقیقت ہے کہ کیف وسرور کی وہ گھڑیاں میرے لیے نہایت دل نشین ثابت ہوئیں جب حضور ﷺ کی نگاہِ پُر لطف نے مجھے نعت گوئی کی توفیق عطا کی۔

اور یہ بات خوش آئند ہے کہ ریاض زیدی منزل کی چاندنی میں ڈوب کر بھی، سراپا فخر نہیں بلکہ سراپا عجز ہیں۔ میں اس انکسار ہی کو اُن کا سرمایۂ افتخار سمجھتا ہوں۔ بے بضاعتی کا اعتراف، اُن کا نعتیہ امتیاز ہے،

کیوں کہ وہ خوب سمجھتے ہیں کہ نعت گوئی سراسر محبوب کی عطا ہے، محب کا ذاتی فخر نہیں ہے۔ یہی احساس طلب گار کو ہر لمحہ عطاؤں کی ضیاؤں میں رکھتا ہے، کہتے ہیں:

دیکھا ہے جسے آپ نے شفقت کی نظر سے — بے آب سا کنکر ہے گراں مایہ گہر سے
انوار فشاں ہوتا ہے ذرّہ اسی در سے — ظلمت کا ہر اک نام و نشاں مٹتا رہا ہے
سایہ مجھے شاداب ملا پاک شجر سے — حاصل ہے مرا کچھ تو یہی عشقِ نبی ہے
نسبت کا شرف مجھ کو ملا آپ کے گھر سے — صد شکر مجھے آپ سے انعام ملا ہے

بے آب سے کنکر کو گراں مایہ گہر بننے کے لیے کن جاں گداز مرحلوں سے گزرنا پڑا، اس کے لیے ضروری ہے کہ ایک نظر، پس منظر پر ڈال لی جائے کہ ریاض، مجاز کی بھول بھلیاں سے نکلنے اور حقیقت کی دنیا میں آنے کے کس قدر تمنائی رہے ہیں۔ دل کے کسی گوشے میں چاہت کی تڑپ ضروری ہے، اس کو پذیرائی کب ملتی ہے اس کا انحصار، محبوب کی رضا پر ہے۔ زنجیرِ در ہلانا اپنا کام ہے، دروازہ کھولنا کسی اور کا منصب ہے۔ جب محبوب مائل لطف و کرم ہوتا ہے تو ظلمت کو نور، تشکیک کو یقین اور گم رہی کو منزل بنتے ہوئے دیر نہیں لگتی۔ ریاض زیدی کے درج ذیل اشعار دیکھیے کہ اُن کی شعری صحرا نوردی، آسودگی منزل کے لیے، خوابوں کے سرابوں سے نکلنے کے لیے اور مقامات کے جمود کو توڑنے کے لیے کس کس انداز سے تڑپ رہی ہے، یہ بھی اندازہ ہوگا کہ اُن کے حال کی بے کیفیاں، نشاط و کیف کے لیے کس نوع سے ترس رہی ہیں:

ہو ریاضؔ کم نظر پر بھی بہار آ سا نظر
آپ کے دم سے خزاں، رشکِ گل گلزار ہے

☆

فریاد کناں ہوں، مرا احوال عجب ہے — ہر سمت اندھیرا ہے مدینے کی طلب ہے

☆

میں آپ کی رحمت کا طلب گار ہوں کب سے — کب چشمِ کرم ہوتی ہے مجھ پر مرے مولا

☆

تو بھیج کہیں سے جو مدینے کی ہوا ہو — بے حال ہوں، بے چین ہوں بے حد، مرے مولا

☆

اے مسیحائے زمانہ! میری بگڑی بھی سنوار — خوں چکیدہ ہوں ستم ہائے جہاں سے دم بدم

''ریاضِ مدحت'' کے آئینے میں سوزِ طلب کے ساتھ ساتھ، حصولِ مقصد کے بارے میں اشارے بھی موجود ہیں، سکون و عافیت سے لبریز ایک طمانیت بھی نظر آتی ہے۔ یوں لگتا ہے کہ کوئی جلوہ ہے کہ جنت نگاہ بن کر، ہر نظارے سے بے نیاز کر گیا ہے، کوئی حقیقت ہے کہ بصارت کو بصیرت کے انوار بخش گئی ہے،

سماعت ہے کہ ایک نوائے شوق کے سوا، ہر آواز پر بند ہو چکی ہے۔ زبان ہے کہ صرف اُسی کی توصیف میں رطب اللساں ہے جس کی تعریف میں وہ ذات میں مصروف ہے جس کے لیے ہر تعریف وقف ہے۔ اب اس لطف والتفات کی ایک جھلک کہ ریاض زیدی اپنی خوبیِ تقدیر پر کس انداز سے نازاں ہیں:

آپ کی چشمِ عنایت کا کرم ہے آقا　　آپ نے بگڑے مقدر ہیں بنائے کیسے

☆

فیضِ نبی سے ہوتا ہے، ذرّہ بھی آفتاب　　بے ننگ و نام، ارفع و اعلیٰ دکھائی دے

☆

کیف و سرور و جذبِ دروں سے ہوئی ہے نعت　　جس نے ریاضؔ، صاحبِ عرفان کر دیا

☆

یہ بھی ریاضؔ حسنِ مقدر کی بات ہے　　کیا قلب و جاں میں نعت سمائی ہے آپ سے
روش روش پہ اُجالے، نفس نفس خوش بو　　خوشا کہ میرا مقدر بھی ماہ تابی ہے

☆

پذیرائی ملی بے دست و پا کو　　مقدر مسکرایا بے نوا کا
ریاضؔ دل کشادہ تر ہوا ہے　　کھلا روزن یہاں غارِ حرا کا

☆

جو خاک نشیں آپ کے قدموں میں پڑا ہے　　وہ عرش نشیں آپ کے صدقے میں ہوا ہے
صحرا میں جو شاداب مناظر کی نمو ہے　　یہ بھی تو اسی سایۂ اقدس کی ضیا ہے
بر آئی ریاضؔ آج ریاضت مری دیکھو　　یہ نعت مری شاہِ مدینہ کی عطا ہے

☆

بہ فیضِ نورِ نبی، آنکھ میں ہے بینائی　　مرا ضمیر، محبت کا پاسبان ہوا
ریاضؔ نعت سرائی خدا کی سُنّت ہے　　بفیضِ نعت زمیں سے میں آسمان ہوا

☆

آپ کی بخیہ گری کا فیض ہے　　چاک دامانی سلی ہے آپ سے
اوہامِ بلاخیز کی ظلمت ہوئی کافور　　روشن مرے افکار ہوئے ماہِ عرب سے

☆

سلیقہ نعت کہنے کا عطا کر کے مجھے آقا　　کرم ایسا کیا غنچے ریاضؔ دل میں کھلتے ہیں

☆

جس طرح انگشتری میں ہو، نگیں　　گنبدِ خضرا ہے یوں دل میں بسا

☆

آپ کی خوش بو سے مہکا ہے جہانِ معرفت　　آپ کی رحمت سے تاباں زندگی کی رہ گزار

☆

حبِ نبی کی فیض رسانی نہ پوچھیے　　کانٹے میں حسن آ گیا کھلتے گلاب کا

آخر میں دیکھیے کہ ریاض رسول ﷺ میں، یہ بلبل، محبت کی کس قدر خوب صورت ادا اور احترام کے کس قدر قابلِ تحسین جذبے کے ساتھ چہک رہا ہے۔ بارگاہ کی عظموں اور رفعتوں کے پیشِ نظر، سائل کے لیے لازم ہوتا ہے کہ وہ اپنے سوال کو بھی شایانِ شان، اپنی نوا کو بھی دل نشین اور اپنے اظہار کو بھی مؤثر بنائے۔ شعر وہی اثر آفرین ہوتا ہے، جو دل کی پہنائیوں سے اُبھرتا اور لفظی برجستگی کے سانچے میں ڈھل جاتا ہے۔ ساز کی رگیں بے کار ہیں اگر صاحبِ ساز کا لہو اُن میں رواں دواں نہ ہو۔ وہ نغمہ خام ہے اور وہ مغنی ناتمام جو سوزِ دل سازِ رگِ جاں بنانے کا ہنر نہیں جانتا، دنیاے نعت میں قلبِ سلیم کے ساتھ ساتھ قلم کے اُس خرام ناز کی بھی ضرورت ہے جو لفظ لفظ کو پھول بناتا چلا جائے اور ممدوحِ عظیم و جلیل ﷺ سے دل جتنا قریب ہوگا یہ لفظی پھول اتنی ہی زیادہ مہک بکھیرتے اور بانٹتے چلے جائیں گے۔ سیّد ریاض حسین زیدی کے درج ذیل اشعار میں حضوری کا کیف بھی ہے اور حسنِ ادا کی کیفیت بھی:

صدق و صفا کی جلوہ نمائی ہے آپ سے　　کارِ جہاں کی کارکشائی ہے آپ سے

☆

مجھے تو آپ ہی کا فقر معتبر ٹھہرا　　مرا مزاج فقیری ہے، بوترابی ہے

☆

وہ ذرّہِ ناچیز کو خورشید بنا دیں　　پستی کے مقدر میں یہاں اوج لکھا ہے
بے مایہ یہ اَن مول خزانے کا کھلا در　　قطرے کو یہاں رُتبہ سمندر کا ملا ہے

☆

کلی جب بھی چٹکتی ہے نبی کا ذکر کرتی ہے　　انھی کا نام لے کر گل ہمیشہ مسکراتا ہے

☆

زندگی جو بس شکست و ریخت تھی　　ایک سانچے میں ڈھلی ہے آپ سے
سارے گلشن میں مہک سی چھا گئی　　اک کلی دل میں کھلی ہے آپ سے

☆

جو مانگنے آتا ہے جہانوں کے سخی سے — ممکن ہی نہیں گھر کو تہی دست گیا ہو

☆

جو بھی صفت ہے، اس کی حدِ انتہا حضور — دیکھیں تمام شانیں، جہانوں کے شاہ میں

☆

روشن روشن یہ بہاراں، چمن چمن خوش بو — خدا نے حاصلِ گلشن جو اک اُتارا ہے

☆

مرے آقا، تری رحمت کا جب بھی ذکر کرتا ہوں — تو لمحے زندگی کے مسکرا کے مجھ سے ملتے ہیں
مرے قلب حزیں میں آپ کی یادیں دھڑکتی ہیں — ستارے میری آنکھوں کے مری قسمت بدلتے ہیں

☆

یہ التجا کریں گے رسالت مآب سے — قسمت سے آگئے ہیں یہاں پر، یہاں رہیں
ضعف یقیں نہ پاؤں کی زنجیر بن سکے — آقا! درونِ دل مرے جذبے جواں رہیں

☆

تھا ہر سُو پیاس کا صحرا... اچانک — سمندر اک لبوں تک آگیا ہے

☆

آپ کی مدحت سرائی، بے کراں — بحر و بر میں، ہر نگر میں، جابجا
نقش قدم حضور کا ہے جس کے سامنے — جنت نشان اس کو ہر اک راستہ ملا

غزل، وقارِ سخن ہے اور متغزلانہ نعت سرائی، معراجِ سخن اور یہ معراج عطا ہے مبدءِ فیض ﷺ اور صاحبِ معراج کی۔ اس لیے ضروری ہے کہ ان نوازشات کے لیے، ہر سانس، سراپا سپاس بنا رہے:

سانس لینا بھی اک عبادت ہے — شرط یہ ہے خیال اُن کا ہے

شکر، بہ یک وقت نعمتوں کا اعتراف بھی ہے اور نعمتوں میں اضافے کا باعث بھی، کیوں کہ لغوی اعتبار سے ''شکر'' میں لبریز ہو جانے اور اظہار کرنے کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ کی طرف سے شکر، عنایات کا وفور اور بندے کی جانب سے ممنونیت کا ظہور ہے۔ اللہ تعالیٰ نظر کو جلوؤں کی طالب اور جبیں کو سجدوں پر مائل رکھے اور زبان اُسی کی ثنا کرتی رہے جس کی عطا ہے، فکر کی پاکیزگی، عمل کی صالحیت، نطق کا سلیقہ اور حرف تراشی کا قرینہ... ماہر القادری کہاں یاد آگئے، کہتے ہیں:

تجلیات کی کوئی کمی نہیں ماہرؔ
دعا یہ مانگ کہ آئینہ آب دار ہے

(☆)

ڈاکٹر سیّد محمد ابوالخیر کشفی۔ کراچی

کرم ونجات کا سلسلہ

(عزیز احسن کے شعرِ عقیدت پر ایک نظر)

اسلام کرم ونجات کا ایک مسلسل سلسلہ ہے، جو ہماری آخرت اور دنیا دونوں کا احاطہ کر لیتا ہے۔ اسلام کی ایک جامع تعریف یہ ہے کہ اپنے نفس کو ان تمام باتوں پر راضی کر لینا جو نبی اکرم ﷺ لے کر آئے۔ اس میں معتقدات بھی شامل ہیں، مسائل ومعاملات بھی شامل ہیں۔ معاشرت بھی شامل ہے اور ان تمام باتوں کے ساتھ وہ روحانی وقلبی کیفیات بھی جو نبی اکرم ﷺ سے متعلق ہماری ذات پیدا کرتا ہے۔ اسلام محض عقائد کا مجموعہ ہی نہیں بلکہ وہ ان ذہنی، نفسیاتی اور ہمہ گیر کیفیات کا نام ہے جو رسول اللہ ﷺ کے پیغام سے وابستگی ہمارے قلب ونظر میں پیدا کرتی ہے۔ اس گہرے اندرونی ربط کے بغیر اسلام محض ایک اوپری چیز بن کر رہ جائے گا۔ بقولِ اقبالؔ، مصطفیٰ ﷺ ہمہ دین ہیں اور اگر آدمی ان کی ذاتِ عالیہ تک نہ پہنچے تو پھر بولہبی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

ان گزارشات سے نعت کی اہمیت اور نعت کی حدود کا اندازہ ہو سکتا ہے اور اسی کے ساتھ ساتھ نعت گو کے فرائض اور ذمّے داریوں کا بھی۔ ہمارے ہاں عام نعتیہ شاعری چند رسمی مضامین کا مجموعہ بن کر رہ گئی تھی لیکن حالات کے جبر نے ہمیں اسلام اور محمد ﷺ شناسی پر مجبور کر دیا۔ اردو شاعری کے دامن میں حقیقی نعت کے جواہر ریزے موجود تھے۔ محسن کاکوروی، مولانا احمد رضا خان، اقبال اور ظفر علی خان کے نام بہت نمایاں ہیں۔ ان کے اثرات نے حقیقی نعت گوئی کا شعور بعد کے شعرا میں پیدا کیا۔ ان شعرا کے نام میں مثالاً بھی پیش نہیں کروں گا کہ کہیں کسی اہم مداحِ مصطفیٰ ﷺ کا نام حافظے سے محو نہ ہو جائے۔

پاکستان کو ایک اسلامی مملکت بنانے کی تمنا نے ہمیں پھر سرورِ کائنات ﷺ کی بارگاہِ عالیہ میں پہنچا دیا اور یوں کہ ہم اردو شاعری کے عصرِ رواں کو بجا طور پر نعت گوئی کا دور کہہ سکتے ہیں۔ اب تک نعت ادبی تنقید سے بالاتر سمجھی جاتی تھی کہ حضور ﷺ کے کسی ثناخواں کے فن پر تبصرہ اور خاص طور پر تنقید، بے ادبی سمجھی جاتی تھی، لیکن سرکارِ ختمی مرتبت ﷺ کے رُتبۂ بلند کا تقاضا تھا کہ اُن کی مدح کو محض ''روایت'' اور سُنی سنائی بات

بنانے والوں کی گرفت کی جائے۔ اردو نعت گوئی کے بعض تذکرے موجود تھے لیکن ان میں تنقید سرے سے غائب تھی۔ الحمدللہ نعت پر متوازن تنقید کا سلسلہ شروع ہوا۔ اس کی ابتدا ایک مسلسل روایت کے طور پر جریدہ ''نعت رنگ'' کراچی کے صفحات پر ہوئی اور جو نقاد سامنے آئے ان میں جناب عزیز احسن کا نام بہت معتبر ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کی ذات میں اسلام کی چنگاری موجود تھی جو نسبتِ مصطفیٰ ﷺ سے بلند اور روشن ہو کر شعلۂ تابندہ بن گئی۔ اس کے ساتھ ساتھ حقیقی تصوف نے انھیں سطح کے نیچے دیکھنے کی صلاحیت عطا کی۔ تصوف، احسان اور تزکیہ کے سوا کسی اور چیز کا نام نہیں۔ پھر عزیز احسن کا جدید اور قدیم ادب کا مطالعہ بہت وسیع ہے۔ وہ مشرقی اصولِ تنقید سے بھی باخبر ہیں اور مغربی تنقید کے بھی رمز آشنا ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ انھوں نے عربی، فارسی اور اردو کی عام شاعری بالخصوص نعتیہ شاعری کا مطالعہ کیا ہے اور مختلف رجحانات اور دھاروں کو جانتے ہیں۔ ان کی علمی آگہی کی حقیقی بنیاد قرآن و حدیث سے ان کی وابستگی ہے، کیوں کہ ان دونوں سرچشموں سے دور رہ کر آدمی روحِ اسلام سے آشنا نہیں ہو سکتا اور رسول اللہ ﷺ کے مقام کو نہیں جان سکتا۔

الحمدللہ اس علمی پس منظر کے ساتھ عزیز احسن صاحب ایک دلِ زندہ کے مالک بھی ہیں، اس دلِ زندہ کی دھڑکن اسمِ محمد ﷺ ہے اور یہی دھڑکن ان کی نعت گوئی بن گئی۔ اسلام کے حقیقی مفہوم سے شناسائی کی وجہ سے وہ نعت گوئی کو اسلام کے تمام پہلوؤں کی جذباتی اور تخلیقی پیش کش کے مترادف سمجھتے ہیں۔ ان کے شعرِ عقیدت کا مجموعہ ''کرم و نجات کا سلسلہ'' نعت گوئی اور شعر گوئی کا اچھا معیار پیش کرتا ہے۔

عجب بات ہے کہ نعت گوئی کے اس دور میں اچھی حمدیہ شاعری خال خال نظر آتی ہے۔ الحمدللہ کہ بعض حمدیہ مجموعے بھی شائع ہوئے ہیں۔ اس وقت مجھے اس سلسلے میں جمیل عظیم آبادی کے حمدیہ مجموعے کا خیال آ رہا ہے۔ نعتیہ شاعری کی اس صورتِ حال کا سبب کیا ہے، اس پر میں نے اکثر غور کیا۔ وہ ذات جو ہماری شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے اس سے اتنی دوری کیوں؟ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ ہم اپنے آپ سے دور ہیں۔ لیجیے میر صاحب یاد آ گئے:

پہنچا جو آپ کو تو میں پہنچا خدا کے تئیں
معلوم اب ہوا کہ بہت میں بھی دور تھا

اللہ تعالیٰ ہمارے دل کی گہرائیوں میں اور کتابِ کائنات کے ہر ورق پر موجود ہے۔ اس کا جلوہ کہاں کہاں نہیں۔ عزیز احسن کے اس مجموعے میں کئی حمدیں موجود ہیں۔ کبھی تخاطب کے ساتھ، کبھی اپنی ذات کی گہرائیوں کی غوطہ زنی کی صورت میں اور کبھی مناجات کی شکل میں۔ مناجات، اس حرفِ بے اختیار کا نام ہے جو حالات کے جبر میں اسیر انسان کے لبوں تک آ جاتا ہے۔ عزیز احسن صاحب کے چند حمدیہ شعر پیش کرتا ہوں جو آپ کو یہ احساس دلا سکیں گے کہ ہر مرحلۂ حیات میں عزیز احسن کی چشمِ حقیقت نگر نے اللہ کو

دیکھا ہے اور اس کو پکارا ہے۔ وہ اللہ جس کی کوئی صورت نہیں، جو جسم کی حد بندیوں سے بالاتر ہے، جس کی تصویر کثرتِ جلوہ سے معدوم ہو کر دلِ وحدت آشنا کے آئینے میں جلوہ گر ہوتی ہے۔

دل پر مرے احساس نے جو حرف لکھا ہے ہے تیرے سوا کون کہ جس نے وہ پڑھا ہے

☆

تو نے ہی تو ہر مرحلۂ شوق پہ یارب! اس چشمِ تماشا کو نیا عزم دیا ہے

☆

دشتِ تحیر آج بھی پھیلا ہوا ہے ہر طرف
اے مرے رب تری طرف ہو بھی تو کس طرح سفر؟

اللہ ہی ابتدا ہے، وہی انتہا ہے۔ ''سرِ توحید'' کا آغاز ان مصرعوں سے ہوتا ہے:

میں وادیِ کوہ میں کھڑا تھا
جہاں عروسِ سحر نے آ کر
نقاب رُخ سے اُلٹ دیا تھا
وہ سرمدی راز کھولنے پر تلی ہوئی تھی!

اور پھر ساری کائنات نغمۂ توحید اور نظارۂ توحید میں بدل جاتی ہے، کیوں کہ ہر ذرّۂ کائنات اس کی آیت ہے۔ زمین کی وسعت اور آسمان کی بلندی میں اس کا چہرہ دمک رہا ہے اور پھر اس نے اپنے پیغمبروں کے ذریعے انسانوں کی بصیرت پر نئی آگہی کے دروازے کھول دیے۔ عزیز احسن اس گم راہی میں مبتلا نہیں۔

ہم ایسے اہلِ نظر کو ثبوتِ حق کے لیے
اگر رسول نہ ہوتے تو صبح کافی تھی

اللہ، عزیز احسن کے لیے زندہ وجود ہے۔ ایسا زندہ وجود جو حیّ و قیوم ہے۔ زندگی کی ہر صورت جس سے عبارت ہے جہاں عزیز احسن جبر دیکھتے ہیں، ظلم دیکھتے ہیں، اہلِ ایمان کی آزمائش دیکھتے ہیں تو چلا اُٹھتے ہیں۔

ظلم کا راج ہوا تیری زمیں پر یارب! ساری دنیا میں نہتے ہوئے بے گھر یارب!
اہلِ دل درد کی سوغات لیے پھرتے ہیں دیکھتے رہتے ہیں خاموش یہ منظر یارب!
تیرے محبوب کی اُمت ہے بہت خوار و زبوں دینِ اسلام کے معیار کو کھو کر یارب!
بخش دے اب تو گنہ گار مسلمانوں کو تیری رحمت ترے غصے سے ہے بڑھ کر یارب!

اس مجموعے کے حمدیہ حصے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مناجات پر تضمین ایک بہت خوب صورت شعری پیش کش ہے۔ کسی مسلمان کے لیے اس سے بڑی خوش نصیبی کیا ہو سکتی ہے کہ وہ

حضرت صدیق اکبرؓ کی آواز سے اپنی آواز ملانے کی کوشش کر سکے۔

نعتیہ حصے میں بیش تر نعتیں غزل طور ہیں۔ میں اس مسئلے پر اپنے مضامین میں کافی لکھ چکا ہوں کہ غزل کا پیرایہ، اپنی نفاست، ایمائیت، ہمہ گیریت کی بنا پر نعت کے لیے بہت مناسب ہے۔ غزل کا لہجہ حدیثِ دل کا لہجہ ہے۔ اچھی نعت میں فکری پہلو یقیناً ہوتا ہے، مگر اس کا شعر کے آہنگ میں ڈھل جانا، شاعری کو آبرو عطا کرتا ہے۔ اس مجموعے کا نام جس نعت سے اخذ کیا گیا ہے اس کے دو شعر ملاحظہ ہوں:

نہ تو لوح کا تھا گماں کوئی نہ قلم دوات کا سلسلہ
ترے نور کا یہ طفیل ہے کہ چلا حیات کا سلسلہ
میں عزیزؔ نعت نبی لکھوں تو اُمید کہ پہنچ سکے
مری ذات تک بھی جزا کے دن کرم و نجات کا سلسلہ!

اس مطلع میں عزیز احسن نے اس کائنات کی زندگی کو نورِ محمدیﷺ کا عکس قرار دیا ہے۔ یہ خیال اوروں کے ہاں بھی ملتا ہے کیوں کہ یہ مضمون حدیث سے اخذ ہے، لیکن عزیز احسن نے اس نعت میں انسانی سطح پر زندگی کے تسلسل کو نورِ محمدیﷺ کی جلوہ گری سے تعبیر کیا ہے اور اُس ذات کے کرم و نجات کا سلسلہ دامنِ قیامت سے جڑا ہوا ہے۔ ان غزلیہ نعتوں میں اسلوب کی رنگا رنگی ہے۔ کہیں تو طویل ردیفیں، کہیں "فعل مجہول" کو کرم خداوندی کا اشاریہ بنانا۔

ہم کو دامن اُن کو گنجِ شائگاں بخشا گیا
یوں فقیروں کو وہ دستِ مہرباں بخشا گیا

اور کہیں غیر مردف نعتوں میں صوت و معنی کی ہم آہنگی کی دنیا تعمیر کرنا۔

لکھوں اس طور سے اُن کا قصیدہ
بنالوں میں شنیدہ کو بھی دیدہ!

☆

جن کے اوصافِ حمیدہ کا خزانہ بے قیاس
اُن کی خدمت میں کروں کیا پیش میں حرفِ سپاس؟

علم، شعور، آگہی، تفہیمِ کائنات، رنگ، خوش بو، منزل یہ سب ذاتِ رسولﷺ کے استعارے ہیں۔ ان استعاروں میں عزیز احسن کو سرکارﷺ کی نسبت سے روشنی کا استعارہ بے حد پسند ہے۔ روشنی، علم بھی ہے، عرفان بھی اور آگہی بھی۔ روشنی سے اپنی ذات کے پردے بھی اُٹھتے ہیں اور کائنات کے اسرار و رموز بھی بے نقاب ہوتے ہیں۔ نزولِ قرآن کے بعد جو فجر طلوع ہوئی ہے۔ اس کی روشنی ابدالآباد تک

ذہنوں اور کائنات کو روشن رکھے گی۔

اے نورِ ازل چراغِ آخر
مجھ کو بھی تو روشنی عطا کر
ذرّہ ذرّہ مصطفیٰ سے چاہتا ہے روشنی
سب سمجھتے ہیں کہ بس اُن کی عطا ہے روشنی
اُن کی تنویرِ رسالت نے بتایا خلق کو
دینِ حق کے ساتھ پیمانِ وفا ہے روشنی
مہر و ماہ و انجم و برق و شرار و کہکشاں
ہیں تو سب روشن، مگر دل کی جلا ہے روشنی
ذکرِ رسول پاک سے پہنچی ہے قلب تک
وہ سلسبیلِ نور وہ جنت کی روشنی
صدقے میں اُن کی مدح نگاری کے پاسکوں
اے کاش! روزِ حشر شفاعت کی روشنی!

عزیز احسن نے عشقِ محمد ﷺ کی روشنی میں نعت گوئی کا سفر طے کیا ہے۔ شاعری لفظوں کی زبان سے بولتی ہے۔ عزیز احسن نے نئی تراکیب وضع کی ہیں۔ وہ زبان کے مزاج شناس ہیں اسی لیے ان کی ترکیب اجنبی نہیں لگتیں اور ایسا محسوس ہوتا ہے یہ ترکیبیں ہماری زبان میں ہمیشہ سے موجود رہی ہیں۔ تراکیب سازی میں شاعر دو یا زیادہ لفظوں کے ملانے سے ایک نیا تلازمہ اور استعارہ تراشتا ہے۔ ابھی ہماری تنقید نے تراکیبِ لفظی اور استعارے کی معنویت کے باہمی رشتے کو نہیں سمجھا ہے۔ بحث عبدالرحمٰن بجنوری نے ''محاسن کلامِ غالب'' میں چھیڑی تھی، لیکن بعد کے لوگوں نے اسے آگے نہیں بڑھایا۔

عزیز احسن کی نعت کے یہ دو شعر ملاحظہ ہوں، جن میں نئی تراکیب سے معنی کے نئے دریچے کھل رہے ہیں:

دل کے صحرا میں کھلے لالۂ طاعت آقا
مجھ کو حاصل ہو کبھی یہ بھی سعادت آقا
کاش وہ دن بھی کبھی آئے کہ میں دیکھ سکوں
شہرِ کردار پہ بس تیری حکومت آقا

دعا ہے کہ محمد مصطفیٰ ﷺ کا یہ چمن جسے عزیز احسن کے ذہن اور دل نے سجایا ہے سدا شاداب رہے، مہکتا رہے اور روشن رہے۔

﴿☆﴾

عزیز احسن۔ اسلام آباد

قمر رعینی کی نعتیہ شعری اقدار کا جائزہ

اردو شاعری کی بنیاد میں حبِ رسول ﷺ کے عناصر شامل رہے ہیں۔ معروف محقق افسر صدیقی امروہوی نے فخر الدین نظامی کی مثنوی "کدم راؤ پدم راؤ" کے حوالے سے اپنے مضمون (مطبوعہ سیرتِ رسول نمبر "ماہِ نو" جولائی، اگست ۱۹۶۳ء) میں لکھا تھا کہ اس مثنوی میں حمد کے بعد نعت رسولِ مقبول ﷺ ہی کے اشعار ہیں۔ یہ مثنوی نویں صدی ہجری کی تصنیف ہے۔ لیکن پاکستان میں ابتدائی ادبی لہروں میں ترقی پسندی کے نام پر کچھ الحادی رنگ جھلکنے لگا تھا۔ الحمد للہ بعد کے ادوار میں الحادی فکر کو شکست ہوئی اور شعرا نے اپنا قبلہ درست کرلیا۔ چناں چہ اب یہ حال ہے کہ ہمارے عہد کو ادبی حوالے سے روحِ عصر کے تناظر میں دیکھنے والے لوگ "عہدِ نعتِ رسول کریم ﷺ" ہی قرار دے رہے ہیں۔

قمر رعینی صاحب نے برسوں ادبی خدمت کی۔ آپ تخلیقی اور تحقیقی، دونوں سطحوں پر کام کرتے رہے۔ نعت کی طرف دیر سے آئے لیکن الحمد للہ کو چہ الحاد سے ان کا کبھی بھی گزر نہیں ہوا۔ بس ایک روشِ عام نے، غزل گوئی کی طرف، اوروں کی طرح انھیں بھی مائل رکھا۔ لیکن کب تک دُور رہتے آخر آ ہی گئے۔ پھر دنیائے نعت میں ان کی آمد اس طرح ہوئی کہ ان کی اولین تخلیقی کاوش "ولائے رسول ﷺ" کے نام سے منظر عام پر آئی جو نعتیہ کتب کے مقابلے (برائے سال ۲۰۰۴ء) میں سندِ امتیاز کی مستحق کتاب ٹھہری۔ راول پنڈی اسلام آباد کے نعت گو شعرا کا تذکرہ "تذکرۂ نعت گویان راول پنڈی اسلام آباد" کے نام سے مرتب کیا۔ گزشتہ چوالیس برس سے انجمن فیض الاسلام راول پنڈی کے ماہ نامہ "فیض الاسلام" کی ادارت کا فریضہ انجام دے رہے ہیں۔

حضور ﷺ کی دنیا میں تشریف آوری کو ابھی ایک ہزار برس باقی تھے کہ یثرب پر ایک بادشاہ تبع حمیری (کسر حاے حطی، سکون م، یاے مفتوح) نے اپنے بیٹے کے قتل کا بدلہ لینے کے لیے یثرب پر حملہ آور ہونا چاہا۔ علماے یہود جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کے منتظر تھے اور تورات کی محفوظ پیشین گوئیوں کے حوالے سے یہ جانتے تھے کہ یثرب کسی نبی کی آمد سے "مدینۃ الرسول ﷺ" بننے والا ہے، اس لیے انھوں

نے اس بادشاہ کو سمجھایا کہ تم اس شہر کو نقصان نہیں پہنچا سکو گے، اُلٹا تمھیں نقصان پہنچ جائے گا۔علماے یہود نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل اس خوب صورتی سے بیان کیے کہ تبع حمیری نادیدہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا عاشق ہوگیا اور اس نے کچھ اشعار کہے۔اسی نے یثرب میں ایک مکان بھی تعمیر کروایا اور اس کی چابی ایک یہودی عالم کے سپرد کر کے یہ ہدایت کی کہ نبی آخرالزماں جب تشریف لائیں تو انھیں اس مکان میں ٹھہرایا جائے۔وقتِ ہجرت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی جس مکان کے سامنے بحکم الٰہی ٹھہری تھی وہ مکان حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا وہی مکان تھا جو تبع اوّل ابوکرب الحمیری نے تعمیر کروایا تھا۔(بحوالہ ''نعت کا سفر'' تحریر و تحقیق سید آل احمد رضوی، تمغہ امتیاز۔''نعت رنگ'' شمارہ نمبرا، ص۳۳۔۳۴) یہ واقعہ مجھے اس لیے یاد آیا کہ قمر رعینی کا بھی تعلق اسی حمیری خاندان سے ہے۔انھیں بھی اپنے قلب کی گہرائیوں میں عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تپش اسی طرح اچانک محسوس ہوئی، جس طرح اُن کے جدِ امجد تبع اول ابوکرب الحمیری نے محسوس کی تھی۔قمر رعینی کے جد کو تو نبی ﷺ کا اُمتی ہونے کی صرف اور محض آرزو ہی فائدہ دے گی لیکن تبع اول ابوکرب الحمیری کے خلف الرشید قمر رعینی کو تو اللہ تعالیٰ نے مسلمان گھرانے ہی کا چشم و چراغ بنا کر بھیجا ہے۔

قمر رعینی کی مشقِ سخن نعت گوئی کے مرحلے میں اظہارِ فن اور تخلیقِ متنِ جدید میں اُن کی معاون ثابت ہوئی۔آج کا شاعر عصری آگہی کے حصار میں قید ہے اور فن کے جدید تقاضوں کی چکا چوند نے اس کی آنکھیں چندھیا دی ہیں، وہ بعض اوقات اتنا جدید ہوجاتا ہے کہ زبان کا حلیہ بگاڑ دینے کے باوجود اس کے بُنے ہوئے متن کا ابلاغ نہیں ہو پاتا۔لیکن جو لوگ فن کی روایت اور زبان کے مزاج سے آگاہ ہیں وہ جدید اور قدیم اسلوبِ فن کے امتزاج سے اپنی بات کو ابہام سے بھی بچالے جاتے ہیں اور شعریت کا خون بھی نہیں ہونے دیتے۔

ہر شاعر کے شعری عمل میں تین سطحیں ہوتی ہیں۔ایک زبان کی، دوسری فکر اور تیسری متن کی۔ فن کی چوتھی کھونٹ ''اسلوب'' کی طرف صرف وہی لوگ جاتے ہیں جن کی روح بے چین اور ذہن سوالوں کا سامنا کرنے اور جوابات تلاش کرنے کا عادی ہوتا ہے اور جو بقول، کروچے ''وجدانی علم'' سے بہرہ ور ہوتے ہیں، کیوں کہ فن کا تعلق اسی وجدانی علم سے ہوتا ہے۔

فن کی کلاسیکی قدروں سے والہانہ پیار کرنے والے زبان کی شکست وریخت کو پسند بھی نہیں کرتے اور اپنی بات کو قابلِ ابلاغ بھی رکھنا چاہتے ہیں۔قمر رعینی کی شعری کائنات میں کلاسیکی فن کا احترام، اسلوب کی شائستگی اور ترسیلِ معنی کی آرزو کے ساتھ ساتھ شعری جمالیات کا ادراک بھی جھلکتا ہے۔میرا اصل مقدمہ یہ ہے کہ میں نعتیہ شعری عمل میں فن، زبان، عروض اور متن کے چاروں ابعاد (Dimensions) کی

اصلح بنت کولازمی سمجھتا ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ میں بہت سے نعتیہ مجموعے پڑھنے کے بعد بہت کم جمالیاتی تسکین (Aesthetical Satisfaction) محسوس کرتا ہوں۔ کم زور شاعری پڑھنے اور اسے قبول کرنے کے حوالے سے میرے دل و دماغ کو ہمیشہ ایک قسم کی مزاحمت کا سامنا رہتا ہے۔ مَیں نعت کو محض اس لیے عقیدتاً قبول نہیں کرتا کہ وہ اپنے مقصد کے اعتبار سے علویت کی حامل صنفِ سخن ہے۔ بلکہ مَیں چاہتا ہوں کہ جتنا اعلیٰ موضوع ہے اسی قدر اعلیٰ شعری فن بھی ہو۔ پھُسپھُسی شاعری اور ساقط الاعتبار متن (Text) چاہے کتنے ہی چاؤ سے پیش کیے جائیں میرے شعری آدرش اور معیار کے لیے وہ کاغذی پھول سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے۔

مَیں نے قمر رعینی صاحب کے شعرِ عقیدت میں بیان کی صفائی، خیال کی نفاست اور شعری جمالیات کا ایک خاص معیار دیکھا ہے اور اُن کے اسلوب میں کلاسیکی رچاؤ کے ساتھ ساتھ عصری شعری رویوں کے عکس بھی دیکھے ہیں اس لیے میں اُن کے فن کی تحسین (Appreciation) کرتے ہوئے ایک گونا انبساط محسوس کر رہا ہوں۔

علامہ قمر رعینی کے شعری عمل کا حصہ حمد، نعت اور منقبت ہے۔ ولاے رسول ﷺ قمر رعینی کا نعتیہ مجموعہ ہے جس میں کل نعتیں غزل کی ہیئت میں ہیں۔ ایک رباعی کا مجموعہ بنام ''اللہ، رسول اور اصحاب'' غیر مطبوعہ ہے۔ میرے نزدیک رباعی بڑی جان دار صنفِ سخن ہے۔ خاص طور پر قمر رعینی صاحب کی رباعیاں۔ تاہم اس دل کو کیا کہیے کہ غزل پر لہلوٹ ہو جاتا ہے۔

پہلے چند حمدیہ رباعیات ملاحظہ فرمالیجیے:

یہ سرِ خفی مجھ پہ آئینہ ہے
دل بامِ رسائی کا اک زینہ ہے
معمور ترے ذکر سے سانسیں ہیں مری
سینہ ترے جلووں کا گنجینہ ہے
بے نقص ہے، پاکیزہ ہے، بے عیب ہے تو
بالاے گمان و ریب لاریب ہے تو
کہتے ہوئے کچھ مجھ کو حجاب آتا ہے
اے ربِ کریم عالم الغیب ہے تو

☆

لاریب و گماں داورِ محشر تو ہے
میں بندہ ترا بندہ پرور تو ہے

ادنیٰ، اسفل، حقیر و کم تر ہوں مَیں
اعلیٰ، اولیٰ، اہم و اکبر تو ہے

حمدیہ کلام کے نمونے سے اس بات کا تو اندازہ ہو سکتا ہے کہ جس شعری کائنات کی سیر کو مَیں نکلا ہوں اس میں فن کی پختہ کاری، زبان کی لطافت اور اظہار کی ندرت ہے۔ عروض پر کامل عبور کے شواہد بھی اسی مختصر کلام میں جھلک رہے ہیں۔ ویسے بھی رباعی کہنے کے لیے جس مشق اور اوزان کے درک کی ضرورت ہے اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیے کہنہ مشق ہونا ناگزیر ہے اور قمر رعینی صاحب بلاشبہ کہنہ مشق شاعر ہیں۔

بارہ ربیع الاوّل کا دن ہمارے لیے "عیدِ ولادتِ سید الکونین ﷺ" کے حوالے سے بڑا اہم ہے۔ عوامی سطح پر اور بعض نیم علم رکھنے والے علمائے دین کی اپنی سطح پر اس دن کو منانے میں جو بے احتیاطیاں ہوتی ہیں ان سے صرفِ نظر کرتے ہوئے اگر محض اس دن کی عظمت کا خیال آتا ہے تو مسلمان کا دل فخر و انبساط کے جذبات سے لبریز ہو جاتا ہے کیوں کہ یہ دن اللہ تعالیٰ کی رحمتِ خاص کے نزول کا دن ہے۔ اسی دن اس ہستی نے اس دنیا میں ظہور فرمایا جس کے لیے یہ کائنات سجائی گئی ہے۔ سورۂ آلِ عمران کی آیت ۱۶۴ میں ارشاد باری ہے: لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ "حقیقت میں اللہ نے (بڑا) احسان مسلمانوں پر کیا جب کہ انھیں میں سے ایک پیغمبر اُن میں بھیجا جو اُن کو اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور انھیں پاک صاف کرتا ہے اور انھیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور بے شک یہ لوگ کھلی گمراہی میں مبتلا تھے" (تفسیر ماجدی) اتنے اہم دن کا استقبال انتہائی عقیدت اور جذبۂ اخلاص کے ساتھ اس عہد کی تجدید کرتے ہوئے ہونا چاہیے کہ ہم نبی ﷺ کا پیغام اپنی عملی زندگیوں میں رچا بسا کر دنیا کے کونے کونے میں دین پھیلا دیں گے۔ ان شاء اللہ!

آیاتِ قرآنی کی روشنی میں قمر رعینی صاحب کی یہ رباعیات دیکھیے جن میں اللہ تعالیٰ کے سب سے بڑے انعام کا ذکر بڑی فنی لطافت اور رباعی کے عروضی رکھ رکھاؤ کے ساتھ کیا گیا ہے۔

خوش بختی کا پیغام ربیع الاوّل
اک کیف بھرا نام ربیع الاوّل
حق یہ ہے کہ اربابِ بصیرت کے لیے
اللہ کا انعام، ربیع الاوّل

☆

خوشیوں سے مسرت سے بھرا دن ہے یہی
انساں کے لیے سمت نما دن ہے یہی

کہتے ہیں جسے بارہ ربیع الاوّل
مؤمن کے لیے سب سے بڑا دن ہے یہی

نبی ﷺ کا سب سے بڑا پیغامِ توحید ہے۔ الحمدللہ آج امتِ مسلمہ پتھر کے صنم تو نہیں پوجتی، لیکن... خواہشات، شخصیات، رسوم و رواج اور مادی طاقت رکھنے والے طاغوتی اشخاص اور حکام کی بلا سجود عبادت میں مصروف ہے۔ یعنی صرف (مخصوص اصطلاحی ''سجدہ'' کے معانی میں) سجدۂ عبودیت تو نہیں بجالاتی لیکن عملاً انہی کے آگے جھکی ہوئی ہے۔ اس لیے ہر صاحب نظر اور اہلِ درد اس روش کو نگاہِ مؤمن میں ''جرم'' ثابت کر کے اُن کی اصلاح کا خواہاں ہے۔ پند و نصائح کا پیرایہ شعری بوطیقا میں بعض طبیعتوں کو شاق گزرتا ہے اور یہی بات ہے نری نصیحت بغیر فنی لطافت کے بڑی بھونڈی لگتی بھی ہے۔ اس لیے محتاط شعرا اپنی بات کسی بڑے حوالے سے کہہ کر اسے معتبر بنا لیتے ہیں اس طرح اُن کا سیاقِ شعر بھی مستند ہو جاتا ہے اور اپنے شعری عبادت خانے میں الوہیت کے لہجے کی گونج بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ مسلمان کا بڑا حوالہ صرف اور صرف ''قرآن'' ہے۔ ان تمہیدی سطور کے بعد مَیں قمر رعینی صاحب کی صرف ایک رباعی کی طرف آپ کی توجہ مبذول کروانا چاہوں گا۔

تُو صاحب ایماں ہے تو اللہ سے ڈر
قرآن کی تنبیہ کو رکھ پیشِ نظر
اے عبد کو معبود سمجھنے والے!
لا تدع مع اللہ الٰہا آخر

مَیں نے الحمدللہ عصری اردو نعتیہ شاعری کے بہت سے مجموعے کھنگالے ہیں۔ بیش تر مجموعے بہت اچھے ہیں، لیکن نعت خوانی کی کمرشلائزیشن کے بعد جن کتابوں کی بھرمار ہوئی ہے ان میں بہت کم مواد قابلِ اعتنا ہے۔ بہت سے مجموعے تو محض نعتیہ محافل میں پیش کرنے اور خاص قسم کے لحن کو مدنظر رکھ کر لکھے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ بہت سارے مجموعے پڑھ کر علمی افلاس اور فکری تہی دامنی کا احساس جنم لیتا ہے۔ افسوس کا مقام وہ ہوتا ہے جب کم زور اور بے وزن شاعری کے مجموعوں پر بعض اہلِ علم کی مروتاً لکھی ہوئی ایسی تحریریں ملتی ہیں کہ نعتیہ شاعری سے دل اُچاٹ ہو جاتا ہے۔ لیکن الحمدللہ مَیں وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ جن شعرا نے شعریت اور شریعت کا امتزاج اپنے فن کی بنیادی قدروں میں شامل رکھا ہے وہ بہت اچھی، قابلِ قدر اور رجحان ساز نعتیں کہہ کر نہ صرف اپنا فن منوا چکے ہیں بلکہ فہرستِ عشاقِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم میں اپنا نام بھی درج کروا چکے ہیں... یہ گفتگو مجھے اس لیے کرنی پڑی کہ مَیں قمر رعینی کی فن آگاہی اور متن شناسی کا کچھ احوال بیان کر کے آگے بڑھنا چاہتا تھا۔ شعری دنیا میں کچھ شعرا نے زبان کی سلاست

پر زور دیا، کچھ نے خیال کی بلندی پر۔ کچھ نے اسلوب کی ندرت کا خیال رکھا، تو کچھ نے صوتیاتی انوکھے پن کو اپنایا۔ کچھ نے علم بدیع و بلاغت کی طرف توجہ دی تو کسی نے صنائع لفظی کو اپنایا۔ یہ اسی وقت ممکن ہے جب شاعر اپنی شعر گوئی کو باقاعدہ ہنر کے طور پر اپنائے۔ وقتی اور سستی شہرت کے پیچھے نہ دوڑے اور محض چند عصری میلانات کی طرف بھی نہ جھکے۔ کیوں کہ بیش تر عصری میلانات وقتی اور انتہائی درجہ لمحاتی ہوتے ہیں۔ وہ فن کی آفاقی قدروں کے ہم پلہ اسی وقت ہو سکتے ہیں جب فن کی اعلیٰ قدروں کا پاس ولحاظ کرتے ہوئے ان رجحانات سے استفادہ کیا جائے۔ نعتیہ شاعری میں فن کی اعلیٰ قدروں کا لحاظ رکھنا تو بہر حال ضروری ہے لیکن نعت کے متن (Text) کی طرف دھیان دینا اتنا ہی ضروری ہے جتنا سانس لینا ناگزیر ہے۔ قمر رعینی کی فنی روش مجھے اس لیے بھی اچھی لگی کہ انھوں نے شعوری طور پر روایت آگاہی، لفظوں کی پرکھ اور الفاظ کے بالکل صحیح اور درست استعمال پر دھیان دیا ہے۔ یہ احتیاط اس بات کا ثبوت ہے کہ قمر رعینی صاحب کا یہ احساس ہر وقت بیدار رہتا ہے کہ وہ اس ہستی کے حوالے سے یا اس ہستی کے سامنے زبان کھولنے کی جسارت کررہے ہیں جس کا اپنا تعارف ہے ''افصح العرب ﷺ''

اب ذرا ملاحظہ ہو وہ احتیاطی قیود جو فنی، لسانی اور روایاتی حوالے سے قمر رعینی نے اپنے آپ پر لگائیں اور اسی دائرے میں رہتے ہوئے شعری محل کی تعمیر کی اور قصرِ نعتِ رسولِ مقبول ﷺ کے در و بام سجائے۔ قمر رعینی نے اپنے اوپر یہ پابندی لگائی کہ وہ لفظ شراب بمعنی خمر اپنی نعتیہ شاعری میں قطعی استعمال نہیں کریں گے۔ اس نکتے پر وجد کرتے ہوئے حضرت علامہ حکیم سیّد محمود سرو سہارن پوری فرماتے ہیں:

> یہ میرے لیے بڑی خوش گوار اور ایک لحاظ سے ہمت افزا بات ہے کہ کوئی شاعر لفظ شراب کے استعمال سے گریز کرے، جب کہ اردو شاعری نے شراب کے لفظ کو جو قرآن کی ناپاک اور حرام کی ہوئی ایک شے کا نام ہے، اسے تقدس کے ایسے ایسے لباس پہنائے اور ایسے ایسے پیرائے اختیار کیے کہ مسلم معاشرے میں شراب کی حرمت کے تصور کے باوجود شراب سے نفرت کا تصور کم زور ہو گیا۔ اور کیوں نہ ہوتا جب کہ شعرا نے شرابِ معرفت، شرابِ توحید، شرابِ حبِ الٰہی، شرابِ عشقِ رسول ﷺ اور پتا نہیں کیسی کیسی مقدس شرابیں ایجاد کیں اور نعتوں، دینی نظموں، منقبتوں، سلاموں میں جن کے دریا بہا دیے۔''

(ولائے رسول ﷺ، ص ۱۳)

نعتیہ شاعری میں لفظ شراب کو استعمال نہ کرنا اور روایتی عشقِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم کا اظہار اپنی بھرپور شعری صلاحیت کے ساتھ کر دینا قمر رعینی کی شاعری کے اختصاصی نکات میں سے ہے۔

علامہ قمر رعینی نے خود پر یہ پابندی بھی لگائی کہ وہ اللہ کے صفاتی نام کے طور پر ''کبریا'' کا لفظ (جواز روئے قرآن صرف اللہ کی ایک صفت ہے ''ولہ الکبریا'' اور بڑائی اللہ کے لیے ہے) استعمال نہیں کریں گے۔ حالانکہ عربی نہ جاننے کی وجہ سے یہ لفظ اللہ کے صفاتی نام کے طور پر اس قدر کثرت سے استعمال ہوا ہے کہ خود اردو لغت بورڈ والوں نے اسے اللہ تعالیٰ کے صفاتی نام کے طور پر درج کر دیا ہے۔ لفظ کبریا کے بے جا استعمال کی غلطی سے محفوظ رہنے والے اور شعرا میں فی الحال میرے ذہن میں علامہ بشیر حسین ناظم ہی کا نام آرہا ہے۔

علاوہ ازیں علامہ قمر رعینی نے حضور ﷺ سے مخاطبت کے لیے لفظ ''تو'' کا استعمال قطعی نہیں کیا ہے۔ وہ ادباً صیغۂ جمع حاضر کا پیرایہ اختیار کرتے ہوئے ''آپ'' ہی لکھتے ہیں۔ اس سلسلے میں کراچی کے معروف شاعر حضرت حنیف اسعدی مرحوم یاد آرہے ہیں جنھوں نے اس روش کو عام کرنے کے لیے اپنے مجموعۂ نعت کا نام ہی ''آپ'' رکھا تھا۔

دیکھا گیا ہے کہ شعرا اللہ تعالیٰ کے ذاتی اسم ''اللہ'' کو بھی ضرورتِ شعری کے تحت مخفف کر دیتے ہیں۔ یعنی شعر میں اسمِ ذات کی بنت ایسی ہوتی ہے کہ ''اللہ'' کے بجائے ''الا'' پڑھا جاتا ہے۔ لیکن علامہ قمر رعینی نے بڑی احتیاط سے ''اسمِ ذات'' کو ''اللہ'' بروزن مفعول باندھا ہے۔ پھر فارسی زبان کے توسط سے اسمائے الٰہیہ کے متبادل نام بھی اردو میں رواج پا گئے ہیں جن میں ایک نام ''یزداں'' ہے۔ یہ آتش پرستوں کے ہاں مستعمل ہے وہ یزداں کو نیکی کا خدا کہتے ہیں جب کہ اہرمن کو بدی کا خدا سمجھتے ہیں۔ علامہ قمر رعینی اس لفظ کے استعمال کو دینی تفہیمات کے خلاف جانتے ہیں کیوں کہ اس میں ثنویت کی بو آتی ہے۔

ہماری روایتی نعتوں میں حضور ﷺ کے جمالِ صوری کا بیان اس قدر بے احتیاطی سے ہوا ہے کہ نعت کے تلازمات کی طرف دھیان دینے کے باوجود حضور ﷺ کا حسن و جمال، نسائی حسن سے ملتا جلتا ہی لگتا ہے۔ حضرت علامہ قمر رعینی نے شعوری طور پر اس روش سے بھی اجتناب کیا ہے۔ علامہ موصوف نے یثرب کا لفظ مدینہ منورہ کے نام کے طور پر بھی استعمال نہیں کیا اور اپنی شاعری میں جو تلمیحاتی اشارے کیے ہیں اُن میں غیر مستند روایتوں کو ہرگز ہرگز لائقِ اعتنا نہیں سمجھا ہے۔ اس طرح میں بلاخوفِ تردید کہہ سکتا ہوں کہ علامہ قمر رعینی نے حالی کی اس بات کو شعور کی گرہ میں باندھ رکھا ہے۔

ع یاں جنبشِ لب خارج از آہنگ، خطا ہے

اور یہ ساری باتیں قمر رعینی کے بیدار مغز شاعرِ نعت ہونے کی علامت بھی ہیں اور خیال کی ترسیل کے لیے انتہائی مناسب لفظوں کے انتخاب کرنے کی خو کو بھی ظاہر کرتی ہیں۔ یہ نگارخانۂ عالم ایک حیرت کدہ ہے۔ یہاں ہر شئے ناظر سے ارتکازِ توجہ کی متقاضی ہے۔ انسان اپنی حیرتوں کو جب اپنے فن کا جزو بناتا ہے

تو اسے اپنی اندرونی کیفیات کا عکس آفاق پر بھی پڑتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ چناں چہ وہ اپنی حیرت کا اطلاق کبھی کبھی زمین و آسمان کے اوپر بھی کر دیتا ہے اور اس خوبی کے ساتھ کہ اس کی یہ بات ذرا بھی خلافِ واقعہ معلوم نہیں ہوتی۔ علامہ قمر رعینی کہتے ہیں:

حیرت سے دیکھتے ہیں زمیں آسماں مجھے!
پہنچا دیا نبی کے کرم نے کہاں مجھے!

یہ شعر بالکل کلاسیکی مزاج کا ہے۔ اس شعر کا متن روایتی متون سے ہم آہنگ ہے۔ لیکن اس میں تجدیدِ متن کی خوبیاں بھی ہیں۔ ہمارے روایتی متصوفانہ ادب میں حیرت، کائنات کی رنگا رنگی اور بوقلمونی میں وحدت کا عنصر دیکھ کر پیدا ہوتی رہی ہے اور اسی حوالے سے اظہار کی راہ بھی پاتی رہی ہے، مثلاً:

مائیم و تحیر و خموشی
و آفاق ہمہ بہ گفتگویت

(ہم ہیں کہ ہماری حیرت نے ہمیں خاموش کر رکھا ہے۔ ہماری زبان حیرت سے گنگ ہے جب کہ ساری کائنات تیری ہی گفتگو میں مصروف ہے)۔

جامی کو حضور ﷺ کی محبت کے مظاہر اس طرح نظر آئے کہ وہ کہہ اٹھے:

زمیں از حب او ساکن فلک در عشق او شیدا

(حضور ﷺ کی محبت نے زمین کو لب بستہ کر رکھا ہے اور آسمان ان کے عشق سے سرشار ہے)

اب آیئے قمر رعینی کے محولہ بالا شعر کی طرف۔ شاعر نے پہلے اپنے انفس کی سیر کی تو اسے اپنے نصیبوں پر رشک آیا اور موجودہ مقام پر ناز فرمانے کو جی چاہا۔ لیکن نہ تو موجودہ مقام، نہ خصوصی طور پر حاصل ہونے والی کسی نعمت کا تذکرہ مقصود تھا اور نہ ہی حضور ﷺ کے التفات کا ایسا اظہار کرنا تھا جس میں مبالغہ در آئے۔ اس لیے شاعر نے کمالِ احتیاط سے حیرت کو روایتی طور پر آفاق پر طاری کر دیا... حیرت سے دیکھتے ہیں زمیں آسماں مجھے دوسرے مصرعے میں ''کہاں مجھے'' کا ابہام ایسا کہ اس ابہام نے معنی آفرینی کی کئی جہتیں اور جہانِ معانی کی بے انت پرتیں پیدا کر دیں۔ اب آپ اس ''کہاں مجھے'' کو ''اسلام آباد'' سے ''مدینہ منورہ'' کے سفر پر بھی محمول کر سکتے ہیں اور خود ''ولائے رسول ﷺ'' کے شاعر کے اس شعر کو پیشِ نظر رکھ کر نیرنگیِ متن کا نمونہ بھی قرار دے سکتے ہیں۔ شعر یہ ہے۔

جو میرے دل کی تمنا تھی ہوگئی پوری
حضورِ آیۂ رحمت میں آگیا ہوں میں

علاوہ ازیں شاعر کے غزل سے نعت کی طرف متوجہ ہونے کا احوال بھی اس میں رقم دیکھ سکتے

ہیں۔ شاعر کے اپنے روحانی ترفع سے پیدا ہونے والی مسرت افزا کیفیت کا اشاریہ بھی جان سکتے ہیں۔ شاعر کے مسلمان ہونے اور شعوری طور پر عظمتِ دین متین کا ادراک کر سکنے پر اظہارِ تشکر بھی اس بیان میں مضمر ہو سکتا ہے۔ اور مداحانِ محمد مصطفیٰ ﷺ میں شمولیت کا وجد آفریں تصور بھی اس ''کہاں مجھے'' کا جزو بن سکتا ہے۔ شعر کے ابہام میں لسانیاتی نظام میں متن کی انفرادی بنت نے شوخی اور سرشاری کی کیفیت پیدا کی ہے۔ اس میں تقلیلِ الفاظ یعنی ''ایجازِ بیان'' اور زبان کا ستھرا، سلیس اور غیر استعاراتی بیان بھی توجہ طلب ہے۔ میرے خیال میں علامہ قمر رعینی کے شعرِ عقیدت میں ساختیاتی تنقید نگاروں کے لیے بہت سا مواد موجود ہے۔ یہاں میں نے بین المتنیت (Inter textuality) کے مظاہر دیکھنے کے ضمن میں ساختیاتی نظریۂ تنقید (Structuralism) کا ہلکا سا اشارہ کیا ہے۔

ہماری روایتی فکر میں یہ بات بھی بڑی عام ہے کہ کہتے ہیں محبت پہلے محبوب کے دل میں پیدا ہوتی ہے۔ مصرع گو مجاز کی طرف زیادہ اشارے کرتا ہے تاہم اسے حقیقت سے بھی دور نہیں کہا جا سکتا کہ بقولِ غالبؔ ؎

ہر چند ہو مشاہدۂ حق کی گفتگو
بنتی نہیں ہے بادۂ و ساغر کہے بغیر

چناں چہ وہ مصرع لکھ ہی دیتا ہوں:

ع عشق اوّل در دلِ معشوق پیدا می شود

اس مصرعے کی مجازی اشاریت سے تو مجھے کوئی سروکار نہیں لیکن اس مصرعے کے ساختیاتی حوالے سے ''تجدیدِ متن'' کا عمل مجھے قمر رعینی کے ہاں ایک اچھی مثال کے طور پر ملا ہے، سو حاضر ہے ؎

مَیں جو اُن کے لیے تڑپتا ہوں
اِس میں اُن کا کرم بھی شامل ہے

تبلیغِ دینِ متین بھی نعت گو شاعر کے فرائض میں سے ہے۔ بشرطے کہ (اور یہ شرط بڑی کڑی ہونے کے باوجود ناگزیر ہے) فنی خوبی کے ساتھ اور نعرہ بازی سے بچ کر ہو۔ قمر رعینی صاحب نے ایک شعر کہا:

آپ سچے ہیں دین بھی سچا
باقی ہر چیز حرفِ باطل ہے

اس شعر کی ایک جہت تو یہ ہے کہ ''ایک حقیقت ہے''۔ دوسری جہت یہ ہے کہ شاعر خود کلامی کے انداز میں ''اپنے آپ سے مخاطب ہو کر خود کو آقائے نامدار محمد مصطفیٰ ﷺ کے علاوہ ہر چیز سے اپنی توجہ ہٹانے کا مشورہ دے رہا ہے''۔ شعر کی تیسری پرت معاشرے سے تخاطب کا اشارہ کرتی ہے کہ شاعر اپنی

حقیقت بیانی سے معاشرے کو حضور سرورِ کائنات رسول اکرم محمد مصطفیٰ ﷺ کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہے اور دینِ متین کی خوبیوں کے سامنے دنیا کی ہر چیز کو ہیچ ثابت کرنے کا خواہاں ہے۔ اس تیسری جہت کے حوالے سے یہ شعر بین المتنیت کا مرقع بھی بن گیا ہے کہ اس میں غیر محسوس طور پر اقبال کے اس شعر کی گونج سنائی دیتی ہے۔

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر باو نرسیدی تمام بولہبی است

تاثریت (Impressionism) یوں تو فائن آرٹ کے حوالے سے تصویری تجزیے کے طور پر استعمال کی جانے والی اصطلاح ہے لیکن شاعری میں ایسی شعری تخلیقات کے لیے بھی استعمال کی جاتی ہے جن میں شاعر کا اپنا ذاتی تاثر شعر میں اس طرح منعکس ہو جیسے نگار خانے میں کسی مصور کا کوئی تصویری مرقع۔ اس قسم کے اشعار میں کوئی تفصیلی بیان دینے کے بجائے شاعر صرف اپنا ذاتی تاثر پیش کر دیتا ہے اور یوں شاعر کے لمحاتی تاثر کا ایک تصویری خاکہ سا بن جاتا ہے۔ اس حوالے سے بھی قمر رعینی صاحب کے ہاں اشعار مل جاتے ہے، مثلاً:

قمر مدینے پہنچ کر مجھے ہوا محسوس
کہ روشنی کے جزیرے میں آ گیا ہوں میں
یہ روضۂ شۂ کونین کا کرشمہ ہے
زمیں کو چومتا ہے آسماں مدینے میں
اگر دیکھے گلستانِ مدینہ
بہار خلد کو آئیں پسینے

شعری تخلیقات میں شعر کا سب سے پہلا انسلاک زبان کے مکمل نظام سے ہوتا ہے، دوسرے نمبر پر شعر کا انسلاک شعری روایت سے ہوتا ہے اور تیسرا تعلق سیاقِ متن سے ہوتا ہے۔ قدیم شعری تنقید میں اس تیسرے انسلاک کو تلمیح کے نام سے موسوم کرتے آئے ہیں۔ ولاے رسول ﷺ کے اشعار میں اس قسم کے اشعار بہت ہیں، مثلاً حضور ﷺ نے فرمایا ''امن الناس علی فی صحبتہ و مالہ، ابو بکر'' میری صحبت میں سب سے زیادہ وقت صرف کرنے والے اور میری رضامندی وخوش نودی میں اپنا مال بے دریغ خرچ کرنے والے ابو بکر (صدیق) ہیں''۔ اب یہ شعر ملاحظہ فرمایئے۔

حاضر ہوا تبوک کے موقع پہ یارِ غار
گھر بار نذرِ صاحب قرآں کیے ہوئے

اس شعر میں ''یارِ غار'' کا تلمیحی اشارہ ''ثَانِیَ اثْنَیْنِ اِذْ هُمَا فِی الْغَارِ... الخ آیت ۴۰ سورۃ توبہ'' کی طرف ہے جس میں ربّ تعالیٰ نے حضرت سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضور ﷺ کے صحابی کا درجہ دیتے ہوئے فرمایا کہ ''جب کہ دو میں سے ایک وہ تھے۔ دونوں غار میں (موجود) تھے جب کہ وہ اپنے رفیق سے کہہ رہے تھے کہ غم نہ کرو۔ بے شک اللہ ہم لوگوں کے ساتھ ہے''۔

''تبوک'' کا تلمیحی اشارہ غزوۂ تبوک کی طرف ہے جس کو جیش عسرت بھی کہتے ہیں۔ اور دوسرے مصرعے میں وہ تلمیح آئی جس کا تعلق سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے۔ آپ نے ایثار طلبی کا اشارہ پا کر گھر کا کُل اثاثہ نبی اکرم محمد مصطفیٰ ﷺ کے قدموں میں لا ڈالا تھا اور حضور ﷺ کے استفسار پر عرض کیا تھا گھر میں ''اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کو چھوڑ آیا ہوں''۔ اقبال نے اس نادر موقع کی تصویر کشی ان الفاظ میں کی تھی ؎

پروانے کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس
صدیق کے لیے ہے خدا کا رسول بس

یہ تو تھا اس شعر کا ماضی سے سیاق کا پہلو۔ لسانی سطح پر یہ ایک سادہ سا یعنی خاصی حد تک سلیس اردو کا شعر ہے۔ شعری روایت کے حوالے سے غزل کی ہیئت لیے ہوئے ہے۔ غزل اردو کی سب سے زیادہ جان دار صنفِ سخن ہے جس کا پیرایہ بقول معروف نقاد، شاعر پروفیسر ڈاکٹر سیّد محمد ابوالخیر کشفی، اپنی نفاست، ایمائیت، ہمہ گیریت کی بنا پر نعت کے لیے بہت مناسب ہے۔ کشفی صاحب کے نزدیک ''غزل کا لہجہ حدیثِ دل کا لہجہ ہے''۔ چناں چہ حدیثِ دل کے لیے مختص صنفِ سخن میں اس مخصوص نعت کا تعلق غالبؔ کے شعری نگار خانے سے اس لیے بن گیا ہے کہ یہ پوری نعت ہی غالب کی زمین میں ہے۔ ٹی ایس ایلیٹ نے کہا تھا، ''عظیم ترین شعرا کے ہاں ایسے پہلو ہوتے ہیں جو فوراً سامنے نہیں آتے بلکہ صدیوں بعد بھی دوسرے شعرا کو متاثر کر کے زندہ زبان پر اثر انداز ہوتے رہتے ہیں''... ہمارے عہد میں غالبؔ کی عظمت کا یہ پہلو بھی کھلا ہے کہ جس میدان (یعنی میدانِ مدحِ مصطفیٰ ﷺ) میں غالبؔ نے قدم نہیں رکھا تھا (اردو کی حد تک) اس میدان میں آج کے شعرا غالب کی زمینوں میں شعر کہہ کہہ کر اس حقیقت کو آشکار کر رہے ہیں کہ غالبؔ عظیم شاعر تھا۔ معروف و ممتاز محقق جناب ڈاکٹر عاصی کرنالی نے غالب کی زمینوں میں کہی جانے والی نعتوں کی مطبوعہ کتب پانچ بتائی تھیں۔ ساجد اسدی کی کتاب ''پیامبر مغفرت''، راغب مراد آبادی کی ''مدحت خیر البشر''، ابرار کرت پوری کی ''مدحت''، ایاز صدیقی کی ''ثنائے محمد ﷺ'' اور علامہ بشیر حسین ناظم کی کتاب ''جمال جہاں فروز'' اس کے علاوہ بھی کتب ہوں گی۔ حال ہی میں نعت ریسرچ سینٹر نے امریکا میں مقیم شاعر امان خان دلؔ کا مجموعۂ نعت ''شہِ لولاک'' شائع کیا ہے جو غالبؔ کی زمینوں میں لکھی گئی نعتوں پر

مشتمل ہے۔ (مرتب) اِکا دُکا نعت تو غالبؔ کی زمین میں تقریباً ہر شاعر نے کہہ لی ہے۔اس طرح میرے خیال میں جو کمی غالبؔ کے ہاں رہ گئی تھی اللہ ربّ العزت نے بعد کے شعرا کے ذریعے اس کمی کو پورا کروا کر آج کے شعرا کے ساتھ ساتھ غالب کے لیے بھی خیر العمل کے ازدیاد کا بندبست فرما دیا ہے۔اب جب کہ غالبؔ کے تصرفات کا ذکر نکل ہی آیا ہے تو تھوڑی دیر کے لیے سیاقِ کلام یعنی تلمیح کا ذکر مؤخر کر کے اس حوالے کو مکمل کر دیا جائے۔قمر رعینی صاحب نے بھی غالبؔ کی زمینوں میں متعدد نعتیں کہی ہیں، مثلاً:

موجب عزو شرف طوق غلامی ان کا
باعث فخر و مباہات، ثنا خواں ہونا
آپ کی ذات پہ تکمیل نبوت کی ہوئی
آپ پر ختم ہوا پیکر قرآں ہونا!
مدح سرکارِ دو عالم کا خیال اچھا ہے
بس یہی ہے وہ عمل جس کا مآل اچھا ہے

غالبؔ نے سال کا قافیہ اس طرح باندھا تھا۔

ع اک برہمن نے کہا ہے کہ یہ سال اچھا ہے

غزل میں تو برہمن کا مشورہ نبھ گیا لیکن غالبؔ بھی اگر نعت کہتے تو قافیہ اس طرح نہیں کھپاتے۔
قمر رعینی صاحب نے یہ قافیہ اس طور برتا ہے کہ یہ قافیہ ہی اُن کا ہو کر رہ گیا ہے، فرماتے ہیں:

یوں تو سب روز و مہ و سال مبارک ہیں مگر
حاضری میری ہو جس سال، وہ سال اچھا ہے

یا یہاں بہار کا موسم ہمیشہ رہتا ہے
نبی کا شہر بنا ہی نہیں خزاں کے لیے

☆

یا جیسے ہیں مرے حضور والا
ایسا کوئی اور ہے؟ نہیں ہے

☆

ہر جا ہے سخی کا فیض جاری
حاتم کا مقام طے نہیں ہے

آخری شعر میں غالبؔ کی زمین میں سخاوتِ رسولِ اکرم ﷺ کے حوالے سے عجیب نکتہ پیدا کیا

ہے۔ حاتم ایک معروف سخی کا نام ہے۔ اس کا نام اس کے قصبے ''طے'' کے نام کے ساتھ طائی کے لاحقے سے جوڑا جاتا ہے۔ قمر رعینی کہتے ہیں حاتم اگر سخی ہونے کی علامت ہے تو یہ سخاوت تو میرے آقا ﷺ پر ختم ہے اس لیے کہ آپ کی سخاوت زمان ومکاں کی قید سے آزاد ہے۔ اس لیے حاتم (سخی) کا مقام طے نہیں ہے۔

غالب ہی کی زمین میں علامہ موصوف کی ایک نعت کے یہ اشعار ملاحظہ فرمایئے:

نازاں ہیں ہم کہ روضۂ اطہر تک آگئے
مشکل ہے اب کسی کو ہماری خبر ملے
یادِ رسول پاک مرے ساتھ ہوگئی
میں سوچ ہی رہا تھا کوئی ہم سفر ملے
توشہ ہے آخرت کا قمر ان کی چاکری
میں خوش نصیب ہوں گا یہ عہدہ اگر ملے

یہ اشعار ایسے ہیں جن پر ہر باذوق قاری لہلوٹ ہوجائے گا۔ ہر شعر دل میں ترازو ہوجانے والا ہے۔ خاص طور سے ''کوئی ہم سفر ملے'' کی برجستگی اور احساس کی شدت بیان سے باہر ہے۔ بات تلمیحاتی حوالے یا متن کے سیاق کی چل رہی تھی کہ درمیان میں غالب کی عظمت اور اس کی زمینوں میں کہی گئی نعتوں کا ذکر نکل آیا۔ علامہ قمر رعینی کے ہاں بعض تلمیحی اشارے تو ایسے ہیں جن کی تشریح اور حوالوں کے لیے کتاب نہیں کتب لکھنے کی ضرورت پیش آئے، مثلاً یہ رباعی دیکھیے:

تاریخوں میں لکھا ہے بہ عنوان جلی
کھل جاتی ہے پڑھ کر دل مومن کی کلی
آپس میں یہ داماد و خسر ہیں چاروں
سرکار، ابوبکر، عمر اور علی

سرکار محمد رسول اللہ ﷺ کے خسر حضراتِ شیخین یعنی حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہم ہیں۔ سرکار ﷺ کے داماد حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے داماد حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے والد ہونے کے ناطے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خسر ہیں۔ اس حوالے سے ایک اور رُباعی ملاحظہ ہو:

ممکن ہی نہیں ایسے رشتوں کا جواب
اک مہر منور ہے باقی مہتاب
سرکار دو عالم کے ہیں داماد علی
دامادِ علی ہیں عمر ابن خطاب

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالے سے رباعی ہے۔

بے مثل وہ دامادِ رسول الثقلین
وہ کانِ حیا شوکت و شانِ حرمین
یہ عز و شرف اور کسی کو نہ ملا
کوئی نہ ہوا اُن کے سوا ذی النورین

یہ بات خوش آئند ہے کہ علامہ قمر رعینی نے نبی ﷺ کے اسوۂ حسنہ کے اوّلین عملی نمونے دکھانے کے لیے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا ذکر بھی اپنے شعری عمل میں بھرپور طریقے سے کیا ہے۔ دراصل حضور ﷺ کائنات کے آخری نبی ہونے کے حوالے سے تو اہم ترین مقام پر فائز ہیں ہی۔ آپ کا ایک اختصاص یہ بھی ہے کہ از آدم تا عیسیٰ علیہم السلام کسی نبی نے اپنے بعد (دنیا سے پردہ فرماتے وقت) اتنی بڑی تعداد میں صاحبِ ایمان اور مخلص اُمتی نہیں چھوڑے جتنے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے چھوڑے۔ یہی وجہ ہے کہ شرار بولہبی کی ستیزہ کاری کے شاخسانے کے طور پر ایسی من گھڑت کہانیاں بھی رقم کی گئیں جن سے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا ہوں۔ چناں چہ اللہ تعالیٰ نے ایک طرف تو لکھاریوں کی ایسی جماعت پیدا فرما دی جو مستقل بنیادوں پر حضور کے تذکرے کے ساتھ آپ کے جاں نثاروں کا تذکرہ رقم کرتی رہتی ہے۔ ان میں اُمت کے تاریخ دان، مغازی نویس اور سیر الصحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین لکھنے والوں کی جماعت شامل ہے۔ یہ جماعت تو کروچے کی زبان میں منطقی علم کی بنیاد پر حقائق رقم کرتی ہے۔ لیکن شعرا کی جماعت وجدانی علم یعنی تاثر کی زبان میں حقیقت کے ساتھ ساتھ اپنا احساس اور تاثر بھی محفوظ کرتی جاتی ہے۔ شعرا کا اثر اسی طرح معاشرے پر زیادہ ہوتا ہے جس طرح شعر کا اثر تاریخ سے زیادہ ہوتا ہے۔ اس کی بہت سی وجوہات میں سے ایک وجہ یہ بھی ہے کہ تاریخ نثر میں لکھی جاتی ہے اور مطالعے کے لیے خاص توجہ اور وقت مانگتی ہے۔ جب کہ شعر زبانی روایت سے آگے بڑھتا، سینہ بہ سینہ محفوظ ہو کر اپنا متن برقرار رکھتا، اور دہرائے جانے کے عمل سے ہمیشہ گزرتا رہتا ہے۔ علامہ قمر رعینی نے خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے ذکر کے ساتھ ساتھ صحابیات، بنات رسول اور ازواج مطہرات رضوان اللہ علیہن کے لیے بھی رباعیات کہی ہیں۔ خلفائے راشدین کے حوالے سے تو علامہ قمر رعینی کی کچھ رباعیات پہلے نقل کی جا چکی ہیں اب اصحابِ عشرہ مبشرہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے بارے میں رباعی ملاحظہ کیجیے:

ان لوگوں کو بے مثل سعادت دے دی
ان کے کردار کی ضمانت دے دی

خوش بخت ہیں کتنے جنھیں ان کے رب نے
دنیا ہی میں جنت کی بشارت دے دی

سیّد الشہدا اسد اللہ و رسولہٗ (شیرِ خدا و رسول) حضرت حمزہ ؓ کا ذکر یوں کرتے ہیں:

رتبے سے بھتیجے کے آگاہ بھی ہیں
بھائی بھی ہیں، عاشق بھی ہی خواہ بھی ہیں
ارشادِ نبی ہے کہ جناب حمزہ
سید شہدا کے، اسد اللہ بھی ہیں

اصحابِ نبی میں ایک بڑا معتبر نام حضرت بلال ؓ کا بھی ہے جو بلالِ حبشی کے نام سے مشہور ہیں۔قمر رعینی نے انھیں بھی فراموش نہیں کیا لکھتے ہیں:

مخمورِ مئے حبّ رسالت کہیے
یا پیکر ایثار و شجاعت کہیے
ہر چند تھے انسان بلالِ حبشی
لیکن انھیں کوہِ استقامت کہیے

بنات النبی رضوان اللہ تعالیٰ علیہن کا ذکر دیکھیے:

زینب ہوں، رقیہ ہوں کہ کلثوم و بتول
ہیں باغِ رسالت کے مہکتے ہوئے پھول
ہم جیسوں کی تعریف سے مستغنی ہے
ہر بنتِ رسول قرۃ العینِ رسول

اُمہات المومنین رضوان اللہ تعالیٰ عنہن کا ذکر:

تصدیقِ نبوت میں وہی اولیٰ ہیں
ایثار و رفاقت میں بھی یکتا ہیں
تا زیست رہیں ساتھ جو تن من دھن سے
وہ زوجِ نبی خدیجۃ الکبریٰ ہیں

حجرۂ سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا:

اے ذات و صفاتِ نبوی کی محرم
اے باعثِ تسکینِ دل شاہِ اُمم

کیوں آپ کا حجرہ نہ ہو رشکِ جنت
آسودہ یہاں پہ ہیں رسولِ اکرم

☆

تاریخ کو بھی ناز ہے، سرکار بھی ہیں خوش
وہ قیمتی معاہدہ حلف الفضول ہے

اس شعر میں اس تاریخی معاہدے کی طرف اشارہ ہے جو اعلانِ نبوت سے قبل مکے کے چند قبائل کے درمیان، عبداللہ بن جدعان تیمی کے مکان پر ہوا اور جس میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے بھی شرکت فرمائی۔ آں حضرت ﷺ اس معاہدے پر اعلانِ نبوت کے بعد بھی فخر سے فرماتے تھے، ''مَیں عبداللہ بن جدعان کے مکان پر ایک ایسے معاہدے میں شریک تھا کہ مجھے اس کے عوض سرخ اونٹ بھی پسند نہیں اور اگر (دور) اسلام میں اس عہد و پیمان کے لیے مجھے بلایا جاتا تو میں لبیک کہتا۔'' (الرحیق المختوم، ص۹۰، بحوالہ ابنِ ہشام) شعرا نے اس معاہدے کا ذکر کم کم کیا ہے۔

اسی طرح نبی کریم ﷺ کی مدینہ منورہ میں آمد کے بعد جو معاہدہ یہودِ مدینہ سے ہوا تھا وہ میثاقِ مدینہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور علامہ قمر رعینی نے اس معاہدے کا ذکر اس طرح کیا ہے:

کیا خلق و تدبر تھا مرے آقا کا
پڑھ کر کبھی میثاقِ مدینہ دیکھو!
کعب کیوں خوش نہ ہوں پروانۂ جنت پاکر
خوش نصیبی ہے شرف یابِ ردا ہو جانا

یہ شعر ایک طرف تو غالبؔ کی زمین میں ہونے کے باعث ایک توانا روایت سے منسلک ہے دوسری طرف اس کا سیاق نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی طرف سے حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنی چادر مبارک عطا کرنے کے واقعے سے تعلق رکھتا۔ کعب بن زہیر کا قصیدہ ''بانت سعاد'' حضور اکرم ﷺ کی عطا کے حوالے ہی سے قصیدۂ بردہ بھی کہلاتا ہے۔

جس جا ہوا ہے تذکرہ اصحاب بدر کا
اہلِ ہمم کو نقش بدیوار کر گیا

اس شعر میں تو صاف ہی اہلِ بدر کا ذکر ہے جن کی قلیل تعداد (۳۱۳) نے تین گنا بڑی فوجی قوت کو شکستِ فاش سے دوچار کیا تھا۔ سیاقِ کلام یا تلمیحاتی اشاروں سے مزین اشعار تو ''ولائے رسول ﷺ'' میں بہت ہیں لیکن اس مضمون میں کہاں تک نقل کیے جائیں؟ اس لیے انھی مثالوں پر اکتفا کرتا ہوں۔ معروف

نقاد قمر جمیل مرحوم نے اپنے معرکتہ الآرا مضمون ''رسالہ در مغفرتِ استعارہ'' میں لکھا تھا:

> ہیگل نے کہا تھا کہ آرٹ خیال کا حسی اظہار ہے۔ کروچے نے کہا خیال کا نہیں (آرٹ وجدان کا حسی اظہار ہے)۔ علامت، استعارہ اور تمثیل ان سب کے لیے کروچے نے اظہار کا لفظ استعمال کیا ہے...اظہار کا یہ عمل Apriori Synthesis کی حیثیت رکھتا ہے یعنی اس وقت تک موجود ہی نہیں ہوتا جب تک کہ اس کا اظہار نہ ہو جائے...اظہار کے مختلف طریقے جو وجدان شاعر کو عطا کرتا ہے وہ شاعر کے لیے اظہار سے پہلے موجود نہیں ہوتے۔

(جدید ادب کی سرحدیں، جلد اوّل، ص ۱۰۷)

قمر جمیل مرحوم کی اقتباس شدہ عبارت سے شاعر کی Originality اور Creativity یعنی بدیع نویسی اور تخلیقی قوت کا اظہار مقصود ہے۔ شاعر چاہے کسی درجے کا ہو کسی بھی خیال یا موجود متن کو اپنے ہی اسلوب میں بیان کرتا ہے۔ فرق صرف قدرتِ بیان اور ندرتِ اظہار کا ہوتا ہے، اس لیے ہر شاعر کے لیے کہا جاسکتا ہے کہ اس نے کوئی بھی شعر موجود متن (Text) کے حوالے سے یا موجود متن کے دائرے میں رہتے ہوئے تو کہا ہے لیکن اظہار البتہ مختلف ہے۔ اظہار کے شاعرانہ رویے کو روسی ہیئت پسندوں نے ''اجنبیانے کا عمل'' یعنی Defaimiliarisation کا نام دیا ہے۔ قمر رعینی کے تلمیحاتی اشارے سارے کے سارے تاریخی حقائق کے طور پر تاریخ و سیر کی کتابوں میں بکھرے پڑے ہیں لیکن اظہار میں اس منفرد انداز سے قمر رعینی کے اظہار سے قبل نہیں آئے تھے۔ انھی حقائق کو دیگر شعرا نے بھی اپنے اشعار کا متن بنایا ہے یا بنایا ہوگا لیکن ہر شاعر کا اسلوب جدا اور طرزِ گفتار مخصوص ہوگی۔ قمر رعینی نے انھی حقائق کو اپنے اسلوب میں بیان کیا ہے اور چوں کہ یہ اسلوب فن کی پختگی، بیان کی نفاست، زبان کی سلاست اور اظہار کی بھرپور قدرت کے ساتھ اپنے ایجاز اور اعجاز کے حوالے سے منفرد ہے، اس لیے کہا جاسکتا ہے کہ قمر رعینی اپنے شعری متن کو اجنبیانے کے عمل سے گزارنے میں خاصی حد تک کامیاب رہے ہیں۔

ورڈس ورتھ نے کہا تھا کہ ''تمام اچھی شاعری شدید احساسات کا برجستہ اظہار ہے'' All good poetry is the spontaneous over flow of powerful feelings. علامہ قمر رعینی کے اشعار اس معیار سے بھی دیکھے اور سراہے جاسکتے ہیں، مثلاً:

مقصدِ زیست رہے آپ پہ قرباں ہونا
ورنہ کچھ کام نہ آئے گا مسلماں ہونا

اگرچہ حاضری کو اک زمانہ ہوگیا لیکن
وہ کیفیت، وہ منظر اور وہ لمحہ نہیں بھولا

☆

اشخاص و ملک و قوم کی تخصیص کچھ نہیں
جو صاحبِ نظر ہے، فدائے رسول ہے
انگشت بدنداں ہے مری جرأتِ گفتار
کیا کام مری چشمِ گہر بار کرے ہے
پھر مجھے روضۂ اطہر سے بلاوا آیا
آیا آیا مرے سرکار میں آیا آیا!
جانبِ طیبہ پھر اک بار سفر ہو جائے
میرے آقا یہ کرم بار دگر ہو جائے
مدینے کی کشش ہے یا کرم ہے میرے آقا
کہ میں اس شہر سے واپس ہوا گھر تک نہیں پہنچا
نبی کے دیکھنے والے تھے اپنے بھی پرائے بھی
کوئی بھی جذبۂ صدیق اکبر تک نہیں پہنچا
توصیفِ نبی سی شئے نہیں ہے
مدحت پابندِ نے نہیں ہے

میرا خیال ہے ان اشعار میں پوشیدہ اظہار کی برجستگی کا تاثر ہر باذوق قاری کے دل و دماغ کو سرشار کرنے کے لیے کافی ہوگا۔

قادرالکلام شاعر کی Craftsmanship اس وقت زیادہ اجاگر ہوتی ہے جب وہ کسی شاعر کا کلام کسی دوسری زبان سے اپنی زبان میں یا اپنی زبان سے کسی دوسری زبان میں شعر کے قالب میں ڈھالتا ہے۔ علامہ قمر رعینی اس حیثیت سے بھی ممتاز مقام رکھتے ہیں کہ انھوں نے بعض عربی اشعار کو اردو شعری کا قالب دیا ہے اور خیام کی تو تقریباً ساری رباعیات اردو میں منتقل کر دی ہیں۔ ان تراجم میں سلاست، روانی، نفس مضمون کی بجنسہٖ منتقلی اور لہجے کی شگفتگی قابلِ داد ہے۔

حضور ﷺ کے چچا زبیر جو حضرت عبدالمطلب کی وفات کے بعد حضور ﷺ کے کفیل بنے، انھوں نے حضور ﷺ کو گود میں کھلاتے ہوئے، جو اشعار حضور ﷺ کی شان میں کہے وہ نعت کے اوّلین اشعار ہیں۔ علامہ قمر رعینی نے ان کا سلیس اردو میں ترجمہ کیا ہے، ملاحظہ فرمائیے:

محمد میرے بھائی کی نشانی
اسے حاصل ہو عیشِ جاودانی

کمی کچھ مال و دولت میں نہ آئے
ملے عزت، حکومت، کامرانی
رہے مستغنی امداد اعمام
بوڑھاپے تک پہنچ جائے جوانی

قمر رعینی صاحب نے خیام کی ۱۳۰ (ایک سوتیس) رباعیات کا اردو رباعی کی ہیئت میں ترجمہ کیا تھا جو ''بادۂ خیام'' کے نام سے ۲۰۰۲ء میں شائع ہوا۔

حمدیہ رباعی

شب نیست کہ عقل در تحیر نشود
وزگر یہ کنار من پراز در نشود
پُری نشود کاسہ مرا از سودا
آن کاسہ کہ سرنگون بود پُر نشود
ساقی قدحی کہ ہست عالم ظلمات
جز روی تو نیست درجہان آب حیات
از جان و جہان دہر چہ درعالم ہست
مقصود توی و بر محمد صلوات

کب تیرے لیے غرق تحیر نہ ہوا
کب قطرۂ اشک ہم سر دُر نہ ہوا
تو ڈھل نہ سکا ذہن کے پیمانے میں
یہ کاسۂ سرنگوں کبھی پُر نہ ہوا
پیمانہ دے ساقی کہ ہے عالم ظلمات
چہرہ دکھلا کہ ہے یہی آب حیات
تخلیق دوعالم کا مقصود ہے کون؟
ہاں بھیج محمد پہ درود اور صلوٰۃ

شعر کی تعریف کا پہلو شعری بوطیقا کے معیارات کے حوالے سے ہونے کے باوجود لحہ قرأت، ذاتی ذوق، عصری شعری میلانات، متن کی تفہیم اور جمالیاتی اثر پذیری کے حوالوں سے بھی ہوتا ہے۔ نعت میں متن کی روایتی اور درایتی تفہیم کو بھی ان معیارات میں شامل کرنا پڑتا ہے۔ نعت کے ضمن میں عشقِ رسول ﷺ کے تاثر کی بوقتِ قرأت (Reading) بازیافت کا عنصر بھی اہم ہے۔ قرأت کا تنقیدی تناظر ماحول کے بدلنے سے بھی بدل جاتا ہے۔ اس لیے میرے مطالعے کے نتائج حتمی نہیں ہیں۔ ہوسکتا ہے مجھ سے زیادہ باذوق قاری (یا نقاد) علامہ قمر رعینی کے کلام میں مجھ سے بہتر انداز سے غوطہ زن ہو سکے۔ اس لیے یہ تمام نتائج فکر و قرأتِ متن، اس اُمید کے ساتھ پیش کر رہا ہوں کہ علامہ قمر رعینی کے شعرِ عقیدت کے مضمرات کو جاننے کی جستجو کا عمل میرے بعد بھی جاری رہے گا۔ اگر میرے نتائجِ قرأت کسی قاری کو کسی بلند منزل کی طرف رہنمائی کرنے میں معاون ہوسکیں تو میں سمجھوں کا میری محنت ٹھکانے لگی۔

ادبی اور تنقیدی دیانت کا تقاضا ہے کہ شعری عمل کی تحسین کے ساتھ ساتھ تسامحات کی نشان دہی

بھی کردی جائے۔نسیان انسان کی سرشت میں داخل ہے، کلام اللہ کے علاوہ ہر کلام کسی نہ کسی جگہ سہو اور عدم توجہی کے باعث کسی نہ کسی چھوٹی بڑی خامی کا حامل ہوتا ہے۔ علامہ قمر رعینی استادالاساتذہ ہیں لیکن کہیں کہیں وہ بھی نسیان کا شکار ہو گئے ہیں۔ میری مؤدبانہ استدعا ہے کہ علامہ میری نشان دہی کو کیڑے بیننے کے عمل سے تعبیر فرمانے کے بجائے ایک خرد کی عاجزانہ درخواست ہی سمجھیں گے۔ درج ذیل مصاریع نظر ثانی کے متقاضی لگتے ہیں۔

ع انسانیت کا فخر و غرور آپ ہی تو ہیں

(غرور کے عربی معنی دھوکا ہیں اس لیے ہو سکے تو اس لفظ کو بدل دیجیے)

ع لیکن مجھے تو حبِ نبی کا غرور ہے (ایضاً)

ع فہرست عاصیاں سے مرا نام ہو حذف (حذف میں ذال ساکن ہے)

ع اُن کے دیدار کا اللہ تمنائی ہے

(اللہ اپنی تمام مخلوق کو بہ یک وقت اور بہر لحہ دیکھتا ہے اس تناظر میں شعری متن نظر ثانی کا محتاج ہے)

ع یہ اُن کا کرم نہیں تو اور کیا ہے (لفظ اور سہو کتابت ہے۔ اس لیے قابلِ حذف ہے)

لیکن پھر عرض کردوں کے ۱۲۸ صفحات کی کتاب میں پانچ مصرعے بطور تسامح پیش کرنے کا مطلب ہر گز یہ نہیں کہ ان کی موجودگی سے شعرِ عقیدت کے قصر میں کوئی دراڑ پڑ جائے گی۔ پانچواں مصرعہ تو ویسے بھی کمپوزنگ کی غلطی کا شکار ہوا ہے۔ اس لیے صرف چار مصرعے میری دانست میں نگاہِ ثانی کے محتاج ہیں۔ اس سلسلے میں جناب قمر رعینی کا ایک وضاحتی خط بھی اس مضمون کے آخر میں شاملِ اشاعت ہے، جس کے تمام مندرجات سے میرا متفق ہونا قطعی ضروری نہیں ہے۔ (عزیز احسن)

شعر گوئی کے حوالے سے قمر رعینی کا یہ اختصاص بھی نمایاں کرتا چلوں کہ مومن خان مؤمنؔ کی طرح قمر رعینی صاحب بھی اپنے تخلص کو با معنی استعمال کرنے پر قادر ہیں، مثلاً:

قمرؔ کے دل کو روشن کردیا ہے
مہِ طیبہ کی کومل چاندنی نے

ان کے نعلین کا پڑ جائے اگر عکسِ جمیل
خاک کا پتلا قمرؔ رشکِ قمر ہو جائے

آپ کی خاکِ پا ہے قمرؔ
وجہ نورِ قمر آپ ہیں

اُن کے عشاق میں قمرؔ ہی نہیں
ایک سے ایک ماہِ کامل ہے

آپ کی یاد چھٹکی ہوئی چاندنی
دل ہے روشن قمر کا حضور آپ سے

آخیر میں عجز بیاں کی مثال پیش کر کے اجازت چاہوں گا

اشعار تو کہہ لیے ہیں مَیں نے کیا نعت کا حق ادا ہوا ہے؟

خود میرا احساس بھی یہی ہے کہ علامہ قمر رعینی کے شعر عقیدت کی تحسین کا حق ادا نہیں ہو سکا ہے۔ میری سخن فہمی کی محدود صلاحیت اور علمی کم مائیگی بھی تفصیلی مطالعہ کرنے اور اشعار کے قلوب میں جھانکنے سے مجھے روکتی ہے۔ بہر حال میری دعا ہے علامہ قمر رعینی یوں ہی حمد و نعت کے چمن کو سیراب کرتے رہیں اور ہم اُن کے شعری نگار خانے میں بجی احساس کی ہر لطیف تصویر کو حیرت و استعجاب سے دیکھتے رہیں۔ (آمین)

جناب قمر رعینی کا وضاحتی خط عزیز احسن کے نام:

محترم جناب عزیز احسن صاحب!

آپ نے میری کتاب ''ولائے رسول'' کا ناقدانہ جائزہ لیتے ہوئے جن چند اُمور کی نشان دہی کی ہے مَیں اُن کی وضاحت سے پہلے آپ کی ژرف نگاہی اور دیانت دارانہ تنقید کی قدر بھی کرتا ہوں اور داد بھی دیتا ہوں۔ آپ بفضلہٖ تعالیٰ کسی بھی تخلیق کا جائزہ لیتے ہوئے یہ نہیں دیکھتے کہ کون کہہ رہا ہے بلکہ یہ دیکھتے ہیں کیا کہا گیا ہے اور کس طرح کہا گیا ہے، یعنی کہنے کا حق ادا ہوا ہے یا نہیں۔ مجھے آپ کی یہ ادا بھی پسند ہے کہ آپ ان لوگوں میں نہیں جو خود شیشے کے گھر میں بیٹھ کر دوسروں پر سنگ زنی کرتے ہیں۔ بلکہ آپ وہ ہیں کہ اپنے اوپر کی جانے والی مخالفت یا تنقید کو فراخ دلی سے برداشت کرتے ہیں اور اگر قابلِ قبول ہو تو بے جا ضد نہیں کرتے۔ **اللّٰھم زد فزد۔**

اب مَیں کچھ وضاحت کرنا چاہتا ہوں:

(۱) جہاں تک لفظ حذف کے تلفظ پر آپ کی گرفت کی بات ہے مَیں تسلیم کرتا ہوں کہ از روئے لغت یہ بفتح دوم غلط ہے اور یہ بات اس لیے بھی میرے علم میں ہے کہ مَیں خود رسالہ ''فیض الاسلام'' میں دو تین سال قبل تک صحیح تلفظ کے عنوان سے مضمون لکھتا رہا ہوں اور مجھے یہ معلوم ہے کہ صحیح تلفظ بہ سکون دوم ہے لفظ حذف بروزن شرف نہیں ہے۔ یہ جانتے ہوئے بھی مَیں نے لفظ حذف کو حذف بفتح ذال معجمہ لکھا، آپ پوچھیں گے کیوں تو میں میرؔ کے بقول یہ نہیں کہوں گا کہ:

ع مستند ہے میرا فرمایا ہوا

حاشا وکلاّ ایسا نہیں بس یہ ہے کہ مَیں نے عوامی بول چال اور روز مرہ کا چلن پیش نظر رکھتے ہوئے لکھ دیا اور بس اس کے باوجود یہ کہوں گا کہ از روئے لغت یہ غلط ہے۔

ایک بات تو بتایئے صبح سے شام تک آپ لغت بولتے ہیں یا عوامی زبان؟ یہ اندازاً کیا شے ہے، گھڑی ساز، تانگہ بان، سمجھدار وغیرہ یہ سب کیا ہیں؟ کیا یہ ازروے لغت درست ہیں؟

عزیز احسن آپ نے مجھ غریب کو تو پکڑ لیا سعدی اور ناصر خسرو کو کیوں نہیں پکڑا جنھوں نے عفو کو عفو بروزن فعل لکھا ملاحظہ فرمائے۔

عفو کردم از وے عمل ہائے زشت
بہ عقلِ خودش آورم در بہشت
(سعدی)

اگر سہوے بود، دروے عفو کن
دریدۂ پردۂ کارم رفو کن
(ناصر خسرو)

عرفی نے مرسول لکھا، کس نے پکڑا۔

قضا بہ حاکم دانش نوشتہ مصلحتے
فلک نہ دید کہ مرسول اوچہ مضمون است
(عرفی)

نظامی اور دیگر مستند شعرا نے نیت، محویت، کیفیت کو غیر مشدد نظم کیا جو صریحاً غلط ہے۔

پنا ہندہ را یاد کرداز نخست
نیت کرد برکا مگاری درست
کیست آئینہ کہ باحیرت من چہرہ شود
ہمہ تن محویت عربدہ سازم کردند
مے کو زدست ساقی مشکیں کلالہ نیست
در صد سبوش کیفیت یک پیالہ نیست

غرض کہاں تک لکھا جائے۔ فارسی والوں نے خصوصاً ایران نے کافر اور آخر کو بہ کسر سوم کی بجائے بفتح سوم کافر۔ آخر لکھا اور اس کی تقلید میں اردو کے جید شعرا نے بھی لکھا۔ کیا یہ تحریف درست ہے؟

(۲) آپ نے لکھا کہ غرور کے معنی (صرف) تکبر اور گھمنڈ کے ہیں جب کہ نوراللغات اور فرہنگ آصفیہ وغیرہ میں اس کے معنی ناز اور فخر کرنے کے بھی لکھے ہیں اور پھر یہی کہوں گا کہ کیا ہمیں معقول تصرفات کا حق نہیں؟ لکیر کے فقیر ہونے کی بجائے میں آپ جیسے صاحبِ نظر سے توقع رکھتا ہوں کہ نفس

مفہوم اور جذبہ نہفتہ کو دیکھیے۔ مَیں کہنا یہ چاہتا ہوں کہ اے اللہ کے رسول ﷺ آپ کا لباسِ بشریت میں تشریف لانا تمام عالمِ انسانیت کے لیے باعثِ فخر وناز ہے۔ اور اب شعر دیکھیے۔

انسان سربلند ہوا آپ کے طفیل
انسانیت کا فخر و غرور آپ ہی تو ہیں

میری بات کی تقویت کے لیے سیّد عابد علی عابد کا شعر دیکھیے۔

اسی کے در کا ہوں بندہ اسی کے در کا گدا
مرے غرور کا ساماں محمد عربی

کہیے اب کیا خیال ہے؟ اور ہاں یہ بھی بتایئے کہ عربی میں اجابت کے کیا معنی ہیں اور ہمارے یہاں اطبا اور عام لوگ کن معنوں میں استعمال کرتے ہیں، کیا یہ درست ہے؟

(۳) ع یہ اُن کا کرم نہیں تو اور کیا ہے اس میں لفظ "اور" زیادہ ہے اور سہو کتابت ہے۔ جس کا آپ نے خود بھی اعتراف کیا ہے۔ دراصل مَیں نے ممکنہ حد تک کتابوں میں ہاتھ سے درست کر دیا تھا پھر بھی کچھ ایسی کتابیں تقسیم ہوگئیں، جن میں یہ سہو کتابت موجود تھی۔

(۴) موسیٰ اللہ کے جلوؤں کے تمنائی تھے
ان کے دیدار کا اللہ تمنائی ہے

اس شعر پر آپ کا اعتراض درست تسلیم کرتا ہوں ان شاءاللہ بتوفیق ایزدی اس پر نظر ثانی کروں گا۔

آخری گزارش یہ ہے کہ مَیں نے ولائے رسول ﷺ اور دوسری تمام تالیفی و تخلیقی کتابوں میں یہ لکھا ہے کہ میرے کلام کو کلامِ بشر سمجھا جائے۔

یعنی جس میں ہر قدم پر تنقید و اصلاح کی گنجائش موجود ہے۔ مَیں تو اس بات پر پختہ یقین رکھتا ہوں کہ انسان مہد سے لحد تک سیکھنے کے ہی عمل سے گزرتا ہے۔ والسلام

☆

سیّد مرغوب اشرف۔ بھارت

فیاض ٹانڈوی کی نعتیہ شاعری

وصف شاہِ ہدیٰ لکھے جاؤں　　مدحتِ مصطفیٰ لکھے جاؤں
آخری سانس تک مَیں یااللہ　　نعتِ خیرالوریٰ لکھے جاؤں

☆

گلشنِ اُمتِ محمد کا　　ایک ادنیٰ سا پھول لکھ دینا
مَیں مروں تو میرے کفن پر بھی　　شعرِ نعتِ رسول لکھ دینا

ان اشعار میں عشقِ رسول ﷺ اور محبتِ نبی ﷺ کی سوزشِ دروں اور زندگی کے ہر پل کو نبی کی یاد میں غرق کردینے کی تڑپ کوئی بھی محسوس کرسکتا ہے۔ آخری سانس تک شانِ رسول ﷺ کی مدح سرائی اور اوصافِ نبوی کے سایۂ استحضار میں جینا شاعر کی محبت کی کائنات ہے۔ یہ شاعر فیاض ٹانڈوی ہیں۔ فیاض ٹانڈوی نے مشقِ سخن کے اوّلیں دور میں مختلف اصنافِ سخن میں طبع آزمائی کی اور اپنی فکری بلندی اور کمالِ ابلاغ سے ایک مقتدر سرمایہ تخلیق کیا۔ لیکن یہی شاعر ایک روح آفریں انقلاب سے گزرتا ہے۔ اب اس کے لیے غزلیں، نظمیں اور گیت جن سے اس نے خراجِ تحسین وصول کیا تھا مانندِ خزف ہوجاتے ہیں اور پھر وہ عشقِ نبی کی پاکیزہ سوزش میں تپ کر اس شمعِ ذات کہ جس کی اتباع اور محبت کو اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت کے لیے لازم قرار دے دیا ہے، کے نورانی پرتو میں بیٹھ کر عقیدت و وارفتگی کے گوہر پاروں کی لڑیوں پر لڑیاں آخری سانس تک تخلیق کرنے کے عمل میں گم ہے۔

فیاض ٹانڈوی کے یہاں جذبۂ دُروں ان کے علوئے فکر اور ندرتِ اظہار کی کشتی پر بیٹھ کر دریائے عشق کی وسعتوں، گہرائیوں اور پہنائیوں میں مسلسل رواں ہے، سرگرم سفر ہے۔ ایک ایسا سفر جو عاشقِ رسول ﷺ کے لیے ہر شعری قدم ایک نئے قدم کی طرف اُکساتا ہے۔ یہی شعری سفر فیاض ٹانڈوی کا مقصدِ حیات ہے اور ان کا ہر شعری قدم فکر و تخلیق کی خوراک ہے۔

نبی کے نام کو ہر وقت وِرد میں رکھیے
یہ وردِ خاص ہی معراج ہے زباں کے لیے
نعتِ شہِ کونین کے اشعار کہے جا
فیاضؔ ترے ذوق کی معراج یہی ہے

فیاضؔ ٹانڈوی کے کلام میں شکوہِ الفاظ، سلاستِ اظہار وندرتِ تراکیب ہاتھ باندھے کھڑے رہتے ہیں اور کلام کی غنائیت قاری کو مسحور کر دیتی ہے۔ ملاحظہ ہو ان کی ایک نعت کے کچھ اشعار ۔

تمھیں قاسمِ جامِ تسنیم و کوثر، حبیبِ خدا، شافعِ روزِ محشر
ہے تنزیلِ قرآں کا اکرام تم پر سلامٌ علیکم سلامٌ علیکم
ہے واللیل سے زلفِ اقدس معطر، منور ہے والشمس سے روئے انور
شفیع الامم کا حسیں تاج سر پر سلامٌ علیکم سلامٌ علیکم
جمیل اور اجمل، حسین اور احسن، کریم اور اکرم، نذیر اور شاہد
محمد مقدس، معطر، مطہر سلامٌ علیکم سلامٌ علیکم
مراتب ہیں فہمِ بشر سے فزوں تر، ملی ہے کتابِ مبین و منور
ہیں روح الامیں آپ کے خادمِ در سلامٌ علیکم سلامٌ علیکم

(سلامٌ علیکم سلامٌ علیکم، ص۳۲)

نعت کے موضوعات جو شعرا کے تخیل کو بار آور کرتے ہیں۔ ان میں اوصافِ نبی ﷺ، عشقِ نبی ﷺ، شانِ مدینہ، طلبِ دیدِ مدینہ و روضۂ انور، ولادتِ مسعود اور صلوٰۃ و سلام کا ذکرِ جمیل ہے۔ انھیں موضوعات کے ساتھ جب تک عشقِ نبی کی تڑپ اُن میں شامل نہ ہوگی، گہرہائے آب دار کی تخلیق مشکل ہے۔ فیاض ٹانڈوی حبِ نبی میں پورے پورے ڈوبے ہوئے ہیں۔ جہاں انھوں نے نعتیں چھوٹی بحر میں سلاست و فصاحت اور سادگی اظہار میں ''شعاع ریز نگینوں کو خیرہ کرتی ہوئی'' لکھی ہیں۔ وہیں بڑی بحر میں بے حد بلیغ الفاظ، خوب صورت تراکیب، اظہار میں ندرت طرازی کے ساتھ، خوب صورت آہنگ میں جیسے کسی بربط سے پُر کیف موسیقی کی پھوار برس رہی ہو، خوب لکھی ہیں۔ چھوٹی بحر کی دو نعتوں کے کچھ اشعار پڑھیے اور وجد و کیف سے اپنے ذوق کو سرشار کیجیے:

محمد کا ہے وہ مقام اللہ اللہ | خدا بھیجتا ہے سلام اللہ اللہ
محمد کی یہ شانِ رفعت تو دیکھو | کہ ہے چرخ بھی زیرگام اللہ اللہ
محمد محمد محمد | ہے سب کی زباں پر یہ نام اللہ اللہ

تمام انبیا مثلِ نجمِ درخشاں محمد ہیں ماہِ تمام اللہ اللہ

(صل علیٰ کے پھول، ص ۱۳۶)

وجہِ وجود دوجہاں کون؟ حبیب کبریا حاصلِ امرِ کن فکاں کون؟ حبیب کبریا
نورِ نگاہ اِنس و جاں کون؟ حبیب کبریا چشم فروزِ قدسیاں کون؟ حبیب کبریا
اوج فزاے خاکداں حسن نجومِ ضوفشاں فخرِ زمیں و آسماں کون؟ حبیب کبریا
منعمِ نعمتِ شہی، معطیِٔ علم و آگہی قاسمِ کوثر و جناں کون؟ حبیب کبریا

(صلی علیٰ نبینا، ص ۸۰)

اوسط بحر کی ایک نعت کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں اور حسن کلام محاسن شعری اور بلاغت کی بہار سے اپنے وجدان کو نور بخشیں:

تُو ہے میہمانِ خدا تو مکینِ لامکاں ہے
تری ذات مظہرِ حق تو محیطِ کل جہاں ہے
تُو کلیم کا تکلم تو مسیح کی بشارت
تُو خلیل کی تمنا تو دعاے مرسلاں ہے
تُو کریم تُو مکرم تُو بشیر تُو مبشر
تُو نذیر اور شاہد تُو رؤف و مہرباں ہے
چلو ہم بھی چل کے دیکھیں درِ سرورِ دوعالم
وہی عاشقوں کا کعبہ، وہی عرشِ عارفاں ہے

(صل علیٰ نبینا، ص ۱۰۳)

اب لمبی بحر کی چند نعتوں سے کچھ اشعار ملاحظہ فرمائیے۔ کلام کی غنائیت، سحر، رعنائی اور فنی ضیاباری سے دل کو روشن کیجیے:

وہ حبیبِ ربِّ جلیل ہیں کوئی اُن سا فخرِ زماں نہیں
کہ علاوہ ان کے کسی میں بھی یہ علوے عظمت و شاں نہیں
سرِ ارتفاعِ فلک نہیں کہ دُرونِ بابِ جناں نہیں
رُخِ مصطفیٰ کی تجلیاں ذرا دیکھیے تو کہاں نہیں
وہ خدا کا نور ہیں باخدا، فقط آسماں و زمین کیا
ہو فرازِ عرش کہ لامکاں، وہ کہاں پہ جلوہ فشاں نہیں

(سلام علیکم سلام علیکم، ص ۴۵)

زر و مال، ناز و نعم ملے کہ ہزار دام و درم ملے
وہ ہے بد نصیب حقیقتاً نہ جسے حضور کا غم ملے
نہ بہارِ خلد کی آرزو، نہ ہوس کہ باغ ارم ملے
مَیں اسی عطا پہ ہوں مطمئن جو مجھے دیارِ حرم ملے
کوئی کس طرح سے سمجھ سکے شہِ انبیا کے مقام کو
کہ جہاں گزر نہ خرد کا ہو وہاں ان کے نقشِ قدم ملے
مرے مصطفیٰ نے عطا کیا وہ کمال، ذوقِ حیات کو
کہ یہ انجم و مہ و کہکشاں بھی بشر کے زیرِ قدم ملے

(صل علیٰ نبینا، ص۱۰۴)

فیاض ٹانڈوی نے نعت کے اظہار میں بہت تجربے کیے ہیں۔ کہیں پہلا مصرع ''السلام'' سے شروع ہوتا ہے تو دوسرا مصرع درود سے شروع ہوتا ہے (صلی علی نبینا، ص۶۳) تو کہیں پوری نعت ہی مرصع ہائے مطلع ہے اور اس پر مستزاد یہ کہ نعت کا ہر مصرع ''محمد مصطفیٰ'' سے شروع ہوتا ہے (صل علیٰ نبینا، ص۹۳) تو کسی نعت میں ہر مصرع ''سلام اُس پر'' سے شروع ہوتا ہے (صل علیٰ کے پھول، ص۹۹)۔ یہ نعتیں اپنی شعری خوبیوں کے جگمگاتے نگینوں کی شعاع ریزی سے دلوں کو نور سے بھر دیتی ہیں۔ ملاحظہ کیجیے ذیل میں ایک نعت شریف میں ہر مصرع ''محمد'' سے شروع ہوتا ہے۔ نعت کا ایک ایک شعر مشعلِ تابندہ ہے جو اپنے شعری نور اور ندرتِ اظہار فصاحت سے وجدان کو جلا بخشتا ہے:

محمد مطاعِ دل انس و جاں ہیں — محمد مکینِ مکاں لامکاں ہیں
محمد مقدس، معطر، مطہر — محمد مصفا مجلیٰ عیاں ہیں
محمد نے بخشا ہمیں نور ایماں — محمد یقیں، ماحیٔ ہر گماں ہیں
محمد سے ہے بزمِ ہستی منور — محمد ہی قندیلِ کون و مکاں ہیں

(صلی علیٰ نبینا، ص۸۲)

فیاض ٹانڈوی کو سراپاے رسولِ مقبول ﷺ کے بیان سے عشق ہے۔ اپنی مختلف نعتوں میں انھوں نے اعضاے پاک رسول ﷺ سے اپنے تخیل و وجدان کو جلا بخشی ہے۔ قرآنی الفاظ کی تلمیحات سے انھوں نے اس ذکرِ پاک کے وقار کو اپنے ادراک کا حصہ بنایا ہے۔ اس طرح کی نعتوں کا ایک نمونہ ملاحظہ فرمائیں۔ علوئے بیان، برجستگیٔ اظہار، روشن تلمیحات سے مزین یہ نعت دل کش وادیوں میں بہتے ہوئے ایک چشمے کے مانند ہے۔

تُو آفتابِ والضحیٰ، اکنافِ عالم کی ضیا
محبوبِ رب شاہِ ہدیٰ، صل علیٰ صل علیٰ
تُو صاحبِ معراج ہے، قرآن تیرا تاج ہے
والفجر جامہ ہے ترا، طٰہٰ عمامہ ہے ترا
واللیل گیسوئے حسیں، والشمس ہے روئے حسیں
والنجم دنداں کی ضیا، صل علیٰ صل علیٰ
عارض ترے صبحِ ازل، آنکھیں چراغِ لم یزل
ابرو ہلالِ عید ہے، حق کی حسیں تائید ہے
پلکیں دریچے نور کے، جلوے دکھائیں طور کے
ہے ریش رحمت کی گھٹا، صل علیٰ صل علیٰ

(صل علیٰ نبینا، ص۱۰۴)

مدینہ شہرِ آرزوئے عاشقانِ رسول ہے، یہیں پر انھیں جلوۂ رسول میں آپ کے لطف عمیم سے معرفت کے بحرِ تجلیٰ ناپیدا کنار سے کنارہ حاصل ہوتا ہے۔ یہیں پر پیارے رسول ﷺ کی محبت کے صلہ میں عرفانِ الٰہی کے دریچے کھلتے ہیں۔ دیدار و حضوریِ روضۂ اقدس عام مسلمانوں کی بھی معراج ہے۔ یہیں پر انھیں نبی سے قریب ہونے کا احساسِ جمیل ہوتا ہے کہ مسجدِ نبوی میں آپ کے شب و روز گزرتے تھے اور اس کا ایک ایک چپہ دیدارِ نبی کا گواہ ہے اور ان چپوں کی بوسہ کنانی ہر اُمتی کی معراج ہے۔ اس لیے مدینہ منورہ کی تابانی، اس کے چپے چپے کی جلوہ سامانی، روضۂ اقدس پر صلوٰۃ و سلام کے وردِ والہانہ پر نعت گو شعرا نے اپنی عقیدت کے خوب خوب نگینے تراشے ہیں۔ فیاض ٹانڈوی نے بھی مدینہ کی شان میں آب دار نگینوں کی لڑیاں تخلیق کی ہیں۔ ملاحظہ ہو ایسی ایک نعت کے چند اشعار:

"نبی کے شہر" میں ایسی بھی اک گلی دیکھی ۔۔۔ فرازِ عرشِ مُعلّٰی سے جو ملی دیکھی
وہاں تو بارشِ انوارِ سرمدی دیکھی ۔۔۔ فضائے تیرہ شبی اور نہ تیرگی دیکھی
وہاں پہ بٹتے ہوئے ہم نے خلد بھی دیکھی ۔۔۔ عجب ہے قاسمِ نعمت کا آستاں فیاض

(صل علیٰ نبینا، ص۱۳۸)

مدینہ پہ فیاض ٹانڈوی کی ایک دوسری نعت ملاحظہ فرمائیں۔ شعری حسن، صنائع بدائع سے فروزاں اس نعت سے سرورِ سرمدی حاصل کیجیے:

ارضِ طیبہ کیوں نہ ٹھہرے اک خزانہ نور کا
اُس زمینِ پاک نے چوما ہے تلوا نور کا
ان کا کوئے ناز ہے یا کوئی دریا نور کا
موجزن رہتا ہے ہر پل ایک دھارا نور کا
نور گلیاں، نور میداں، ذرّہ ذرّہ نور کا
چپہ چپہ نور کا ہے، گوشہ گوشہ نور کا
نور کے گلشن میں ہے اک ایک پودا نور کا
نور کا گل، نور غنچہ، پتہ پتہ نور کا

مدینہ کی شان میں دو متفرق اشعار بھی ملاحظہ فرمائیے:

سب کو پہنچاتی ہے قربِ رب کی منزل تک یہی
اے دیارِ مصطفےٰ تیری گلی بھی خوب ہے
چلو ہم بھی چل کے دیکھیں درِ سرورِ دو عالم
وہی عاشقوں کا کعبہ، وہی عرشِ عارفاں ہے

(سلام علیکم سلامٌ علیکم، ص ۵۹)

نبی ﷺ کا ورودِ مسعود، ایک نبی آخرالزماں ﷺ کا ورود، ایک امام الانبیا کا ورود، ایک رحمۃ للعالمیں کا ورود ہے جو اس عالم میں ابد تک منبعِ ہدایت و رحمت رہیں گے۔ اس ساعتِ سعید کی یاد سے، اس پر فکر کرنے سے دل کو جلا ملتی ہے۔ قلب کی کثافت دھلتی ہے۔ نعت گو شعرا نے اس ساعت سعید کا ذکر خوب خوب کیا ہے۔ فیاض ٹانڈوی نے مختلف نعتوں میں اس ساعت مقدس کی خوب روشنی کی ہے۔ جو اپنے حسن اظہار و پرکاری ابلاغ سے دلوں کو روشنی سے بھر دیتی ہیں۔ اس ضمن کی ایک نعت ملاحظہ فرمائیے جو ایک طرب انگیز Symphony کی طرح ہے۔ جس کا ہر شعر موسیقی کی ایک لہر ہے۔ ان لہروں کا امتزاج سُرور و کیف میں ڈبو دیتا ہے۔ آخری شعر اس Symphony کا نقطۂ عروج ہے کہ اس کا بلند آہنگ سُرور کی دنیا سے سننے والے کو واپس لاتا ہے کہ وہ تاج دارِ کونین ﷺ کی تعظیم کے لیے کھڑے ہو جائیں۔

زمین پہ آج آمدِ رسولِ ذی وقار ہے
فضائے دہر مظہرِ نشاطِ صد ہزار ہے
لٹائے ابر نے گہر، طرب میں جھوم اُٹھے شجر
درود پڑھ رہے ہیں گل، نسیم مشک بار ہے
ہیں طائروں کی ٹولیاں چمن میں وقفِ زمزمہ
"سلام اے شہِ زماں، سبھی کی یہ پکار ہے
طرب فزا ہوا چلی، کلی دلوں کی کھل گئی
"ہے عیدِ آمدِ نبی" حیات نغمہ بار ہے
طلوع ہوگا جس جگہ وہ آفتابِ والضحیٰ
وہی تو رشکِ صد جناں حرم کا یہ دیار ہے
اُٹھو سلام کے لیے وہ تاج دار آگئے
زمانہ جن پہ ہے فدا، خدائی بھی نثار ہے

(سلام علیکم سلام علیکم، ص ۵۹)

دوسرے نعت گو شاعر کی طرح فیاض ٹانڈوی نے اپنے گل ہائے عقیدت و وارفتگی کا نذرانہ سلام کی شکل میں مختلف نعتوں میں نبی ﷺ کے حضور میں پیش کیا ہے۔ یہ ساری سلامیہ نعتیں حسن شاعری سے خوب

مزین ہیں۔ فیاض ٹانڈوی نے نعتیہ نظمیں بھی لکھی ہیں جو اپنے حسن و دل کشی میں ممتاز ہیں۔ ان کی روانی، ان کا Rhythm خوب صورت الفاظ کے آبشار کے مانند ہیں جو قاری کو ایک کیف زا دنیا میں لے جاتے ہیں۔ ملاحظہ ہو ایک سلامیہ نظم کے کچھ بند:

السلام اے مطلعِ انوارِ ایمانی سلام
السلام اے مظہرِ تقدیسِ انسانی سلام
السلام اے مہبطِ آیاتِ قرآنی سلام
السلام اے مہمانِ عرشِ ربانی سلام
السلام اے سیّد و سردار و سرور السلام
السلام اے طاہر و اطہر مطہر السلام

السلام اے نوعِ انساں کی نجاتِ دائمی
السلام اے صاحبِ حسن حیاتِ دائمی
السلام اے ذاتِ پائندہ ثباتِ دائمی
السلام اے روحِ ایماں، کائناتِ دائمی
السلام اے سیّد و سردار و سرور السلام
السلام اے طاہر و اطہر مطہر السلام

اے کہ تیرے زیرِ پا ہیں نجم و اختر السلام
اے کہ تیرا حسن رشکِ ماہ و نیر السلام
اے کہ تیری ذات، ذاتِ رب کی مظہر السلام
اے کہ تو بعد از ہر اک سے برتر السلام
السلام اے سیّد و سردار و سرور السلام
السلام اے طاہر و اطہر مطہر السلام

(سلام علیکم سلام علیکم، ص ۵۹)

فیاض ٹانڈوی کی نعتیہ نظم ''مصطفےٰ ماجاء الا رحمۃ للعالمین'' بھی نبی ﷺ کے حضور میں ایک بے حد حسین نذرانۂ عقیدت ہے جس کی فصاحت، روانی برجستگی، صنائع کی تکثیر اور دل کشی ایک وجد آگیں فضا بناتی ہے۔

زینت بزم دو عالم محورِ دنیا و دیں
ساقیِ تسنیم • کوثر، مقتدائے مرسلیں

فرش کے عزت فزا اور عشق کے مسند نشیں
حاملِ وحیِ الٰہی، مہبطِ روح الامیں
سارے عالم میں کوئی بھی آپ کا ہم سر نہیں
مصطفٰے ماجاء الا رحمۃ للعالمیں

پیکرِ خلق و مروّت، مظہرِ اعلیٰ صفات
دانش و حکمت کا سرچشمہ، دوعالم کی نجات
نازشِ کون و مکاں، محبوبِ خالق ان کی ذات
تابعِ احکام تھے فیاضؔ جن کے شش جہات
جھک گئی تھی جن کے آگے رفعتِ عرش بریں
مصطفٰے ماجاء الا رحمۃ للعالمیں

فیاضؔ ٹانڈوی نے حمدِ باری تعالیٰ بھی لکھی ہیں۔نعتوں کے مقابلے میں اُن کی تعداد بہت کم ہے۔ اُن کی حمد یہ نظمیں ایک رواں جھرنے کے مانند ہیں۔ایک مسحور کن روانی، آبشارِ الفاظ کی ایک طرب آگیں موسیقی قاری کو ایک سحر آگیں دنیا میں لے جاتی ہے جہاں استعجاب وستائش کی ''واہ'' گونجتی ہے۔ملاحظہ ہو:

خداوندِ دوعالم ہے یہ بزمِ کن فکاں تیری
تُو ہی ہر شے کا مالک ہے، ہر اک شے ہے یہاں تیری
فلک تیرا، یہ بالائے فلک آبادیاں تیری
یہ مہر و ماہ بھی تیرے، قطارِ کہکشاں تیری
ہوا تیری، گھٹا تیری، برستے مینھ بھی تیرے
یہ سب دریا ترے، ماہی تری، مرغابیاں تیری
یہ دل کش آبشاروں کے مدھر نغمے بھی تیرے ہیں
یہ جوئبار اور اس کی ترنم ریزیاں تیری

(صل علیٰ کے پھول، ص۱۴)

روانی نہر کو، دریا کو سیرابی بھی تو نے دی
حسیں جھیلوں کو ماہی اور مرغابی بھی تو نے دی
زمیں کو بے کراں وسعت، فلک کو کی عطا رفعت
ستاروں کو یہ شب، شب بھر کی بے خوابی بھی تو نے دی

سمندر آبشار و کوہ و وادی سب عطا تیری!
تمازت بخت ریگستاں کو بے آبی بھی تو نے دی
فرشتوں کو نوازا اوجِ معصومی کی نعمت سے
بشر کو خوئے تسلیمات و آدابی بھی تو نے دی
کسی خود سر کو غرقِ نیل بھی تو نے کیا یارب
کسی کے واسطے اس میں ہی پایابی بھی تو نے دی

(صل علیٰ نبینا، ص۳۲)

اتمِ حبِ نبی ﷺ فیاض ٹانڈوی کے لیے نعمت پروردگار اور عطائے ربّ کریم ہے اور ان کا یہی عشقِ رسول ﷺ پیہم نعتوں میں ڈھلتا رہتا ہے۔ فرماتے ہیں:

نہ کیوں ہو شعر میں حبِ نبی کی تابانی
چراغِ عشق سے جب فکرِ تام روشن ہے
سخن کے اور بھی اصناف ہیں ادب میں مگر
مقامِ نعتِ رسولِ انام روشن ہے

فیاض ٹانڈوی دوسروں کو بھی عشقِ نبی ﷺ میں ڈوب جانے کا پیغام دیتے ہیں۔ کاش ان کا یہ پیغام لوگوں کے دلوں میں بیٹھ جائے۔

بس متاعِ اُخروی اے صاحبِ ادراک چُن
ساری نعمت چھوڑ، کوئے مصطفےٰ کی خاک چُن
کوئی تجھ کو دے اگر نعمت بھی ہفت افلاک کی
اس کو ٹھوکر مار دے، ارضِ شہِ لولاک چُن
نکہت حبِ نبی سے زندگی سرشار کر
تو بھی پھولوں کی طرح سے دامنِ صد چاک چُن

(صل علیٰ نبینا، ص۸۹)

اب ایک اور حمد ملاحظہ فرمایئے جس کا بلند آہنگ اور صنائع کی تزئین کس قدر پُرکشش ہے:

انعقادِ محفلِ ارض و سما تیری عطا
یہ وجودِ دوجہاں میرے خدا تیری عطا
صبح کے عارض پہ غازہ نور کا تیری عطا
شام کی یہ ملگجی میلی ردا تیری عطا

فرش کے نقش و نگارِ خوش نما تیری عطا　　یہ روپہلی دھوپ یہ کالی گھٹا تیری عطا

نو بہ نو مصنوع و ایجاداتِ تازہ کی قسم　　یہ کمالاتِ بشر کا سلسلہ تیری عطا

ہاتھ پھیلائے نہ کیوں فیاضؔ تیرے سامنے
معطیٔ کل! سب سے بہتر ہے عطا تیری عطا

گوشۂ آفتاب کُریمی

پروفیسر انوار احمد زئی

آفتاب کریمی کی نعت گوئی

شاعری سلیقے سے مشروط وصف کا نام ہے، مگر حمد و نعت کی شاعری خوش سلیقگی کے ساتھ عقیدے کی پختگی کی متقاضی بھی ہوتی ہے اور عقیدہ، فکر کے صیقل ہونے اور ذات کے طاہر ہو جانے سے عبارت ہے۔ اسی لیے بہاریہ شاعری کو غیب سے خیال میں آنے والے مضامین سے تعبیر کیا جائے تو حمدیہ اور نعتیہ شاعری عالمِ غیب سے خیال کے پردے اُٹھ جانے کے مترادف ہے۔ یہی سبب ہے کہ موزوں طبع ہر شخص نعت کہنے کی کوشش کرتا ہے، مگر جو شاعر حمدیہ اور نعتیہ شاعری ہی کو، اپنا حوالہ بنا لے وہ منصبِ فیضِ بے کراں پر متمکن ہوتا ہے، اس کا بہ یک وقت رشتۂ خیال، خالصتاً آمد کی کیفیت شامل کر لیتا ہے۔ تاہم اس منزل کے لیے محض تقلید اور تتبع کافی نہیں اخلاقی اور وارداتِ قلبی کی ضرورت ناگزیر ہوتی ہے۔

آفتاب کریمی صاحب کی تین کتابوں کے ہر شعر سے گزر جانے کے بعد مجھے ان پر اس لیے پیار بھی آتا ہے اور رشک بھی ہوتا ہے کہ انھوں نے اپنے دل کے دریچوں کے تمام طاقوں میں عشق کے ایسے سچے منور، تاب ناک، جھلملا کر کے دیے روشن کیے ہیں کہ اُن کے نور سے آگہی، ادراک، فہم اور ایمان کی کرنیں از کراں تا کراں پھوٹتی اور پھیلتی محسوس ہوتی ہیں۔

ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

اور اُس سعادت کے بخشے جانے کی دلیل یہ ہے کہ آفتاب کریمی تو تھے اور کلّے ٹھلے کے بہاریہ شاعر ہوا کرتے تھے۔ مگر مقبولیت کے عین عالم شباب میں اس دشت کو چھوڑ کر جس طرف آ نکلے وہ صحرا اُن کے لیے چمن زار ہو گیا۔ انھوں نے خود اپنی کتاب ''قوسین'' میں اس مشاعرے کا ذکر کیا ہے جو اُن کی بہاریہ شاعری کا آخری مشاعرہ تھا اور اس میں انھوں نے جو غزل پڑھی تھی وہ موجود نام ور شعرا کی جانب سے سندِ پذیرائی حاصل کر چکی تھی۔ اس میں کلام اس لیے بھی نہیں ہو سکتا کہ وہ اشعار تھے ہی ایسے۔ ان کے سفر کی منزلیں دیکھنے ہی کے لیے سہی، ذرا ان چند شعروں کا مطالعہ ہو جائے:

جن کے دل دریچوں میں دھڑکنیں نہیں ہوتی
ان کے چہرے جیسے ہوں رونقیں نہیں ہوتیں
چاہتوں کے پردے میں نفرتیں تو ممکن ہیں
نفرتوں کے دامن میں چاہتیں نہیں ہوتیں
فن کسی کا اونچا ہے، قد کسی کا اونچا ہے
قامتوں کا پیمانہ، قامتیں نہیں ہوتیں
موسموں کی رُت بدلے یا ہوا کا رُخ بدلے
بادلوں کے اوپر تو بارشیں نہیں ہوتیں

ان چار اشعار سے ہر ایک کا مصرعۂ ثانی کلیے کا درجہ رکھتا ہے اور اشعار میں چار کلیے بیان کر دینا بلکہ تخلیق کر لینا ایک پختہ کار، مشاق، صاحبِ اسلوب اور صاحبِ ندرت شاعر ہونے کی دلیل نہیں تو کیا ہے؟ مگر یہ دشتِ عشق ہے، اس میں پڑاؤ نہیں آتا، جب منظر نامہ بدلتا ہے تو نہ ناقہ رہتا ہے، نہ محمل، نہ قیس، نہ لیلےٰ حد تو یہ ہے کہ صحرا بھی صحرا نہیں رہتا وہاں بھی زم زم کے سوتے پھوٹ پڑتے ہیں اور پھر یہ سفرِ شوق، زادِ راہِ عشق کے ساتھ جہاں ٹھہرتا ہے وہ عقیدت اور ایمان کی منزل کہلاتی ہے اور یہ منزل آفتاب کریمی جیسوں کا مقدر بن جاتی ہے۔

رہ گزارِ شوق میں کیا دشت و دریا دیکھنا
عشق کا احرام باندھا ہے تو پھر کیا دیکھنا

اس امتحان کی منزل سے گزر کر وہ جس مقام پر پہنچتے ہیں اُسی کا نام حمد و نعت کی شاعری کی منزل ہے اور بقول ان ہی کے بہار یہ شاعری کی مقبولیت کو ان کا جو دوست شیطان کی چال بتا کر انھیں اس کوچہ رسوائی سے کامران، بامراد لے کر نکل آتا ہے اس کا نام ہی اس کا حوالہ ہے یعنی صبیح رحمانی۔ جو خود سجانے والا صاحبِ طرز و نظر شاعر جس نے، دنیائے نعت گوئی اور نعت خوانی میں اپنی الگ جگہ بنائی ہے۔ اسی صبیح رحمانی کے گرد جن نابغۂ روزگار شخصیات سے ہالا بنایا ہے ان سب ہی کو درجۂ اعتبار حاصل ہے اور ان ہی میں سے ایک نام آفتاب کریمی کا ہے۔

میں جناب آفتاب کریمی سے ملا تو صبیح رحمانی کے توسط سے، مگر میں نے ان کی تینوں کتابیں پڑھ ڈالیں تو کئی اور حوالے مجھے ان کے قریب لے آئے۔ ان کا سن پیدائش وہی ہے، جو میرا ہے اور ان کے پیر و مرشد بھی وہ ہیں جن کی مَیں نے جوتیاں سیدھی کرنے کی سعی کی ہے۔ مجھے حضرت قبلہ سیّدنا پیر طاہر علاؤالدین رحمۃ اللہ علیہ کی قدم بوسی کی کئی بار سعادت نصیب ہوئی۔ ڈیفنس میں ان کے آستانے پر بھی اور

حیدرآباد جاتے ہوئے بارہا کوٹری کے مقام پر اُن کے لیے ریل گاڑی میں مخصوص کوچ میں بھی۔ بھائی غلام عباس قادری مرحوم اور ایچ آر احمد بک ڈپو حیدرآباد کے مالک میرے ساتھ رہا کرتے تھے یا میں ان لوگوں کی معیت میں اور ہم قدم چھونے اور دعائیں لینے حضرت کے پاس جاتے تھے۔ انھوں نے نہ جانے کتنے لوگوں کو پلک جھپکتے ہی کیا سے کیا بنا دیا۔ ان کی اردو جس میں عربی کا لہجہ غالب ہوتا تھا، مسکراتی، نورانی آنکھیں، دعاؤں کا استعارہ لب اور آنکھوں کو خیرہ کرنے والا سادہ مگر پُروقار لباس، آج جب یہ سب آفتاب کریمی صاحب کے حوالے سے یاد آیا ہے، تو ماضی جگمگا گیا ہے۔ حضرت نے لوگوں کو وہ دیا جو انھوں نے چاہا۔ طلبِ علم کے رسیا کو ڈاکٹر طاہر القادری بنا دیا ہے، جاہ حشم کے جویا کو وزیر اعلیٰ اور وزیر اعظم نواز شریف بنا دیا اور سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدحت کے لیے لب ہائے انتظار کو آفتاب کریمی کا روپ دے ڈالا۔ سو یہ رشتہ مجھے صاحبِ تصنیف ممدوحِ خلائق کے بہت قریب لے آیا اور اس قربت کے نشے میں اُن کا کلام میرے لیے دو آتشہ بنتا گیا اور میں سوچتا رہا:

کتنا خوش قسمت وہ قلم ہے، جس کی آنکھ سے ٹپکے ہیں
حمدِ خدائے پاک کے گوہر، نعتِ رسول پاک کے موتی

''آنکھ بنی کشکول'' سے ''ممدوحِ خلائق'' تک کا سفر جذبوں میں بتدریج شدت کا سفر ہے۔ ان تصنیفات سے پہلی کتاب کا انتساب حرمین شریفین کی پہلی حاضری کے نام ہے جب کہ ''قوسین'' اور ''ممدوحِ خلائق'' دونوں کتابوں کا انتساب ''کلمہ طیبہ کی حقانیت اور افضلیت کے نام ہے۔ یہ انتساب کے انداز میں سفر، پڑاؤ اور منزل یابی کی دلیلیں ہیں۔ ہر چند کہ ان دونوں کتابوں، یعنی ''آنکھ بنی کشکول'' اور ''قوسین'' پر اکابرینِ ادب کی آرا موجود ہیں تاہم مجھے ''مدوحِ خلائق'' تک آنے کے لیے ''قوسین'' سے گزرنا اچھا لگے گا۔

''قوسین'' میں آفتاب کریمی نے ایک لطیف و اثر پذیر و اثر انگیز فن کارانہ چابک دستی کا تجربہ کیا تھا۔ یعنی ایک صفحے پر حمد اور دوسرے پر نعت، ایک ہی زمین میں (ردیف و قافیے کی یکسانیت کے اہتمام کے ساتھ) اور وہ بھی اس طور سے کہ حمد کا رنگ الگ اور نعت کا آہنگ جدا ہوتے ہوتے بھی خدا اور محبوبِ خدا کی مدحت کا مرکز ایک ہے۔ یہ اہتمام اس قدر کیا گیا ہے کہ غزلوں کی صورت میں حمد و نعت کے بعد جب ہائیکو اور واکا کی جاپانی اصنافِ شعری پر آئے تو بھی یہ التزام رہا کہ ایک طرف حمدیہ ہائیکو اور دوسری جانب نعتیہ ہائیکو ایک صفحے پر حمدیہ واکا اور اس کے مقابل صفحے پر نعتیہ واکا اور ان میں وہی یک رنگی، یک کیفی۔ یہ اہتمام بجائے خود جستجو، ندرت اور خلاقی کا احوال ہے۔ مگر مجھے جو بات اس التزام کے تعلق سے بطورِ خاص عرض کرنی ہے وہ یہ ہے کہ ''قوسین'' تثنیہ کا صیغہ سہی، مگر اس کا ایک اشارہ معراج کی اس منزل

کی جانب بھی ہے جہاں قوسین (دو کمانوں) کے فاصلے کے بعد ہی یہ کہا گیا کہ اور اس سے بھی کم۔ یہ تثنیہ دراصل ایک اصطلاح بلکہ ایک تلمیح بھی ہے کہ جب معمورۂ عرب میں زمانۂ جاہلیت میں دو قبائل کے درمیان محبتوں کا رشتہ قائم کیا جاتا تھا تو دونوں قبیلوں کے سردار اپنی اپنی کمان لے آتے تھے اور کسی بلند جگہ (پہاڑی) میں چڑھ کر اپنے قبیلوں کے دیگر لوگوں کے سامنے اپنی اپنی کمانیں یک جا کرتے تھے۔ اس طرح اک طرف ایک سردار کی قوس اور اس کے ساتھ دوسرے سردار کی قوس، مل کر قوسین کا روپ اختیار کرتی تھیں جب کہ تیر ایک ہوتا تھا جو دونوں سردار مل کر کسی جانب چلاتے تھے اور یہ اشارہ ہوتا تھا اس بات کا کہ آج سے جو ایک کا دوست ہے وہ دوسرے کا دوست اور جو ایک کا دشمن ہے وہ دوسرے کا دشمن۔ اللہ عزوجل نے قوسین کے حوالے کے ساتھ اور اس سے بھی کم کہہ کر کس طرح اپنے پیار کا اظہار کیا ہے کہ حبیب کا دوست ہے وہ اللہ کا دوست ہے اور جو آپ کا دوست نہیں ہے اسے خدا بھی دوست نہیں رکھتا۔ اس حوالے کے بعد قوسین کی علامت کے ساتھ ایک ہی زمین میں حمد و نعت اور وہ بھی اس طرح کہ جب کتاب بند ہوں تو یہ دونوں صفحے قوسین کی طرح مل جائیں۔ بڑا کمال ہے اور مقامِ ظرف و نظر ہے، جس کی داد نہ دینا، کم نظری بھی ہے اور شاید کم ظرفی بھی۔

''قوسین'' کا یہ اہتمام زیرِ نظر تصنیف ''مدوحِ خلائق'' میں رکھا گیا ہے اور اس میں بھی حمد و نعت کا ''قوسین'' میں کئی جگہ بتایا گیا ہے جب کہ اس میں ہائیکو، دعائیہ، نظمیں (بہ طرزِ غزل) اور سلام بھی شاملِ کتاب ہیں۔ آخر میں تخلیقِ کائنات کے عنوان سے بہ صورتِ مسدس تخلیق کی، تلخیص نہایت پُر تاثیر انداز میں پیش کی گئی ہے اور سلام میں عجب اہتمامِ عددی رکھا گیا ہے یا مجھے ایسا لگا، اس لیے کہ اعلیٰ حضرت احمد رضا خاں بریلوی کا مقبولِ عام سلام ''مصطفےٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام'' کے بعد اب جناب مولانا الیاس عطاری کا سلام ''تم پہ کروڑوں درود کروڑوں سلام'' بھی سامنے آیا ہے۔ اسی طرح اب سلام و درود کی تعداد میں اضافے کی گنجائش ہو سکتی ہے۔ حالاں کہ ایسا کہتے ہوئے مقصودِ تعداد سے نہیں تعظیم و تسلیم و تکریم کی بے کرانی اور بے شماری کا ہوتا ہے۔ تاہم اس مسئلے کو ہمیشہ کے لیے حل کرنے کے لیے آفتاب کریمی نے عجب انداز سے سلام کہا ہے، ذرا اس نکتے پر ارتکاز رکھتے ہوئے سلام کا یہ بند پڑھیے:

فلک پہ ہیں جتنے ستارے نبی جی
زمیں میں ہیں جتنے بھی ذرّے نبی جی
ہیں شاخوں پہ جتنے بھی پتے نبی جی
درودوں سے ہیں کم، سلامٌ علیکم
نبیؐ معظم، سلامٌ علیکم

ہر چند کہ مَیں نعت کے بحر و اشعار ان ہی کو مانتا ہوں جن میں وصفِ جنابِ احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ بیان کیا گیا ہے۔ باقی کے اشعار نعت کے سرنامے کے تحت مناجات کے، وارداتِ قلبی کے، کیفیات کے، محاکات کے یا انوار و تجلیاتِ شہرِ مصطفیٰ ﷺ کے تو ہو سکتے ہیں۔ مگر عاشق کی نظر سے دیکھیے تو محبوب کی ہر چیز میں محبوب ہی جلوہ گر نظر آتا ہے۔ اس تعلق یا اس رعایت بہر حال نعت کے تمام اشعار کو نعت کے عنوان سے پڑھ لینا ہی طلبِ عشق کی سیرابی کی کاوش ہو سکتی ہے۔ اس لیے گنبدِ خضرا کے عنوان سے مطلع میں حضوری کو حضور کی کیفیت سے پہلے یا شاید اس سے بھی آگے، بتایا گیا ہے اور اس کا ابلاغ بہت مزا دیتا ہے:

جب دُور سے آتا ہے نظر گنبدِ خضرا
دیتا ہے حضوری کی خبر گنبدِ خضرا

حضوری کے بعد میقات کے تعلق سے عجیب کیفیت کا شعر دیکھیے:

اک حمد نگر ہے مکّہ میں اک نعت نگر ہے طیبہ میں
جنت کے یہی دو راستے ہیں میقاتِ سفر ہے طیبہ میں

تکرار سے خوبی پیدا کرنا محاسنِ شاعری سے ہے، مگر جہاں تکرار سے خوبی کے ساتھ مرتبے کی تشریح اور تفہیم کا کام بھی لیا جائے تو کیفیت ہی جدا ہو جاتی ہے۔ ان اشعار میں تکرار کی اس ندرت کے ساتھ عقیدے کی صداقت بھی جلوہ گر ہے۔

ہیں رحمتِ دوسرا ہمارے، حضورِ اکرم، حضورِ اکرم
خدا کو ہیں سب سے زیادہ پیارے حضورِ اکرم، حضورِ اکرم
سلام سنتے ہیں اور اس کا جواب دیتے ہیں زائروں کو
درود بھی سنتے ہیں ہمارے، حضورِ اکرم، حضورِ اکرم

اسی طرح اپنی ذات سے چل کر آل تک کے لیے منشورِ حیات رقم کر دینا اور وہ بھی نعت کے سرنامے کے ساتھ، آفتاب کریمی ہی کا حصہ ہے۔

میں نبی کا ادنیٰ غلام ہوں مری آل ابنِ غلام ہے
مری آل کی بھی جو آل ہے، وہ غلام ہو یہ پیام ہے

تلمیحات کو نعت رنگ میں رنگ دینا ہی شاعر کا وصف ہے۔ ذرا ان دو اشعار کو دیکھیے جن میں سے ہر ایک میں نصِ قرآنی کا عالم حسین جھلک رہا ہے۔ تخلیقِ کائنات کی نسبت سے وجہِ وجودِ کائنات اور تحویلِ قبلہ کے تعلق سے ارشادِ خداوندی کا ایک آہنگ یہ بھی ہے:

ہوتے نہ حضور آپ تو ایسا نہیں ہوتا
کونین کو خالق نے بنایا نہیں ہوتا

مقصود و مطلوب و موجود کا باب ہو تو یہ شعر داستانِ حریم دل کا شارح بن جاتا ہے۔

ہر اک سوز و غم کی دوا مل گئی
مدینے سے خاکِ شفا مل گئی

اور کیفیات میں ڈوبے ہوئے اور وارداتِ قلبی کی تصویر بناتے ہوئے یہ دو اشعار بھی دیکھیے:

ممکن ہی نہیں جس کا بیاں ایسی گھڑی تھی
جب پہلی نظر روضۂ اقدس پر پڑی تھی
شرمندہ تھا اعمال پہ سرکار کے آ کے
لرزاں تھے قدم چہرے پہ اشکوں کی لڑی تھی

حالی نے بھی کہا تھا۔

اے خاصۂ خاصانِ رُسل، وقتِ دعا ہے
اُمت پہ تیری آ کے عجب وقت پڑا ہے

حالی سے حال تک آتے آتے وقت نے اور بھی قیود بدل ملیے ہیں اس لیے اب جو تصویرِ آفتاب کریمی کے قلم نے بنائی ہے، وہ کچھ یوں ہے:

آنکھوں میں اشک آئے اک نعت کہتے کہتے
اُمت کے آج ہیں جو حالات، کہتے کہتے

اشرف المخلوقات کی منزل اور افضل البشر کا مرتبہ... یہی تو دو زاویے ہیں جن سے تصویرِ کائنات بنتی ہے اسے آفتاب کریمی کی زبانِ شیریں ادا سے سنیے:

اسریٰ کا مسافر جب سدرہ سے اُدھر پہنچا
جبریل ادھر ٹھہرے اس پار بشر پہنچا
تاریخِ بشر میں یہ بے مثل حقیقت ہے
قدسی نہ اُدھر پہنچا انسان جدھر پہنچا

سو یہ سفر نہ ختم ہونے والا سفر ہے، شاید یہی وہ سفر ہے جسے منزل کی تلاش نہیں بلکہ منزل خود اس سفر کے فراق میں ادوار کے مسافر کے انتظار میں ہے۔ حمد و نعت کا یہ سفر ازل سے شروع ہوا اور بعدِ ابد بھی جاری رہے گا۔ ہمہ اوست کی ہمہ رنگ تازگی تک جا پہنچی ہے اور اس کے لیے نسخۂ کیمیا، دل کے نہاں خانے میں، حبِ رسالت مآب ﷺ کے چراغ جلانے سے عبارت ہے جس کا سرنامہ بھی یہ ہے اور تتمہ بھی یہی کہ:

نامِ محمد ﷺ ہے نعتِ محمد ﷺ   میں لکھ کر محمد ﷺ قلم رکھ رہا ہوں

ڈاکٹر سیّد یحییٰ نشیط۔ بھارت

آسماں اُس کی لحد پر شبنم افشانی کرے

آفتاب کریمی کے سانحۂ ارتحال کی خبر صبیح رحمانی نے موبائل پر دی۔ ایک سکتے کا عالم مجھ پر طاری ہوگیا۔ سوچتا رہا کہ ''آنکھ بنی کشکول'' اور ''قوسین'' کا شاعر ہم سے جدا ہوگیا۔ ''منہاج العقائد'' کا خالق، خالقِ حقیقی سے جاملا۔ حمد ونعت کا سفیر اچانک ایسے سفر پر نکل گیا، جہاں سے لوٹنا ممکن نہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ اس ''سفیرِ نعت'' کو جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور ''قوسین'' سی قربت نصیب فرمائے کہ اس عندلیبِ گلشنِ حمد ونعت کی آنکھیں تو ہر دم بارگاہِ خداوندی میں کشکول بن کر منتظر استعانتِ ربّ کریم رہا کرتی تھیں۔

آفتاب کریمی صحیح العقیدہ نعت گو تھے۔ اُن کا نعتیہ کلام جوشِ عقیدت کا سیلِ رواں نہیں پُرسکوت بحرِ بے کراں ہے۔ ''منہاج العقائد'' کے مباحث اور ''قوسین'' اور ''آنکھ بنی کشکول'' کے نعتیہ اشعار کی روشنی میں یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ وہ حبِ رسول ﷺ کے لیے اتباعِ رسول ﷺ کو لازمی قرار دیتے تھے۔ ان کی شاعری عشقِ رسول ﷺ کے بلند بانگ نعروں کا مظاہرہ نہیں کرتی، اتباعِ سُنّتِ رسول ﷺ کے لیے آمادہ کرتی ہے۔ ان کی نعتیہ شاعری کا غالب رجحان ''محبِّ رسول ﷺ'' بنانے سے زیادہ ''متبعِ رسول ﷺ'' بنانے کی جانب رہا ہے:

اُن کی چاہ کا دعویٰ اتنا ہی مناسب ہے
جس قدر کیا جائے اتباعِ سُنّت کا (قوسین)

اسی لیے ان کے یہاں سنجیدہ روی کا اہتمام دکھائی دیتا ہے۔ الفاظ سے کھلواڑ کو انھوں نے اپنی شاعری میں روا نہیں رکھا۔ ان کی نعتیہ شاعری میں نہ خیالات کی پستی ہے نہ افکار کا اتھلا پن بلکہ رسول اللہ ﷺ کے تئیں مخلصانہ ومحبانہ جذبات موجزن رہتے ہیں، جو عین فطری ہوتے ہیں۔ صنائی اور ریاکاری سے انھیں مطلق واسطہ نہیں رہتا۔

آفتاب کریمی حمد ونعت کے تقاضوں کو بخوبی جانتے تھے۔ اس کی بیّن مثال ہمیں ''آنکھ بنی کشکول'' اور ''قوسین'' کی حمدوں اور نعتوں میں مل سکتی ہے۔ کلمہ طیبہ کے دونوں جزو کے حرفوں کی یکساں تعداد کو بہانہ

بنا کر وہ عبد و معبود کے درمیان کی حدِ فاصل کو پروازِ تخیل سے پار نہیں کرتے بلکہ خدا اور رسول ﷺ دونوں کے مراتب کا بہ احسن خیال رکھتے ہیں۔ دونوں کی شان میں تقلیل و تکثیر سے ان کی حمد و نعت پاک ہوتی ہیں۔

آفتاب کریمی کی نعتیں ایک مخلص اُمتی کے دل کی کیفیات، اس کے فطری جذبات و احساسات کی ترجمانی کرتی ہیں۔ ''آنکھ بنی کشکول'' اور ''قوسین'' کا یہ نعت گو اوّلاً بہار یہ شاعری کرتا تھا۔ وہ اپنی غزلوں میں عشق و محبت کے فطری جذبات سے تغزل کا رنگ بھرتا تھا۔ ''معتقدانہ عشق کے بالمقابل فطری محبت زیادہ پُر اثر اور دیرپا ہوتی ہے۔ مادّی دنیا میں مخالف جنس کے تئیں جو کشش اور اُلفت آدمی کے دل میں پیدا ہو جاتی ہے وہ ''فطری محبت'' ہے۔ پھولوں سے بلبل کی وابستگی، پروانوں کا شمع کی جانب جھپٹنا، ماں کو دیکھ کر بچے کا کلکاریاں مارنا، چونچ میں چونچ ڈال کر پرندوں کا اظہارِ محبت کرنا وغیرہ۔ یہ تمام مثالیں فطری محبت کی ہیں۔ احادیث سے ثابت ہے کہ صحابہ کرام حضور ﷺ سے فطری محبت کیا کرتے تھے۔ یہ محبت عقیدت کی بنیاد پر دل میں پیدا ہوئی محبت سے زیادہ شدید ہوتی ہے۔

غزل میں اسی محبت کی جلوہ نمائی رنگِ تغزل میں اضافہ کا باعث ہوتی ہے۔ آفتاب کریمی چوں کہ غزل سے نعت کی جانب مراجعت کر چکے تھے، اس لیے ان کی نعتوں میں ''حبِ رسول ﷺ'' فطری ہے۔ انھوں نے محبت کی شدت کی نفسیاتی کیفیات کو بارہا اپنے اشعار میں پیش کیا ہے، مثلاً مواجہ رسول ﷺ پر جب حاجی پہنچتا ہے تو تمنائے لب کشائی نفسیاتی طور پر اسے خاموش کر دیتی ہے۔ عین مواجہ کے سامنے اس کی حالت دگرگوں ہو جاتی ہے۔ وہ اپنی سدھ بدھ کھو دیتا ہے، حتیٰ کہ درود شریف بھی اس کی زبان پر نہیں آتا بس آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں۔ درحقیقت یہ اشک ریزی ہی تقاضائے عشقِ محمدی ﷺ ہے اور یہی عمل رحمتِ الٰہی اور شفاعتِ رسول ﷺ کے بٹورنے کا بہترین طریقہ ہے۔ یہی عمل اپنی فروتنی، درماندگی، بے چارگی اور بے بسی کے اظہار کا ہے۔ آفتاب کریمی کے یہاں ایسے کئی نفسیاتی مراحل ان کی نعتیہ شاعری میں ہمارے سامنے آتے ہیں:

جب مواجہ پر ان کے مَیں پہنچا، باوضو، باادب، دست بستہ
آنسوؤں نے زبان بن کے میرا حالِ دل کہہ دیا چپکے چپکے

آنکھوں کی زبان سے آنسوؤں کے الفاظ ادا کرنے کی کیفیت حضور ﷺ سے رکھی جانے والی محبت کی شدت کی علامت ہے اور ہر حاجی کو مواجہ مبارکہ پر اس کیفیت سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ مقدر کی تابانی اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتی ہے!!!

آفتاب کریمی کے یہاں حمد و نعت کی میزان کے پلڑے باہم دگر برابر دکھائی دیتے ہیں۔ ''قوسین'' کی حمدیں اور نعتیں لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی ترجمانی کرتی ہیں۔ دائیں صفحے پر حمد اور بائیں صفحے پر نعت

دونوں ایک زمین اور ایک بحر میں لکھی ہوئی ہیں۔ بیش تر جگہ اس ترکیب میں التزام یوں کیا گیا ہے کہ جس وصفِ محمود کا ذکر حمد پاک میں ہے، اسی وصف سے متعلق رسول پاک ﷺ کا ذکر بھی متصلاً کر دیا جائے:

حمد

دیدار کی خواہش تو سبھی کو ہے مگر دید
ممکن ہے کہاں حشر کے دربار سے پہلے

خدایا تو ہی تو لاج رکھتا رہا ہے دنیا میں عاصیوں کی
بروزِ محشر بھی لاج رکھنا مری تو بس التجا یہی ہے

نہ خدا کی انتہا ہے نہ خدا کی ابتدا
کن بظاہر ہے کلام کبریا کی ابتدا

نعت

ممکن ہی نہیں رب کا ہو دیدار کسی کو
اللہ کے محبوب کے دیدار سے پہلے
شفیعِ محشر بروزِ محشر کریں شفاعت ضرور میری
عمل پہ مجھ کو نہیں بھروسہ، مری تو بس التجا یہی ہے

نور احمد ہی تو ہے ہر ابتدا کی ابتدا
آپ کے باعث ہوئی ہر دوسرا کی ابتدا

آفتاب کریمی کی نعتوں میں زبان کی ثقالت بالکل بھی نہیں ہے۔ سیدھے سپاٹ انداز میں انھوں نے حضورِ مقبول ﷺ کے تئیں اپنے جذبۂ عقیدت و محبت کا برملا اظہار کیا ہے۔ ''قوسین'' کی تمام حمدوں اور نعتوں میں دس سے بھی کم تراکیبِ لفظی ملتی ہیں۔ اسے ہم کمزور زبان دانی پر محمول نہیں کر سکتے، بلکہ یہ وصف آفتاب کریمی کی زبان پر مکمل گرفت کی علامت بن کر اُبھرتا ہے۔ ان کے یہاں نہ معنوی پیچیدگیاں پائی جاتی ہیں نہ تراکیب کا گنجلک پن، محاوروں اور ضرب الامثال کی طومار بھی ان کے یہاں نہیں پائی جاتی۔ زبان سہل اور موثر ہونے کی وجہ سے ان کے بعض اشعار تو سہلِ ممتنع پر پورے اُترتے ہیں۔

آفتاب کریمی کامیاب مدیر بھی تھے، ''سفیرِ نعت'' کو انھوں نے کتابی شکل میں جاری کیا اور پہلا ہی شمارہ صبیح رحمانی نمبر کی صورت میں اردو دنیا میں مقبول ہوا۔ اس رسالے کی تمام مشمولات نعت ہی کے متعلق ہوتی ہیں۔ ''نعت''، ''نعت رنگ'' اور ''نعت ہی نعت'' جیسے نعتیہ رسائل کے مقابلے میں ''سفیرِ نعت'' ابھی کم عمر ہے لیکن نعتیہ موضوعات پر اکابر ادبا و شعرا کی تخلیقات اسے حاصل ہوتی رہتی ہیں۔

آفتاب کریمی کی ''منہاج العقائد'' ان کے جذبہ صادق اور دل کی مخلصانہ تڑپ کے ساتھ لکھی گئی تصنیف ہے۔ اس کتاب میں انھوں نے متصوفانہ عقائد کو نہایت صاف گوئی سے بیان کیا ہے۔ ان میں پائے جانے والے محاسن اور معائب کو بھی واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ عقائدِ باطلہ کی سختی سے تردید کی ہے اور ایسے اُمور کے ردّ میں اپنے مؤقف کو برملا پیش کردیا ہے، جو شرعی تعلیمات کے مغائر ہوتے ہیں یا جن سے ایمان کی سلامتی خطرے میں پڑ جاتی ہے۔

آفتاب کریمی نے بعض ایسی کتابوں کے خلاف بھی ''منہاج العقائد'' میں قلم اُٹھایا ہے جو تصوف کے خانوادوں میں نہایت مقدس و معتبر مانی جاتی ہیں۔ انھوں نے ''منہاج العقائد'' میں عقائدِ باطلہ کے مقابلے میں جن عقائدِ صحیحہ کو قرآن و احادیث اور علومِ شرعیہ کی روشنی میں پیش کیا ہے ان ہی عقائد کو اپنی حمدوں اور نعتوں میں برتا ہے۔ نعت لکھتے وقت نہ شاعری کا مئے ناب انھیں مدہوش کرتا ہے کہ غلط خیالات اشعار میں در آئیں، نہ وفورِ جذبات سے کبھی ان کے صحیح عقیدے میں جنبش ہوئی۔ نعتیہ شاعری میں ان کی خیال آفرینی اتنی ہی حقیقی اور سچی ہوتی تھی جتنی ان کی عملی زندگی سچائی اور صداقت کا نمونہ تھی۔

اللہ تعالیٰ اس سچے محبِ رسول ﷺ نعت گو کو قبر میں کروٹ کروٹ چین نصیب فرمائے اور اس کی لحد کو نور سے منور فرمادے۔ آمین یا ربّ العالمین

☆

عزیز احسن۔ اسلام آباد

سانحۂ غروبِ آفتاب

غالباً ۱۹۹۶ء کا ذکر ہے صبیح رحمانی نے کہا آپ کو امیر الاسلام ہاشمی کے گھر آنا ہے۔ میں نے پوچھا کیوں؟ کہنے لگے دوستوں کی دعوت ہے۔

مَیں وہاں پہنچا ڈاکٹر سیّد ابوالخیر کشفی صاحب بھی مدعو تھے۔ امیر الاسلام ہاشمی صاحب کے ہاں ایک خاموش طبع بزرگ کو دیکھا۔ چہرہ کتابی، انتہائی نورانی، کثرت پان خوری کے باعث ہونٹوں پر مستقل لالی، آنکھوں میں سرخی، ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ، عاجزی اور ملنساری کا مرقع۔ معلوم ہوا کھانا کھلانا اور خود اپنے ہاتھ سے پکا کر کھلانا ان کا شغل دائمی ہے۔ اس روز بھی ہاشمی صاحب کے گھر بریانی انھوں نے خود اپنے ہاتھ سے بنائی تھی۔ کھانا بھی خود ہی پیش کر رہے تھے۔ ان کے ہمراہ ان کے انتہائی سعادت مند فرزند منصور بھی تھے جو ''بچے'' کی آواز پر اپنے والد کی طرف دوڑتے تھے۔ آفتاب کریمی صاحب سے یہ میری پہلی ملاقات تھی۔

پھر یوں ہوا کہ بقول ماہر القادری مرحوم ؎

ایک شام اُن کے کوچے سے گزرا تھا مَیں
پھر یہی روز کا مشغلہ بن گیا

کریمی صاحب سے ملاقاتوں کا سلسلہ دراز ہوتا گیا۔ ان ملاقاتوں میں زیادہ تر کا بندوبست خود کریمی صاحب نے دعوتِ طعام کی شکل میں کیا۔ دعوت کرنا، لوگوں کو کھلانا اور مہمانوں کو دیکھ کر باغ باغ ہوجانا، شاید یہی کریمی صاحب کی زندگی کا وظیفہ تھا۔

کریمی صاحب نے کسی زمانے میں عام شاعری کی تھی، لیکن جب ان سے میری ملاقات ہوئی تو انھیں حمد و نعت لکھتے اور پڑھتے ہوئے ہی پایا۔

جوں جوں کریمی صاحب کی عمر بڑھ رہی تھی اُن کی شعری صلاحیت جوان ہو رہی تھی۔ وہ ہمیشہ کوئی

نہ کوئی نئی نعت یا حمد سناتے تھے۔ ایک بار ایک بیاض دکھائی، جس میں ایک ہی زمین میں یکساں قافیے اور ردیف کے ساتھ آمنے سامنے حمد و نعت لکھی تھیں۔ فرمانے لگے میں چاہتا ہوں کہ ایک ایسی کتاب پیش کروں جس میں حمد و نعت ساتھ ساتھ ہوں۔ چناں چہ انھوں نے یہ کارنامہ واقعتاً کر دکھایا۔ ان کی کتاب ''قوسین'' حمد و نعت پر مشتمل ایسی ہی کتاب ہے، جس میں ایک ہی زمین میں حمد و نعت اس شان سے جلوہ گر ہیں کہ قافیہ اور ردیف بھی یکساں ہیں۔

کریمی صاحب کی نظر حمد و نعت کے مافیہ (Contents) پر زیادہ ہوتی تھی۔ شعر کی بنت پر وہ زیادہ توجہ نہیں دیتے تھے۔ اس بات کا انھیں خود بھی احساس تھا، اس لیے وہ بلا جھجک دوستوں سے مشورہ بھی کرلیا کرتے تھے اور صائب مشورہ مان کر شعری بنت میں تبدیلی بھی کرلیا کرتے تھے۔ لیکن شعری متن کے حوالے سے وہ کسی کی کوئی بات سننے کے لیے تیار نہیں ہوتے تھے، کیوں کہ شعری متن کے معاملے میں ان کی فکر بڑی واضح اور غیر مبہم ہوتی تھی۔ اپنی فکری نہج کا انھیں بھرپور ادراک ہوتا تھا اور اسی لیے قافیہ یا شعری متن کے حوالے سے ان کے دلائل بڑے مضبوط ہوتے تھے۔ کریمی صاحب عاشقِ رسول ﷺ تھے لیکن اُن کا عشق انھیں حضور ﷺ کی ذات و صفات کو الوہیت کے درجے پر دیکھنے سے ہمیشہ روکتا تھا۔ اللہ کی عظمت و بڑائی کے ادراک کے ساتھ شاعری کرنے والے محتاط شعرا کو ہمارے بریلوی بھائی نہ جانے کیوں وہابیت کے کھاتے میں ڈال دیتے ہیں؟ کریمی صاحب کے معاملے میں بھی بعض غیر محتاط لوگوں کا یہی تاثر تھا۔ خاص طور پر جب انھوں نے اپنی کتاب ''منہاج العقائد'' پیش کی تو کچھ خانقاہی حلقوں نے بڑی لے دے کی۔ کریمی صاحب کا جرم یہ تھا کہ وہ صوفی بزرگوں کے ان بیانات کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں تھے جو ان بزرگوں کی شطحیات کے ذیل میں آتے تھے، لیکن عوام ان فقروں کو بالکل اسی طرح (بلکہ بعض صورتوں میں تو اس سے بھی بڑھ کر) قبول کرتے تھے جس طرح احادیث قبول کی جاتی ہیں۔ حالاں کہ احادیث کی قبولیت کے لیے بھی روایت و درایت کی بڑی سخت کسوٹی موجود ہے۔ کریمی صاحب نے صوفیا کی شطحیات پر مشتمل فقروں پر تنقیدی نظر ڈالنے اور انھیں دینی معیار پر پرکھنے کا مشورہ دیا۔ ایک مرتبہ میں نے کریمی صاحب سے مروّجہ طریقِ فاتحہ کے بارے میں سوال کیا تو انھوں نے مجھے بتایا کہ قربانی کرنے کے بعد ذبح شدہ جانور کے سامنے کھڑے ہوکر ہی اللہ تعالیٰ کے حضور اس قربانی کی قبولیت کے لیے دعا کی جاتی ہے اور جن لوگوں کی طرف سے قربانی کی جاتی ہے ان کے نام بھی لیے جاتے ہیں۔ اسی طرح مروّجہ طریقِ فاتحہ میں کھانا سامنے رکھ کر فاتحہ دی جاتی ہے۔ اس میں کیا ہرج ہے۔ یہ واقعہ مَیں نے اس لیے لکھ دیا کہ ان لوگوں کو ذرا خیال آئے جو بلا سوچے سمجھے اپنے مسلک کے لوگوں کو دوسرے مسلک میں داخل کر دیتے ہیں۔

کریمی صاحب کسٹمز میں لیگل ایڈوائزر کے عہدے پر فائز تھے۔ اگر خدانخواستہ وہ زمانے کی ہوا

کے دوش پر سوار ہو جاتے تو نہ جانے کتنی کوٹھیاں اور بنگلے بنا لیتے اور اپنی اولاد کے لیے چھوڑ جاتے، لیکن اس طرح وہ اپنی اور صرف اپنی عاقبت خراب کر لیتے۔ الحمدللہ انھوں نے ایمان داری سے اپنی ذمّے داریاں نبھائیں اور بڑی دیانت داری سے اپنے فرائض انجام دیتے ہوئے اپنے عہدے سے سبک دوش ہوئے۔ وہ آخری دم تک اپنی تمام ذرّیت کے ساتھ پی آئی بی کالونی کے گھر میں زندگی کے دن بسر کر کے وہیں سے دارِ بقا کی طرف روانہ ہو گئے۔

آفتاب کریمی صاحب کی طبیعت میں جلال بھی تھا لیکن ایک مومن صالح کی طرح ان کا جلال صرف دینی حمیت کے حوالے سے ظہور پذیر ہوتا تھا۔ کریمی صاحب کا جمال بھی اللہ و رسول اللہ ﷺ کے عشق کی کرنیں بکھیرنے کی شکل میں ظاہر ہوتا تھا وہ اپنے ہم مشربوں میں والہانہ محبتیں تقسیم کرتے تھے۔

صبیح رحمانی کی زیرِ سرپرستی نعتیہ ادب پر انھوں نے ایک سہ ماہی مجلّہ بھی جاری کیا تھا ''سفیرِ نعت'' اس مجلّے کے کئی شمارے منظرِ عام پر آئے۔ ''سفیرِ نعت'' محسن کاکوروی نمبر پیش کش اور مشمولات کے حوالے سے ان شاء اللہ ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔

منگل کا دن تھا شوال کی ۲۱ر تاریخ ۱۴۲۷ھ مطابق ۱۴ر نومبر ۲۰۰۶ء، میرے دفتر میں آفتاب کریمی صاحب کا فون آیا، فرمانے لگے میں اسلام آباد آیا ہوں۔ اس وقت آپ کے دفتر کے نیچے کھڑا ہوں۔ مجھے اس اچانک خبر پر انتہائی مسرت ہوئی، جلدی سے نیچے پہنچا۔ کریمی صاحب حسبِ عادت بڑی والہانہ اور بزرگانہ شفقت سے ملے، لیکن دفتر میں نہیں آئے۔ گھر آنے کا وعدہ کر کے رخصت ہو گئے۔ جاتے جاتے کہنے لگے آپ اسلام آباد میں تنہا ہیں، یہ جان کر دل اُداس ہو گیا۔ دعا ہے آپ کے لیے اللہ تعالیٰ اپنے گھر والوں کے ساتھ رہنے کی کوئی سبیل نکال دے۔

شام کو حسبِ وعدہ تشریف لائے، میں دفتر میں ان کا انتظار کر رہا تھا تاکہ انھیں ہمراہ لے کر گھر پہنچوں۔ راستے میں پوچھا کھانے پکانے کا بندوبست ہے؟ میں نے عرض کیا سالن خود پکا لیتا ہوں، روٹی تنور سے لے آتا ہوں۔ فرمانے لگے آج آپ کو ہم مرغی پکا کر کھلائیں گے۔ میں نے کہا حضور! آپ میرے مہمان ہیں، یہ کام میں ہی انجام دوں گا، لیکن نہیں مانے اور گھر آتے ہی دونوں باپ بیٹے مطبخ میں مصروف ہو گئے؟ بہترین مرغی بنا کر کھلائی۔ کریمی صاحب کے ہاتھ کا یہ آخری سالن تھا جو میں نے ان کے ساتھ مل کر کھایا۔

۱۴ر دسمبر ۲۰۰۶ء کو میری بیٹی کی شادی تھی۔ اتفاق سے شادی ہال کریمی صاحب کے گھر کے نزدیک ہی تھا، انھوں نے کرم فرمایا۔ دولہا کے ایک چچا وکیل تھے، وہ کریمی صاحب سے واقف تھے۔ دونوں بڑی گرم جوشی سے ملے۔ شادی میں کریمی صاحب خاصی دیر میرے ہمراہ رہے۔ لیکن افسوس یہ میری اور اُن کی

آخری ملاقات تھی۔ دسمبر کے بعد میرا نہ تو کراچی جانا ہوا اور نہ ان سے ملاقات کی کوئی سبیل نکلی۔ فون پر البتہ کبھی کبھی بات ہو جاتی تھی۔

بدھ ۱۱رجمادی الثانی ۱۴۲۸ھ مطابق ۲۷رجون ۲۰۰۷ء کی صبح، صبیح رحمانی نے اطلاع دی کہ آفتاب کریمی کی دنیاوی زندگی کا آفتاب غروب ہو گیا ہے۔ دل پر عجیب کیفیت طاری ہوگئی۔ میرے سر سے محبتوں کا ایک اور سائبان سرک گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ بہت دیر تک خاموش بیٹھا رہا۔ پھر غالبؔ کے شعر نے ڈھارس بندھائی ؎

تاب لائے ہی بنے گی غالبؔ
واقعہ سخت ہے اور جان عزیز

میں نے اس زمانے میں کریمی صاحب کے فرزندوں سے بڑھ کر سعادت مند اولاد کسی اور کی نہیں دیکھی۔ اللہ تعالیٰ کریمی صاحب کے کنبے کو اسی طرح یک جا رکھے جیسے وہ کریمی صاحب کی زندگی میں تھا۔ اللہ تعالیٰ آفتاب کریمی صاحب کی مغفرت فرمائے، ان کے درجات بلند فرمائے (آمین)

حقیقت یہ ہے کہ کریمی صاحب کے دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد میرے دل پر میرؔ کے اس شعر کا مفہوم القا ہوا:

پیدا کہاں ہیں ایسے پراگندہ طبع لوگ
افسوس تم کو میرؔ سے صحبت نہیں رہی

پروفیسر شبیر احمد قادری۔ فیصل آباد

غروبِ آفتاب

حقیقی نعت گوئی کے جو معیارات بالعموم متعین کیے گئے ہیں۔ اُن میں قرآن حکیم واحادیثِ نبوی کی ترجمانی کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ ربّ العالمین اور نبی محترم حضرت محمد ﷺ کی تعلیمات واحکامات کا بیان لوازمِ نعت میں سے ہے۔

ہم جس عہد میں سانس لے رہے ہیں، وہ سماجی، سیاسی، علمی اور فکری آلودگیوں اور الجھنوں کا شکار ہے۔ بحرانوں میں مبتلا معاشرہ، ذہنی پریشانیوں میں گھرا ہوا انسان، راہِ گم کردہ افراد اس امر کے خواہاں ہیں کہ انھیں سیدھا راستہ دکھائی دے تا کہ وہ ان مسائل کے چنگل سے نجات حاصل کرسکیں۔ ایسے میں نعت گو شاعر کا فرض بنتا ہے کہ وہ اپنی نعتوں میں تعلیماتِ رسول کو شعوری طور پر کثرت کے ساتھ منظوم کرے۔ ان حقائق کی نقاب کشائی کرے جو بوجوہ نگاہوں سے اوجھل ہو چکے ہیں۔ کعبہ اور کلیسا کے درمیان کشمکش کا ک کی صورت اختیار کر چکے، کم زور ایمان کے حامل افراد کو اس ابتلا سے چھٹکارا دلانے کے لیے نعت میں تعلیماتِ طیبہ کا تذکار ازبس ضروری ہے۔ جدید نعت کے دستیاب سرمائے کے مطالعے سے یہ اطمینان بخش اور خوش کن صورت سامنے آتی ہے کہ شعرا اس خیال سے غافل نہیں رہے اور انھوں نے اسوۂ حسنہ کو بہ کثرت منظوم کیا ہے اور ان تعلیمات کو خاص طور پر اُجاگر کیا گیا ہے جو نہ صرف مسلمانوں بلکہ غیر مسلموں کے لیے بھی (اگر وہ چاہیں تو) مشعل راہِ زیست ہیں۔

آفتاب کریمی (۱۹۴۴ء دہلی۔ ۲۰۰۷ء کراچی) بھی عصرِ حاضر کے معروف راست فکر اور بلند نظر نعت گو شاعر اور مفکر نثر نگار تھے۔ ان کے والد گرامی کا اسم گرامی حکیم کریم الدین احمد تھا، شمس العلما منشی ذکا اللہ کی دختر نیک اختر وحید بیگم ان کی نانی تھیں، جن کی شادی مولوی محمد سعید سے ہوئی جو آفتاب کریمی کی دادی محترمہ خلیق النسا بیگم کے بھائی یعنی ان کے والد محترم کے ماموں جان تھے۔ آفتاب کریمی نے قرآن کریم اور احادیثِ رسول ترجمے اور تفسیر کے ساتھ اپنے والد محترم سے پڑھیں۔ حضرت شیخ سعدی علیہ

الرحمہ، حضرت مولانا جامی علیہ الرحمہ اور حضرت مولانا رومی کے کلام بلاغت نظام کے مطالیب ومفاہیم سے بھی آشنائی ہوئی۔ اس طرح اُن کی تربیت صحیح خطوط پر ہوتی رہی۔ اخلاقیات اور معاملات کو برابر اہمیت دی گئی۔ حضرت زوار حسین شاہ رحمۃ اللہ علیہ اور بعدازاں حضرت طاہر علاؤ الدین الگیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے حلقۂ ارادت میں شامل ہوئے۔ آفتاب کریمی باکمال شاعر تھے۔ حمد و نعت گوئی اُن کی ترجیحات کا محور قرار پائے۔ اُن کی تصانیف درج ذیل ہیں:

☆ آنکھ بنی کشکول (نعتیہ مجموعہ) ☆ منہاج العقائد (تصوف اور عقائد کا مطالعہ)

☆ قوسین (حمدیہ و نعتیہ مجموعہ)

علاوہ ازیں آفتاب کریمی فروغِ نعت کے لیے بھی کوشاں رہے اور اس مقصد کے تحت انھوں نے ''سفیرِ نعت'' کے نام سے ایک نعتیہ کتابی سلسلہ ماہانہ بنیادوں پر شروع کیا۔ ''سفیرِ نعت'' کی خاص خوبی اس کی دو خصوصی اشاعتیں ہیں۔ محسن کاکوروی نمبر اور صبیح رحمانی نمبر یادگار ہیں۔

عزیز احسن نے آفتاب کریمی کے پہلے مجموعۂ نعت ''آنکھ بنی کشکول'' کو عشقِ رسول ﷺ اور تغزل کی آنچ لیے ہوئے ایک شعری نگارخانہ قرار دیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ کریمی صاحب کی شاعری والہانہ پن، بارگاہِ نبوی میں جان سے گزر جانے کے جذبے اور مدینے کی فضاؤں میں تحلیل ہوجانے کی آرزو سے عبارت ہے۔ یہ شاعری جذبے کی شاعری ہے، جس کی سادگی اور پُرکاری سے ترسیلِ جذبہ اور ابلاغِ خیال سہل ہوگیا ہے۔☆۱

مجمع محاسن آفتاب کریمی کے نصابِ نعت پر نگاہ دوڑائیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ وہ بڑی محنت اور خلوص کے ساتھ ترتیب دیا گیا ہے۔ ان کا دامنِ عقیدت ایسی نعمتوں اور سعادتوں سے مالامال ہے جو ہر ایک کا مقدر نہیں بنتیں۔ ان کے نخلِ نعت کی شاخیں اثمارِ عجز کے بوجھ سے بارگاہِ نبوی میں جھکی ہوئی محسوس ہوتی ہیں۔

آفتاب کریمی راسخ العقیدہ شخص تھے جو فن کی جہتوں سے واقف ہونے کے ساتھ ساتھ دینِ اسلام اور سیرتِ نبوی کا گہرا علم رکھتے تھے۔ ان کی ایک تصنیف ''منہاج العقائد'' تصوف اور عقائد کے ذیل میں قارئین کے اندر غور وفکر کی تحریک پیدا کرنے اور جادۂ مستقیم پر چلنے کی ترغیب کو جنم دیتے ہیں۔ اس کتاب کا مطالعہ آفتاب کریمی کے افکار و نظریاتِ حمد و نعت کی تفہیم میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ ''منہاج العقائد'' کا انتساب منظوم ہے:

میں نے منہاج العقائد آپ سے منسوب کی
جو بھی لکھا آپ ہی کے نورِ تعلیمات سے☆۲

اس شعر کا دوسرا مصرع آفتاب کریمی مرحوم کی توجہات کا محور قرار دیا جائے تو اس صداقت کو جھٹلانا

مشکل ہے۔ وہ ایسے شعرا کی مذمت کرتے ہیں جن کے موضوعاتِ اشعار، شریعت سے ٹکراتے ہیں۔ اللہ ربّ العزت نے نبی آخرالزماں حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کو خاص بندہ قرار دیا ہے اور رسول اللہ ﷺ نے ربّ العزت کو اپنا معبود فرمایا ہے۔ اگر شعرا اس لطیف نکتے کو سمجھ لیں تو بے ادبی اور گستاخی کا احتمال ختم ہو جائے گا۔ مبالغہ اور اغراق شاعری کی جان ہے مگر نعت میں مبالغہ اختیار کا جامہ پہن لیتا ہے۔ احتیار کا یہ مشعل نعت نگار کو جادہ مستقیم سے بھٹکنے نہیں دیتی۔

بے اعتدالیاں جب حد سے گزر جاتی ہیں تو انھیں عام حالات میں بھی اچھا نہیں سمجھا جاتا۔ چہ جائے کہ معاملہ آفریدگارِ جل جلالہ اور محبوبِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ہو، اس حوالے سے انتہاؤں کو چھوتی ہوئی پابندی لازمی ہے، ورنہ معاملہ بگڑ سکتا ہے۔ ''منہاج العقائد'' اس امر پر گواہ ہے کہ آفتاب کریمی دامنِ احتیاط چھوڑنے والوں کے بہت خلاف تھے۔ ایسے واقعات جنھیں پڑھ کر جذباتی لوگ باالفاظِ دیگر اندھا دُھند تقلید کرنے والے واہ واہ کے ڈونگرے برسانے لگتے ہیں اور پھر کتاب در کتاب اور نسلاً بعد نسل ان واقعات کو دُہراتے چلے جاتے ہیں۔ آفتاب کریمی اس روشِ قبیحہ کو یکسر ناپسند کرتے تھے۔ ''منہاج العقائد'' کے مطالعے سے جتنا اور جہاں تک مَیں سمجھ پایا ہوں انھیں دو حصوں میں یوں بیان کیا جاسکتا ہے۔

تحقیق وتلاش پر زور دینا

قرآن و سُنّت سے متصادم نظریات و اعمال کی پُرزور مذمت۔ یہاں مَیں ایک اقتباس نقل کر رہا ہوں، جو آفتاب کریمی کی راست فہمی اور میلانِ کامل کی بڑی مؤثر دلیل ہے:

> آپ اس بات کو یقیناً تسلیم کریں گے کہ دو دُونی چار ہوتے ہیں یعنی دو ضرب دو برابر چار کے۔ اب اگر مَیں یا کوئی اور شخص دو ضرب دو کو تین یا پانچ کہے، تو کیا یہ آپ تسلیم کر لیں گے؟ ہرگز نہیں۔ اس لیے کہ نہ تو آپ اتنے ناسمجھ ہیں اور نہ میں کہ دو ضرب دو کو چار کے بجائے کوئی اور عدد یا تعداد تسلیم کرلوں۔ جب یہ جواب سرے سے بالکل غلط ہے تو اس کو غلط ہی کہا جائے گا۔ خواہ یہ جواب میرے بیٹے نے دیا ہو یا باپ نے، یا کسی اور شخص نے۔ اس کو کہتے ہیں کسوٹی....اور جو بات کسوٹی پر صحیح نہیں اُترے وہ خواہ کوئی چھوٹا کہے یا بڑا۔ غلط ہی مانی جائے گی۔ اس مقام پر متکلم کی عمر اور رُتبہ کو نظر انداز کر کے صحیح اور غلط کا تعین کرنا ضروری ہے۔ بعینہٖ ہر مسلمان کے لیے قرآن حکیم اور حدیث پاک کو ایسی کسوٹی قرار دیتے ہیں جس پر ہر سوال کے جواب کو پرکھا جاسکتا ہے اور اگر وہ جواب قرآن اور حدیث کی کسوٹی پر پورا نہیں اُترتا تو سمجھ لیجیے کہ جواب یقیناً غلط ہے۔☆۳

''قوسین'' اسم بامسمّٰی ہے۔ اس مجموعے کے ہر دائیں صفحے پر ''لا الہ الا اللہ'' کے نام سے حمد باری تعالیٰ اور اُسی قافیہ ردیف میں ''محمد الرسول اللہ'' کے عنوان سے نعتِ رسول اکرم ﷺ شامل ہے اور یہ سلسلہ صفحہ نمبر ۳۰ سے لے کر صفحہ نمبر ۱۳۵ تک پھیلا ہوا ہے۔ یہ ساری حمدیں اور نعتیں غزل کی ہیئت میں ہیں۔ چھ قطعات، دو ہائیکو اور دو واکوں کی صورت بھی وہی ہے۔ یوں دیکھا جائے تو ''قوسین'' بہ یک وقت حمدیہ اور نعتیہ مجموعہ ہے۔ اس میں ہیئتوں کا تنوع ہے اور موضوعات کا بھی، اصناف کی رنگارنگی ہے اور ان کی پیش کش میں بھی۔ حمد و نعت کی ایک ہی وقت میں پیش کش کو آفتاب کریمی کی منفرد سوچ اور عقائد میں استقامت کا نتیجہ قرار دیا جاسکتا ہے۔ آپ خود بھی غور کریں ہمارا کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ دو حصوں میں یا دو ٹکڑوں پر مشتمل ہے۔ یعنی لا الہ الا اللہ، محمد رسول اللہ، ان دونوں حصوں میں سے کسی ایک کا منکر مسلمان نہیں ہوسکتا۔ جو یہ تو کہے لا الہ الا اللہ اور دوسرے حصے یعنی محمد الرسول اللہ کا انکار کرے یا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو اللہ کا رسول تو تسلیم کرے لیکن اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کے تنہا معبود ہونے کو تسلیم نہ کرے یعنی لا الہ الا اللہ کا انکار کرے، مسلمان تو وہ ہے جو اس کلمے کے دونوں حصوں کو تسلیم کرے اور ان پر ایمان لائے۔☆[4]

نسیم خیال چلتی ہے آفتاب کریمی کی فصلِ ہنر میں کئی غنچے چٹخنے لگتے ہیں۔ یہاں ''قوسین'' میں شامل ایک حمد کے چند شعر ملاحظہ ہوں:

ہے ہمیشہ سے ہی روشن اس کی عظمت کا چراغ
بجھ نہیں سکتا کبھی قادر کی قدرت کا چراغ

اوّل و آخر وہی ہے ظاہر و باطن وہی
اوّل و آخر ہے اس کی شان و شوکت کا چراغ

خلوتوں میں ان چراغوں سے چراغاں کیجیے
ذکر و فکر و شکر کا ہو یا تلاوت کا چراغ

ان چراغوں سے کریمی دُور ہوگی تیرگی
اک نماز پنج وقتہ اک تلاوت کا چراغ☆[5]

اب اسی قافیہ ردیف میں نعت کے یہ اشعار ملاحظہ ہوں:

وادیِ بطحا میں روشن ہے رسالت کا چراغ
گل نہیں ہوگا کبھی ختمِ نبوت کا چراغ

آج بھی سب کو فروزاں کر رہا ہے باخدا
وہ امانت کا دیانت کا، صداقت کا چراغ

منتقل ہوتا رہا جو پاک پشتوں میں وہی
آمنہ کی گود میں پہنچا ہدایت کا چراغ

محسنِ انسانیت ہے وہ جو ہے اُمی لقب
ہے وہی اُمی فصاحت کا بلاغت کا چراغ☆[6]

ایک ہی قافیہ ردیف میں ''قوسین'' میں شامل حمد و نعت کی ایک اور نادر مثال دیکھیے:

تری مدحت کا نغمہ لکھ رہا ہوں
ہے واحد تُو خدایا لکھ رہا ہوں

ازل تو ہے ابد تو لم یزل ہے
ہمیشہ تا ہمیشہ لکھ رہا ہوں

تیری عظمت کا چرچا سُو بہ سُو ہے
تُو ہی ہے شان والا لکھ رہا ہوں

مجھے تُو نے سکھایا لکھنا پڑھنا
قلم سے آج کیا کیا لکھ رہا ہوں☆[7]

اور اب نعت کے یہ اشعار:

مدینے کا نظارا لکھ رہا ہوں ۔۔۔ معطر ہے اُجالا لکھ رہا ہوں
ملا ہے جب سے اذنِ نعت گوئی ۔۔۔ قصیدے پر قصیدہ لکھ رہا ہوں
وہ میرے مونس و مولیٰ و ملجا ۔۔۔ تعلق اُن سے اپنا لکھ رہا ہوں
نہ ہوتے وہ تو یہ دنیا نہ ہوتی ۔۔۔ حدیثِ شاہِ والا لکھ رہا ہوں[۸]

محبوبِ کائنات حضور نبی کریم ﷺ کا ذکرِ ولادتِ رسول سے پہلے بھی ہوتا رہا اور تا قیامِ قیامت ہوتا رہے گا۔ مخلوقات تو ایک طرف خود خالقِ کائنات جل شانہ اور اس کے فرشتے بھی نبی محترم پر درود بھیجتے ہیں۔ حضور ﷺ کا ذکر بلند کرنے کا حوالہ قرآن حکیم میں موجود ہے۔

و رفعنا لک ذکرک

ترجمہ: اے نبی ہم نے آپ کا ذکر بلند کیا۔[۹]

آفتاب کریمی مرحول نے اپنی تصنیف ''منہاج العقائد'' میں فتح الباری جلد ۸ کے حوالے سے العطور المجموعۃ سے یہ الفاظ نقل کیے ہیں:

رسولِ مقبول ﷺ نے اس کی تشریح یوں فرمائی ہے کہ:

میرے پاس جبرائیل امین علیہ السلام آئے اور یہ کہا آپ ﷺ کا رب فرماتا ہے کہ کیا آپ جانتے ہیں کہ مَیں نے آپ ﷺ کا ذکر کس طرح بلند کیا ہے؟ حضورِ اکرم ﷺ نے فرمایا کہ یہ تو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ تو جبرائیل علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان سنایا کہ ''جب میرا ذکر ہوگا تو میرے ساتھ تیرا ذکر بھی ہوگا۔''[۱۰]

نعت میں درود و سلام کو منظوم کرنا، اس کی اہمیت اور فضیلت بیان کرنا اور اس کے فوائد و ثمرات کی نشان دہی کرنا شعرا کا محبوب موضوع رہا ہے۔ آفتاب کریمی بھی اس سعادت کونین کے حصول میں سرگرم دکھائی دیتے ہیں۔

ان اللّٰہ و ملئکتہ یصلون علی النبی یاایھا الذین آمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیماہ

ترجمہ: بے شک اللہ اور اس کے ملائکہ درود بھیجتے ہیں ان نبی پر۔ اے ایمان والو! تم بھی (اُن نبی) پر درود و سلام بھیجو۔[۱۱]

درودِ پاک کا وردِ ایمان کے استحکام کی دلیل ہے۔ یہ مردہ دلی کے خاتمے کا ایک موثر سلسلہ ہے۔ درودِ پاک پڑھنے سے حضور علیہ السلام خوش ہوتے ہیں۔ درود شریف کی عظمت و فضیلت اور فوائد کے حوالے سے اَن گنت احادیث اور واقعات سے کتابیں بھری پڑی ہیں۔ یہ ثنائے خواجہ ﷺ کا ایک مقبول ذریعہ ہے۔ آفتاب کریمی نے بھی اپنی نعتوں میں زیادہ سے زیادہ درود خوانی کی خواہش کا اظہار کیا ہے

اوراس کے فیوض وبرکات کے حصول کی تمنا بار بار ظاہر کی ہے۔

اُن پر درود پڑھنے کا جس کو شرف عطا ہوا
پاتا ہے روشنی وہی صلِ علیٰ سے رات دن ☆[۱۲]

☆

سلام کر کے درود پڑھ کے ریاضِ جنت میں محوِ سجدہ
مروں میں ایسے مرے خدایا مری تو بس التجا یہی ہے ☆[۱۳]

☆

کی کیسی درودوں نے منور میری قسمت
لے آئی مجھے آپ کے در پر مری قسمت

☆

درود اُس پر سلام اُس پر کروڑوں
کہ جو وجہِ وجود این و آں ہے ☆[۱۵]

☆

محفل ہو جو نعتوں کی سرکار کی مدحت کی، کثرت ہو درودوں کی
خوش بو بھی مہیا ہو جب ذکرِ رسالت ہو یہ عین عبادت ہے ☆[۱۶]

''قوسین'' کے دیباچے میں ممتاز نعتیہ ناقد اور شاعر عزیز احسن رقم طراز ہیں کہ مذہبی شاعری میں سب سے بڑا مسئلہ یہی ہوتا ہے کہ اگر شاعر کی توجہ شعری محاسن کی طرف مبذول ہوجاتی ہے تو قبائے شریعت تنگ ہوجاتی اور شعری تقاضوں کا شعور رہے تو شریعت کا خون ہوجاتا ہے۔ لیکن آفتاب کریمی صاحب کی شعری کائنات میں اُن کے قلب کی دھڑکن کچھ اس طور گونج رہی ہے کہ ہر دو تقاضے پورے ہوتے ہوئے لگتے ہیں اور صاف محسوس ہوتا ہے کہ یہ شاعری محض شعری آمد کے بل پر نہیں کہی گئی بلکہ شاعر کا تداخل (Personal Involvement) پوری طرح شاعر کے حال میں تبدیل ہوگیا ہے جس سے قاری کو ان کی شاعری آوازِ دوست معلوم ہوتی ہے ☆[۱۷] پروفیسر محمد اکرم رضا کو ان کی نعتیں شاہراہِ عرفان میں نورِ آفریں سنگِ میل کی صورت دکھائی دیتی ہے۔ تابش دہلوی مرحوم ان کو مترنم اور دل کش الفاظ سے مملو قرار دیتے ہیں، ڈاکٹر سیّد ابوالخیر کشفی نے آفتاب کریمی کے ہاں سادگی اور سلاست کی نشان دہی کو ضروری خیال کیا ہے، حفیظ تائب مرحوم نے ان کی نعتوں کو ان کی وارداتِ قلبی کا آئینہ دار کہتے ہیں تو صبیح رحمانی نے ان کی نعتوں میں شخصیت کے خلوص، سادگی، والہانہ پن اور وارفتگی کا ترجمان قرار دیا ہے۔

یہاں میں آفتاب کریمی کے نظریۂ نعت کا ذکر کرنا ضروری خیال کرتا ہوں۔ وہ نعت کے بیش تر تقاضوں کو پوری طرح سمجھتے تھے:

لکھوں میں نعتِ نبی ہمیشہ مری تو بس التجا یہی ہے
ہو میری بخشش کا یہ وسیلہ مری تو بس التجا یہی ہے [☆۱۸]

☆

مرے طاقِ دل پہ پیہم، ہے چراغِ نعت روشن
مری ہر غزل جبھی تو، نئی نعت میں ڈھلی ہے [☆۱۹]

☆

اک نعت اندھیرے میں لکھی کچھ لفظ غلط تحریر ہوئے
پھر خواب میں کچھ پرسش بھی ہوئی آداب کی بھی تاکید ہوئی [☆۲۰]

☆

چراغِ نعت کو روشن رکھو کریمی تم
لکھو جو شعر تو بدرالدجیٰ کی بات کرو [☆۲۱]

فن کے حصارِ بے دیوار میں رہتے ہوئے آفتاب کریمی نعتیں لکھ کر راحتوں اور آسودگیوں کی خوش بو سے مشامِ جاں کو معطر کرتے رہے۔ یادِ مصطفیٰ ﷺ میں آنسو بہاتے اور حضوری کے لیے تڑپتے، طویل انتظار کرب کو جنم دیتا ہے۔ چاروں اضطراب کی دُھند چھا جاتی ہے۔ اس انتظار کشی کے عالم میں انھوں نے اپنی آنکھوں کو کشکول بنا رکھا تھا اور وہ حضوری کی بھیک مانگتے۔ جذبے میں سچائی اور استقامت ہو تو دعائیں قبول ہو ہی جایا کرتی ہیں۔ ۱۴۱۴ھ، ۱۹۹۳ء میں انھیں عمرے اور ۱۴۲۰ھ میں حج کی سعادت حاصل ہوئی۔ مدینہ منورہ کی ایک حاضری حضوری کی کئی خواہشوں کو جنم دیتی ہے۔ یہ شعر اسی کیفیت کی عکاسی کر رہا ہے:

آنکھ کشکول جب سے بنی ہے، دید کی بھیک ملنے لگی ہے
دل دریچوں میں اک روشنی ہے اور تصور میں روضے کی جالی [☆۲۲]

''منہاج العقائد'' میں آفتاب کریمی نے ۱۹۹۳ء میں عمرہ کے دوران میں اپنے ایک خواب کا تذکرہ کرتے ہوئے آخر میں بڑی ایمان افروز بات لکھی ہے:

> ایک شب میں نے خواب میں دیکھا کہ میں ایک مسجد کے صحن میں بیٹھا ہوں۔ وہ مسجد چھوٹی اور غیر پختہ ہے۔ کچھ غیر پختہ حصہ قبلے کی طرف ہے اور کچھ دوسری طرف، صحن دونوں حصوں کے درمیان ہے۔ میرے ساتھ دو حضرات تشریف فرما ہیں جو کہ مجھ سے عمر میں بڑے ہیں۔ ان کے نورانی چہروں سے ان کی عظمت میرے دل کی گہرائیوں میں اُتر رہی ہے۔ مجھ میں اتنی ہمت نہیں کہ میں ان سے کلام کرسکوں لیکن اس کے باوجود میں یہ محسوس کر رہا ہوں کہ وہ دونوں حضرات مجھے بہت عقیدت کی نظر سے دیکھ رہے ہیں جس میں احترام بدرجہ اتم موجود ہے۔

اُن کی کیفیت نے مجھے حیرت زدہ کر دیا مجھ سے یہ کیفیت برداشت نہ ہوئی اور بالآخر میں نے ہمت کر کے ان سے پوچھا کہ آپ جیسی عظیم ہستیاں اس درجہ میرا اکرام کیوں کر رہی ہیں۔ فرمایا آپ رسول اللہ ﷺ کی نعت کہتے ہیں۔ ہمیں نعت سنایئے میں نے نعت سنانی شروع کی:

میری نظر کو منبعِ انوار چاہیے
اللہ کے رسول کا دیدار چاہیے

بس یہ مطلع ہی پڑھا تھا کہ شوقِ زیارت نے زور مارا اور روتے روتے میری ہچکی بندھ گئی۔ میں نے بیٹھے بیٹھے اپنا سر زمین پر رکھ دیا اور روتا رہا۔ آنسو رکنے کا نام ہی نہ لیتے تھے۔ اسی دوران ان دو حضرات میں سے کسی نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا: ''حضور ﷺ تشریف لا رہے ہیں، میں نے فوراً اپنا سر اُٹھایا تو دیکھا کہ میرے دائیں طرف حضور پُرنور سرورِ کونین میرے آقا و مولیٰ ﷺ دو صحابہ کرام کا سہارا لیے ہوئے تشریف لا رہے ہیں اور پھر مسجد کے اس حصے میں تشریف فرما ہوئے جو میری بائیں جانب تھا۔ آپ کے تشریف فرما ہونے کے بعد میں نے یہ محسوس کیا کہ درمیان میں ایک بہت ہی باریک سا پردہ بھی ہے، لیکن حضورِ پاک ﷺ کی زیارت ہو رہی ہے۔ اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی تو میں نے اپنا تکیہ آنسوؤں سے تر پایا۔

مجھے یقیناً میری معراج مل گئی

اس کے بعد جب کبھی میں یہ نعت پڑھتا ہوں تو مسجد میں ان بزرگوں سے ملاقات اور حضور پاک ﷺ کی زیارت کا نقشہ میری آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔ آنکھیں تر ہو جاتی ہیں، دل مسرور ہو جاتا ہے، روح رقص کرنے لگتی ہے، رحمتوں کی بارش ہونے لگتی ہے اور سینہ منور ہو جاتا ہے۔ میں نے اس واقعے کو اپنی نعتوں میں یوں نظم کیا ہے:

مسجد میں سنائی تھی جو خواب میں رو رو کر
ہم پڑھ کر سرِ محفل وہ نعت بہت روئے

☆

میں نے اک خواب میں خوش بو کو مجسم دیکھا
دل میں حسرت ہے کہ ہر شب یہی سپنا دیکھوں ☆۲۳

اس طویل اقتباس کی نقل پر میں معذرت خواہ ہوں۔ غایت الغایات یہ تھی کہ آفتاب کریمی مرحوم و مغفور کے جذبہ صادق، عشقِ مصطفیٰ ﷺ اور اپنے مقصد سے گہری لگن کو اُجاگر کیا جاسکے۔ حضور رحمتِ دو عالم ﷺ کی خواب میں زیارت اور بار بار یہ سپنا دیکھنے کی تمنا ظاہر کرتی ہے کہ وہ صاحبِ قال ہی نہیں صاحبِ حال بھی تھے۔ ان کا شمار اربابِ باطن میں ہوتا تھا۔ مذاقِ شعر ان کی گرم جولانی کی ایک جہت تھی۔

آفتاب کریمی کی نعتوں کا ایک اہم موضوع، شاعر کی درِ اقدس ﷺ پر بار بار حاضری کی تمنائے جمیل سے متعلق ہے۔ وہ ان مشتاقانِ عصر کی صفت میں شامل تھے جو حضور ﷺ کے حضور پہنچ کر ہدیۂ نعت پیش کرنے کے خواہش مند تھے۔

بلا لیں پھر مجھے شاہِ مدینہ حضوری کا عریضہ لکھ رہا ہوں[۲۴]

دنیا میں ہر اک شے سے حسیں گنبدِ خضرا سمجھوگے اگر دیکھ لو تم دل کی نظر سے[۲۵]

خدا کے واسطے مجھے مدینہ پھر بلائیے مدینے سے میں دُور ہوں قریب اب وصال ہے[۲۶]

''واکا'' پانچوں مصرعوں کی نظم ہے۔ آفتاب کریمی نے حمدیہ اور نعتیہ واکے بھی لکھے ہیں۔ نعتیہ واکے کی مثال دیکھیے:

نکلتا ہے جو مکّہ سے مدینے کا حسیں رستہ
پرانا ہے وہ یادوں میں
پہاڑوں کی چٹانوں میں
نیا رستہ اضافہ ہے
جو میں نے خود بھی دیکھا ہے

مدینے کی زیارت تو ہے شامل میرے ایماں میں
مدینہ شہرِ یکتا ہے
حبیبِ رب جو رہتا ہے
مدینہ ایسا خطہ ہے
نہیں رہتی دلوں میں کھوٹ[۲۷]

آفتاب کریمی نئی اصناف میں نعت کہنے کو مستحسن عمل سمجھتے تھے۔ اس لیے کہ ہر نئی صنفِ سخن نئے امکانات لے کر آتی ہے۔ آفتاب کریمی مرحوم نے اس کی عملی صورتیں بھی فراہم کی ہیں۔ آفتاب کریمی نے ایک نعتیہ رسالے ماہ نامہ ''سفیرِ نعت'' کراچی جاری کیا اور تادمِ واپسیں حقِ ادارت ادا کرتے رہے۔ یہ فروغِ نعت کے ذیل میں ان کی نمایاں خدمات کا ایک اور زاویہ ہے جو الگ مطالعے کا متقاضی ہے۔ اپنی

ان نگارشات کو میں آفتاب کریمی کے آٹھ ہائیکو میں سے دو ہائیکو کی نقل کے ساتھ ختم کرتا ہوں:

نعت لکھا کرنا

رفعتِ ذکر احمد کی

بات کیا کرنا ☆۲۸

نور ہدایت کا

پھیل رہا ہے جس در سے

در ہے رسالت کا ☆۲۹

اللہ کریم آفتاب کریمی مرحوم کے درجات بلند فرمائے۔ آمین

حوالہ جات

☆۱۔ عزیز احسن: نعت کی تخلیقی سچائیاں، اقلیم نعت، کراچی، اشاعت اوّل، ۲۰۰۳ء، صفحہ نمبر ۲۱۷

☆۲۔ آفتاب کریمی: منہاج العقائد، آفتاب اکیڈمی، ۲۰۰۱ء، انتساب

☆۳۔ منہاج العقائد، ص ۱۲

☆۴۔ آفتاب کریمی: قوسین، اقلیم نعت، کراچی، اشاعت اوّل، ۲۰۰۵ء، ص ۱۸

☆۵۔ قوسین، ص ۶۲ ☆۶۔ ایضاً ص ۶۳

☆۷۔ ایضاً ص ۶۷ ☆۸۔ ایضاً ص ۷۷

☆۹۔ قرآن مجید، پارہ نمبر ۳۰، سورۃ الانشراح، آیت نمبر ۴

☆۱۰۔ منہاج العقائد، ص ۲۴۶

☆۱۱۔ قرآن مجید، پارہ نمبر ۲۲، سورۃ الاحزاب، آیت نمبر ۵۶

☆۱۲۔ قوسین، ص ۴۷ ☆۱۳۔ ایضاً، ص ۵۵

☆۱۴۔ ایضاً، ص ۱۱۵ ☆۱۵۔ ایضاً، ص ۱۱۷

☆۱۶۔ ایضاً، ص ۱۲۹ ☆۱۷۔ ایضاً، (دیباچہ) ص ۲۱

☆۱۸۔ ایضاً، ص ۵۵ ☆۱۹۔ ایضاً، ص ۵۹

☆۲۰۔ ایضاً، ص ۷۵ ☆۲۱۔ ایضاً، ص ۸۹

☆۲۲۔ ایضاً، ص ۴۱ ☆۲۳۔ منہاج العقائد، ص ۳۰۰۔۲۹۹

☆۲۴۔ قوسین، ص ۷۷ ☆۲۵۔ ایضاً، ص ۹۱

☆۲۶۔ ایضاً، ص ۱۱۱ ☆۲۷۔ ایضاً، ص ۱۳۹

☆۲۸۔ ایضاً، ص ۱۳۷ ☆۲۹۔ ایضاً، ص ۱۳۷

مطالعاتِ نعت

حاصلِ مطالعہ

عارف منصور

رنگ نعت/ پروفیسر فیروز شاہ

''نعت رنگ'' کے پہلے شمارے سے جو تحریک شروع ہوئی ہے وہ آہستہ آہستہ اپنے مختلف رنگ بکھیرتی آگے بڑھ رہی ہے۔ جیسے جیسے ''نعت رنگ'' کا صوری اور معنوی حسن بڑھتا جارہا ہے۔ اس سے متعلقہ کتب کی تعداد میں بھی اضافہ ہورہا ہے۔ تازہ ترین کتاب ''رنگ نعت'' کے عنوان سے پروفیسر محمد فیروز شاہ نے تالیف کی ہے۔ یہ کتاب، درحقیقت ''نعت رنگ'' میں چھپنے والی نعتوں کا انتخاب ہے۔ گویا اب تک ''نعت رنگ'' کے جو ۱۹ر شمارے منظر عام پر آئے ہیں۔ اس میں شائع شدہ نعتوں کو پروفیسر محمد فیروز شاہ نے اپنی طبع کی کٹھالی میں ڈالا ہے اور جو نعت کندن نظر آئی اسے جمع کر دیا گیا اور ''نعت رنگ'' کی ان نعتوں کے انتخاب کے لیے ''رنگِ نعت'' ہی مناسب ترین عنوان نظر آتا ہے۔ کتاب کا انتساب بہت ہی خوب صورت ہے یعنی ''عشقِ رسول ﷺ میں ڈوب کر طلوع ہونے والوں کے نام''

اس انتخاب نعت کے شروع میں قمر عباس کان پوری کی حمد۔ ثنا گورکھ پوری کی حمد یہ رباعیات پھر مؤلف کی طرف سے مقدمہ بعنوان ''سبدِ گل سے چند گلاب'' جب کہ اس انتخاب پر تقریظ پروفیسر محمد اکرم رضا نے تحریر کی ہے جس کا سرنامہ ہے ''رنگ نعت کی بہارِ جاوداں''

اس کے بعد ایک ایک شمارے کی نعتیں علاحدہ علاحدہ دی گئی ہیں۔ پہلے شمارے سے ۱۰ر نعتیں، دوسرے شمارے سے ۱۹ر نعتیں، تیسرے شمارے سے ۳۳ر نعتیں، چوتھے سے ۱۷ر نعتیں، پانچویں شمارے سے ۲۵ر نعتیں اور چھٹے شمارے سے ۲۱ر نعتیں شامل ہیں۔ ساتویں شمارے سے کوئی نعت نہیں جب کہ آٹھویں شمارے میں ۱۲ر نعتیں۔ نویں شمارے کی ۹ر نعتیں اس انتخاب میں آئی ہیں۔ ''نعت رنگ'' نمبر ۱۰ سے سات، گیارہ سے گیارہ جب کہ بارھویں شمارے سے ۹ر نعتیں چنی گئی ہیں۔ شمارہ نمبر ۱۳ سے کل پانچ نعتیں۔ چودھویں شمارے سے ۱۰ نعوت پندرھویں ''نعت رنگ'' سے ۲۰ر نعتیں اس انتخاب کا حصہ ہیں۔ سولھویں

شمارے سے چودہ نعتیں۔ سترھویں شمارے سے چھ نعتیں نعتیہ رباعیات اور سانیٹ شامل ہیں۔ ''نعت رنگ'' اٹھارہ سے چھ نعوت اور آخری شمارہ یعنی ۱۹/ سے ۲۰/ نعتیں اس کتاب کا حصہ ہیں۔ نعتوں کا چناؤ جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کوئی کتابی کلیہ نہیں بلکہ وجدان کے بھروسے پر کیا گیا ہے جو خاصا مناسب ہے۔

یہ خوب صورت مجلد کتاب المدینہ دارالاشاعت یوسف مارکیٹ غزنی اسٹریٹ ۳۸/ اردو بازار لاہور سے شائع ہوئی ہے اور اس کا ہدیہ ۳۰۰/ روپے رکھا گیا ہے جو کچھ زیادہ محسوس ہوتا ہے۔

رحمت پروردگار/ علی اصغر عباس

علی اصغر عباس ہمارے اکثر شاعروں کی طرح غزل کی وادیوں میں بھٹکنے کے بعد بہشت نعت میں وارد ہوئے ہیں اور قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی کے مطابق ہر شخص عمر کے ایک خاص حصے میں اپنے اصل کی طرف پلٹتا ہے۔ سو خوش نصیب ہے۔ علی اصغر عباس کہ اللہ تعالیٰ کی توفیق اسے راہ راست پر لے آتی ہے اور اب اس کی توانائیاں نعت کے لیے وقف ہیں۔

شاعر نے اپنے پیش لفظ میں گو واضح طور پر مشاورتِ سخن کے لیے اسلم کولسری صاحب کے حلقۂ ارادت میں شمولیت کا اعتراف تو نہیں کیا، پھر بھی اُن کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کی ہر نعت پر اسلم کولسری کی اُستادانہ نظر ضروری پڑی ہے اور تسلی کے بعد ہی اشاعت کی منزل آتی ہے۔ اس مجموعۂ کلام کے فلیپ اسلم کولسری ڈاکٹر تحسین فراقی اور خالد علیم کے تحریر کردہ ہیں۔ پس سرورق پر احمد ندیم قاسمی اور خالد احمد کے ارشادات شائع کیے گئے ہیں۔ جب کہ تقریظ بعنوان پیش آہنگ ڈاکٹر خورشید رضوی کے زور قلم کا نتیجہ ہے۔ جنھوں نے خاصے جامع انداز میں علی اصغر عباس کی نعتیہ شاعری کا تعارف کروایا ہے۔

علی اصغر عباس کی نعتیہ شاعری یقینی طور پر واردات قلب کا اظہار یہ ہے مناسب مطالعہ ہونے کے سبب الفاظ کے چناؤ بے ساختگی لیے ہوئے ہے اور بعض جگہوں پر انتہائی سادگی کے ساتھ سیرت کے بہت سے پہلو بیان کر دیے گئے ہیں، جو دل کو چھو لیتے ہیں۔ کلام میں جدید سوچ اور اچھے تلازمات اکثر ملتے ہیں جو علی اصغر کے عہد حاضر کے شاعر ہونے کی گواہی ہیں دو اشعار دیکھیں:

شرک کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا ۔۔۔ بے خودی میں بھی نہ احمد کو احد کرتا ہوں

ان کے قدموں سے بلندی کا پتا ملتا ہے ۔۔۔ میں جو جھکتا ہوں بڑا اپنا ہی قد کرتا ہوں

اَللّٰھُمَّ بارک علیٰ محمد ﷺ/ ریاض مجید

نعت کے بارے میں اکثر یہ کہا جاتا ہے کہ وہ عقیدت کے کھوئے سے پھوٹنے والی وہ خوب صورت

کونپل ہے کہ اگر اسے کہنے والے کے پس منظر میں مطالعہ کی وسعت ہو اور الفاظ کا صحیح ادراک موجود ہو تو اس کی خوب صورتی بے مثال روپ اختیار کر لیتی ہے۔ ڈاکٹر ریاض مجید کا شمار ایسے ہی نعت گو حضرات میں کیا جا سکتا ہے۔ جن کے پاس نہ عقیدت کی کمی ہے نہ مطالعے کی اور الفاظ تو جیسے ان کے پاس ہر وقت منتظر رہتے ہیں کہ انھیں نعت کے لہجے میں پرو دیا جائے۔ زیر نظر مجموعہ ان کا تیسرا اردو نعت کا مجموعہ ہے۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی وائس چانسلر انڈیپنڈنٹ یونی ورسٹی فیصل آباد کی مختصر مگر نہایت جامع تقریظ اور شاعر رسول حضرت حفیظ تائب کی خوب صورت رائے کے فلیپ سے سجا یہ مجموعہ کلام اہل دل اور اہل نظر کے لیے ارمغان کی حیثیت رکھتا ہے۔ نعتیں خوب صورت الفاظ کی مرصع کاری ہونے کے باوجود اپنے مفاہیم میں سادگی اور پرکاری تاثیر رکھتی ہیں۔ اس کتاب میں ایک حمد اور ۶۲ غزلیہ نعتیں شامل ہیں اور بیش تر نعتوں میں تازہ کار ردیفیں اور قافیے پڑھنے والوں کو نئے جہانوں سے آشنائی دیتے ہیں۔ دو اشعار دیکھیے:

شہہ رگ بندھی ہے اپنی مدینے کی خاک سے
لگتی ہے اپنی جاں کے یہ بالکل قریں زمیں

یا

اُڑ کے جاتی ہے حرم اس کی مہک نور مثال
نہیں نعت آپ کی قرطاس میں رہنے والی

یہ مجموعۂ نعت اس بات کا گواہ ہے کہ ڈاکٹر ریاض مجید جنھیں پاکستان میں نعت پر پہلا پی ایچ۔ ڈی کا مقالہ لکھنے کا اعزاز حاصل ہے جادۂ نعت پر مسلسل آگے بڑھ رہے ہیں۔ اور ان کی نعت اب بیش تر روایتی سانچوں کی قید سے ماورا ہو چکی ہے۔ اور وہ نعت کے ہر شعر کہتے ہوئے جن منزلوں سے گزرتے ہیں وہ ان کے اشعار سے عیاں ہیں۔ اللہ کرے ان کا یہ نوری سفر تادیر جاری و ساری رہے۔

یہ کتاب شاعر نے خود ہی ادارہ ''نعت'' فیصل آباد کے زیر اہتمام شائع کی ہے اور اس کی قیمت ۱۵۰ روپے نہایت مناسب ہے۔

جوئے رحمت / سیّد جمیل الدین شرفی

شرفی قادری سلسلے کے ایک اہم بزرگ سید جمیل الدین کا مجموعہ حمد و نعت و مناقب مندرجہ بالا عنوان سے ظہور پذیر ہوا ہے۔ اس میں ایک حمد، ۱۴۱ منقوط اور ایک غیر منقوط نعت منظوم درود شریف اور سلام بارگاہِ خیر الانام ہے۔ اس کے علاوہ ۲۴ مناقب ہیں جن میں اُم المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے لے کر اپنے راہ نما حضرت سیّد شاہ محمد علیم الدین شرفی قادری کی شان میں اشعار شامل کیے گئے ہیں۔ نعت میں

شاعر نے کئی جگھوں پر لفظوں میں ضرورت کے مطابق تبدیلیاں کی ہیں کہیں ایسی زبان استعمال کی ہے جو بولی کہی جاسکتی ہے اور روزمرہ کے زمرے میں آتی ہے۔ لہجے میں حیدرآبادی پن صاف طور پر جھلکتا ہے۔ اشعار کے بیان میں سادگی اور گفتگو کا سا انداز نمایاں ہے۔ دو اشعار دیکھیے:

کمر کرکے سیدھی عقائد کی نکلو مدینے کو جانے کا رستہ الگ ہے

خدائی کی برکت کو نہلانے دودھوں وہاں بکریوں کو چرانا الگ ہے

ایسے بہت سے اشعار قاری کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیتے ہیں اور قاری چند لمحوں کے لیے گومگو کا شکار ہو جاتا ہے کہ وہ واقعی نعت پڑھ رہا ہے یا کوئی گفتگو سُن رہا ہے۔ ایک اور شعر دیکھیے:

نبی کے دست مبارک کے لمس کو اوڑھے
سلگتی بھٹی میں دسترِ نماز پڑھتے ہیں

کتاب کا دوسرا حصہ یعنی حصہ مناقب قابلِ مطالعہ ہے۔ خاص طور پر حضرت بی بی فاطمہ کی مناقب اور یارانِ نبی کی شان میں کہے اشعار۔ ایک شعر حضرت عثمان ؓ کی شان میں دیکھیے:

نبی سے بات کرکے سیکھ لی ہے نرم گفتاری
بنا دیں موم پتھر کو یہ لفظیات عثماں کی

کتاب کے آخر میں سردار سلیم نے دو قطعات تاریخ رقم کیے ہیں جس میں ایک قطع کا آخری مصرع ہجری اور دوسرے قطع کا آخری مصرع عیسوی تاریخ بنتا ہے۔ اس کے بعد سیّد سکندر حسین شرفی اور سیّد حامد حسین شرفی کی طرف سے تہنیتی اشعار در صنعتِ توشیح شامل کیے گئے ہیں۔

یہ مجموعہ زاویہ قادریہ، حیدرآباد، دکن انڈیا نے شائع کیا ہے۔ اور اس کا ہدیہ ۹۲ روپے رکھا گیا ہے جو مناسب ہے۔

جبینِ نیاز/ عابدہ کرامت

یہ حمدیہ کلام کہنہ مشق شاعرہ عابدہ کرامت کو توفیق ہوا ہے جسے انھوں نے جبینِ نیاز میں جمع کر دیا ہے۔ عابدہ کرامت کے ہاں شعر کا سلیقہ ملتا ہے۔ جو ہم عصر شاعرات کے کلام میں اکثر نظر نہیں آتا۔ اور اس مجموعہ کلام کے مطالعے کے بعد واضح طور پر ایک بات کی شہادت ملتی ہے کہ نام یا تخلص براہ راست انسانی زندگی پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ اچھے نام رکھے جائیں اس سلسلے میں بعض روایات کے مطابق ہمارے پیارے نبی حضرت محمد ﷺ نے بعض نام تبدیل بھی فرمائے۔ عابدہ کرامت اپنے اس حمدیہ مجموعۂ کلام میں مکمل طور پر "عابدہ" کے روپ میں سامنے آئی ہیں جن کی اپنے معبود سے بے پناہ وابستگی نے

بڑے حسین پیرائے میں اپنا اظہار کیا ہے۔ غزلیہ ہیئت میں کہی جانے والی محامد اپنے اندر بے پناہ جاذبیت اور حسن رکھتی ہیں۔ کوئی ورق الٹ لیجیے کسی صفحے پر نظر ڈالیں آپ کو بہت سے ایسے اشعار ملیں گے جو روایتی حمد سے ہٹ کر خلوص اور عابدانہ وارفتگی کے رنگ میں ڈوبے نظر آئیں گے اور یہی اس مجموعے کا کمال ہے۔ چند اشعار دیکھیے:

لفظ گم ہوئے میرے حرف چپ ہوئے میرے
معرفت کا لہجہ دے دورِ بے زبانی میں
جادۂ ہدایت میں دست و پا عنایت کر
بال و پر عطا کر دے راہِ آسمانی میں

☆

جھکی نظر سے ترا عکس تھا بہت محفوظ
اٹھائی آنکھ تو بے پردگی سی رہنے لگی
یہ مہر و ماہ گل و خار سب عزیز ہوئے
کہ تیرے جلووں سے وابستگی سی رہنے لگی

اس مجموعہ کلام کے شروع میں ''للہ الحمد کی حمد'' کے عنوان سے سید افتخار حیدر کا تحریر کیا ہوا مقدمہ خوب صورت نثر سے مزین ہے۔ اس کے بعد ''معرفت کے لہجہ'' کے عنوان سے عصرِ حاضر کی اہم شخصیت محترم شان الحق حقی کی تقریظ شاعرہ کے کلام سے خاصے اچھے انداز میں شناسائی فراہم کرتی ہے۔

تمام تر خوب صورتیوں کے باوجود شاعرہ سے کہیں کہیں زبان و بیان کی غلطیاں سرزد ہوئی ہیں، مثلاً ایک شعر میں انھوں نے مد و جزر کو بطور قافیہ بفتحتین نظم کیا ہے جو درست نہیں ہے۔ ایک مصرعہ میں لکھا ہے: ''بے خودی میں جو خود سے فراموش تھے'' حالاں کہ تفہیمی اعتبار سے بے خودی اور جو خود فراموش تھے ایک بات ہے۔ اس لیے سے زائد کے طور پر وزن کی مجبوری نظر آتا ہے۔ کئی مصرعوں میں حمد کے باوجود غزلیہ رنگ اتنا حاوی ہے کہ وہ اشعار علاحدہ پڑھے جائیں تو حمد کی بجائے خالص غزل کے اشعار سمجھے جائیں گے۔

یہ مجموعہ کلام ویلکم بک پورٹ (پرائیویٹ) لمیٹڈ نے کراچی سے شائع کی ہے اور اس کا ہدیہ ۱۵۰ر روپے انتہائی مناسب ہے۔

قلم کی سجدہ ریزیاں / منتخب احمد نور

منتخب احمد نور کے حمد یہ کلام کا مجموعہ مندرجہ بالا عنوان سے منصۂ مشہود پر آیا ہے۔ سرورق پر سبحان

ربی الاعلیٰ کی موجودگی ہی شعری رجحان کا پتہ دے رہی ہے۔ منتخب احمد نوؔر پاکیزہ خیالات اور شریعت کا لحاظ رکھنے والے شاعر کی حیثیت سے سامنے آئے ہیں۔ اس مختصر سے مجموعہ کلام کا حسن یہ ہے کہ اس میں غزل نظم اور سب اصناف میں حمدیہ پیرایۂ اظہار کو ایک عبد کے مقام سے استعمال کیا گیا ہے۔ شاعر کہیں افراط اور تفریط کا شکار نظر نہیں آتا۔ ابتدائیہ میں درج شاعر کی یہ رائے بالکل صائب ہے کہ ''حمد بہت ہی مشکل صنف ہے۔ یہ تو محض اللہ جل شانہ، کی توفیق ہے جس کے طفیل لاشعوری طور پر کچھ ہو جائے ورنہ اس سخن میں دم مارنے کی گنجائش نہیں۔''

اس مجموعہ کلام میں بیش تر اشعار قابلِ مطالعہ ہیں جن میں سادگی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی خلاقی اور اس کے قادرِ مطلق ہونے کا اعتراف بڑی خوب صورتی سے نظم کیا گیا ہے، اس سلسلے میں یہ دو اشعار دیکھیے:

سکونِ قلب اے ربِّ جلیل پیدا کر
تو کارساز ہے، کوئی سبیل پیدا کر
نہ ہو ثبوت کی حاجت ترے لیے مجھ کو
تو میرے دل میں یقیں بے دلیل پیدا کر

ورق پر ورق الٹتے چلے جایئے۔ اللہ تعالیٰ کی شان حسنِ بیاں کے ساتھ بار بار آپ کے درِ دل پر دستک دیتی ملے گی۔ کہیں اس کی شانِ ربوبیت کے لیے خلوص دل کی ضرورت بیان کی گئی ہے تو کہیں آسماں اور زمیں میں اللہ تعالیٰ کی نشانیاں دیکھی گئی ہیں۔ شاعر کی سوچ پختہ اور اشعار میں سلاست و روانی اس کی اپنے صاف ستھرے کردار کا عکس نظر آتی ہے۔

یہ مجموعہ ناشر محمد سلمان ثقلینی نے بدایوں (یوپی) سے شائع کیا ہے۔ اور ملنے کا پتا بزمِ نورالادب مدرسہ جامعہ بشریہ عربیہ، زیارت شریف گھرانہ پچھّم، بدایوں ہے۔ اس کا کوئی ہدیہ درج نہیں ہے۔

عقیدت کے پھول/ شیو بہادر سنگھ دلبر

شیو بہادر سنگھ دلبؔر کا نعتیہ مجموعہ ''عقیدت کے پھول'' خاصا خوب صورت ہے۔ اور خوب سیرت بھی۔ یہ مجموعہ بیک وقت اردو اور ہندی رسم الخط میں شائع کیا گیا ہے۔ دائیں سے بائیں صفحہ نمبر ا سے ۱۴۴ تک اردو اور دوسری جانب سے بھی اتنے ہی صفحات ہندی میں تاکہ دونوں زبانوں کے پڑھنے والے اشعار سے یکساں لطف اندوز ہو سکیں۔ شیو بہادر سنگھ دلبؔر کا رائے بریلی میں ''ادارۂ احباب'' میں م لئیق انصاری کے مشورے پر شریک ہونا اور پھر وحید العصر وحید رائے بریلی کے حلقۂ تلمذ میں شمولیت نے نہ صرف ان کی مشقِ سخن کو چار چاند لگائے بلکہ ان کے اندر انسانی قدروں کے احترام کے سب سے بڑے داعی اور راہنما

حضرت محمد مصطفیٰ رحمت عالم ﷺ کی محبت اور ان سے عقیدت کا ایسا بیج بو دیا جو آج ایک بار آور شجر کی صورت اختیار کر گیا ہے اور جس کے ثمر کے طور پر یہ مجموعہ کلام ''عقیدت کے پھول'' منصۂ شہود پر آیا ہے۔ شاعر کے اپنے الفاظ کے مطابق ''جس ذات گرامی کی مدح خود خلاقِ عالم کر رہا ہو اس کی مدح سرائی انسان کیا کرے گا۔ خاکسار نے صرف ثنا خوانِ محمد کی فہرست میں اپنا نام لکھانے کی غرض سے یہ ادنیٰ سعی کی ہے کیوں کہ یہ میرا بھی عقیدہ ہے کہ حضور کی ذاتِ اقدس بنائے دو عالم ہیں اور انھی کے طفیل میں ہم گنہ گاروں کی بخشش ہوگی میں بھی غلام شافع محشر ہوں اس لیے ان کی رحمت و شفاعت سے محروم نہیں رہوں گا۔ یہ میرا پختہ یقین ہے۔''

اتنے پختہ یقین رکھنے والے کا نام شیو بہادر سنگھ دلبر کیوں ہے۔ میں اپنے آپ سے یہ سوال کر کے انگشت بدنداں بیٹھا ہوا جواب سوچ رہا ہوں۔ بہر حال شاعری میں سیدھے سادے جذبات اتنے ہی رواں اور آسان الفاظ میں دھارے کی طرح بہتے محسوس ہوتے ہیں۔ چند اشعار دیکھیے:

آپ کا اسمِ اطہر ہی کام آئے گا
کچھ نہ کام آویں گے مال و زر یا نبی
یاد دل میں رہے لب پہ نام آپ کا
مشغلہ ہو یہ شام و سحر یا نبی

☆

عشقِ نبی میں جس نے گزاری ہے زندگی
اس کو قضا بھی آ کے قرینے سے لے گئی
تاریخ ہے گواہ کہ یہ بزمِ کائنات
علم و ادب کا نور مدینے سے لے گئی

یہ خوب صورت مجموعہ کلام شاعر نے خود شائع کرایا ہے ملنے کا پتا ۹ر چندر نگر رائے بریلی ۲۲۹۰۰۱ (یوپی) اور اس کی قیمت ۷۵ر روپے نہایت مناسب ہے۔

نعت میرا بھرم/محمود احمد مفتی

چراغ عشقِ محمد اُٹھا کے ہاتھوں میں
چمک رہا ہوں میں خود بھی ہوا کے ہاتھوں میں

محمود احمد مفتی جن کے لہو میں اپنے والدِ محترم سے خطابت کا جوش، عشقِ نبی کے روپ میں ڈھل کر

فیصل آباد اور اس کے گردونواح میں ہزاروں کلمہ گو مسلمانوں کے قلوب کو منور کرنے کا فریضہ انجام دے رہا ہے، اب ایک نعت گو شاعر کے روپ میں سامنے آئے ہیں اور اُن کا پہلا مجموعہ کلام "نعت میرا بھرم" کے عنوان سے زیرِ نظر ہے۔ اس مجموعہ کے شروع میں وفاقی وزیر برائے مذہبی اُمور محمد اعجاز الحق کی تقریظ اور سرورق کی پشت پر چیئرمین سینٹ محمد میاں سومرو کا پیغام شامل کرنے کے اسباب سمجھنے سے قاصر ہوں۔ اگر شاعر نے اپنے ہاتھوں میں چراغِ عشقِ محمد ﷺ اُٹھایا ہے جیسا کہ پیشانی کے شعر سے ظاہر ہے اور نعت کو اس نے اپنا بھرم بنایا ہے تو پھر ان بے ساکھیوں کی کیا ضرورت تھی جب کہ اسی مجموعے میں انھوں نے نعتیہ ادب کے وزیرِ اعظم یعنی ڈاکٹر ریاض مجید کی رائے بھی شامل کی ہے۔ جن کا ایک ایک لفظ اپنی جگہ اہمیت کا حامل ہے اور پھر ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی کی تقریظ بھی موجود ہے۔ معلوم نہیں ہمارے شعرا کرام کو اپنی شاعری پر اعتماد کیوں نہیں ہوتا اور وہ قاری کو اچھی شاعری کے بجائے غیر متعلق لوگوں کی آرا سے کیوں متاثر کرنا چاہتے ہیں۔

محمود احمد مفتی نے نعت کے حوالے سے خاصے اچھے اشعار لکھے ہیں۔ جن میں حضور کی ذاتِ پاک سے عقیدت و وابستگی اور اُن کے پیغام سے تعلق کا اظہار سلیقے سے ہوا ہے۔ کہیں کہیں جوشِ خطابت کے اثر میں وہ لفظوں کے نفسیاتی مفہوم سے دھوکہ بھی کھا گئے ہیں، جیسے ایک شعر دیکھیے ؎

شمار کرنے لگا جب سے وصفِ پاک اُن کے
کرم کریم کا مفتیؔ پہ بے شمار ہوا

پہلی بات تو حضور کے اوصاف کا شمار کرنا ہی محلِ نظر ہے اور دوسری بات وصفِ پاک یعنی واحد کے صیغے کا استعمال مناسب نہیں ہے۔ یہ شعر دیکھیے ؎

اے خوشا کشکول میں تیرے ہے توفیقِ ثنا
مفتیؔ تجھ کو حق نے قسمت کا سکندر کر دیا

ایک بے دین کی دنیاوی شان و شوکت کا استعارہ اور رسولِ پاک کی ثنا خوانی کا مقام دونوں میں کوئی نسبت کیسے ہو سکتی ہے۔ بہرحال مجموعی طور پر یہ مجموعۂ کلام ایسا چمن ہے جو اپنے اندر مدحتِ رسول کے خوش رنگ پھولوں سے مزین کیاریاں رکھتا ہے۔

یہ مجموعہ کلام ۱۵۸ / صفحات پر مشتمل ہے۔ مجلد خوب صورت سرورق شاعر نے خود شائع کیا ہے۔ ملنے کا پتہ مخزن حمد و نعت، آئیڈیل ٹاؤن سرگودھا روڈ فیصل آباد اور قیمت ۱۸۰ / روپے ہے جو زیادہ محسوس ہوتی ہے۔

نعتیہ شاعری میں ہیئتی تجربے / علیم صبا نویدی

علیم صبا نویدی ایک فعال اہلِ قلم کی حیثیت سے ادبی منظرنامے اور خاص طور پر نعتیہ ادبی فضا میں

اپنی موجودگی کا ثبوت فراہم کرتے رہتے ہیں۔ زیرِ نظر کتاب ''نعتیہ شاعری میں ہیئتی تجربے'' ایک مختصر مگر جامع کتاب ہے۔ کل ۱۳۶ ؍صفحات پر مشتمل یہ کتاب علیم صبا نویدی نے ڈاکٹر جاویدہ حبیب کی زیرِ نگرانی تالیف کی ہے۔ ابتدا میں ڈاکٹر جاویدہ حبیب، پروفیسر طلحہ رضوی برق، ڈاکٹر راہی فدائی اور فاروق جائسی کی تقاریظ شامل ہیں۔ اس کے بعد مصنف کے تین مضامین ہیں۔ پہلے مضمون کا عنوان ہی کتاب کا عنوان ہے۔ دوسرا مضمون ''جنوبی ہند کے ساحلی علاقوں میں عرب تمل زبان کی ابتدا اور اس زبان کے قصائد ہیں اور تیسرا ''دکنی شعری ادبیات کا تاریخی، تحقیقی ادوار کا مکمل جائزہ'' ہے۔ بعد کے ان دونوں مضامین کا اس کتاب کے موضوع سے کوئی خاص تعلق نظر نہیں آتا۔ ان کے بعد اصل ہیئتی تجربات کا ذکر اور مثالیں بیان کی گئی ہیں۔ جن کی ترتیب کچھ یوں ہے: مثنوی، مرثیہ، شہر آشوب، قصیدہ، تشبیہہ، مناجات، نوحہ، مسدس، خمسہ/مخمس، سلام، رُباعی، قطعہ، نظم (پابند اور آزاد) نثری نظم، تین سطری نثری، نظم، سانیٹ، ترائیلے، ہائیکو، واکا، آزاد غزل، ماہیا، دوہا، گیت، لوری، تروینی، کہہ مکرنیاں، چوبولے، ثلاثی اور کجری کے بارے میں مختصر تعارف اور کچھ شعرا کے نام گنوا کر کچھ نمونۂ کلام دیا گیا ہے۔ لیکن حیرت ہے کہ اس فہرست سے نعتیہ غزل غائب ہے۔ اس کتاب میں علیم صبا نویدی صنف اور ہیئت کے درمیان کنفیوژ معلوم ہوتے ہیں۔ اپنے پہلے مضمون میں رقم طراز ہیں: ''نعت شاعری کی بڑی مشکل صنف ہے۔ اس میں جتنی حد بندیاں اور پابندیاں ہیں اتنی کسی اور ہیئت میں نہیں۔ اس ہیئت میں حضور اکرم ﷺ سے عقیدت محبت، ارادت اور عزت واحترام جزوکُل کی حیثیت رکھتے ہیں'' بعد میں خود اعترافیے کے انداز میں لکھتے ہیں: ''خصوصاً اردو والوں کے لیے یہ ایک بہت بڑا مسئلہ ہے کہ صنف اور ہیئت میں امتیاز کیسے کیا جائے۔ کیوں کہ ہمارے ہاں کئی اصناف اور ہیئتیں بیرونی زبانوں سے در آئی ہیں۔'' محترم نویدی صاحب کو اب یہ جان لینا چاہیے کہ اصنافِ سخن کی دو بڑی اقسام ہیں۔ ایک ہیئت کے حوالے سے اصناف جیسے غزل، نظم، مسدس، ہائیکو اور سانیٹ وغیرہ اور دوسری موضوعات کے حوالے سے اصناف ہیں جیسا کہ حمد، نعت، نوحہ اور مرثیہ وغیرہ۔

اس کتاب کے لیے مثالوں کا زیادہ تر مواد ''نعت رنگ'' سے ہی لیا گیا ہے۔ البتہ ہر ہیئتی صنف کی مثالوں سے پہلے جو منثور تجزیہ دیا گیا ہے اُس میں زیادہ تر ہندوستان میں اس صنف میں کہنے والے شعرا کا ذکر کیا گیا ہے۔ نعت پر کام کرنے والے اہلِ ادب کے لیے بہرحال یہ کتاب کافی کارآمد ہے اور اسے پیش کرنے پر علیم صبا نویدی یقیناً مبارکباد کے مستحق ہیں۔

یہ خوش رنگ کتاب سہ ماہی ''نورِ جنوب''، چنئی نے شائع کی ہے اور اس کی قیمت ۳۰۰ ؍روپے بہت زیادہ ہے۔

فہرستِ کتب (نعت لائبریری)

یہ مجلد کتاب کی شکل میں فہرستِ کتب دراصل چوہدری محمد یوسف ورک کی نعت لائبریری میں موجود کتب کی ہے اوراس کے ساتھ ساتھ اس میں ایک طویل فہرست مطلوبہ کتب حمد ونعت بھی شامل ہے۔ جو نہ صرف ناظم لائبریری کی حمد ونعت سے دلچسپی کی غماز ہے بلکہ تمام متعلقین کے لیے لمحۂ فکریہ بھی ہے کہ وہ کس طرح ان مطلوبہ کتب کولائبریری تک پہنچاتے ہیں اورثوابِ دارین حاصل کرتے ہیں۔

اس کتاب کواپنے ابتدائی تعارفی حصے کے علاوہ دواورحصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔تعارفی حصے میں جیسا کہ نام سے ظاہر ہے تعارف پھر پروفیسر محمد افضال انور کاتحریر کردہ دیباچہ جو دیباچہ سے زیادہ مقدمہ ہے، شامل ہے۔ اس کے علاوہ تقریظ بعنوان ''احوالِ مخزنِ کتب (نعت لائبریری)'' بھی شامل ہے جوایک اوراچھی ذاتی نعتیہ لائبریری کے ناظم پروفیسر سید گل محمد شاہ بخاری کے زورِقلم کا نتیجہ ہے۔اس حصے کے آخر میں مرتب نے اپنی بات کے عنوان سے فہرست کی اشاعت کے اسباب کے وضاحت کی ہے۔اس کے بعد حصہ اوّل میں حمد۔نعت۔انتخاب نعت۔متعلقاتِ نعت اورمنظوم سیرت۔پشتو۔سندھی۔پنجابی۔حمد ونعت اور متعلقات کی فہرستیں دی گئی ہیں۔

جب کہ حصہ دوم میں مطلوب کتب نعت جن میں اردو کے ساتھ ساتھ مقامی زبانوں کی کتب کی بھی معلومہ فہرست دی گئی ہے۔آخر میں، ماخذ اور مراجع کی فہرست بھی ہے۔اس فہرست کومرتب کرنے سے یقیناً محمد یوسف ورک صاحب نے صرف اپنی جمع شدہ کتب کا ریکارڈ محفوظ کرلیا ہے بلکہ دوسروں کواعانتِ کتب کی بالواسطہ دعوت بھی دی ہے، جوایک اچھی کوشش کہی جا سکتی ہے۔کتاب کا بیش تر حصہ بہرحال مطلوبہ کتب کی فہرست نے گھیر رکھا ہے۔اس لیے اس کتاب کا ہدیہ ۲۰۰/روپے زیادہ محسوس ہوتا ہے۔ بہرحال چوہدری محمد یوسف ورک صاحب کے اہلِ خاندان اور خاص طور پر ان کے بچوں نے اس فہرست کے لیے جواہتمام حروف بنی وحروف چینی کی ہے وہ قابلِ ستائش ہے۔

شہرِشرف/ عبدالرحمٰن انجم

عبدالرحمٰن انجم کا نعتیہ مجموعہ کلام ''شہرِشرف'' دیدہ زیب گیٹ اپ کے ساتھ چھپ کر منظرِعام پرآیا ہے۔اس نعتیہ مجموعہ کے شروع میں حفیظ صدیقی ،سیّدریاض حسین زیدی، قمرحجازی، امیرنوازامیراورمرتضیٰ ساجد کی تقریظات ہیں جن میں قمرحجازی نے تعارف وتقریظ کے لیے منظوم کاوش کی ہے۔باقی حضرات نے شاعر کے کلام پرکافی سیر حاصل گفتگو کی ہے۔ان کے بعد ایک غزلیہ حمد اور پھر ۵۳/غزلیہ اورایک نعت نظم کے روپ میں شامل کی گئی ہے۔ بقولِ عبدالرحمٰن انجم اس مجموعہ میں شامل بیش ترنعتیں ''بزمِ قمر'' کے ماہانہ

نعتیہ مشاعروں کے لیے کہی گئی ہیں اور یہ کلام ۱۹۷۷ء سے لے کر ۱۹۹۷ء تک کی شاعری کی نچوڑ کی حیثیت رکھتا ہے۔

عبدالرحمٰن انجم نعت میں رواں ہونے سے قبل غزل کہنے والے شاعر کی حیثیت سے پہچانے جاتے تھے۔ لیکن اس مجموعۂ کلام نے اُن کی پہچان ایک نعت گو کے روپ میں کی ہے۔ جہاں تک شاعری کا تعلق ہے عبدالرحمٰن انجم کا یہ پہلا نعتیہ مجموعہ ہونے کے باوجود اپنے اندر اچھی اور بڑی شاعری کے امکانات رکھتا ہے۔ نعت کے لیے جو احتیاط ضروری ہے انجم کے اشعار میں وہ احتیاط موجود ہے۔ وہ حضور پاک ﷺ کی عقیدت میں کہیں بہکے ہوئے محسوس نہیں ہوئے، بلکہ بیش تر مشکل مراحل سے بخوبی گزر گئے ہیں۔

اب تک کوئی بھی ڈھونڈ کے لایا نہ وہ سوال
جس کو مرے حضور نے پورا نہیں کیا
اپنوں میں یا کہ غیروں میں لائے اگر ہے کوئی
رحمت کا جس پہ آپ نے سایہ نہیں کیا

☆

کوئی جذبہ مرے دل میں مکمل ہی نہیں ہوتا
دیارِ عشق میں اُن کی ضرورت ساتھ رہتی ہے
میں اُن کے ذکر سے دیوانگی کی حد تراشوں گا
زمانے میں کھڑا ہوں اور اطاعت ساتھ رہتی ہے

ان جیسے بہت سے خوب صورت اشعار سے سجا ہوا یہ مجموعہ اعوانِ نعت محل، اسلامی چوک غلام محمد آباد فیصل آباد نے شائع کیا ہے اور اس کا ہدیہ ۲۲۵/ روپے ضخامت کے اعتبار سے زیادہ محسوس ہوتا ہے۔

حسنِ نعت / سکندر شرفی

سکندر شرفی کا نعتیہ مجموعہ کلام مندرجہ بالا عنوان کے تحت شائع ہوا ہے۔ اس مجموعہ میں تین مضامین ہیں پھر مصنف کا ''حرفِ خود'' پھر تین تہنیاتی تخلیقات اور اس کے بعد قطعاتِ تعریف شامل ہیں۔ یہ سب روایت کو نبھانے کے لیے شامل کیے گئے ہیں ورنہ ان کی موجودگی یا غیر موجودگی سے شاعری کے قد و قامت میں کوئی کمی یا اضافہ نہیں ہوتا۔ ان کے علاوہ دو حمدیں، ۱۰۱/ نعتیہ غزلیں، معراج نامہ، مدحتِ کعبہ، تعریفِ درود اور سلام بحضور سرور کائنات ﷺ شامل کیے گئے ہیں۔ سکندر شرفی کی وابستگی بھی چوں کہ سید شاہ جمیل الدین شرفی سے ہے اس لیے راست فکری ان کا بھی خاصہ ہے۔ اور ان کی شاعری میں شائستگی اور رسول اللہ علیہ ﷺ سے محبت اور عقیدت بہت نمایاں ہے۔ ان کا لہجہ خالص حیدر آبادی ہے اور مضامین میں تلمیحات

فراوانی سے بیان کی گئی ہیں۔ لہجہ کے اعتبار سے دو شعر دیکھیے:

کرتے ہیں شب بھر عبادت، رات بھر سوتے نہیں
اپنے رب کو میرے آقا تو کبھی چھوڑے نہیں
نیچی نظریں کر کے آقا اس لیے چلتے رہے
اپنے دشمن کو بھی وہ رسوا کبھی دیکھے نہیں

اس کے علاوہ تلمیحات کے حوالے سے یہ دو اشعار بھی قابل غور ہیں:

بٹھانے حجر اسود ایک بے معنی لڑائی ہے
وہاں بھی کارفرما شاہ دیں کی رہنمائی ہے
امانت سونپنے کا حکم خود ان کا محافظ تھا
علی کو بسترِ آقا پر ایسی نیند آئی ہے

یہ مجموعہ کلام زاویہ قادریہ ٹرسٹ، ریاست نگر حیدرآباد (انڈیا) نے غیر مجلد شائع کی ہے اور اس کا ہدیہ ۱۵۰/روپے زیادہ محسوس ہوتا ہے۔

برقِ نور/ حبیب احمد محسنی

مندرجہ بالا عنوان کے تحت حافظ مولانا سیّد حبیب احمد محسنی نقشبندی مجددی کا نعتیہ کلام اشاعت پذیر ہوا ہے۔ اس کتاب کا پیش لفظ حافظ محمد یونس خان نقشبندی جب کہ مقدمہ سیّد محمد احمد محسنی نقش بندی اور ''یاد ایام'' شاہ زادہ سیّد نہال احمد نقشبندی نے تحریر فرمایا ہے۔ تینوں حضرات نے مولانا سیّد حبیب احمد محسنی کے بارے میں جذباتِ عقیدت کا اظہار فرمایا ہے اور انھیں جید عالم، شہسوار طریقت اور نعت شریف پر عبور رکھنے والے حضرت احمد رضا خان کے شاگرد کی حیثیت سے متعارف کروایا ہے۔ ان مختصر مضامین کے بعد عرضِ ناشر کے طور پر محمد عارفین خان، جنرل سیکریٹری پاک لورز کلب (کراچی) شاعر کے تمام متعلقین کا شکریہ ادا کیا ہے اور مجموعہ کی اشاعت کو اپنے لیے باعث سعادت قرار دیا ہے۔

اس مجموعۂ کلام کے شروع میں حسبِ روایت حمدیں ہیں پھر مختلف اصنافِ سخن میں نعتیں ہیں۔ پھر منقبتیں ہیں اور اختتام درود و سلام پر کیا گیا ہے۔ کلام میں گہرائی بھی ہے اور گیرائی بھی۔ عقیدے کی طہارت شاعر کا نمایاں وصف ہے اور معبودِ حقیقی کے بعد مخلوقات میں اعلیٰ ترین درجات کے حامل نعمت یافتہ افراد یعنی نبیوں، صدیقین، شہدا اور صالحین کے مراتب کا صحیح شعور حمدوں، نعوت اور مناقب سے صاف ظاہر ہے۔ کلام کا لہجہ اعلیٰ حضرت احمد رضا خاں کے کلام کا تتبع معلوم ہوتا ہے بلکہ میں اگر یہ کہوں تو بے جا نہ ہوگا کہ برقِ نور اپنے اندر موجود شاعری کے حوالے سے مجھے ''حدائق بخشش'' کا دوسرا حصہ محسوس ہوتا ہے۔ اس

سلسلے میں یہ دو اشعار بطور نمونہ دیکھیے:

ہے تمنا یہ کہیں ہم بھی مدینہ دیکھیں
کعبے کا کعبہ ہے جو کاش وہ کعبہ دیکھیں
منہ سے بے ساختہ کہہ دیں گے وہیں صلِ علیٰ
انبیا حشر میں جب آپ کا رتبہ دیکھیں

یہ کتاب پاک لورز کلب (کراچی) نے خاصے خوب صورت سرورق کے ساتھ شائع کی ہے اور اس کا ہدیہ "ہر نعت سے قبل درود شریف" رکھا گیا ہے۔ جو یقیناً قابلِ تقلید ہے۔

توشۂ ہلال/ ہلال جعفری

ڈاکٹر سیّد ہلال جعفری مرحوم کا بعد از وصال شائع شدہ نعتیہ کلام کا مجموعہ توشۂ ہلال کے نام سے منظرِ عام پر آیا ہے۔ ہلال جعفری مرحوم اپنی حیات ہی میں ایک مستند اور بلند پایہ شاعرِ نعت کا رُتبہ حاصل کر چکے تھے اور اپنی حیاتِ مستعار کے آخری تین چار سال میں انھوں نے اپنی جوان اولاد کے انتقال کے دکھ کو بھی تمام تر نعتوں ہی میں سمیٹ لیا تھا۔ یہی سبب تھا کہ وہ خود نہیں بکھرے۔ یہ مجموعۂ کلام جسے جنید آذر نے ترتیب دیا ہے اور اشاعت کا اہتمام حافظ نور احمد قادری کے ذمّے رہا ہے۔ ایسا گل دستہ ہے جس کے لیے ہر دو حضرات مبارک باد کے مستحق ہیں اور واقعی انھوں نے مرحوم شاعر سے اپنی رفاقت کا حق ادا کر دیا ہے۔ اس مجموعہ میں ایک حمد اور ۷۵ رغزلیہ نعتیں شامل ہیں۔ گنگناتی ہوئی مترنم بحروں میں کہے گئے اشعار تقریباً ہر صفحے پر آپ کے دامنِ دل کو تھام لیتے ہیں۔ ہلال جعفری کی نعت میں عقیدت کے دو کنارے ساتھ ساتھ چلتے ہیں یعنی سرشاری اور بے قراری کہیں ترستی ہوئی کیفیات بے قراری کی تصویر کشی کرتی ہیں تو کہیں سرشاری پڑھنے والے کو اپنے وجود میں اُترتی محسوس ہوتی ہے۔ دو اشعار دیکھیے:

اے رحمتِ عالم مجھے قدموں میں بلا لے
یوں ٹھوکریں کھاتا پھروں دنیا میں کہاں تک
خدا کریم خدا کا رسول بھی ہے کریم
میں دو کریموں کے ہوں درمیاں مدینے میں

ورق پر ورق اُلٹتے چلے جائیے اور شاعر کے لیے آپ کے لب پر دعائیں بڑھتی ہی جائیں گی۔ ہلال جعفری کی سابقہ تمام کتب اپنی جگہ مگر یہ آخری کتاب یقیناً توشۂ آخرت کی حیثیت ہی اختیار کرے گی

اور ہلال جعفری کی عقبیٰ کی منزلیں آسان کرنے کا سبب ٹھہرے گی۔

یہ خوب صورت مجلد مجموعۂ کلام روال پنڈی سے اشاعت پذیر ہوا ہے۔ ہدیہ درج نہیں ہے اور نہ ہی کسی پبلشنگ ادارے کا نام کہیں شائع کیا گیا ہے۔

خاتم المرسلین/ اختر ہوشیار پوری

اختر ہوشیار پوری صاحب کا شمار ہمارے بزرگ ترین شعرا میں ہوتا ہے۔ زیرِ نظر مجموعۂ نعت ''خاتم المرسلین'' شاعر کا چوتھا نعتیہ مجموعہ ہے۔ اور بقول اُن کے اپنے ''میں نعت نہیں کہتا مجھ سے نعت کہلوائی جاتی ہے'' نعت کا کہلوایا جانا ایک مسلمہ امر ہے۔ کیوں کہ توفیقِ الٰہی اور رسولِ اکرم ﷺ کے کرم کے بغیر یہ مدح و ثنا روح سے خالی رہتی ہے۔

اختر ہوشیار پوری صاحب کہ کہنہ مشق شاعر ہونے میں کوئی کلام نہیں۔ لیکن کچھ اشعار سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کہنہ سالی کے باعث الفاظ کے دروبست اور مضمون کے ابلاغ میں شاعر کی گرفت کم زور پڑ گئی ہے، ورنہ ان کے مجموعے میں کم از کم ایسے اشعار نہ ہوں:

اُن کا نام آتے ہی دل دھڑکا ہے جیسے کوئی حور
شہر کی مسجدِ جامع میں اذان دیتی ہے

یا

دھوپ دیوار سے اُتری بھی نہ تھی
صحن میں طیبہ کا سایہ اترا

عمومی طور پر اختر ہوشیار پوری اپنے نعتیہ کلام میں حضورِ پاک ﷺ کی شخصیت کے بارے میں اچھے اندازِ فکر سے اوصاف کو بیان کرتے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ سیرتِ رسولِ اکرم ﷺ سے آگہی کا ثبوت بھی فراہم کرتے ہیں اور یقیناً اسے اپنے مسلمان ساتھیوں کے لیے تبلیغی مقاصد کے استعمال کرنے کو احسن سمجھتے ہیں۔ ایک مشہور مقولہ ہے کہ: ''خطائے بزرگاں گرفتن خطاء است'' کہ مصداق کسی حرف یا لفظ پر اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں لیکن چوں کہ یہ معاملہ نعت کا ہے، اس لیے اگر ایسے اشعار مجموعہ میں شامل نہ ہوتے تو بہتر ہوتا۔

کیا کیا لکیر اُبھری ہے دستِ گناہ میں
وہ لذتِ طلب ملی طیبہ کی چاہ میں

تم کہاں اے فرشتو جاؤ گے
ہم تو جاتے ہیں اب مدینہ کو

دوسرے شعر کے مفہوم پر غور کریں تو ایسا لگتا ہے جیسے فرشتوں کے مدینۃ النبی کے داخلے پر کوئی پابندی عائد کردی گئی ہے۔ حالاں کہ ایسی کوئی بھی بات سوچنا بھی غیر مناسب ہے۔ یہ مجموعۂ کلام کتاب ساز پبلی کیشنز، دریا آباد، راول پنڈی نے شائع کیا ہے اور اس کی قیمت ۱۵۰ر روپے مناسب محسوس ہوتی ہے۔

صدائے روح/صغرا فاطمہ نصیر

محترمہ صغرا فاطمہ نصیر کے گل ہائے نعت مندرجہ بالا عنوان سے شائع کیے گئے ہیں۔ یہ مجموعۂ کلام اپنے شعر کے حوالے سے صراطِ مستقیم پر چلنے والی اس مخلص خاتون کا ہے جنھیں عشقِ رسول ﷺ کی آگہی نصیب ہوئی۔ صغرا فاطمہ نصیر صاحبہ فلسفے کی استاد تھیں اور ان کے متعلقین کے مطابق بے شمار بار حضور کریم ﷺ کی خدمت میں دُرودوں کے نذرانے پیش کر کے زیارت کا شرف حاصل کر چکی تھیں اور ایسی باشرف خاتون کے جذبات کی سچائی میں کیسے شک ہوسکتا ہے۔ آخری خواہش کے عنوان سے اشعار دیکھیے:

آپ ہی تو ہیں جانِ تمنا میری طرف بھی آجائیں
بے منجھ دار میں میری کشتی اس کو پار لگا جائیں
سرورِ عالم آپ سے بس اتنی سی ہے فریاد میری
اور کہیں بھی جائیں نہ جائیں، میرے پاس تو آجائیں

کئی جگہوں پر شاعرہ کے دل کی تڑپ اور رسولِ پاک ﷺ سے وابستگی بہت سے خوب صورت اشعار کی تخلیق کا سبب بنی ہے۔ اس مجموعہ میں شامل شدہ تاثراتی نعتیں ۱۹۹۰ء سے ۱۹۹۶ء تک کے عرصہ میں کہی گئی ہیں۔ اس کتاب ''صدائے روح'' میں بقول قمر رعینی صاحب ''شاعری میں صنائع بدائع یا استادانہ فن کاری نہیں ملے گی البتہ اُن کے اندر کی آنچ کو محسوس ضرور کریں گے'' یہ مختصر سا مجموعۂ کلام عشقِ رسول ﷺ کے دیوانوں کو تھوڑی بہت تسکین فراہم کرنے کا سبب ہوسکتا ہے۔ اسے انجم پبلشرز کمال آباد، راول پنڈی نے خوب صورت سرِورق کے ساتھ مجلد شائع کیا ہے جس کی پشت پر عزیز احسن صاحب کی طرف سے فلسفیانہ فلیپ محترمہ شاعرہ کی روحانی ترفع کی داستان بیان کرتا ہے اور کتاب کا ہدیہ ۱۰۰ر روپے رکھا گیا ہے جو کہ زیادہ محسوس ہوتا ہے۔

حسان بن ثابت سے حفیظ تائب تک/ سید امتیاز احمد

جیسا کہ عنوان سے ظاہر ہے یہ ایک نعتیہ انتخاب ہے اور منتخب کرنے والے ہیں سیدِ امتیاز احمد صاحب۔ انھوں نے اپنے اس گل دستے کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلا حصہ عربی جس میں کل چودہ نعتیں شامل ہیں ان چودہ میں سے گیارہ تو صحابہ کبار کی ہیں جب کہ ایک نعت شیخ شرف الدین بوصیری،

ایک امام ابو حنیفہ کی ہے اور اس حصے کی آخری نعت مؤلف کے بقول قوم جنات کے ایک بزرگ صحابی حضرت عمرو کی ہے۔ اس نعت کے بارے میں کسی حوالے کی کمی بڑی شدت سے محسوس ہوتی ہے۔

دوسرا حصہ فارسی ہے جس میں کل دس نعتیں شامل ہیں جس میں حضرت نظامی گنجوی سے لے کر سر سیّد احمد خان کی نعتیں ہیں۔ اچھی بات یہ ہے کہ عربی اور فارسی حصوں میں نعتیہ اشعار کے آخر میں اردو ترجمہ شامل کیا گیا ہے جو قاری کے لیے بہت آسانی کا سبب بنتا ہے۔

تیسرا حصہ اردو نعتوں پر مشتمل ہے اس حصے میں بیدم شاہ وارثی سے لے کر حفیظ تائب تک ۴۶؍ نعت کہنے والوں کا کلام شامل کیا گیا ہے۔ ان نعتوں کو ترتیب دیتے ہوئے نہ تو حروف تہجی کو پیش نظر رکھا گیا ہے اور نہ ہی زمانی ترتیب قائم کی گئی ہے۔ مثلاً چوتھے اور پانچویں نمبر پر ماہر القادری اور حفیظ جالندھری کی نعتیں جب کہ مولانا کفایت علی کافی اور غلام امام شہید کے کلام کو پندرھویں اور سولھویں نمبر پر شامل کیا گیا ہے۔ اگر شعرا کے نام کے ساتھ مؤلف تھوڑی سی محنت کر کے ان کی تاریخ پیدائش اور سال وفات بھی لکھ دیتے تو یہ ایک بہتر کام ہوتا اور انھیں درست زمانی ترتیب بھی آسانی سے مل جاتی۔

شعرا کا انتخاب خود مؤلف کے الفاظ کے مطابق ''میرے لیے ہر نعت سیّد المرسلین محترم اور مکرم ہے اور خلوص سے کہا گیا ہر نعتیہ شعر آنکھوں پر رکھنے کے قابل لیکن یوں ہے کہ مرتب کی پسند ناپسند کسی بھی انتخاب پر اثر انداز ہوئے بغیر نہیں رہتی اور اس انتخاب میں بھی ایسا ہی ہوا ہوگا۔''

مندرجہ بالا تحریر کے بعد کچھ اور کہنے کی گنجائش ہی نہیں رہتی۔ یہ خوب صورت اور مجلد گل دستہ نستعلیق مطبوعات، بی۔۲ عمران آرکیڈ، چوک چوبرجی، لاہور نے بڑے اہتمام سے شائع کیا ہے اور اس کی قیمت ۱۵۰؍روپے مناسب ہے۔

مفیض (نعت نمبر)/محمد اقبال نجمی

سہ ماہی ''مفیض'' گوجرانوالہ سے محمد اقبال نجمی کی زیر ادارت شائع ہوتا ہے۔ زیرِ نظر ضخیم شمارہ جلد نمبر ۱۵، شمارہ نمبر ۴ ہے اور اس کا سنہ اشاعت ۲۰۰۵ء ہے۔ اس رسالے کی مجلس مشاورت میں پروفیسر محمد اقبال جاوید، پروفیسر محمد اکرم رضا، پروفیسر سجاد مرزا، عاطف کمال رانا، ڈاکٹر بشیر عابد اور مظہر سعید بٹ شامل ہیں۔ جب کہ ادارت میں احسان اللہ طاہر، محمد انور رانا اور امجد شریف نے معاونت کی ہے اور اس کا مقامِ اشاعت فروغ ادب اکادمی، ۸۸۔بی، سٹیلائٹ ٹاؤن، گوجرانوالہ ہے۔ اس شمارے کی فہرست میں پہلا اہم حصہ مقالات (موضوعات کی روشنی میں) پر مشتمل ہے۔ جس میں نعت اور اردو شاعری کے حوالے سے سات مقالات ہیں۔ پھر مرحوم و مغفور شعرا کے کلام کا ایک انتخاب شامل کیا گیا ہے۔ جس میں مولانا کفایت

اللہ کافی سے لے کر اعظم چشتی مرحوم تک ۲۳ شعرا کا کلام ہے۔اس کے بعد تیسرا حصہ مضامین پر مشتمل ہے جنھیں اصنافِ ادب کے تناظر میں لکھا گیا ہے۔اس میں چھ مضامین شامل ہیں۔جن میں قطعہ، سانیٹ، ہائیکو، مسدس، رُباعی اور کجری کا ذکر ہے۔اگلے حصے میں مضامین (سفیرانِ نعت کے حوالے سے) ہیں۔ اس حصے میں بھی چھ شعرا کی تقریظات شامل ہیں۔پھر ''خوشبوئے نعت'' کے عنوان سے گوجرانوالہ کے نعت گو شعرا کا کلام جمع کیا گیا ہے۔پھر مدیر کی جانب سے فہرست نعتیہ مضامین شائع کی گئی ہے۔غالباً جس سے زیرِ نظر شمارے میں استفادہ کیا گیا ہے۔اس کے بعد تبصرۂ کتب پر گلدستۂ نعت میں کچھ اور نعتیں اور آخر میں پنجابی نعت کے حوالے سے ایک اہم مضمون شامل ہے۔ ۶۳۶ صفحات پر مشتمل یہ سہ ماہی ''مفیض'' کا خاص نمبر یقیناً ایک قابلِ قدر کوشش ہے؛ مگر اس میں اہلِ قلم اور عصرِ حاضر کے اہم شعرائے نعت کا نام پڑھنے کو نہیں ملتا۔ مدیر کو محنت کر کے پاکستان بھر بلکہ دنیائے اردو کے اہم نثر لکھنے والوں اور شعرا سے ان کی تحریریں حاصل کر کے شامل کرنی چاہییں تاکہ رسالہ زیادہ وقیع ہو سکے۔

اس رسالے کی قیمت ۳۰۰ روپے رکھی گئی ہے جو نہایت مناسب ہے۔

نعت گویانِ سرگودھا/ شاکر کنڈان

یہ ضخیم کتاب جناب شاکر کنڈان کی محنتِ شاقہ کا ثمر ہے۔جس میں انھوں نے نثر اور نظم کے حوالے سے بیان سیرتِ پاک کے بیش تر اہم افراد کا تذکرہ کیا ہے، جن کا تعلق سرگودھا اور اِس کے اردگرد کے علاقوں سے رہا ہے یا ہے۔شاکر کنڈان جادۂ قلم کے ایک اہم مسافر ہیں اور اُن کی تخلیقات اکثر منصۂ شہود پر آ کر اہلِ علم و ادب کو تسکین کا سامان مہیا کرتی رہتی ہیں۔

زیرِ نظر کتاب کو انھوں نے تین حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلے حصے میں اُن تمام حضرات کا کلام اور مختصر کوائف ہیں جو اِس دارِ فانی سے رخصت ہو چکے ہیں۔اس حصے کا عنوان اسی لیے ''جو عہد ہوئے'' رکھا ہے اور اچھی بات یہ ہے کہ سالِ پیدائش اور سالِ وفات درج کیا گیا ہے اور زمانی ترتیب کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ دوسرے حصے میں موجود شعرا کا ذکر ہے اس لیے اس کا نام ''رونقِ بزم'' ہے، اب تو اس حصے میں موجود بھی کچھ لوگ ''جو عہد ہوئے'' کی فہرست میں آ چکے ہیں۔مثلاً پہلا نام یعنی احمد ندیم قاسمی صاحب۔ تیسرا حصہ باقی دو کی نسبت مختصر ہے، اس کا عنوان ''کچھ خواب سے چہرے'' کہ یہ اُن کا تذکرہ ہے جو کبھی کچھ مدت کے لیے سرگودھا میں مقیم ہوئے اور پھر وہاں سے چلے گئے۔

مؤلف نے اس کتاب کو پہلا حصہ کہا ہے کہ اُن کے خیال میں ابھی بہت سے لوگ باقی رہ گئے ہیں جنھیں دوسرے حصے میں شامل کیا جائے گا۔آخر میں کتابیات، رسائل کی فہرست، ان لوگوں کی فہرست اس

سلسلے میں جن کے مؤلف نے انٹرویو کیے۔ اس محنت کی غماز ہے جو شاکر کنڈان کے خلوص کی گواہی ہے۔

۷۶۸/صفحات پر مشتمل یہ مجلد خوب صورت کتاب ادارہ فروغ ادب پاکستان، ۱۳۲۔ پی، استقلال آباد، سرگودھا۔ نے شائع کی ہے اور اس کی قیمت ۶۵۰/روپے ضخامت کے اعتبار سے مناسب ہے۔

کاروانِ نعت (نعت خوانی نمبر)/محمد ابرار حنیف مغل

فروغِ عشق رسول ﷺ کے لیے کوشاں کتابی سلسلہ ''کاروانِ نعت'' کا فروری مارچ ۲۰۰۷ء کا خاص نمبر زیرِ نظر ہے۔ یہ ضخیم شمارہ ''نعت خوانی نمبر'' کے سرنامے کے ساتھ ادارہ کاروانِ نعت، غزنی اسٹریٹ ۳۸، اردو بازار لاہور سے اشاعت پذیر ہوا ہے۔ محمد ابرار حنیف مغل کی زیرِ نگرانی ترتیب پانے والے اس کتابی سلسلے کا ایک سال بھی مکمل ہو گیا ہے۔ اس بار اس شمارے کی فرہنگ بہت سے اہم ادوار پر مشتمل ہے۔

شروع میں حسبِ معمول حمد و نعت کے عنوان سے حمدیں اور بہت سی نعتیں شامل ہیں۔ پھر میلاد مبارک کے حوالے سے ریاض حسین چوہدری، علامہ سیّد محمود احمد رضوی، پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود اور محمد طارق خان کے مضامین۔ پھر مقاصد نعت کے عنوان سے بنائے گئے حصّے میں پانچ مضامین ہیں۔ اس کے بعد تاریخ نعت کے تحت آٹھ مضامین ہیں جو خاصے معلومات افزا ہیں اور نعت کے ارتقا کی اہم شخصیت یعنی حضرت حسان بن ثابت، علامہ اقبال، حافظ مظہر الدین وغیرہ کے بارے میں ہیں۔

اگلا حصہ ''فروغِ نعت'' کے عنوان سے شامل ہے۔ جس میں نعت کے حوالے سے تین اہم شخصیت یعنی صبیح رحمانی، پروفیسر محمد اکرم رضا اور ریاض حسین چودھری کے انٹرویو شائع کیے گئے ہیں۔ انٹرویو بہت بھرپور اور معلومات کے حوالے سے بہت اہم ہیں۔ جن میں موجودہ عہد میں نعت گوئی اور نعت خوانی کے مختلف پہلوؤں پر سیر حاصل تبصرہ موجود ہے۔ اس کے بعد کا حصہ آدابِ نعت میں چھ مضامین نعت خوانی کے آداب سے متعلق ہیں۔ پھر اصلاح نعت کے عنوان سے محافلِ نعت میں مختلف افراد کا مقام اور آداب کے حوالے سے مضامین شامل ہیں۔ پھر عنوان ہے ''فنِ نعت خوانی''، جس میں تین مضامین شامل ہیں۔ پہلا مضمون ''نعت خوان نعتیہ کلام کا جائزہ کیسے لیں'' جو ڈاکٹر عاصی کرنالی کا لکھا ہوا ہے دراصل تنقیدِ نعت کے زمرے میں آتا ہے۔ کیوں کہ یہ نعت کی درست سمت کے حوالے سے ایک جامع اور اہم مضمون ہے۔ بہر حال اسے مرتب نے فنِ نعت خوانی سے منسلک کر دیا ہے، جسے سہو کے علاوہ کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ اگلا حصہ تنقیدِ نعت ہے۔ جس میں محفلِ نعت کے حوالے سے تین مضامین ہیں۔ پھر سوال و جواب/ فتاویٰ جات ہیں۔ پھر تبصرہ جات اور تاثرات ہیں اور آخر میں ابلاغِ نعت کے حوالے سے ابلاغِ عامہ کے ذرائع۔ نعتیہ خبریں اور خبر غم وغیرہ جمع کیے گئے ہیں۔ بہر حال اتنے ضخیم شمارے پر محمد ابرار حنیف مغل اور ان کی ٹیم مبارکباد کی مستحق ہے۔

نعت حقیقت کے آئینے میں/محمد شفیق اختر

محمد شفیق اختر دوحہ قطر میں پاک شمع اسکول اور کالج میں لیکچرار کی حیثیت سے مصروف کار ہیں اور ان کے بقول قطر میں پہلی نعتیہ محفل کے انعقاد پر مجلس فروغ ادب اردو کے بانی ملک وصیب الرحمٰن المعروف ابن الحبیب احقر نے ابتدائی گفتگو اس قدر جامع انداز سے کی کہ نعت کے حوالے سے آغاز اور ارتقائے نعت کے موضوع پر کچھ کام کرنے کی تحریک پیدا ہوئی اور مسلسل ۱۸ر ماہ کی محنت سے یہ کتاب مکمل کی گئی۔

اس کتاب کے زیر نظر ہندوستانی ایڈیشن کا مقدمہ ڈاکٹر عطا الرحمٰن صدیقی ندوی نے بڑے مبسوط انداز میں تحریر فرمایا ہے۔ کتاب کو موضوع کے حوالے سے دس ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلے باب میں نعت کا لغوی مفہوم، پھر نعت اور اُس کا ارتقائی سفر، اس کے بعد نعتیہ شاعری میں قرآن و حدیث کے مضامین۔ پھر فن اور صنفِ نعت۔ اس کے بعد نعت پر ہندی تہذیب کے اثرات۔ اگلے پانچ ابواب میں کچھ مثالیں عربی، فارسی اور اردو نعتوں کی پھر کچھ اور نعتیں اور آخر میں رباعیات دی گئی ہیں۔ کتاب کے اختتام پر تحقیق کے ماخذ بیان کیے گئے ہیں اور محمد شفیق اختر کے کوائف شامل ہیں۔

نعت کے موضوع پر مختلف پی ایچ ڈی کے مقالوں سے فیض حاصل کیا گیا ہے مگر اس سلسلے میں پہلی نعت کے سلسلے میں کی جانے والی اہم کوشش اور اس کے نتیجے میں ہونے والے انکشاف یعنی تبع اوّل حمیری کا پہلا شاعر نعت ثابت ہونے کے ذکر سے یہ کتاب محروم ہے۔ اس لیے نعت اور اس کا ارتقائی سفر والا باب ادھورا محسوس ہوتا ہے۔ پھر فاضل مصنف نے واضح طور پر اعلان کر دیا ہے کہ ''قرآن کریم نے شعرا کو اچھے الفاظ سے یاد نہیں کیا بلکہ انھیں بہتان طراز، غلط کار، کج اندیش اور راہوں میں بھٹکنے والے بے راہ قول و فعل میں تضاد کے حامل اور گم راہ کہا ہے'' جو درست نہیں ہے۔

اس کے علاوہ فاضل مصنف کو اپنی لکھی ہوئی باتوں کی تردید کرنے کی عادت بھی ہے۔ اس کی ایک مثال دیکھیے کہ صفحہ نمبر ۱۰۶ پر امیر مینائی کے ایک شعر کا ترجمہ مع تعریف کے لکھا گیا ہے اور پھر اسی شعر کو صفحہ نمبر ۱۲۳ میں مکمل طور پر مضمون اور معانی کے حوالوں سے رد کر دیا گیا ہے۔ جس سے مطالعہ کرنے والے کے پاس سوائے حیران ہونے کے کوئی راستہ نہیں رہ جاتا۔ کہیں عبدالعزیز خالد وغیرہ کا ذکر اچھے نعت گو شعرا کی فہرست میں کیا جاتا ہے اور کہیں ان کے ہندی لب و لہجے پر شدید تنقید اور اسے اچھی نعت کی فہرست سے بہ یک قلم باہر کر دیا گیا ہے۔

زیر نظر ایڈیشن عبدالرحمٰن تابش صدیقی نے ممبئی سے شائع کیا ہے۔ ملنے کا پتا، ندوی بک ڈپو، پوسٹ باکس نمبر ۹۳ر ندوۃ العلما، لکھنؤ ہے اور اس کی قیمت پانچ قطری ریال ہے اور ہندوستانی ۶۰ر روپے جو

انتہائی مناسب ہے۔

ماہ تابِ حرا/ محمد اطہر صدیقی

یہ نعتیہ مجموعۂ کلام ہوسٹن ٹیکساس میں قیام پذیر شاعر قاری حافظ محمد اطہر صدیقی کا ہے۔ جسے بہ اشتراک وتعاون راغب مراد آبادی اکیڈمی کراچی سے شائع کیا گیا ہے۔ نعتِ رسول پاک ﷺ وہ اہم سعادت اور عبادت ہے جس میں آج کل جتنی بڑی تعداد میں اطرافِ عالم سے شرکت کا عمل جاری ہے، وہ یقیناً اردو کے لیے نہ صرف قابلِ صد افتخار ہے بلکہ اگر یہ کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا کہ عہد حاضر میں جتنا زیادہ میڈیا وغیرہ کے ذریعے برائیوں کو پھیلانے کی شعوری کوششیں ہورہی ہیں۔ اللہ کے فضل وکرم سے اس کے حبیب کی مدحت وہبی طور پر دلوں پر حکمرانی کرتی ہوئی روز افزوں ارتقائی منازل طے کرتی ہوئی کثرت کی حدود میں داخل ہوچکی ہے۔ اور بے شک ''ورفعنا لک ذکرک'' کی تفسیر بنتی جارہی ہے۔

زیرِ نظر کتاب ایک اور نعتیہ مجموعہ ہے جس کی ابتدا میں راغب مراد آبادی صاحب کی طرف سے تاریخ طبع پھر دعا۔ اس کے بعد محمود شام صاحب کا مختصر مضمون ''درد اور کیف سے مہکتی نعتیں''، پھر ڈاکٹر سردار سوز کی تقریظ ''نعت گوئی اور سلیقۂ اظہار''، اس کے بعد ''عشقِ رسول کے شعری نقوش'' کے عنوان سے پروفیسر سرجن ایف یو بقائی کا مضمون ہے۔ پھر فراست رضوی، اکرم کنجاہی، وزیری پانی پتی کا منثور اور شہزاد عالم کا منظوم تبصرہ شامل ہے۔ شاعر کے کلام میں پہلے تین حمدیں، جن میں دو غزلیہ ہیئت میں ہیں اور ایک مخمس ہے۔ اس کے بعد ۵۵ نعتیں شامل ہیں۔ نعت کا انداز اور لہجہ روایتی رنگ لیے ہوئے ہے۔ زیادہ تر نعتوں میں حاضری کی تمنا، ہجر کے مسائل اور حضوری کی سرشاری کا ذکر ہے۔ چند اشعار دیکھیے:

مرے مولا مجھے تو شاعرِ معجز بیاں کر دے
کہوں جو نعت میں مظہر ہو شانِ مصطفائی کی
ڈبو کر اس کو اشکوں میں لکھی نعتِ نبی مَیں نے
ضرورت ہی نہیں میرے قلم کو روشنائی کی

کہیں کہیں نعتوں میں مکمل حمد یہ اشعار بھی شامل ہیں۔ جنھیں بطور حمد ہی لکھا اور پڑھا جانا چاہیے، مثلاً ایک نعت میں شامل یہ دو اشعار ہیں:

نا امیدی راہِ منزل میں جو حائل ہو تو آپ
دل سے وردِ آیت لاتقنطو کرلیجیے
ہاتھ پھیلانا کسی کے سامنے اچھا نہیں
مانگ کر اللہ سے حفظِ آبرو کرلیجیے

ابتدا میں ناشر کی وضاحت ہو چکی۔ یہ مجلد خوب صورت مجموعہ قیمت کے اعتبار سے یعنی ۱۵۰/روپے پاکستانی میں دستیاب ہے جو مناسب معلوم ہوتی ہے۔

نسبت/ رضوان رانا

نوجوانوں میں نعت گوئی کا شوق جس قدر تیزی سے ترقی کر رہا ہے۔ اتنی ہی تیزی سے نعتیہ مجموعہ منظر عام پر آ رہے ہیں۔ نسبت نو وارد بزمِ سخن رضوان رانا کا نعتیہ مجموعہ کلام ہے اور بقول ان کے بچپن سے ان کی ایک ہی خواہش تھی کہ وہ نعتیں کہیں اور اُن کا ایک نعتیہ مجموعہ اشاعت پذیر ہو اور اللہ تعالیٰ کا بے شمار شکر کہ اس نے اس خواہش کو اس خوب صورت مجموعہ کی صورت میں پورا کر دیا۔

اس مجموعہ کی سب سے خاص بات یہ ہے کہ اس میں نعت گو شاعر نے کسی قسم کی بیساکھی کو قبول نہیں کیا۔ نہ تو اس نے کسی بڑے نام سے تقریظ لکھوائی نہ کسی جید نقاد کی رائے کو فلیپ پر سجایا بلکہ مختصر سے پیش لفظ کے بعد اپنے اشعار قاری کے سامنے پیش کر دیے کہ وہ پڑھے اور خود فیصلہ کر لے۔ اسی لیے یہ کتاب دیکھ کر مجھے حیرت ہوئی اور مَیں نے ایک ہی نشست میں اسے پڑھنے کا فیصلہ کیا۔ اب میں پورے اعتماد کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ رضوان رانا کی بطور شاعر یہ ابتدائی کوشش اس بات کا بین ثبوت ہے کہ ان کی شعوری اُٹھان قابل رشک ہے۔ اور ان کے اندر ایک اچھے اور بڑے شاعر ہونے کے امکانات وافر مقدار میں موجود ہیں۔ زبان و بیان کے حوالے سے اور لفظوں کی نفسیاتی کیفیات کے حوالے سے۔ مزید مطالعہ اور مستقل مشق انھیں اس قابل کر دیں گے کہ وہ ''نسبت'' سے کہیں زیادہ بہتر مجموعہ کلام قارئین کی تسکین طبع کے لیے پیش کر سکیں۔ چند اشعار دیکھیں:

ہم بھی با چشم سفر مدینے کا
کب کریں گے سفر مدینے کا
خواب میں بھی طواف کرتے ہیں
میرے قلب و نظر مدینے کا

یہ خوب صورت کتاب ممتاز پبلشنگ، عرفان محمد ۱۳۰/ٹمپل روڈ لاہور نے شائع کی ہے اور اس کا ہدیہ ۱۰۰/روپے مناسب ہے۔

خیراتِ مدحت/ محمد اقبال نجمی

پروفیسر محمد اکرم رضا اپنی تقریظ ''خیراتِ مدحت کا تمنائی'' میں محمد اقبال نجمی کے بارے میں رقم طراز

ہیں کہ ''ایوانِ مدحت میں محمد اقبال نجمی کا ذوقِ نعت پورے روحانی شکوہ کے ساتھ پروان چڑھتا، جذبات کے مطلع ایمان پر چمکتا، دلوں کو انوارِ الٰہی سے ضوبار کرتا، احساسات کو لہکاتا اور معاصرین کے درمیان اپنے روشن وجود کا احساس دلاتا نظر آتا ہے۔'' یہ الفاظ یقیناً پڑھنے والے کے دل میں اشتیاق پیدا کرتے ہیں کہ وہ شاعر کے کلام کو تفصیل سے پڑھے کہ وہ واقعی ان تعریفی جملوں کے مطابق ہے یا نہیں۔ کیوں کہ نعت سے متعلق تو کسی آدمی کے بارے میں جھوٹ کا گمان بھی قابلِ قبول نہیں ہوسکتا۔ بہرحال پروفیسر محمد اکرم رضا نعت کے حوالے سے اہم اہلِ قلم حضرات میں شمار ہوتے ہیں اور انھوں نے اقبال نجمی کے بارے میں جو لکھ دیا ہے۔ وہ یقیناً اقبال نجمی کے لیے سند کا درجہ رکھتا ہے۔

زیرِ نظر مجموعہ کلام ''خیراتِ مدحت'' میں شاعر نے مختلف ہیئت کی اصنافِ سخن نعتیہ اظہار کے لیے منتخب کی ہیں، جن میں نعتیہ غزلیں ۴۵، جب کہ شروع میں نعتیہ حمدیں بھی چھ شامل ہیں۔ نعتیہ غزلوں کے آخر میں ایک گیت کے انداز میں نعت اور ایک نظم مدینے اور مکے کا سفر تم کو مبارک ہو کے موضوع پر ہے۔ اس کے بعد قطعات، ردیف الف سے ی تک کل ۳۷ قطعات جن میں م اور و کے دو دو قطعات ہیں، شامل کیا گئے ہیں اور اس حصے کا نام ''نعتیہ دیوان'' لکھا گیا ہے۔ پھر ۴۹ نعتیہ ماہیے، ۳۹ نعتیہ ہائیکو، ۴ نعتیہ سانیٹ، ۱۴ نعتیہ رباعیات اور پھر ۲۳۴ نعتیہ دوہے جمع کیے گئے ہیں۔ دوہے سب کے سب عالی چھند میں کہے گئے ہیں۔ جب کہ ہائیکو میں بھی ثلاثی کا انداز زیادہ ہے جب کہ شاعر کو کراچی انداز کی ہائیکو کے کچھ نمونے بھی ضرور شامل کرنا چاہیے تھے۔ سب سے آخر میں سہ مصرعی کے انداز میں ۵۵ بندوں پر مشتمل درود و سلام اپنی خوب صورت شاعری کے سبب توجہ اپنی طرف مبذول کرتا ہے۔ ایک بند دیکھیے:

انھی کے قول سے روشن دلوں کی بستیاں ساری
انھی کے فیض سے اونچی ہوئی ہیں پستیاں ساری
انھی کے حسن کا صدقہ جہاں کی ہستیاں ساری
درود اُن پر سلام اُن پر درود اُن پر سلام ان پر

یہ خوب صورت مجلد کتاب فروغ ادب اکادمی ۸۸۔ بی سٹیلائٹ ٹاؤن گوجرانوالہ نے شائع کی ہے اور اس کی قیمت ۱۵۰ روپے مناسب ہے۔

نجات/ عابد سعید عابد

''نجات'' دراصل ایک گلدستۂ عقیدت ہے اور کائنات کا ذرّہ ذرّہ اس عقیدت کی معنوی اور پاکیزہ خوشبو سے معطر ہے۔ نجات کے شاعر عابد سعید عابد نے اپنے پیش لفظ بعنوان حرف اعتراف کے شروع میں

اس بات کا اظہار کیا ہے۔ ان کے خیال میں ان کا چراغِ حیات بھی اپنی مدھم سی روشنی اردگرد کے ماحول میں اتارنا چاہتا تھا۔ ایک امید تھی جو پوری ہوئی۔

مندرجہ بالا خیالات کی روشنی میں ہم زیرِ نظر مجموعہ کلام کا جائزہ لیں تو ہمیں احساس ہوتا ہے کہ عابد سعید عابد کے پاس عقیدت کی فراوانی ہے اور طبع موزوں نے عقیدت کی شہ پر مصرعے ڈھالے ہیں۔ چھوٹی چھوٹی بحریں استعمال کی ہیں اور نعتوں کی ایک چھوٹی سی بستی بسا لی ہے۔ ہمیں اس مجموعہ کلام میں روایتی نعت کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں جنھیں لکھ کر شاعر نے اپنے ذہن کو سکون سے آشنائی دی ہے۔ اس مجموعہ میں شاعر کے ''حرفِ اعتراف'' کے بعد ''نجات اور خود انکشافی'' کے عنوان سے ڈاکٹر رشید نثار کا مضمون عابد سعید عابد سے خاصی واقفیت دلاتا ہے۔ اس کے بعد ''خاک مدینہ و نجف'' کے عنوان سے ڈاکٹر نثار احمد قریشی کا مختصر مگر جامع مضمون عابد سعید عابد کی نعتیہ کوششوں پر عقیدت کی مہر ثبت کرتا ہے۔

مجموعے کی ابتدا مناجات سے پھر ۱۷ نعتیہ غزلیں اور آخر میں سلام بہ نواسۂ رسول شامل کیا گیا ہے۔ جہاں تک شاعری کا تعلق ہے پہلے ہی اظہار کیا جا چکا ہے کہ غزل کے لہجے میں جذبات کا اظہار کہیں کہیں غیر محتاط ہونے کے سبب بالکل غزل کا ہو گیا ہے، جیسے یہ دو اشعار دیکھیے:

حسن کا میخانہ بخشے گا مجھے بے ہوشیاں — عشق کی جوئے رواں مجھ کو بہا لے جائے گی
اُن کی بزمِ ناز میں اتنی تسلی ہے مجھے — میرا پیغام وفا باد صبا لے جائے گی

یہ مجموعہ کلام شاعر نے بڑکی جدید، نزد ریلوے اسٹیشن گوجر خان، ضلع راول پنڈی سے خود شائع کیا ہے اور اس کی قیمت ۲۰۰/روپے خاصی زیادہ محسوس ہوتی ہے۔

لاریب/ اقبال حیدر

سیّد اقبال حیدر بنیادی طور پر نعت کے شاعر ہیں۔ ان کے مزاج میں موجود ان کی معصومانہ سادگی انھیں افراد کے ہجوم میں سب سے الگ اور ممتاز رکھتی ہے اور یہی انداز ان کی شاعری کا بھی طرۂ امتیاز ہے۔ اسی لیے تو ان کے نعتیہ اشعار براہ راست دلوں پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ اقبال حیدر کو پہچانا تو ہائیکو کے حوالے سے بھی جاتا ہے مگر ان کا ایک نعتیہ شعر تو ضرب المثل ہو چکا ہے۔

میں نے جن آنکھوں سے دیکھی تھیں سنہری جالیاں
آئینے میں اب وہ آنکھیں دیکھتا رہتا ہوں میں

اس مجموعۂ کلام میں حمدیہ شاعری میں بھی اقبال حیدر نے اپنے مزاج کو برقرار رکھا ہے۔ گفتگو کے پیرائے میں محامد قربِ الٰہی کی بنیاد نظر آتے ہیں۔

اللہ ہمارا رب ہے لاریب فیہ
قرآن اللہ کی گفتگو ہے اپنے بندوں کے ساتھ

مجموعۂ کلام کے شروع میں ڈاکٹر ابوالخیر کشفی، شبنم رومانی اور سرشار صدیقی کی تقاریظ پھر مولانا محمد تقی عثمانی کا تحریر کردہ پیش لفظ اقبال حیدر کی سچی شاعری کے گواہان کے طور پر تسلیم کیے جاسکتے ہیں۔ اس کے بعد اقبال حیدر نے اپنا منظوم پیش لفظ شامل کر کے ایک نئی رسم ڈالی ہے۔ پھر حمد اور نعت کے بہت سے چشمے آپ کو اقبال حیدر کے کوہ سار عبودیت اور عقیدت سے پھوٹتے ہوئے ملیں گے جو کبھی غزلیہ لہجہ کبھی نظم، کبھی قطعہ، کبھی نظم معرا کے رنگوں میں سرمدی بے ساختگی اور ہلکی ہلکی رو میں بہتے ہوئے پانی کی ترل رل کا سا انداز لیے آپ کے دل کی وادی میں ایسے اتر جائیں گے کہ آپ تھوڑی دیر کے لیے باقی دنیا سے الگ تھلگ ہو کر حمد و نعت کی عبادت میں گم ہو جائیں گے۔

ایک حمدیہ اور ایک نعتیہ ہائیکو دیکھیں:

پاک احد بے عیب
خالق کل حی القیوم
اک تُو ہی لاریب

☆

صلّی اللہ اُن پر
ماضی حال اور مستقبل
سب کے پیغمبر

یہ کتاب ادارہ تعمیر ادب نے ۷/ایل سی ایریا لیاقت آباد کراچی سے شائع کی ہے اور اس کا ہدیہ ۲۰۰/روپے زیادہ ہے۔

عرفانیات عارف/ عارف اکبر آبادی

عارف اکبر آباد مرحوم کا مجموعہ حمد و نعت، مناقب، مراثی۔ ''عرفانیاتِ عارف'' کے نام سے اُن کے ایک سعادت مند شاگرد منظر عارفی نے ترتیب دے کر اشاعت کے مراحل تک پہنچایا ہے۔ عارف اکبر آبادی کی بچپن ہی میں چیچک کی وجہ سے بینائی زائل ہو گئی تھی۔ رئیس اکبر آبادی کے شاگرد تھے تمام عمر مجرد زندگی گزاری۔ شاعری کے حوالے سے ایک وقت ایسا تھا کہ کراچی کے اہم اساتذہ میں شمار ہوتے تھے۔ شاعری میں الفاظ کا چناؤ، سلاست و روانی اور راست فکری ان کی بنیادی خصوصیات ہیں۔ غزل کے بڑے

مستند شاعر تھے۔ حمد و نعت میں بھی کافی کام کیا۔ بہر حال اُن کی وفات کے بعد ۱۹۹۰ء میں فردوس آرزو کے نام سے نعتیہ مجموعہ شائع ہوا تھا۔ جسے موجودہ مجموعہ میں شامل کر کے منظر عارفی نے بارگاہِ ادب میں اپنے استاد کی طرف سے ارمغان کے طور پر پیش کر دیا ہے اور ہمارے نزدیک یہ ایک بہت احسن کام ہے کہ وسائل نہ ہونے کے باوجود منظر عارفی نے یہ کاوش کی ہے۔ اس مجموعۂ کلام میں ۲/حمدیں، ۳۶/نعتیں ۳۰/مناقب بہت سی نعتیہ اور منقبتہ رباعیات اور قطعات اور تین مراثی بعنوان: مرحلے متاع دیں کے رکھوالے اور سفارت حسین شامل کیے گئے ہیں۔

نمونۂ کلام دیکھیے:

مل نہیں سکتا قیامت تک کہیں اس کا جواب
جس نے پتھریلی زمینوں پر اُگائے ہیں گلاب
اتنے کم رتبہ ہوئے ہم اس کا دامن چھوڑ کر
جیسے صحرا میں بگولے جیسے دریا میں حباب

رباعی:

احساس رہے روح کی گہرائی کا
دامن نہ چھٹے صبر و شکیبائی کا
لو شمع مدینہ سے لگائے رکھے
عارف یہی معیار ہے بینائی کا

یہ مجموعہ کلام منظر عارفی نے ۵۸۱/شاہ فیصل ٹاؤن ۳۔ کراچی سے شائع کیا ہے اور اس کا ہدیہ ۷۰/ روپے ہے جو بہت مناسب ہے۔

خوشبوئے گل/ نثار احمد نثار

ڈاکٹر نثار احمد نثار قیام پاکستان کے بعد ادباؤ شعرا کے اس قبیلہ اوسط سے تعلق رکھتے ہیں جس نے اپنے شعور کو پاکستان ہی میں حاصل کیا۔ ادھیڑ عمری کی طرف گامزن یہ شعرا رفتہ رفتہ اپنی شناخت کے مراحل میں داخل ہو رہے ہیں۔ کیوں کہ قیامِ پاکستان کے وقت ہجرت کر کے آنے والے بیش تر شعرا درجۂ استناد حاصل کرنے کے بعد راہی ملک عدم ہو رہے ہیں جن میں مولانا ضیاء القادری بدایونی، بہزاد لکھنوی، شاعر لکھنوی، سیّد اقبال عظیم، حنیف اسدی، صابر براری وغیرہ نقوشِ ثانی کے لیے جگہ خالی کر کے جا چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نعت رسول کے صدقے ان کے درجات بلند فرمائے۔

یہ ایک طے شدہ حقیقت ہے کہ وقت اور حالات کی تبدیلی ہمیشہ ادب پر نمایاں طور پر اثر انداز ہوتی

ہے۔ تلازمے بدلتے ہیں، نئی تراکیب جگہ بناتی ہیں، ادب میں نئی تحریکات جنم لیتی ہیں، کہیں ردیفی شاعروں کا اہتمام اپنی اہمیت اور افادیت کے سبب مقبولِ عام کی طرف بڑھتا نظر آتا ہے، تو کہیں جدید لہجے مختلف اصنافِ نعت میں اپنی جگہ بناتے ہیں۔ ڈاکٹر نثار احمد نثار کی نعتیہ شاعری بھی اسی لیے موجود عہد کی شاعری کہی جاسکتی ہے یہ اشعار دیکھیے:

نہ طلب ہے مسند شاہ کی نہ زمین و زر کا خیال ہے
میں مکینِ شہر نبی نہیں اسی حادثے کا ملال ہے
جو بڑے ہی بندہ نواز ہیں میں نثار اُن کا غلام ہوں
مجھے فکرِ موت و حیات کیا میرا اُن سے رشتہ بحال ہے

اور یہ رشتہ بحال رکھنا کوئی کارِ آساں نہیں۔ ڈاکٹر نثار احمد نثار نے اپنی سادگی کو اپنے لیے مشعل راہ بناتے ہوئے سیرتِ رسول پر چلنے کی جو ترغیب اپنے اشعار کے ذریعے دی ہے وہ نہ صرف قابلِ ستائش ہے بلکہ یقین ہے کہ بارگاہِ نبی میں بھی مستجاب ٹھہرے گی۔ یہ شعر دیکھیں:

نثار اس دن ہمیں کفار ملیا میٹ کر دیں گے
ہوئے ہم دور جس دن بھی محمد کی شریعت سے

بینات/ عزیز الدین خاکی

نعت پاک ایسی عبادت کا نام ہے جس میں شاعر کے لیے علم کی وسعت، فن کی آنچ اور عقیدت کی فراوانی درکار ہے اور جب تک یہ تینوں چیزیں پوری طرح آپس میں مل کر ایک نہ ہو جائیں نعت میں گداز اور گہرائی پیدا نہیں ہوتی اور ہم باآسانی حرف نعت اور دل سے نکلی ہوئی بلکہ دوسرے لفظوں میں سرکار کی عنایت کی ہوئی نعت میں تفریق کر سکتے ہیں۔ اس پس منظر میں جب ہم زیرِ نظر مجموعۂ کلام ''بینات'' کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں بے ساختہ یہ ماننا پڑتا ہے کہ عزیز الدین خاکی القادری جو بنیادی طور پر خوش الحان قبیلے کے فرد ہیں، طبعی آہنگ اور اپنے استاد کی تربیتِ صالحہ کے باعث نعت خوانی سے نعت گوئی کے راستے پر آچکے ہیں اور یہ مجموعۂ کلام اس بات کا گواہ ہے کہ خاکی پختہ نعت گو کے طور پر سامنے آچکے ہیں۔ ان کی زیادہ تر نعتوں میں الفاظ کا خوب صورت دروبست خاکی خوش الحانی کی غمازی کرتا ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ ان کی بیش تر نعتیں چھوٹی، مروج اور مترنم بحروں میں لکھی گئی ہیں۔ کچھ اشعار دیکھیں:

سرکار کا میلاد ہے سب جشن مناؤ — ہر سمت چراغاں کرو گھر گھر کو سجاؤ
خاکی سے سنو جشن بہاراں کے ترانے — ہر لحظہ نبی پاک کے نغمات سناؤ

دبستانِ وارثیہ کے ردیفی مشاعروں کا سلسلہ جو تقریباً چودہ برس سے جاری ہے اور اس کے سبب خاص طور پر نوجوان شعرا میں نعت جس تیزی سے مروج ہوئی ہے وہ قابلِ ذکر ہی نہیں قابلِ ستائش بھی ہے۔ خاکی بھی اس دبستان کے ماہانہ مشاعروں میں باقاعدگی سے شریک ہوتے ہیں۔ اس وجہ سے زیرِ نظر مجموعے میں ایسی نعتوں کی اکثریت ہے جن میں مختلف ردیفیں، مثلاً چراغ، نصیب، ملے، زاویہ، کرم، آس پاس، چاروں طرف، دھوم دھام، نظر نظر، چمک دمک وغیرہ شامل ہیں۔ خاکی کا کمال یہ ہے کہ انھوں نے مندرجہ بالا اور ایسی کئی دوسری مشکل ردیفوں میں بڑی سادگی کے ساتھ چھوٹے چھوٹے غنائیہ مصرعے کہہ کر حسین نعتیں تخلیق کی ہیں۔

یہ خوب صورت مجلد مجموعۂ کلام تنظیم استحکام نعت (ٹرسٹ)، پاکستان ایل۔۱۹۳ ایریا سی/۳۳، ریڈیو پاکستان ہاؤسنگ سوسائٹی کورنگی نمبر ڈھائی کراچی نے شائع کی ہے۔ اس پر ہدیہ کہیں درج نہیں ہے۔

مواجہ کے سامنے/ زاہد نیازی

محمد زاہد نیازی کی اردو اور پنجابی نعتوں کا مجموعہ ''مواجہ کے سامنے'' حال ہی میں منصۂ شہود پر آیا ہے۔ محمد زاہد اپنے والد الحاج عبدالستار نیازی کے خلف الرشید ہیں۔ آستانہ عالیہ پیر سیّد جماعت علی شاہ صاحب علی پور سیداں سے روحانی تعلق کے سبب فقیر لاثانی ہیں اور انھی ہر دو اثرات کے سبب سے نعت خوانی اور پھر نعت گوئی ان کے مزاج کا حصہ ٹھہری ہے۔ ''مواجہ کے سامنے'' ان کا دوسرا شعری مجموعہ ہے۔ اس سے پہلے وہ نعت کے پرستاروں کے شعری ذوق کی تسکین کے لیے ''سرکار کی گلی تک'' پیش کر چکے ہیں۔ زیرِ نظر مجموعۂ کلام میں ایک اردو حمد، ایک دعا، چوالیس نعتیں، تین منقبتیں، ایک نظم ''دعوتِ فکر'' اور والد محترم کی جدائی میں لکھی ہوئی نظم ہے۔ جب کہ پنجابی حصے میں ایک حمد اور تیس نعتیں شامل ہیں۔ زاہد نیازی کی گرفت پنجابی شاعری پر بہتر ہے اور انھوں نے شعری تقاضوں کو نبھاتے ہوئے پنجابی نعتیں تخلیق کی ہیں جب کہ اردو میں انتہائی سادہ الفاظ میں روایتی نعت خوانی کے مقاصد کے لیے تخلیق کی گئی نعتیں شامل ہیں۔ جن میں سامنے کے عقیدت کے جذبات ہیں اور فکر کی گہرائی وغیرہ نہیں پائی جاتی۔ اشعار میں سلاست اور روانی اور جوشِ عقیدت اَور حاضری کی تڑپ زیادہ اشعار کا پس منظر بنتے ہیں۔ پنجابی حصے میں زیادہ وقیع اور موزوں مضامین کو شاعری کا روپ دیا ہے جو براہِ راست قلب پر اثر انداز ہوتا ہے۔

یہ مجموعہ مکتبہ نوریہ رضویہ، فیصل آباد نے شائع کیا ہے اور خوب صورت سرورق کے ساتھ اس مجلد مجموعے کا ہدیہ صرف ۷۵/روپے ہر لحاظ سے مناسب ہے۔

معجزہ معجزہ/سیّد محمد رفیع الدین شرفی

سیّد محمد رفیع الدین شرفی کا حمدیہ نعتیہ منقبتیہ مجموعۂ کلام ''معجزہ معجزہ'' کے نام سے میرے سامنے ہے۔ قابلِ غور بات یہ ہے کہ اس مجموعۂ کلام پر صرف مجموعۂ نعت لکھا گیا ہے۔ اس میں پہلے تین حمدیہ غزلیں ہیں اس کے بعد نعتیں کا سرنامہ دے کر ۹۱ر غزلیہ نعتیں ہیں جن میں ۱۹ر نعتوں کی ردیف مکرر استعمال ہوئی ہے۔ یعنی اس مجموعے کے عنوان کی طرح ان نعتوں میں ایک ہی لفظ کی تکرار سے حسن پیدا کیا گیا ہے اور ان میں بعض ردیفیں تکرار سے واقعی اچھی لگتی ہیں۔ جیسے آئینہ آئینہ، خوب ہیں خوب ہیں، برابر برابر، دیکھ لو دیکھ لو وغیرہ اور یہ ردیفیں واضح طور پر شاعر کی شعوری کوشش نظر آتی ہیں۔ اسی لیے ان میں بے ساختہ پن کی کمی شدت سے محسوس ہوتی ہے۔ شاعر کا تعلق حیدرآباد دکن کے مشہور مذہبی گھرانے شرفی سے ہونا ہی ان کے دینی رجحان کی نمایاں گواہی ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ وہ عقیدت اور محبت کی روانی میں بعض تکنیکی معاملات سے صرفِ نظر کرتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں یا شاید جذبات کے تسلسل میں انھیں شعری سانچوں سے کہیں کہیں بے نیازی برتنے پر مجبور کردیا ہے۔ پھر وہ بہت سی جگہوں پر نعت شروع کرتے ہیں اور اسے رفتہ رفتہ اصحابِ خاص کی منقبت میں تبدیل کردیتے ہیں اور کہیں تو وہ اپنے سلسلے کے اکابرین کی شان میں اشعار کہہ کر انھیں نعت میں شامل کرگئے ہیں جو بہرحال مناسب معلوم نہیں ہوتا۔ غزلیہ نعتوں میں اگر ایک اور نعت کا اضافہ کرلیا جاتا تو یہ تعداد حضور کے اسمِ گرامی محمد ﷺ کے اعداد کے برابر ہوجاتی۔ مجموعے میں شامل بعض اشعار بہت ہی خوب صورت اور یاد رکھنے کے قابل ہیں۔ دو اشعار بطورِ نمونہ پیش ہیں۔

نیچی نظریں ہاتھ باندھے آنکھ میں آنسو لیے
حاضری دیتا ہوں تو سب سے الگ سب سے الگ

جانتا ہوں میرا مولا ہے کریم و کارساز
اس لیے منگتا ہوں تو سب سے الگ سب سے الگ

۱۵۲ر صفحات پر مشتمل یہ مجموعۂ کلام خوش رنگ سرورق کے ساتھ مکتبہ زاویہ قادریہ ٹرسٹ نے الانصار پبلی کیشنز شاہ گنج حیدرآباد (انڈیا) کے زیرِ اہتمام شائع کیا ہے اور اس کا ہدیہ ۱۰۰ر روپیہ اندرونِ ملک اور بیرونِ ملک ۵ر ڈالر رکھا ہے جو مناسب ہے۔

ہر لفظ کے لب پر صلِ علیٰ/ ڈاکٹر شوذب کاظمی

ڈاکٹر شوذب کاظمی ملتان کے رُخِ ادب پر دمکنے والا وہ خال ہے جو ہمیشہ حسن میں اضافے کا سبب

قرار پاتا ہے۔ نظم اور نثر دونوں میدانوں میں اس کی محنت خود اپنی گواہی بن کر اہلِ نظر کے سامنے نمایاں ہو رہی ہے۔ وہ غزل اور نظم کے خاصے مضبوط شاعر ہیں اور اب انھوں نے میدانِ نعت میں ایک خوب صورت مجموعہ ''ہر لفظ کے لب پر صلِ علیٰ'' کے عنوان سے پیش کیا ہے۔ اس مجموعے میں ۹۷ رغزلیہ نعتیں یک جا کی گئی ہیں اور غزلیہ نعتیں ہی دراصل شوذب کی شاعری کی پہچان بن گئی ہیں۔ وہ اپنی ہر نعت میں قدم بہ قدم آگے بڑھتا ہوا محسوس ہوتا ہے اور اس کی نعتیں عقلیت کی سطح سے آہستہ آہستہ عقیدت کے ترفع کی طرف بڑھتی نظر آتی ہیں۔ الفاظ کا در و بست، معنویت اور احتیاط وہ تین عناصر ہیں جو شوذب کی نعتوں کی نمایاں خصوصیات کہی جا سکتی ہیں۔ پورے مجموعۂ کلام کا جو صفحہ بھی کھول لیں آپ کو کوئی نہ کوئی شعر دامنِ دل کھینچتا محسوس ہوگا۔ چند مثالیں دیکھیے:

کنج دل کو خلوت غارِ حرا کرتے رہیں
یادِ حق میں اتباعِ مصطفےٰ کرتے رہیں

اللہ خواب میں بھی خیالِ نبی رہے
آنکھوں میں نور ذہن میں تابندگی رہے

خوش بوئے فکر سے یوں ہی مہکے مشامِ جاں
اے شہرِ علم! دل میں یہ کھڑکی کھلی رہے

کتاب کے شروع میں ڈاکٹر عاصی کرنالی اور ڈاکٹر سیّد ضمیر اختر نقوی اور کتاب کے آخر میں پروفیسر انور جمال کی تقاریظ کتاب کی شان میں اضافہ کا سبب ہیں۔

یہ کتاب بزمِ حزیں صدیقی نے ملتان سے شائع کی ہے اور اس کا ہدیہ ۲۰۰ روپے زیادہ محسوس ہوتا ہے۔

اصحابی کالنجوم / حفیظ تائب

امامِ نعت گویانِ عہدِ حاضر جناب حفیظ تائب مرحوم و مغفور کے مناقب کا مجموعہ بہت ہی دیدہ زیب انداز میں ان کی وفات کے بعد شائع ہو کر منظرِ عام پر آیا ہے۔ ابتدائی مندرجات سے ظاہر ہوتا ہے کہ حفیظ تائب نے اپنی حیاتِ مستعار ہی میں اس کتاب کا بیش تر حصہ ترتیب دے دیا تھا۔ خاص طور پر قرآن اور حدیث سے تمام حوالے یک جا کر دیے تھے اور منظوم مناقب بھی ترتیب دے دی تھیں۔ اس لیے ان کے متعلقین کو اشاعت میں کسی خاص دقت کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔

جناب معین نظامی کے تحریر کردہ دیباچہ کے مطابق ''زیرِ نظر کتاب 'اصحابی کالنجوم' حفیظ تائب کے ان تمام مطبوعہ و غیر مطبوعہ مناقب کا مجموعہ ہے جو انھوں نے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی شان میں

تخلیق کیے ہیں۔ وہ صدہا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا جامع تذکرہ منظوم کرنا چاہتے تھے اور اس سلسلے میں مسدس کا ابتدائی حصہ نظم کر چکے تھے۔''

یہ ابتدائی حصہ کتاب کے آخر میں شامل کر دیا گیا ہے۔ جو نعت پر کام کرنے والے دوسرے شعرا کے لیے ایک مستقل تحریک کی حیثیت رکھتا ہے۔

کتاب کو چار حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلے حصے میں حمد و نعت، دوسرے حصے میں مناقب، عشرہ مبشرہ تمام نثری حوالوں کے ساتھ ہیں، حصہ سوم میں مناقبِ اہلِ بیت ہیں، یعنی ازواج و اولادِ نبی کے منظوم مناقب اور حصہ چہارم میں جامع مناقبِ اصحاب جن میں نبی ﷺ کے بچپن سے متعلق افراد کا ذکر، حضرت امیر حمزہ کی منقبت، جنت البقیع، حاضری مدینہ منورہ (پنجابی) پھر پنجابی میں ہی مدح اور سلام اور آخر میں مسدّس کے ۱۸/ بند پھر مراجع اور مصادر کی فہرست۔

یہ کتاب حفیظ تائب کے مزاج شاعری کے مخصوص سانچے میں ڈھلی ہوئی ہے کہ کہیں بھی حقائق سے گریز نہیں اور اسی طرح شاعری کی بھی کہیں کمی نہیں۔ کچھ اشعار دیکھیں:

شرماتے تھے قدسی بھی جس انساں کی حیا سے
وہ پیکرِ تقدیس و حیا حضرتِ عثماں

سلام بحضور امام عالی مقام میں کہتے ہیں:

ہر عہد میں خوش بو ہے تری موجِ نفس کی
ہر عصر میں جلوہ ہے ترے رنگِ قبا کا

یہ بہت ہی خوب صورت اور خوب سیرت کتاب سنگت پبلشرز لاہور نے شائع کی ہے اور اس کی قیمت ۱۸۰/ روپے نہایت مناسب ہے۔

سلکِ درود/ عبدالرشاد شاد

عبدالرشاد شاؔد کا نعتیہ مجموعۂ کلام مندرجہ بالا عنوان سے زیرِ نظر ہے۔ کتاب کے شروع میں تین نسبتاً غیر معروف حضرات کی تقاریظ شامل کی گئی ہیں اور اس کے بعد ''دیباچہ از مؤلف'' کے سرنامے کے ساتھ شاعر کے اپنے فرمودات ہیں اور یہ عنوان پڑھنے والا یہ سمجھتا ہے کہ شاید یہ کتاب مختلف شعرا کے کلامِ نعتیہ کا گل دستہ ہے جسے عبدالرشاد شاؔد صاحب نے تالیف کیا ہے۔ مگر کتاب کی ورق گردانی اس راز سے پردہ اُٹھاتی ہے کہ یہ نعتیہ کاوشیں جناب عبدالرشاد شاؔد ہی کے زورِ فکر کا نتیجہ ہیں۔ مجموعے میں جہاں بہت اچھے اشعار ملتے ہیں جن میں خوب صورت الفاظ عقیدت کے خمیر میں محبت کے جذبات کی تصویر کشی کرتے ہیں۔

مگر ایسے اشعار کی بھی کمی نہیں جن میں گرامر کے حوالے سے اور معنوی حوالوں سے بہت سی قابلِ بحث اور بعض جگہوں پر قابلِ گرفت باتیں بھی شامل ہیں۔ ایک شعر دیکھیے:

لکھ پایا نہ پھر کاتبِ تحریر دوبارہ
سیرت پہ لکھا جس کا تھا عنوان محمد

اس شعر میں پھر اور دوبارہ کا مصرع اولیٰ میں استعمال اس کے علاوہ کاتب تو ہوتا ہی تحریر کرنے والا ہے ''کاتبِ تحریر'' کی ترکیب ناموزوں ہے۔ سب سے اہم بات ''لکھ پایا'' ہے جو مجبوری کا اظہار ہے اور یہ ذکر ہے ربِ تعالیٰ کا، تو کیا ربِ تعالیٰ کے حوالے سے کسی مجبوری کا اظہار جائز ہے؟

اس طرح بعض اوقات خالص غزل کے اشعار نعت میں شامل کیے گئے ہیں۔ انھیں علاحدہ پڑھا جائے تو قطعاً نعت کے اشعار نہیں لگتے یا پھر اُن کے استعمال سے انھیں نعت میں ڈھالنے کی کوشش بھی کی ہے تو اندازِ بیان شانِ رسول ﷺ کے مطابق نظر نہیں آتا۔ بعض جگہوں پر معنوی اعتبار سے مہمل الفاظ کا استعمال بھی محلِ نظر ہے جیسے ایک شعر دیکھیے:

گر پڑے اشکوں میں بٹ کر روضۂ سرکار پر
کس طرح سے روک لیتا آہنی جذبات کو

اس شعر میں ''آہنی جذبات'' کی ترکیب کن جذبات کے لیے استعمال ہوئی ہے؟ اس تبصرے سے ہمارا مقصد کسی نعت گو کی دل شکنی نہیں ہے مگر نعت کے موضوع کے حوالے سے جس احتیاط کو ملحوظ رکھنا چاہیے اس کی طرف توجہ دلانا لازمی ہے ورنہ اس قبیلۂ نعت گویاں میں نعت کی ضروریات کو مدِنظر رکھنے کی روایت کم زور پڑ جانے کا ڈر ہے۔

''سلکِ درود'' دیدہ زیب گٹ اپ کے ساتھ عین پبلی کیشنز نے لاہور سے شائع کی ہے اور اس کی قیمت ۱۵۰ر روپے مناسب معلوم ہوتی ہے۔

شہرِ نعت/ شبیر احمد قادری

مجلس معین ادب فیصل آباد کے اس کتابی سلسلے کے دو شمارے میرے سامنے ہیں۔ ایک کے سرورق پر ''معین ادب'' اور ماہ نامہ کے الفاظ نمایاں ہیں اور اسے شمارہ اوّل ہونے کا شرف حاصل ہے اور ماہِ اپریل ۲۰۰۷ء میں جاری کیا گیا ہے اور بطورِ مدیرِ اعلیٰ پروفیسر شبیر احمد قادری کا نام درج ہے۔ اس کے کل صفحات ۴۸ر ہیں۔ شروع کے صفحات تو مجلس معین ادب کے لیے مختص کیے گئے ہیں اور پھر ایک حمد اور حصہ نعت میں جس کے تین حصے ہیں پہلے میں مجلس کے ماہانہ مشاعرے میں شریک شرکا کی آٹھ نعتیں، پھر دوسرے حصے

میں مجلس میں کثرت سے حاضر رہنے والے شعرا کی اردو اور پنجابی کی چھ نعتیں اور آخر میں بیادِ رفتگاں کے لیے وقف شدہ حصے میں حضرت خواجہ دین محمد چشتی الصابری، خلیق قریشی، حافظ لدھیانوی، علامہ انور فیروز پوری، حکیم ساحر قدوائی، مسرور بدایونی، سکندر ایاز سیّد اور پروفیسر عظمت اللہ خان کی نعتیں ہیں اور یہیں پر آ کر شمارہ ختم ہو جاتا ہے۔ جب کہ دوسرا شمارہ جس کے سرورق پر ''ادبی دستاویز''، ''شہرِ نعت'' کے الفاظ نمایاں ہیں اور مجلس معین ادب نسبتاً کم جلی نیچے درج ہے۔ یوں قادری صاحب نے اسے باقاعدہ رسالے ''شہرِ نعت'' کی شکل دینے کا فیصلہ کیا ہے اور اس بات کا اظہار اداریے میں موجود ہے۔ چوں کہ یہ رسالہ ابھی ابتدائی شکل میں ہے اس لیے اس کے بارے میں زیادہ تفصیلی تبصرہ کرنا ممکن نہیں۔ مدیر کو چاہیے کہ حمد و نعت کے حوالے سے اہم لوگوں سے رابطہ کرے اور ان سے مضامین لکھوا کر شاملِ اشاعت کرے اور صرف اپنے شہر کو ہی شہرِ نعت کہہ کر زیادہ تر فیصل آباد کے شعرا کو شامل کرنے کی بجائے اچھے اور معیاری کلام کو جگہ دی جائے گی تو رسالے کو امتیاز ملے گا۔ قیمت ۳۰/روپے ہے۔

عقیدت/شاکر کنڈان

کتابی سلسلہ ''عقیدت'' جسے سرگودھا سے شاکر کنڈان شائع کرتے ہیں۔ اپنے مرتب کے ذوق کا نمائندہ نظر آتا ہے۔ یہ مختصر سا رسالہ ۸۰/صفحات پر مشتمل ہے اور اس کی فہرست پر نظر ڈالیں تو نعت کے حوالے سے اہم شخصیات کی منظوم و منثور تحریریں اس کا حصہ ہیں۔ مرتب کے بیان کا ذکر ضروری ہے جو ابتدائیے یعنی ''بسم اللہ'' میں ہے۔ شاکر لکھتے ہیں:

> مَیں نے عقیدت کو عقیدے کی روح سے نکالا ہے اور پھر اسے مجسم کر کے ''عقیدت'' بنا دیا ہے۔

اس بیان کو سیاق و سباق کے ساتھ سمجھنے کی سعیٔ ناکام سے گزر کر (جس کے لیے مجھے اپنی کم علمی کا اعتراف ہے) میں حصہ حمد میں پہنچا جہاں پانچ حمدیں اور ایک مناجات ہے۔ اس کے بعد مضامین کا دور آتا ہے جس میں ڈاکٹر محمد آصف قدوائی، ڈاکٹر عاصی کرنالی، اور شاکر کنڈان کے علاوہ محمد شبیر رانجھا اور تصور اقبال کے خوب صورت مضامین موجود ہیں پھر نعت منظوم کے حصے میں ۳۹/غزلیہ نعتیں اور ایک نظم ''یا حبیب اللہ اسمع قالنا'' کے نام سے شامل ہے۔ پھر دو پنجابی نعتیں اور ایک سندھی سے اردو ترجمہ ہے۔ آخر میں رسید کے عنوان سے موصول ہونے والے رسائل و کتب کی فہرست شامل ہے۔ رسالے میں کہیں اس کی عمرِ طبعی درج تو نہیں البتہ اندازے سے کہا جا سکتا ہے کہ سہ ماہی ہے اور اسے ۱۳۲۔ بی استقلال آباد سرگودھا سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔ جب کہ اس کے ایک شمارے کی قیمت ۴۰/روپے زیادہ محسوس

ہوتی ہے۔

فردوسِ سخن/سیّد شاہ قاسم القادری

سیّد شاہ قاسم القادری کا نعتیہ مجموعۂ کلام ''فردوسِ سخن'' کے نام سے زیرِ نظر ہے۔ اس دیدہ زیب مجموعے کے شاعر نے میدانِ شاعری میں کئی کروٹیں لی ہیں۔ پہلے عمومی غزلیہ شاعری پھر ''ڈھکن رائچوری'' کے تخلص سے مزاحیہ شاعری میں بہت نمایاں مقام حاصل کیا اور پھر نبیرۂ غوث الاعظم حضرت سلمان گیلانی کے حلقۂ ارادت میں شمولیت نے ان کی کایا ہی پلٹ دی۔ مزاحیہ شاعری کو ڈھکن لگا کر بند کیا اور نعت وسلام کی طرف مکمل طور پر راغب ہوگئے۔ شاہ قاسم القادری کا یہ مجموعہ ابتدائی حوالوں سے تو ۹۲ تخلیقات پر مشتمل ہے جو حضور پاک ﷺ کے اسمِ گرامی محمد (ﷺ) کے اعداد ہیں۔ لیکن ان ۹۲ تخلیقات میں ایک حمد اور دو مناجاتیں بھی شامل ہیں۔ اس کے بعد ۸۶ نعتیہ غزلیں اور آخر میں دو سلام بحضور خواجۂ کونین ہیں۔

جہاں تک شاعری کا تعلق ہے، سیّد شاہ قاسم القادری نے سیدھے سادے الفاظ میں اپنے جذباتِ عقیدت نظم کیے ہیں۔ شاعری میں کہیں کوئی گہرائی یا سوچ کے پہلو دکھائی نہیں دیتے ہیں۔ عقیدت اور محبت بڑی کثرت سے نظم کی گئی ہیں۔ سیدھے سادے اشعار میں دل میں اُتر جانے کی قوت موجود ہے۔ کچھ اشعار دیکھیے:

عاشقِ احمد کے دل پر دیکھیے
ہوگئی ہے مہرباں یادِ رسول

☆

بنے ہیں چاند سورج کہکشاں بس آپ کی خاطر
جہاں اک ہی نہیں دونوں جہاں بس آپ کی خاطر
شفاعت آپ کی ہوگی بروزِ حشر اُمت پر
یقیناً رب ہمیں دے گا اماں بس آپ کی خاطر

وارفتگی اور طبیعت کی روانی کے سبب کہیں کہیں شاعر عربی لفظوں کے استعمال میں اوزان سے صرفِ نظر کرتا محسوس ہوتا ہے۔ جیسے بشریت میں ش مفتوح ہے اور اسے ساکن استعمال کرنا وغیرہ۔ بہر حال مجموعی طور پر جذباتِ محبت، عقیدت سے سرشار یہ مجموعۂ کلام اپنی انفرادی پہچان بنانے کی اہلیت رکھتا ہے۔ اسے صدر بزمِ شاہ میر رائچور کرناٹک ہند نے شائع کیا ہے اور اس کا ہدیہ ۱۰۱ روپے مناسب ہے۔

شعاعِ نور/ حاجی مراد علی نور

حاجی مراد علی نور کا نعتیہ مجموعہ کلام مندرجہ بالا عنوان سے میرے سامنے ہے۔ حاجی مراد علی نور کا تعلق جیکب آباد سے ہے اور یہ وہاں کے سینئر شعرا میں شمار ہوتے ہیں۔ شاعری میں نعت کی طرف رجحان پچھلے چند سالوں میں بہت زیادہ بڑھا جس کا ثبوت ان کا یہ سہ زبان نعتیہ مجموعہ ہے جس میں اردو میں ایک حمد، ۵۶ / غزلیہ نعتیں اور ایک درود پاک، پنجابی حصہ میں ایک حمد اور چار غزلیہ نعتیں ایک نعت جسے بہت سے ماہیے جوڑ کر بنایا گیا ہے۔ جب کہ سندھی حصہ میں ایک حمد باری تعالیٰ اور سات غزلیہ نعتیں شامل کی گئی ہیں۔ مجموعے کے پہلے ۴۴ صفحات تقاریظ اور شاعر کی اپنی روئداد پر مشتمل ہے جو قاری کے لیے ایک صبر آزما مرحلے کی صورت نظر آتا ہے اور اس سے کلام کے حوالے سے کوئی خاص تاثر نہیں بنتا۔ البتہ شاعر کے کلام میں بعض جگہوں پر شاعر کی عقیدت میں فراوانی کا احساس ہوتا ہے۔ اردو حصے کی نعتوں میں برگ یوسفی مرحوم کی ایک مشہور نعت پر تضمین بھی شامل کی گئی ہے۔ تضمین میں شعری محاسن کے حوالے سے نور اپنے اوج پر دکھائی دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ بھی نعتوں میں بعض اشعار ایسے ہیں جو بہت کچھ سوچنے کی دعوت دیتے ہیں، مثلاً یہ دو اشعار دیکھیے:

بے عیب خود سا رب نے بنانے کے شوق میں
اتنا صفا کیا کہ انھیں مصطفےٰ کیا

☆

جب بھی کتب ہوں نئی نعت تو یوں لگتا ہے
جیسے سرکار نے پھر یاد کیا ہے مجھ کو
زندگی دی ہے یہ احسان تو ہے اپنی جگہ
زندہ رہنے کا سلیقہ بھی دیا ہے مجھ کو

کل ۱۴۴ صفحات پر مشتمل یہ کتاب خاصے مناسب گٹ اپ کے ساتھ کوہِ نور مطبوعات جیکب آباد سندھ نے غالب سندھ فیض بخشاپوری اکیڈمی کے زیر اہتمام شائع کی ہے اور اس کا ہدیہ ۱۰۰ / روپے مناسب ہے۔

محمد جان محبوبی/ شکیب وجدانی

پروفیسر شکیب وجدانی کا نعتیہ مجموعہ کلام مندرجہ بالا عنوان سے منصۂ شہود پر آیا ہے۔ ابتدا میں امجد اسلام امجد اور سعید بدر کی تقاریظ ہیں۔ امجد اسلام امجد نے تو روایت کو نبھاتے ہوئے اور باوجود اس حقیقت

کے جو انھوں نے تحریر کی ہے کہ ''نعت اس کائنات کی سب سے مقدس اور برگزیدہ ہستی کے حضور ایک نذرانۂ عقیدت ہوتا ہے جس میں جذبات کی شدت اور عقیدت کی فراوانی کسی قسم کی فنی قید یا بندش کو گوارا نہیں کرتی۔ سو یہاں بے وزن شاعری میں ایک اپنا وزن رکھتی ہے۔'' آخر میں پروفیسر شکیب وجدانی کو دورِ حاضر کے نمائندہ نعت گوؤں میں شامل کیا ہے۔

سعید بدر نے بھی اپنے مضمون میں کئی جگہ پروفیسر شکیب وجدانی کے علم وعروض سے واقف نہ ہونے کے اعتراف کا ذکر کیا ہے۔ پھر بھی ایک قطعہ کو رُباعی کے طور پر مثال کیا ہے، جو باعثِ حیرت ہے۔

اگر شکیب وجدانی صاحب کو ان کی عقیدت مسلسل نعت کہنے پر مجبور کر رہی ہے تو انھیں لاہور ہی میں کسی جید استاد سے اصلاح لینے میں کیا عار ہے جو نہ صرف زبان و بیان کی غلطیوں کی اصلاح کرے بلکہ انھیں معنوی اعتبار سے ان نزاکتوں سے آگاہ کرے جو نعت گو کے لیے لازمی ہیں تاکہ ان کی نعت واقعی نعت بن سکے فی الحال اس کتاب میں موجود بہت سی ایسی شاعری ہے جس پر بحث سے زیادہ اعتراضات کیے جاسکتے ہیں۔ یہ دو اشعار دیکھیے:

سُر سے سُر اور تال ملا کے — نغمے چھیڑو صلِ علیٰ کے
پھر ہر تال پہ جھومے دنیا — ناچ پتنگے پر کٹوا کے
مطرب نے پھر چھیڑا نغمہ — دھرپت طبلہ ساز بجا کے
جب نیند نہ آئے یاد تری — دے لوریاں مجھے سلاتی ہے
صابر کی حالت غیر ہو جب — تری یاد اسے بہلاتی ہے

یہ کس قسم کی نعت نگاری ہے، پروفیسر شکیب وجدانی ہی بہتر طور پر بتا سکتے ہیں۔ حالاں کہ یہ پروفیسر صاحب کا تیسرا مجموعۂ کلام ہے۔ اس سے پہلے ''چاند ربیع الاوّل کے'' اور ''کشکول گدائی'' چھپ چکے ہیں۔ شاید کسی تنقید نگار نے انھیں ان کی خامیوں سے آگاہ کرنے کی کوشش ہی نہیں کی۔

یہ کتاب زیرِ اہتمام محمد ابرار حنیف مغل مدیر ماہ نامہ ''کاروانِ نعت'' المدینہ دارالاشاعت نے یوسف مارکیٹ غزنی اسٹریٹ اردو بازار لاہور سے شائع کی ہے اور اس کی قیمت ۲۰۰/روپے بہت زیادہ ہے۔

مدینے کی قربیں / مسرور جالندھری

مسرور جالندھری بزرگ اور کہنہ مشق شاعر ہیں اور بہت سے شعری تخلیقات کے مجموعے قارئین کے اذہان کی تسکین کے لیے پیش کر چکے ہیں۔ زیرِ نظر مجموعۂ نعت ''مدینے کے قریں'' انھیں واقعی مدینے کے قریں لے جانے کی سعی میں مصروف نظر آتا ہے۔ کتاب کے شروع میں ''قومی ایوارڈ یافتہ کی مہر شاعر کی سب سے

بڑی سفارش کے طور پر لگائی گئی ہے۔ جب کہ شاعر کی اصل سفارش تو اس کی نعتیہ شاعری ہے۔ مدینے کے قریں کی تاریخ مطہرہ شمیم صبائی متھراوی کے زورِ فکر کا نتیجہ ہے۔ ''پہلا تاثر'' اختر ہوشیار پوری نے تحریر فرمایا ہے اور قلم برداشتہ محسوس ہوتا ہے پھر ''پیشوائی'' جناب الحاج بشیر حسین ناظم تمغۂ حسنِ کارکردگی کے زورِ قلم اور تبحرِ علمی کا ثمر ہے جس میں ایک جملہ علامہ اقبال کے حوالے سے قابلِ غور ہے کہ ''حضرت حکیم الامت علامہ اقبال جنھیں امامِ رُسل ﷺ نے عندلیبِ باغِ حجاز کے لقب سے نعت گوئی کی اساس پر نوازا۔''

مسرور جالندھری نے عموماً چھوٹی اور مروّج بحروں میں نعتیں کہی ہیں اور ان کی شاعری میں استادانہ مشاقی بہت نمایاں ہے۔ الفاظ کا موتیوں کی طرح استعمال اور سادہ مصرعوں میں معنوی گہرائی ان کی خلاقانہ صلاحیت کا ثبوت ہیں۔

چند اشعار دیکھیے:

اب تو ہو اذنِ حضوری مجھ کو
مضطرب دل بھی ہے آنکھیں نم بھی
آپ نے پار لگایا ورنہ
راہ میں پیچ بھی آئے خم بھی

☆

جب سر پہ مرے سایہ محبوب خدا ہے
خورشید سوا نیزے پہ آجائے تو کیا ہے
ہوگا کہ نہیں خلا میں کچھ کہہ نہیں سکتے
جو لطف مدینے کی فضاؤں میں ملا ہے

۲۴۸ رصفحات پر مشتمل یہ خاصی ضخیم کتاب بزمِ شعر و ادب اسلام آباد نے شائع کی ہے اور اس کا ہدیہ ۱۵۰ روپے انتہائی مناسب ہے۔

حدوں ودھ درود نبی تے / حاجی محمد حنیف نازش قادری

حاجی محمد حنیف نازش قادری نعت کے حوالے سے پنجاب کے اہم شعرا میں شمار ہوتے ہیں۔ وہ اردو اور پنجابی دونوں زبانوں میں یکساں مہارت کے ساتھ نعتیں تخلیق کر رہے ہیں۔ اللہ نے انھیں لحنِ داؤدی بھی عطا کیا ہے۔ اس لیے ان کی نعتوں میں ترنم کوٹ کوٹ کر بھرا ہوتا ہے۔ زیرِ نظر مجموعہ ''حدوں ودھ درود نبی تے'' ان کی پنجابی نعتوں کا مجموعہ ہے۔

ابتدا میں شاعر نے ''اللہ سوہنے دے نال نال'' اپنے شکر کا اظہار کیا ہے۔ پھر ''لفظاں دی چانی'' کے نام سے دیباچہ پروفیسر محمد اکرم رضا نے تحریر کیا ہے۔ یہ دیباچہ خاصا تفصیلی ہے اور تقریباً ۳۲ صفحات پر مشتمل ہے، جس میں حنیف نازش قادری کی شاعری کے تقریباً ہر پہلو کا احاطہ کیا گیا ہے۔ اس کے بعد ''پنجابی دامان۔ حنیف نازش قادری'' کے عنوان سے پروفیسر عصمت اللہ زاہد صدر شعبۂ پنجابی پنجاب یونی ورسٹی لاہور کا مضمون ہے۔ اس کے بعد شاعری کا آغاز حسبِ روایت ''حمداں تے مناجاتاں'' سے ہے جس میں سات تخلیقات دی گئی ہیں دوسرا حصہ ''نعتاں'' کا ہے جس میں ۱۱۰ غزلیہ نعتیں ہیں۔ پھر ''نعتیہ گیت'' کے عنوان سے حصہ ہے۔ جس میں ۱۸ گیت شامل ہیں اور پھر حمدیہ چومصرے۔ نعتیہ چومصرے۔ حسینی چو مصرے نعتیہ ماہیے۔ نعتیہ مرزا اور آخر میں سی حرفی پر اختتام کیا گیا ہے۔ شاعری اپنے اندر تمام تر حسنِ عقیدت رکھتی ہے۔ دو اشعار دیکھیں:

آئے نے زائر مرے سرکار دوروں نیڑیوں
ویکھنے لئی آپ دا دربار دوروں نیڑیوں
میرے آقا ساریاں دی حاضری ہووے بے قبول
جو دروداں دے لیائے ہار دوروں نیڑیوں

یہ خوب صورت مجموعہ شاعر نے ایوانِ شعر و ادب قادری پلازہ کامونکی سے شائع کی ہے اور اس کی قیمت ۲۵۰ روپے زیادہ محسوس ہوتی ہے۔

بجھے چراغوں کی روشنی / شاعر علی شاعر

شاعر علی شاعؔر نام ہے اس شخص کا جسے ہم ہر وقت کسی نہ کسی ادبی سرگرمی میں مصروف دیکھتے ہیں۔ کبھی وہ تخلیقی صلاحیتوں سے مزین کوئی حمدیہ یا نعتیہ مجموعہ لے آتا ہے، کبھی اس کی تالیف کردہ کتابیں روحوں کو گرمانے کے عمل میں مصروف نظر آتی ہیں۔ گویا اس حوالے سے یہ نام کسی نہ کسی حیثیت سے کم و بیش سو کتابوں سے منسلک ہے۔ شاعر علی شاعؔر کی تازہ ترین کاوش مندرجہ بالا عنوان سے منصۂ شہود پر آتی ہے۔ یوں تو جب سے کتابیں چھپنا شروع ہوتی ہیں۔ نعتیہ گل دستے شائع ہو رہے ہیں۔ لیکن چند ہی ہیں جنھیں معیاری کہا جاسکتا ہے۔ ایسے گل دستوں کے مؤلفین میں شفیق بریلوی، عزیز صابری، صبیح رحمانی، حفیظ تائب اور راجا رشید محمود نمایاں ہیں۔ کراچی سے شہزاد احمد بھی اس کام میں نمایاں ہیں اور اب شاعر علی شاعؔر نے زیرِ نظر گل دستے کے حوالے سے اہمیت کا حامل کام کیا ہے۔ اور قیامِ پاکستان کے بعد سے اب تک دائ

اجل کو لبیک کہنے والے شعرا کی خوب صورت نعتوں کو یک جا کیا گیا ہے۔ البتہ ایک دو ناموں کو غلطی سے شامل کیا گیا ہے جنھیں اُمید ہے آئندہ اشاعت میں تبدیل کر دیا جائے گا۔

اچھی شعری تخلیقات کے حوالے سے اور نعتوں کی روشنی کے پس منظر میں شاعر علی شاعؔر نے بہت ہی خوب صورت عنوان منتخب کیا ہے اور وہ اس کتاب کی اشاعت کے لیے مبارک باد کے مستحق ہیں۔

☆

مذاکرہ

شرکا: انور خلیل، ڈاکٹر احسان اکبر، علامہ بشیر حسین ناظم، آصف اکبر،
علامہ قمر رعینی، ڈاکٹر عطاء اللہ خان اور عزیز احسن

''نعت رنگ'' شمارہ:۱۹ پر ایک مذاکرہ

''نعت رنگ'' شمارہ ۱۹ کے مشمولات پر ایک مذاکرہ اسلام آباد میں جناب آصف اکبر کے دولت کدے پر منعقد ہوا۔ جس میں جناب انور خلیل، جناب ڈاکٹر احسان اکبر، علامہ بشیر حسین ناظم، جناب آصف اکبر، علامہ قمر رعینی، ڈاکٹر عطاء اللہ خان اور عزیز احسن نے شرکت کی۔ نظامت کے فرائض عزیز احسن نے انجام دیے۔ اس مذاکرے کی روئیداد قارئین ''نعت رنگ'' کی نذر ہے۔

عزیز احسن: حضراتِ گرامی میں آج کے مذاکرے میں آپ سب کو خوش آمدید کہتا ہوں۔ آج ہم ''نعت رنگ'' ۱۹ کے مشمولات پر گفتگو کریں گے۔ ہمارا مقصد یہ ہے کہ اہلِ علم کی مجموعی رائے کا اظہار اس طور پر ہو جائے کہ ہم ''نعت رنگ'' میں شامل تخلیقی مواد کے ساتھ ساتھ علمی، تحقیقی اور تنقیدی مضامین کا جائزہ لے سکیں اور ادارے کو آئندہ کے لیے آپ کی قابلِ قدر آراسے ''نعت رنگ'' کو مزید بہتر بنانے کے لیے لائحۂ عمل ترتیب دینے میں بھی مدد مل سکے۔ آج کی اس علمی مجلس کے شرکا میں حضرت پروفیسر ڈاکٹر احسان اکبر، حضرت ڈاکٹر عطا اللہ خان صاحب، سیّد محمد حسن زیدی اور جناب انور خلیل ''نعت رنگ'' کے قارئین کے لیے ذرا نئے ہیں اس لیے میں مختصراً ان حضرات کا تعارف کروا دیتا ہوں۔

حضرت پروفیسر احسان اکبر صاحب معروف دانش ور اور شاعر ہیں اور الحمدللہ کئی زبانوں میں شعر کہتے ہیں۔ آپ کی نعتیہ تخلیقات میں آپ کا قلبی گداز اور دھیما لہجہ اس قدر پراثر ہوتا ہے کہ بیش تر اشعار، سامعین کی آنکھوں کو باوضو کر جاتے ہیں۔ آپ کا ترنم منفرد بھی ہے اور انتہائی پُراثر بھی۔ جناب ڈاکٹر عطاء اللہ خان معروف محقق ہیں۔ آپ کی کئی تصانیف منصۂ شہود پر آچکی ہیں۔ سیّد محمد حسن زیدی صاحب نعت کے اچھے شاعر ہیں، ان کی ایک نعتیہ تصنیف ''کیف دوام'' منظر عام پر آچکی ہے۔ آپ اسلام آباد کی منفرد ادبی تنظیم ''محفلِ نعت'' کے نائب صدر بھی ہیں، حضرت ڈاکٹر پروفیسر احسان اکبر صاحب اس ادبی تنظیم کے صدر ہیں۔

جناب انور خلیل، ایک سینئر صحافی ہیں۔ آپ نے کچھ عرصہ سٹی کالج، ناظم آباد کراچی میں اردو کی تدریس بھی فرمائی ہے اور میں فخر سے کہہ سکتا ہوں کہ میں بھی آپ کے شاگردوں میں شامل ہوں، جو آپ کے لیکچرز سے فیض یاب ہوا۔ آپ اردو اور فلسفہ دونوں کے سند یافتہ ہیں، شعر و ادب سے آپ کا تعلق بڑا گہرا ہے۔ آپ کراچی کے ان ادبی حلقوں میں فعال کردار ادا کرتے رہے ہیں جن میں زیڈ اے بخاری اور ان کے رفقا کی موجودگی سے ادبی محفل زعفران زار ہوجاتی تھی۔ آپ کا ایک مجموعۂ کلام ''شہرِ سخن'' کے نام سے منصۂ شہود پر آچکا ہے۔

میں استاذی جناب انور خلیل سے گزارش کروں گا کہ وہ ''نعت رنگ'' ۱۹ کے مشمولات کے حوالے سے اپنے تاثرات سے ہمیں آگاہ فرمائیں۔

جناب انور خلیل: مَیں ادارہ ''نعت رنگ'' اور عزیز احسن صاحب کا شکر گزار ہوں کہ اس مذاکرے میں شمولیت کا موقع دیا۔ یہ مذاکرہ ''نعت رنگ'' شمارہ ۱۹ کے حوالے سے ہو رہا ہے، اور اس میں مجموعی طور پر نعت پر بھی بات ہوسکتی ہے لیکن میں اس شمارہ کے مضامین کے پس منظر میں تنقیدِ نعت پر کچھ معروضات پیش کرنا چاہتا ہوں، حوالہ اس میں نعتیہ شاعری ہی ہوگا۔ مَیں نے اس رسالے کو سرورق سے صفحۂ آخر تک تو نہیں پڑھا۔ تاہم اسی، پچاسی فیصد حصہ پڑھ لیا ہے۔ نعت کے موضوع پر ایسا وقیع مجلّہ شائع کرنا ایک بہت بڑا کام ہے۔ اس کی دینی اور اخلاقی حیثیت مسلّم ہے۔ اس قسم کے منصوبوں کی اہمیت اتنی ہے کہ اسے ہم Over Emphasise نہیں کرسکتے۔ نعت جیسے میدان کو منتخب کرنا بہت ہی جرأت کا کام ہے۔ صبیح رحمانی اور اُن کے رفقا اس کام کو اب تک نباہ رہے ہیں، جو لائقِ ستائش ہے۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو توفیق دے اور اسباب بھی مہیا کرتا رہے کہ وہ اس سلسلے کو جاری رکھ سکیں۔ مَیں نے اس کے مطالعے سے جو کچھ محسوس کیا وہ پیش کرتے ہوئے عرض کروں گا کہ اس رسالے کی ضخامت بہت زیادہ ہے۔ اگر اس کی ضخامت کو آپ بڑھاتے رہیں تو بطور رسالے کے یہ اتنا مفید شاید نہ ہو۔ مضامین کی تعداد کم کرنا میرا مطلب نہیں ہے۔ البتہ مضامین کی طوالت کم کی جاسکتی ہے۔ ''نعت رنگ'' میں نعت کو بحیثیت ایک علاحدہ صنفِ سخن کے متعارف کروانے پر زور دیا جاتا رہا ہے۔ میرے خیال میں نعت کو علاحدہ صنفِ سخن کہنا اتنا صائب نہیں ہے۔ ہیئت کے لحاظ سے غزل، نظم، مسدس، قطعہ، اصناف سخن شمار ہوتی ہیں جب کہ نعت کسی بھی صنفِ سخن میں کہی جا سکتی ہے۔ اس لیے مَیں ''نعتیہ ادب'' کی اصطلاح کو صنف سخن پر ترجیح دیتا ہوں۔

تخلیق اور تنقید میں جو بہت سارے فرق ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ تخلیقی عمل کسی اخلاقی ضابطے کا پابند نہیں ہوتا۔ ہاں ابلاغ کی سطح پر اخلاقیات کا اطلاق بھی ہوتا ہے۔ کوئی شعر ہوسکتا ہے بہت اچھا اور سچا ہو، لیکن معاشرے میں اس کی اشاعت عین ممکن ہے کہ معاشرتی معیارات سے متصادم ہو۔ کوئی بھی فن ہو،

اس کے معیارات میں اخلاقیات شامل ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر کسی فن پارے پر تنقید کرتے وقت آپ کے بارے میں یہ طے ہونا چاہیے کہ آپ کا نقطۂ نظر معروضی ہوگا۔ آپ ذاتی پسند، ناپسند کے حساب سے اس پر گفتگو نہیں کریں گے۔ یہ بات تنقید کی اخلاقیات میں شامل ہے۔ اسی طرح جب آپ کوئی حوالہ دے رہے ہوں تو وہ سیاق وسباق کے حساب سے صحیح ہوگا۔ اپنے مفہوم کے حساب سے اور الفاظ کے حساب سے صحیح ہوگا۔ اس طرح کے عام اصول ہیں جو تنقید کی اخلاقیات میں شامل ہیں۔ جب آپ کسی خاص صنفِ سخن پر یا کسی خاص ادب پر تنقیدی نظر ڈالتے ہیں تو اس میں یہ بات شامل ہوتی ہے کہ آپ ان اخلاقی اصولوں کو اور ضوابط کو سامنے رکھیں گے۔ لیکن اس خاص میدان کے حساب سے کچھ اخلاقیاتی اصولوں کا اضافہ ہو جاتا ہے، مثلاً کسی صحافتی یا معاشرتی تحریر پر جب آپ تنقید کر رہے ہوں تو اس کے اخلاقی تقاضے مختلف ہوں گے۔ لیکن جب حمد باری تعالیٰ، نعت رسول مقبول ﷺ اور منقبت کا موضوع ہو تو اس میں اخلاقی تقاضے ذرا سخت ہو جاتے ہیں۔ میں اس بات پر زور دینا چاہتا ہوں کہ نعت پر تنقید کرتے ہوئے آپ کو جن اخلاقی اصولوں کا خیال رکھنا چاہیے وہ یہ ہیں کہ حضور رسالت مآب ﷺ کی تکریم کے ہر پہلو کو پیش نظر رکھا جائے۔ اسلامی اخلاق بھی پیش نظر ہوں۔ اسلامی اخلاق سے میری مراد مذہبی معنی میں نہیں معاشرتی معانی میں ہیں۔ اسلامی معاشرے کی اخلاقیات غیر اسلامی معاشرے کی اخلاقیات سے مختلف ہوتی ہیں۔ مثلاً اسلامی معاشرتی اخلاقیات میں یہ بات شامل ہے کہ شرک نہ کہنا ہے، نہ بولنا ہے، نہ اس کی ترویج کرنی ہے۔ یہ اخلاقی ضابطہ حمد، نعت اور منقبت کی تخلیق اور تنقید دونوں میں پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔ نعت میں کچھ زیادہ ہی خیال رکھنا چاہیے۔ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی صاحب، اللہ انھیں غریق رحمت کرے، ان کے درجات بلند فرمائے!۔ ان کے کام اور کلام کی برکتیں اور بہت سے فائدے اُمتِ مسلمہ کو حاصل ہو رہے ہیں۔ انھوں نے نعتِ نبی ﷺ اور حمد باری تعالیٰ میں فرق قائم رکھنے اور شرک سے بچنے کے اصول وضع کیے ہیں اور خود بھی یہ حد بندی قائم رکھی ہے۔ نعتِ نبی ﷺ میں اظہارِ عقیدت وہاں ختم ہو جاتا ہے جہاں نبی ﷺ کی ذات، اللہ سبحانہٗ تعالیٰ کی ذات سے مماثل نظر آنے لگے۔ یہ اسلامی معاشرے کے اخلاق کا حصہ ہے۔ اس کو تنقید کے وقت بھی پیش نظر رکھنا چاہیے اور تخلیق کے وقت بھی۔ تنقید کے وقت اس کو اس طرح پیش نظر رکھنا چاہیے کہ تخلیق کار نے یہ اصول پیش نظر رکھا ہے یا نہیں؟

''نعت رنگ'' کے شمارہ ۱۹ کے حوالے سے میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ نعت نبی ﷺ لکھتے وقت جس طرح ہم حضور ﷺ کی سیرت سامنے رکھتے ہیں کہ حضور ﷺ نرم گفتار تھے، آپ کسی کی دل آزاری نہیں فرماتے تھے، کرختگی آپ کے مزاج میں نہیں تھی۔ نعت پر تنقید کرتے وقت بھی یہ خیال رکھنا ضروری ہے کہ تنقید نگار کے لہجے میں کرختگی نہ ہو، شائستگی ہو۔ منھ چڑانے والی بات نہ ہو۔ کسی کو شرمندہ کرنے والی بات نہ

ہو۔ آپ نعت لکھتے وقت جتنا ادب و احترام ملحوظ رکھتے ہیں کم از کم اتنا ہی ادب و احترام نعت پر تنقید کرتے وقت اپنائیں۔ اگر نعت کی تنقید میں ذاتی نقطۂ نظر پیش نگاہ رکھا یا دوسرے کو نشانہ بنانے کے لیے تنقید کی، تو یہ اندازِ نعت کے موضوع سے ہم آہنگ نہیں ہوگا۔ ''نعت رنگ'' چوں کہ نعتِ نبی ﷺ کی ترویج و اشاعت میں مرکزی کردار ادا کر رہا ہے اس لیے میری گزارش ہوگی کہ لکھنے والوں سے کہا جائے کہ وہ ان چیزوں کا خیال رکھیں، اور اگر وہ ان باتوں کا خیال نہیں رکھ سکیں تو یہ ادارے کی ذمّے داری ہے، مدیر کی ذمّے داری ہے کہ وہ ان چیزوں کو نکال دیں کیوں کہ اس سے ''نعت رنگ'' کا بنیادی مقصد مجروح ہوتا ہے۔ ''نعت رنگ'' کے شمارے میں بھی کئی مضامین میں ایسا لہجہ نمایاں ہے جو تنقید سے زیادہ تخفیف کے زمرے میں شمار ہو سکتا ہے۔ یہ انداز عام تنقید کی اخلاقیات میں بھی قابلِ قبول نہیں ہے۔

عزیز احسن: حضور میں یہ عرض کرنا چاہوں گا کہ جذبات کا مجروح ہونا اور جذبات مجروح کرنے کی غرض سے کچھ کہنا دو مختلف باتیں ہیں!

انور خلیل: مَیں آپ کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے اس طرف توجہ مبذول کروائی، میں عرض کرتا ہوں! دیکھیے آپ راستے سے گزرتے ہوئے کسی پتھر سے ٹھوکر کھا کے گرتے ہیں تو یہ الگ بات ہے۔ لیکن اگر کوئی پتھر اس غرض سے راہ میں ڈالے کہ آپ گزریں تو ٹھوکر کھا کر گریں، تو یہ بالکل علاحدہ معاملہ ہے۔ پہلی صورت میں کسی کے ارادے کو دخل نہیں ہے جب کہ دوسری صورت میں ارادتاً ایسا کیا گیا ہے۔ ''نعت رنگ'' کے مضامین جس صائب اسلوب کا تقاضا کرتے ہیں اس کی پابندی بعض اوقات نہیں ہو پاتی۔

عزیز احسن: جناب مَیں نے تو اکثر اپنے مضامین میں لکھا ہے کہ میری غلطیاں علمی سطح پر بدلائل ثابت کردی گئیں تو مَیں اعلانیہ طور پر شکریے کے ساتھ قبول کرلوں گا۔ اور مَیں نے عملاً ایسا کیا بھی ہے۔ معاملہ دراصل یہ ہے کہ جب عقیدت، عقیدے کا روپ دھار لیتی ہے تو حدود سے متجاوز عقیدت کی نشان دہی کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ عقیدے کی راسخیت لازمی ہے۔ عقیدہ قائم رہنا چاہیے۔ خیر الامور اوسطہا، درمیانی راستہ اختیار کرنا چاہیے۔ حقیقت دو انتہاؤں کے درمیان ہوتی ہے۔ ''نعت رنگ'' کے اجرا سے نعت پر ادبی تنقید کا رجحان پروان چڑھا ہے ورنہ بہت سے صاحبانِ علم بھی نعتیہ شاعری کو عقیدتاً تنقید سے ماورائی سمجھتے تھے۔ مَیں نے اکثر یہ گزارش کی ہے کہ نعت چوں کہ انسانی کوششوں سے وجود میں آتی ہے، اس لیے اس میں نفسِ مضمون اور شعری قدروں کے حوالے سے بہتری کی بہت گنجایش ہوتی ہے۔ نعت میں شاعر کی عقیدت بھی کارفرما ہوتی ہے اور عقیدہ بھی جھلکتا ہے، اس میں جذبات بھی شامل ہوتے ہیں اور احساسات بھی، اسی لیے اس کی شعری قدروں کا محاکمہ ضروری ہوتا ہے کہ کہیں کسی کے ذاتی جذبات و احساسات دینی اقدار سے متصادم نہ ہوں۔ اس کے ساتھ ہی شعری قدروں کی چھان بین بھی ضروری ہے۔ لسانیاتی اغلاط

ہوں یا عروضی تسامحات، سب کے سب نظرِ ثانی کے محتاج ہوتے ہیں، نعتیہ شاعری پر نگاہِ انتقاد ڈالنے والے لوگ تو بڑے خلوص کے ساتھ ان اغلاط اور تسامحات کی نشان دہی کرتے ہیں۔

انور خلیل: میرا کہنا یہ ہے کہ تنقید کو موضوعی نہ بننے دینا تنقید لکھنے والے کی اپنی ذمّے داری ہے، لیکن اگر تنقید نگار سے سہواً ہوا ہے تو چھاپنے والے کی ذمّے داری ہے کہ وہ معروضی انداز کو جانے دے اور موضوعی مواد کی چھان پھٹک کرے۔ جہاں تک فنی اعتراضات کا تعلق ہے، تو پیرایۂ اظہار ایسا ہونا چاہیے کہ کسی بھی صورت میں دل آزاری کا باعث نہ ہو۔

عقیدت دو انتہاؤں کے درمیان نہیں ہوتی، عقیدت ایک ہی انتہا ہے جس میں ٹوٹل کمٹ منٹ درکار ہے۔ اس میں افراط و تفریط نہیں ہے۔ شاعری کے حوالے سے یہ بات طے نہیں ہوسکی ہے کہ کیا ہم عقیدے کی ترویج و اشاعت کے لیے شاعری کا سہارا لے سکتے ہیں۔ اس بارے میں بہت سے اختلافات موجود ہیں۔ شاعری کی اصل مبالغہ ہے۔ مبالغے کی اصل یہ ہے کہ مبالغہ آپ جتنا کرتے جائیں اس کی بھوک بڑھتی جاتی ہے، کہنے والے کی مبالغے سے تسلی نہیں ہوتی، وہ اور مبالغہ کرتا ہے۔ شاعرانہ مبالغہ سے بچنا نعت گو کے لیے ایک کڑی آزمایش ہے، نعت گو کو اس پر پورا اُترنا چاہیے، کیوں کہ سننے والے مبالغے کو Perceive کرتا ہے، وہ رائی کو نہیں، پہاڑ کو Perceive کرتا ہے۔ یہ لکھنے والوں کی ذمّے داری ہے کہ وہ نعت کو کسی خاص عقیدے کی ترویج کا ذریعہ نہ بنائیں۔ جو بناتا ہے اس پر تنقید کریں، جیسا کہ آپ کرتے ہیں۔ آپ نے بے شمار باتوں پر تنقید کی ہے۔ عقیدے کی اصلاح بھی ضروری ہے۔ شرک کی نشان دہی ضروری ہے۔ نعتیہ ادب کی تخلیق میں یہ احساس بیدار رہنا ضروری ہے کہ آپ حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہیں۔ وہاں آپ کو جو آداب ملحوظ رکھنے چاہئیں، وہ نعت لکھتے وقت بھی پیشِ نظر رکھیں اور نعت پر تنقید کرتے ہوئے بھی۔

عزیز احسن: شکریہ انور خلیل صاحب آپ نے بہت شرح و بسط کے ساتھ نعت اور نعتیہ ادب پر تنقیدی زاویوں کی روشنی میں گفتگو فرمائی۔ یہ ایک جنرل گفتگو تو ہوگئی لیکن ہم آپ سے یہ بھی توقع رکھتے ہیں کہ آپ ''نعت رنگ'' شمارہ ۱۹ کے کسی مضمون پر بھی اپنی رائے سے ہمیں نوازیں گے!

انور خلیل: مَیں حسن محمود جعفری صاحب کے مضمون ''نعت خوانی میں ذکر کی موسیقیت'' کا حوالہ دینا چاہتا ہوں، جس میں اس طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ آج کل نعتیہ محافل میں صوتی پس منظر کے طور پر اللہ کے ذکر کے ساتھ نعتیں پڑھی جاتی ہیں، جس سے یہ تاثر ملتا ہے کہ اللہ کا ذکر موسیقی کے بدل کے طور پر نعت خوانی کے لیے سہارے کے طور پر کیا جارہا ہے۔ میرا نقطۂ نظر یہ ہے کہ مبالغہ کی حدود نہیں ہوتیں، ایک بار شروع ہوجائے تو اس میں اضافہ ہی ہوتا جاتا ہے۔ نعت کہنا، نعت پڑھنا ایک صائب عمل ہے۔ نعت کی محفلیں منعقد ہونا،

پھر نعت کا گایا جانا اور پھر نعت میں موسیقی آ گئی، اس میں سر آ گئے، اس میں راگ آ گئے ... یہ سارا سفر اس طرف ہے، جو حضورﷺ کی ذات اور آپ کی تعلیمات سے دور کرنے والی چیز ہے۔ رسولِ اکرمﷺ کے نام سے منعقد ہونے والی محفلوں کو رات رات بھر جاری رکھ کر، ان محفلوں کو میلے کے طور پر چلا کر، اس میں ذکرِ رسولﷺ کرتے ہیں، کبھی کبھی یہ تاثر ملتا ہے کہ نعتِ نبیﷺ کو آپ نے Entertainment کا ذریعہ بنالیا ہے۔

قمر رعینی: عید میلادالنبیﷺ کے موقع پر جلوسوں میں دھمال ڈالتے ہوئے چلنا بھی نعت کے تقدس اور احترام کے منافی ہے۔ اس کا ہمیں نوٹس لینا چاہیے۔ نعت کا تقدس، ہر موقع پر برقرار رکھنا چاہیے۔ قوالی اور چیز ہے، دھمال ڈالنا اور چیز ہے۔

عزیز احسن: دیکھیے حسن محمود جعفری صاحب نے موسیقی کے استعمال کی بات تو نہیں کی ہے وہ تو اس طرف توجہ مبذول کروانا چاہتے ہیں کہ نعت خواں حضرات اللہ کے ذکر کو موسیقی کے بدل کے طور پر استعمال کر رہے ہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ذکر کی آواز کو نعت خواں طبلے کی تھاپ کا بدل بنا کر اپنی آواز کو سہارا دے رہے ہیں... یہ موسیقی کے براہِ راست استعمال سے بھی زیادہ قبیح فعل ہے۔ دَف کا استعمال تاریخی حوالوں کی روشنی میں شاید جائز قرار دیا جا سکے، لیکن ذکر کا استخفاف قابلِ برداشت چیز نہیں ہے۔

انور خلیل: نعت کی محفل کو انٹرٹین منٹ کی ایونٹ Event بنا دینا بڑا قبیح ہے۔ انٹرٹینمنٹ میں سب کچھ شامل ہے۔ جہاں تک قمر رعینی صاحب کے عید میلادالنبیﷺ کے موقع پر دھمال ڈالنے پر اعتراض کی بات ہے تو میں اس میں حرج محسوس نہیں کرتا، بشرطیکہ بے اختیار وجد کی کیفیت کا مظہر ہو۔ قصداً رقص کی صورت ہو تو قمر رعینی صاحب کا اعتراض جائز بلکہ واجب ہے۔

قمر رعینی: نعت پر تو انور خلیل صاحب نے گفتگو فرمائی، ''نعت رنگ'' کے بارے میں یہ عرض کرنا ہے کہ شاعری ایک ایسا جذبہ ہے جسے آپ عطیۂ خداوندی سمجھیے اور نعت گو شاعر ہونا اتنا بڑا اعزاز ہے کہ اس سے بڑا اعزاز میرے نزدیک کوئی نہیں ہے۔ خاص طور سے مسلمان کے لیے کہ یہ اس کے لیے توشۂ آخرت بھی ہے اور جزوِ ایمان بھی اس لیے کہ آپ کا ایمان مشروط ہے حبِ رسولﷺ سے۔ سرکار رسالت مآبﷺ کی شان میں مبالغہ تو کیا ہی جاتا ہے لیکن اس حد تک نہیں جس سے آپ کی ذات کی عظمت دوچند ہونے کے بجائے مشکوک ہو جائے۔ ایسا مبالغہ مناسب نہیں ہے۔ آپ اگر اس زاویے سے دیکھیں کہ حضورﷺ لباسِ بشریت میں تشریف لائے اس کے باوجود آپ کا کردار اور عظمت جن انتہاؤں پر ہے وہاں تک کوئی نہیں پہنچ پاتا، تو یہ بہت بڑی بات ہے۔ اس زاویے سے دیکھنا چاہیے۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ کی صفاتِ عالیہ بیان کرتے ہوئے ہمیں تاریخی حوالے تحقیق کے ساتھ بیان کرنے چاہییں۔ روایات کا ذکر کرتے ہوئے اگر تحقیق کر لی جائے تو یہ بہت اچھی بات ہے۔ ''نعت رنگ'' کے ۱۹ ویں شمارے کو دیکھ کر یہ تو واضح بات ہے

کہ اس سے قبل ۱۸ شمارے شائع ہو چکے ہیں۔ مَیں نے جتنے شمارے دیکھے، الحمدللہ بھائی عزیز احسن کے توسط سے مَیں نے تقریباً سارے ہی شمارے دیکھے ہیں۔ یہ ایک ایسی دستاویز ہے جسے فراموش نہیں کیا جاسکتا، یہ نعت گو شعرا کے لیے ایک سمت نما ہے۔ اس بات سے انکار ممکن نہیں ہے کہ ''نعت رنگ'' نے ایک سمت مقرر کی ہے ایک ضابطہ مقرر کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ صبیح رحمانی کی خدمات کو قبول فرمائے میری دعا ہے۔۔۔

نعت گوئی میں روایات کے ضمن میں جس حزم و احتیاط کی ضرورت ہے وہ محتاجِ بیان نہیں۔۔۔ اب میں براہِ راست ۱۹ ویں شمارے پر آتا ہوں۔ اس میں ایک تبصرے میں امام کی تشریح کی گئی ہے۔ اس سلسلے میں، مَیں یہ کہنا چاہوں گا کہ رسالے کے مدیر کو بالخصوص دینی رسالے کے مدیر کو خطوط و مضامین میں بیان کیے گئے نکات کے حوالے سے بہت محتاط ہونا چاہیے۔ مَیں عرض کروں گا کہ ہمارے بزرگوں نے کہا ہے کہ اپنا عقیدہ نہ چھوڑو اور دوسرے کا عقیدہ نہ چھیڑو۔ لہٰذا امام کے حوالے سے خط کو چھاپتے وقت صبیح رحمانی اور اُن کے رفقا کو اس بات کا لحاظ رکھنا چاہیے تھا، جو انھوں نے نہیں رکھا۔ مَیں خدانخواستہ فرقہ وارانہ بات نہیں کر رہا ہوں، لیکن یہ تو دیکھنا ہی پڑے گا کہ مدیر اور اس کے حلقۂ قارئین اور نعت گو شعرا کی اکثریت کا کیا عقیدہ ہے؟ اسلام میں، دو بڑے گروہ ہیں البتہ سُنیوں کی اکثریت ہے، اگر ایک گروہ دوسرے گروہ کی بات تسلیم کر لیتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ اپنے عقیدے سے ہٹ گیا! تو ہمیں یہ چاہیے کہ ایسی بات شایع کرنے سے اجتناب برتیں جو دل آزاری کا سبب ہوسکتا ہے یا تاریخی اعتبار سے غلط ہوسکتا ہے۔ امام مبین کے حوالے سے جو خط چھپا ہے وہ مخلِ نظر ہی نہیں بلکہ ہمارے لیے وہ قابلِ اعتراض بات ہے۔ یہ کہیں بھی نہیں ہوتا جو کچھ بیان کیا گیا ہے۔ یہ مبصر کا اپنا عقیدہ تو ہوسکتا ہے لیکن کیا سب لوگوں کا عقیدہ ہے؟

عزیز احسن: مَیں اس ضمن میں آپ سے نہ صرف کامل اتفاق کرتا ہوں بلکہ اس مرحلے پر آپ کی خدمت میں اپنی تحقیق پیش کرنا چاہتا ہوں۔ مَیں نے امام مبین کی تفسیر و تعبیر کے حوالے سے عربی، فارسی، اردو اور انگریزی کے قرآنی تراجم بھی دیکھے ہیں اور تفاسیر سے بھی رجوع کیا ہے۔ سورۂ ''یٰس'' کی آیت ۱۲ میں فرمایا گیا ہے ''وکل شیٔ احصینٰہ فی امام مبین'' ...جس کا ترجمہ تفسیرِ جلالین میں ہے...ھو اللوح المحفوظ. حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے فارسی ترجمے میں لکھا ہے ''وی نویسیم نقش اقدام ایشان را و ہر چیزے را احاطہ در کتاب ظاہر۔'' شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے ''اور ہر چیز گن لی ہے ہم نے ایک کھلی کتاب میں'' امامِ اہلِ سُنّت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی نے ترجمہ کرتے ہوئے لکھا: ''اور ہر چیز ہم نے گن رکھی ہے ایک بتانے والی کتاب میں''۔ تفسیری حاشیوں میں حضرت نعیم مرادآبادی اور مفتی احمد یار خاں نے امام مبین کو لوح محفوظ بتایا ہے۔ علامہ قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی مجددی رحمۃ اللہ علیہ نے واضح کتاب اور لوحِ محفوظ لکھا ہے۔ عبدالماجد دریابادی کی تفسیر ماجدی میں امام مبین سے لوحِ محفوظ ہی مراد لی

ہے۔انھوں نے بحراور مدارک کے حوالے بھی دیے ہیں جہاں امام مبین سے لوحِ محفوظ ہی مراد لی گئی ہے۔ امام راغب نے اہلِ تشیع کی تعبیر کو بڑی سختی سے ردّ کیا ہے۔اسی طرح معارف القرآن، احسن البیان، ضیاء القرآن، اسرار التنزیل کے مصنفین نے بھی امامِ مبین سے لوحِ محفوظ مراد لی ہے۔قرآن آسان تحریک کے سید شبیر احمد نے لکھا ''اور ہر چیز کو درج کر رکھا ہے ہم نے ایک بڑی کتاب میں''۔ شیخ الہند مولانا محمود الحسن نے لکھا ''اور ہر چیز گن لی ہے ہم نے ایک کھلی اصل میں''۔ مولانا مودودی نے ''کھلی کتاب''۔ علامہ ڈاکٹر کوکب نورانی نے ''لوحِ محفوظ'' اور مارما ڈیوک پکتھال نے انگریزی میں لکھا: And all things we have kept in a clear register۔اب اتنے حوالوں کے بعد یہ کہنے کی ضرورت قطعی نہیں کہ ''نعت رنگ'' کے مراسلہ نگار کی اپنے عقیدے کے حوالے سے کی ہوئی بات کو اہل سُنّت والجماعت کی اکثریت کیسے قبول کرلے؟

قمر رعینی: مَیں اس شمارے میں بعض اغلاط تو اہلِ قلم کی اور بعض پروف ریڈنگ کی بھی نوٹ کر کے لایا ہوں، مثلاً ع مثل کلیم آپ نے گر کی کہیں قتال (ص ۲۹۱) قاتل مؤنث نہیں ہے مذکر ہے۔ صفحہ پر ہے، ع عمر کے دل کی ہوئی صفائی امان سفیان نے بھی پائی ...سفیان کون تھے؟ ابوسفیان نام ہے۔ابوسفیان دو ہیں ایک سفیان بن ابوحارث بن عبدالمطلب ہیں جو فتح مکہ کے بعد ایمان لائے۔ان کو دیکھ کر حضور ﷺ نے منہ پھیر لیا تھا کہ تم نے بھائی ہو کر یہ کیا۔ پھر حضرت ابوبکر صدیق کی سفارش پر حضور نے انھیں معاف فرمایا۔ ابوسفیان بن حرب بن امیہ فتح مکہ سے پہلے ایمان لائے تھے۔ یہ تاریخ ہے،اس لیے ناموں اور احوال کے لکھنے میں احتیاط لازم ہے۔ ہماری بہت سی غلط روایات میں ایک یہ بھی ہے کہ حضور ﷺ کو معراج حضرت ام ہانی کے گھر سے ہوئی۔

عزیز احسن: ڈاکٹر عطاء اللہ خان صاحب آپ نے بھی ''نعت رنگ'' ملاحظہ فرمایا ہے اور اس ضمن میں ہونے والی گفتگو سماعت فرمائی ہے، کیا آپ کچھ فرمانا چاہیں گے؟

ڈاکٹر عطاء اللہ خان: میں شکر گزار ہوں جناب آصف اکبر صاحب کا جنھوں نے مجھے ایسی اچھی محفل میں شرکت کی دعوت دی۔نعت کہنا، سننا اور اس پر تبصرہ کرنا میری رائے میں یہ سب عبادات کا حصہ ہے اور ایک مسلمان کے لیے اس سے بڑھ کر اور کیا بات ہوسکتی ہے کہ حضور ﷺ کی شان میں کہی ہوئی بات کو کسی بھی نکتہ نظر سے ہم دیکھیں اور اس سلسلے میں ہمارے جو جذبات ہیں وہ قابل قدر ہوتے ہیں۔ خواہ کوئی بھی شخص ہو مَیں نہیں سمجھتا کہ نعت کہتا ہے تو نیت کے لحاظ سے کوئی بات غلط کہتا ہے بلکہ نیت اس کی عقیدت کی ہوتی ہے اور عقیدت میں مبالغہ آرائی کر لیتا ہے یا حد سے تجاوز کر جاتا ہے اور ایسی باتیں کہتا ہے کہ ہمارے ہاں نعت سے متعلق جو حساس لوگ ہیں انھیں پسند نہیں کرتے۔تو یہ بات ملحوظ خاطر رکھنی چاہیے، نعت گو کو نعت

کہتے وقت وہ محتاط رہیں اور ایسی بات نہ کہیں جو حضور ﷺ کی ذات کے بارے میں جو عام عقائد ہیں مسلمانوں کے ان سے متصادم ہو۔ یہاں اس مجلس میں ماشاء اللہ بہت عمدہ باتیں کی گئیں اور ہمارے عزیز احسن صاحب، انور خلیل صاحب، احسان اکبر صاحب ایسے فاضل لوگوں کے سامنے میں کلام کروں، مناسب نہیں معلوم ہوتا، لیکن یہ ایک دو باتیں میں کہنا چاہوں گا... موسیقی کے حوالے سے ایک میرا مضمون بھی ہے، الاقربا، اسلام آباد، میں چھپا تھا، شاید آپ لوگوں کی نظر سے گزرا ہو! میں نے جو دیکھا ہے کہ حضور ﷺ کی زندگی اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کی زندگی میں موسیقی نہیں کے برابر ہے۔ بالکل نہیں ہے، ہاں کہیں کہیں کچھ روایات ملتی ہے دف بجانے کی شادی اور خوشی کے موقع پر۔ کچھ آپ نے اجازت دی یا پسند فرمایا۔ اجازت نہیں دی بلکہ پسند فرمالیا آپ نے۔ یہ ایک جزوی سی مثال ملتی ہے۔ تفصیلی کوئی چیز نہیں ملتی اور حضور ﷺ کی زندگی، خلفائے راشدین کی زندگی میں موسیقی کہیں نظر نہیں آتی۔ مسلمانوں کے کسی فقہ کے لوگ ہوں مسجد کے اندر کسی طرح کی موسیقی کی کوئی اجازت نہیں ہے۔ اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ تقریباً ۹۹ فی صد ہماری شریعت میں موسیقی کا جواز نہیں ہے۔ اگر ایک فیصد کہیں نکلتا ہے تو وہ بہت دور کی بات ہے... ایک بات عزیز احسن صاحب نے جو قرآن کی ایک آیت کے حوالے سے کہی تو میں عرض کرنا چاہوں گا۔ وکل شیء احصینہ فی امام مبین. میں نے اس پہ تھوڑا غور کیا جو میری ذاتی رائے ہے۔ قرآن ہر ایک پر نازل ہوتا ہے معنی اور مفہوم کے لحاظ سے جب آپ قرآن پڑھتے ہیں تو جتنی بار بھی آپ پڑھیں ہر بار نیا خیال آتا ہے تو میرے ذہن میں یہ بات آتی ہے کہ ہماری فضا میں جو یہ مبین ہے اور محفوظ ہے۔ اصینہ، احصن قلعے کی دیواروں کو بھی کہتے ہیں جس سے حفاظت ہوتی ہے۔ تو میرے ذہن میں یہ بات آئی کہ یہ فضا ایک کھلی کتاب ہے اس میں سب کچھ محفوظ ہے، ہماری تصویریں، ہماری آوازیں اس کے اندر محفوظ ہیں... میں انور خلیل صاحب کی ایک رائے سے اتفاق نہیں کرتا کہ نعت کو تبلیغ کا ذریعہ نہ بنایا جائے۔ میری رائے ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی ذات تمام کی تمام تبلیغ ہے، آپ نے کیا کیا ساری زندگی؟ نعت کے ذریعے سے آپ کے پیغام کو پہنچایا جائے گا۔ بہترین نعت وہ ہے جس میں حضور ﷺ کی تعلیمات کو پھیلانے کی کاوش ہو۔ میرے خیال میں صرف حضور ﷺ کی صفات بیان کرنے سے رسول اللہ ﷺ کو اتنی خوشی نہیں ہوگی جتنی آپ کے پیغام کو آپ پھیلائیں تو انھیں زیادہ خوشی ہوگی۔ لہٰذا آپ کے پیغام کو نعت کے ذریعے سے پھیلانا چاہیے.... بیدم وارثی کے شعر کے حوالے سے جو عزیز احسن صاحب نے جو بات لکھی ہے تو میری ذاتی رائے ہے کہ ختمِ نبوت کے بعد رسول ﷺ کی ذات جو ہے وہ اکمل اور کامل ہے، اس کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے۔ نبوت کا سلسلہ دو جگہ چلا ہے حضرت یعقوب علیہ السلام کا سلسلہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر منقطع ہوگیا۔ ان کی شادی نہیں ہوئی ان کی کوئی اولاد نہیں۔ دوسرا سلسلہ ہے حضرت اسماعیل علیہ

السلام کو جو حضرت محمد ﷺ پہ ختم ہو گیا۔ کوئی نرینہ اولاد نہیں ہے آپ کی۔ نرینہ اولاد اس لیے نہیں کہ قدرت تو یہ چاہتی ہی نہیں تھی کہ نبوت کا سلسلہ آگے چلے! اب جو سلسلہ حضور ﷺ کی بیٹیوں سے چلا ہے بالخصوص حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے، تو ان سے عقیدت و محبت کا تقاضا ہے کہ ان کی اولاد سے محبت کی جائے، چناں چہ حضور ﷺ کے نواسوں سے ہر مسلمان محبت و عقیدت رکھتا ہے... لیکن ان کا مقام اور نبی ﷺ کا مقام برابر نہیں کیا جا سکتا۔

قمر رعینی: بیدم وارثی کے شعر پر عزیز احسن نے لکھ کر بہت اچھا کیا ہے۔ ایسے اشعار کا ہمیں نوٹس لینا چاہیے جو شرکت فی النبوت کے ذیل میں آتے ہیں۔ اس لیے کہ اس کا تعلق ہمارے عقیدے سے ہے۔ عقیدہ نہیں ہے تو کچھ بھی نہیں ہے۔ حاصلِ کائنات سرکارِ دو عالم ﷺ کی ذاتِ گرامی ہے۔

ڈاکٹر احسان اکبر: عزیز احسن صاحب مجھے کچھ زیادہ مختلف بات تو نہیں کرنا ہے مجھے آپ کے اسی سوال کے ناطے یہ عرض کرنا ہے کہ ہم رسولِ اکرم ﷺ کو خاتم النبیین کہتے ہیں تو اس کا بھی یہ تقاضا ہے کہ جہاں حضور ﷺ کی عظمت کا ذکر کیا جائے وہاں کسی اور کو اُن کے ساتھ شامل نہ کیا جائے۔ ورنہ یہ خاتم النبیین ہونے کے اوپر ایک زد آتی ہے۔ یہ کہنا حضور ﷺ کے ساتھ کچھ اور شخصیاتِ مقدسہ بھی شامل ہیں اور ایک ہی درجے کے اوپر یہ اُن کی ذات کے اوپر حرف آتا ہے اور مسلمانوں کے اس عقیدے کے خلاف ہے جو مَیں نے خاتم النبیین ﷺ کے ناطے بات کی۔

آصف اکبر: آج کے مذاکرے کے حوالے سے کچھ گفتگو کرنا چاہوں گا۔ اس میں بڑا اچھا پہلو ہے جو ''نعت رنگ'' میں شروع کیا گیا ہے کہ تنقید ہوتی ہے... میرے خیال میں تنقید ہونی چاہیے کیوں کہ تنقید لوگوں کو حدود میں رکھنے کا ذریعہ بنتی ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ تنقید کرنے والا خود بھی تنقید کو قبول کرے۔ اس سلسلے میں تھوڑی سی آزادی لیتے ہوئے عزیز احسن صاحب کا ایک شعر کا حوالہ دوں گا۔ ان کا شعر ہے:

زکوٰۃ سیرتِ اطہر کی چاہتا ہے عزیزؔ
گدائے خلق ہے آقا یہ زر نہیں رکھتا

اس شعر میں رسولِ کریم ﷺ سے سیرتِ اطہر کی زکوٰۃ مانگی ہے۔ زکوٰۃ بنیادی طور پر کسی چیز کو پاکیزہ کرنے کو کہتے ہیں۔ اگر ہم گہرائی میں جائیں تو اگر آپ رسولِ اکرم ﷺ کی سیرت کی زکوٰۃ مانگ رہے ہیں اس سے یہ مفہوم نکلتا ہے کہ اگر آپ نے زکوٰۃ نہ دی تو آپ کی سیرتِ اطہر جو ہے معاذ اللہ وہ ناپاک ہو جائے گی۔ مَیں صرف یہ کہنا چاہ رہا تھا کہ تنقید کرنے والوں کو تنقید سننے کا بھی حوصلہ ہونا چاہیے اور دوسرے کی بات کو یہ کہہ کر ردّ نہیں کر دینا چاہیے کہ نہیں یہ کوئی بات نہیں ہوئی! کیوں کہ اگر آپ کا یہ رویہ ہو گا کہ نہیں یہ کوئی بات نہیں ہے تو دوسرے بھی یہی رویہ اختیار کریں گے کہ نہیں یہ کوئی بات نہیں ہوئی! گفتگو کو علمی سطح پر

ہونا چاہیے، دلائل کی بنیاد پہ ہونا چاہیے...اسی طرح نعت کا ایک عجیب وغریب موضوع تقریباً ہر شاعر بیان کرتا ہے۔ کہتا ہے کہ یارسول اللہ ﷺ اب آپ کے سوا میرا کوئی سہارا نہیں ہے۔ اگر کوئی سہارا ہوتا تو مَیں وہاں جاتا آپ کے پاس نہ آتا۔ یہ جو ایک بنیادی چیز ہے کہ صاحب تمام سہارے ٹوٹ چکے ہیں اس لیے مَیں آپ کے در پہ آ گیا ہوں، اس کیفیت کو بھی ہمیں اپنی شاعری میں بہ نگاہِ انتقاد دیکھنا چاہیے۔

ڈاکٹر احسان اکبر: ایسا لکھنے والوں کے دفاع میں اگر میں کہوں تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ ایک تصور ہوتا ہے عدلیہ میں Court of Last Resort یعنی وہ عدالتِ عظمیٰ جس کے پاس تمام عدالتوں کی اپلیں کی جا سکتی ہیں تو اس کو ہم کہہ سکتے ہیں کہ سب سے بڑی Remedy آپ کے پاس سے ملے گی۔ آپ کے سوا کوئی سہارا نہیں۔ تو مَیں سمجھتا ہوں کہ شاید یہ سبب ہو ان کے ایسا کہنے کا کہ اب کوئی فیصلہ بھی نہیں کر سکتا سہارا بھی نہیں دے سکتا۔

عزیز احسن: اگر مجھے اپنے دفاع میں کچھ کہنے کی اجازت دی جائے تو مَیں عرض کروں گا کہ ''زکوٰۃ'' کا لفظ اردو میں خیرات کے معانی میں لیا جاتا ہے، اسی لیے زکوٰۃ خیرات کے الفاظ ساتھ ساتھ بولے اور لکھے جاتے ہیں۔ پھر یہ بھی دیکھیے کہ گدا اگر آپ سے زکوٰۃ طلب کرتے ہوئے یہ سوچ بھی نہیں سکتا کہ اگر آپ نے زکوٰۃ نہ کی تو آپ کا مال ناپاک ہو جائے گا۔ شاعر جب سیرتِ اطہر کی بھیک مانگتا ہے تو اوزان و بحور میں بآسانی کھپ جانے والے الفاظ کا چناؤ کرتا ہے۔ آصف اکبر صاحب بہت دور کی کوڑی لائے ہیں لیکن مَیں مؤدبانہ عرض کروں گا کہ منگتوں کی نیت پر شبہ نہ کیا جائے تو بہتر ہے۔ کسی لفظ کو صرف یک معنوی سطح پر ہی نہیں دیکھا جانا چاہیے، اس کے مختلف عکس اور معانی پیشِ نظر ہونے ضروری ہیں۔

آصف اکبر: ایک اور شعر کا حوالہ دینا چاہوں گا جو بہت زیادہ کوٹ کیا جاتا ہے، عزت بخاری کا شعر۔ عزیز احسن صاحب نے بھی اپنے مضمون میں یہ شعر لکھا:

ادب گاہیست زیرِ آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آیت جنید و بایزید اینجا

اس شعر پر اگر آپ غور کریں تو مَیں کنفیوژن کا شکار ہو جاتا ہوں کہ صاحب کیا جنید اور بایزید جب عرش کی گفتگو کرتے ہیں تو وہاں بدحواس ہو جاتے ہیں یا دوسرے لوگ جو ہیں جن میں صحابہ کرام بھی شامل ہیں تو کیا وہ لوگ جب حضور ﷺ کی گفتگو کرتے ہیں تو کیا وہ بدحواس ہو کر نہیں آتے؟

ڈاکٹر احسان اکبر: دیکھیے Over All جو Concept بن رہا ہے وہ کیا بن رہا ہے کہ صاحب ہمارے لیے کیا بلند ترین حوالہ جنید و بایزید کا ہے؟ کیا اس شعر سے یہ بات واضح نہیں ہوتی ہے کہ ان سے بھی کچھ بلند حوالے موجود ہو سکتے ہیں۔ اس شعر کو جب بھی پیش کیا جاتا ہے وہ ایک اتھارٹی کے طور پہ پیش کیا جاتا

ہے۔ اسی طرح بات کو آگے بڑھاتے ہوئے مَیں کہوں گا کہ صاحب ہم بنیادی طور پہ بت پرستی کا شکار ہوتے ہیں۔ چاہیے وہ بت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ذات کا بنایا جارہا ہو یا امام بخاری کی ذات کا بت بنایا جارہا ہو یا امام ابوحنیفہ کی ذات کا بت بنایا جارہا ہو، ہم بنیادی طور پر بت پرستی کا شکار ہیں۔ یہاں تک کہ بیدم وارثی صاحب کا بت بنایا گیا ہے کہ صاحب ہمارے بزرگ نے ایک بات کہہ دی ہے تو اب اس پر کوئی تنقید نہ کرے یا امام ابوحنیفہ نے ایک بات کہہ دی ہے تو اس پر کوئی تنقید نہ کرے، ورنہ ہم اُسے قتل کردیں گے۔ یا امام بخاری نے اگر کوئی بات کہی ہے تو اس کے اوپر کوئی تنقید کی جرأت نہ کرے ورنہ ہم تمھیں قتل کر دیں گے یا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ذات سے اگر کوئی بات منسوب ہوگئی ہے تو اس کے اوپر کوئی تنقید کی جرأت نہ کرے ورنہ ہم قتل کردیں گے۔ یہ جو ہمارا بت پرستی کا رویہ ہے یہ ہمارا رویہ ختم ہونا چاہیے، خاص طور پر جب ہم علمی اور ادبی گفتگو کررہے ہوں۔ کہا گیا صاحب چوں کہ بیدم وارثی نے کہہ دیا کہ:

بیدم یہی تو پانچ ہیں مقصودِ کائنات

لہٰذا اس پہ عزیز احسن نے جو جرأت کی تو اس پہ وہ واجب القتل قرار دیے جارہے ہیں۔ یہ بت پرستانہ ذہنیت ہے جس سے ہمیں نجات حاصل کرنی چاہیے... اب کچھ باتیں ''نعت رنگ'' کے حوالے سے عرض کرنا چاہتا ہوں۔ اس میں مجھے ایک بات بڑی پسند آئی ہے کہ نعت کا دائرہ فارسی اور عربی ادب تک پھیلایا گیا ہے۔ نعت کا بنیادی اثاثہ عربی ادب میں موجود ہے اور جس سادگی سے اور کم مبالغے کے ساتھ عربی ادب میں نعت کہی گئی ہے وہ فارسی اور اردو میں نہیں ہے۔ ہمارے ہاں آغاز بھی انتہائی مبالغہ ہے اور اختتام بھی انتہائی مبالغہ ہے۔ اس میں شک نہیں کہ رسولِ کریم ﷺ کی ذات میں مبالغے کی گنجایش نہیں ہے کیوں کہ آپ جتنا مبالغہ کریں گے، وہی عقیدت ہوگی۔ ہمیں حضور ﷺ کی صفاتِ عالیہ کو پیشِ نظر رکھنا چاہیے لیکن ہم یہ کہنے لگ جاتے ہیں کہ چاند سورج نے آپ سے ہی روشنی لی۔ جب کہ ہمیں آپ کی ذات کے عملی پہلوؤں کو زیادہ سے زیادہ سامنے لانا چاہیے کہ انھوں نے کس مرحلے پر کیا معاملہ کیا۔ ''نعت رنگ'' کے ایک مضمون میں بھارت کے اسکالر جناب شکیل الرحمٰن نے عرفی اور غالب کی نعت نگاری پر گفتگو کی ہے اور اسی طرح سے عربی قصائد میں حضرت حسان کے قصائد بھی ہیں۔ مجھے جو تشنگی محسوس ہوئی وہ یہ کہ ان قصائد کا مکمل ترجمہ نہیں دیا گیا بلکہ صرف خلاصہ دیا گیا ہے۔ حالاں کہ کیا اچھی بات ہوتی کہ اتنے ضخیم شمارے میں مکمل ترجمے کے لیے بھی دو چار صفحات بڑھادیے جاتے تاکہ مجھ ایسے ہیچ مداں قاری کے لیے قصائد سمجھنے میں آسانی ہوجاتی... جہاں تک ''نعت رنگ'' کی ترتیب کا سوال ہے مَیں یہ عرض کرنا چاہوں گا کہ ''نعت رنگ'' جیسے حوالہ جاتی سلسلے کو مرتب کرنا ایک اکیلے شخص کے بس کی بات نہیں ہے۔ اندازہ اس وقت یہ ہورہا ہے کہ ایک آدمی ہے جس کے سر پر ساری بھاری ذمّے داری پڑی ہوئی ہے، جس کی وجہ سے نہ تو وہ مناسب

طور سے توجہ دے پاتے ہیں کہ کس مضمون میں کیا لکھا جا رہا ہے، جو کہ ایک مدیر کا بنیادی فرض ہے اور نہ ہی وہ پروف ریڈنگ کر سکتے ہیں جس کی وجہ سے اغلاط میں بھی اضافہ ہو رہا ہے۔ تو اس کام کو اگر بانٹ لیا جائے تو بہت مناسب ہوگا۔ دوسری چیز یہ کہ ''نعت رنگ'' کو پھیلانے کے لیے ہمیں بھی انفرادی کوششیں کرنی چاہییں، یہ نہیں کہ صاحب ہمارے پاس ایک شمارہ آ گیا، ہم نے پڑھا تو پڑھ لیا نہیں پڑھا تو نہ پڑھا۔ اس سلسلے میں اجتماعی کوششوں کی ضرورت ہے۔ تنقید کے ضمن میں ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی صاحب کے مضمون ''نعتیہ ادب پر تنقید یا تنقیص'' کی طرف بھی توجہ مبذول کروانا چاہتا ہوں۔ ڈاکٹر صاحب نے پروفیسر قیصر نجفی کی تحریر پر مشمولہ ''نعت رنگ'' ۱۶ کے حوالے سے ایک جملے کو اعتراض کا نشانہ بنایا ہے۔ پروفیسر موصوف نے لکھا تھا:

''گزشتہ تین دہائیوں سے جس مقدار اور رفتار سے نعتیہ مجموعے منظر عام پر آ رہے ہیں اس کی بنا پر ہم یہ وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ اردو شعر نے اپنا قبلہ درست کر لیا ہے''۔ (''نعت رنگ'' شمارہ: ۱۹، ص ۱۸۷)

ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی صاحب نے اردو شعرا کے بجائے ایک لفظ اپنی طرف سے بڑھا کر اس فقرے کو ''اردو شعرائے نعت'' کر دیا پھر لکھا کہ ''لہٰذا قیصر صاحب کے اس فتوے کی رو سے محسن، امیر، رضا، شہیدی، اقبال، حفیظ جالندھری، ظفر علی خاں ظفر نیز تین سال (دہائی ہونا چاہیے) قبل کے تمام شعرا کی نعت گوئی نادرست قرار پائی۔'' (ایضاً ص ۱۷۹) اور سوال کیا ''اب محترم قیصر صاحب ہی فرمائیں نعت کا درست قبلہ کیا ہے، کس زاویے تک درست رہ سکتا ہے؟'' چناں چہ مَیں عرض کروں گا کہ تنقید نگار کا پہلا فرض یہ ہے کہ وہ غور سے پڑھے!

عزیز احسن: گویا اس مضمون کے حوالے سے آپ یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ:

خشت اوّل چوں نہد معمار کج
تا ثریا میر ود دیوار کج

اس کے باوجود میں عرض کروں گا کہ ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی صاحب نے اردو نعت پر سے مذہبی چھاپ ہٹ جانے کے تصور کی نفی کر کے جناب پروفیسر قیصر نجفی کو اردو قارئین ''نعت رنگ'' کو دعوتِ فکر ضرور دی ہے۔

قمر رعینی: میں ''نعت رنگ'' کے حوالے سے یہ عرض کرنا چاہوں گا کہ سال میں صرف دو بہت ضخیم شمارے نکالنے کے بجائے بہتر نہیں ہے کہ آپ دو دو سو صفحات کے چار شمارے نکالیں۔ اس سے اس کی نکاسی بھی زیادہ ہوگی کیوں کہ قوتِ خرید بڑھ جائے گی اور خواندگی بھی بہتر ہوگی۔ دوسری بات یہ کہ ''نعت رنگ'' کے قارئین اور قلمکاروں کی اکثریت کے عقیدے کا خیال رکھیے کہ نہ تو کسی کے عقیدے کو چھیڑا جائے

اور نہ ہی اپنے عقیدے کو چھوڑا جائے۔

عزیز احسن: حضرت ڈاکٹر پروفیسر احسان اکبر صاحب! آپ سے گزارش ہے کہ ''نعت رنگ'' شمارہ ۱۹ کے حوالے سے کچھ فرمائیں!

احسان اکبر: میری توجہ صرف ایک مضمون بعنوان ''افصح العرب ﷺ کے حضور میں'' پر رہی۔ اس مضمون کو پڑھ کر پہلی بار میں آں حضور ﷺ کے اس اسم صفاتی میں غوطہ زن ہوا۔ نبوت کی کتنی بڑی تصدیق یہی بات تھی کہ زمانے نے آں حضرت ﷺ کو حین حیات ''افصح'' کہا۔ زندہ آدمی کی بڑائی لوگ تسلیم کبھی نہیں کرتے۔ یہاں حضور ﷺ کی Recognition اتنی ہمہ گیر تھی کہ آپ نے خود بھی یہی ارشاد فرمایا۔ عزیز احسن صاحب نے اپنا مضمون ہی اس ارشادِ نبوی سے آغاز فرمایا جو ارشاد تھا کہ ''انا افصح العرب''... لکھتے ہیں، ''عرب مشرکین نے حضور ﷺ کے دعویٔ نبوت کا تو انکار کیا لیکن اُن میں سے کسی نے اس دعوے (فصاحت) کی تردید نہ کی۔ کیوں کہ یہ دعویٰ قابلِ تصدیق تھا''۔ یہاں مضمون کا آغاز ہی ایک مضبوط بنیاد سے ہوگیا۔ آپ نے فنِ نعت پر لکھتے ہوئے نعت کی بنیاد یعنی فن شعر پر اللہ اور رسول اللہ کے ارشادات کی روشنی میں بھی نگاہ ڈالی۔ اس سلسلے میں قدیم عربی تفاسیر سے جدید عہد کے اردو مترجمین تک سے مدد لی ہے۔ اردو شعر ادب کا گہرا مطالعہ ان کی کمک کو ہر کہیں موجود تھا۔ شعرا کی خود پسندی کے ذکر کے باوصف شعرا نے جس طرح اعلیٰ ہنر رکھنے والے شعرا کا استحسان کیا ہے اس کی مثالیں دے کر نتیجتاً یہ استنباط کیا کہ شاعر ''اگر شعر گوئی کی اعلیٰ قدروں سے آگاہ اور فن شناسی کا ذرا سا بھی ملکہ رکھتا ہے تو اس میں تحسین فن کا ایسا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے کہ وہ معروضی انداز سے دوسروں کے فن کو سراہنے میں بخل سے کام نہیں لیتا...نعتیہ شاعری کا تقدس آمیز جذبہ نعت گو شعرا سے کچھ زیادہ وسعتِ نظر اور کشادگیِ قلب کے مظاہرے کا متقاضی ہے''۔ مجھے یہاں ایک اور خیال آیا اور وہ یہ کہ ہماری محافلِ نعت خوانی میں کس زبردست سطح کی ''غیبت کاری'' ہوتی ہے۔ نعتیہ کلام پڑھنے والے کو داد دے کر اُس کا رخ پھرتے ہی اُس کے کلام کا عیب ساتھی کے کان میں پھونکا جاتا ہے، آنکھ کے غمزے، زبانی اشارے سب ''ھمزۃ لمزہ'' کے ہم وزن ہوتے ہیں۔ عام شعری محافل میں ساتھی شعرا سے چھپ کر اُن کی ''عیوب بیانی'' شاید اتنی بدذائقہ نہ لگے مگر نعت کی محفل تو ہماری آں حضور ﷺ کے حضور حاضری کی محفل ہوتی ہے۔ اس میں احتیاط کے وہ سارے تقاضے ملحوظ رکھنا جن کا عزیز احسن محترم نے ذکر فرمایا، بے حد ضروری ہے۔

اس کے بعد جناب عزیز نے بطریق احسن مطبوعہ نعوت میں سامنے والی کوتاہیوں کی درجہ بدرجہ نشان دہی خود اپنے شعروں کی توضیح سے اور ایک جگہ اپنی کوتاہی تسلیم کر کے آغاز کی ہے۔ اللہ کرے زور قلم اور زیادہ، جتنا پڑھتا گیا ہوں داد دیتا رہا ہوں... ہاں رسالے میں بعض جگہ کتابت نے کوتاہی کی ہے۔ جیسے ان کا بیان

کیا ہوا عرفی کا شعر ع عرفی مشتاب ایں رہ نعت است نہ صحرا، میں ترجمہ درست لکھا ہے مگر فارسی عبارت میں ''مشتاب'' کی ''م'' رہ گئی ہے۔ص ۱۱۲ پر برق کے شعر میں لفظ سطر پر دو اضافہ زبر املاء کو غلط کر گئی ہیں۔

اغلاط میں شعر کے دولخت ہونے، مصرعے کے وزن سے گرنے، حرکت وسکون کی اغلاط، انتخاب لفظ میں کوتاہی، حفظ مراتب میں غفلت، الف اور ی کے غیر ضروری گرنے سے غیر فصیح زبان، تاریخی صداقت سے بے تعلقی، احترام وغلو کی حدود کا عدم احترام، غیر موزوں شاعرانہ مبالغہ، اغلاط قوافی، خرابی ردیف، غرض اتنے حوالوں سے اشعار نعت پر نگہ ڈالی ہے کہ حیرت ہوتی ہے۔ حیرت ان کی نگہ پر بھی اور غیر محتاط اظہار پر بھی۔

اللہ احسن صاحب کے احسن الکلام کا سلسلہ دراز رکھے اور ان کی یہ تحریریں ہمیں ہر ہر رنگ میں دکھائی دیتی رہیں۔ **''الھم زد فزد''**۔

عزیز احسن: میں جناب ڈاکٹر پروفیسر احسان اکبر صاحب کا شکر گزار ہوں کہ انھوں نے میرے مضمون کو پڑھنے اور اس میں اُٹھائے گئے نکات پر غور فرمانے کے لیے وقت نکالا اور اس پر سیر حاصل گفتگو فرمائی اور اصل کسی بھی لکھاری کے لیے یہ بات باعثِ حوصلہ افزائی ہوتی ہے کہ اہلِ علم اسے اپنی آرا سے نوازیں۔

جناب حسن زیدی ذرا تاخیر سے تشریف لائے ہیں اور انھیں فوراً ہی کہیں اور فوراً جانا ہے اس لیے میں اُن کو اس مذاکرے میں شرکت کی دعوت دیتا ہوں۔ جناب حسن زیدی آپ نے ''نعت رنگ'' شمارہ ۱۹ کے جو بھی مضامین پڑھے ہوں، آپ ان کے بارے میں کچھ تبصرہ فرمانا پسند کریں گے؟

حسن زیدی: سب سے پہلے تو مَیں عرض کرنا چاہوں گا کہ ''نعت رنگ'' کا اجرا در اصل قرآن کے اس واضح اعلان ''**ورفعنا لک ذکرک**'' کی ہی ایک تفسیر ہے۔ الحمدللہ اس رسالے کا کتابی شکل میں اجرا تمام محبانِ رحمۃ للعالمین کے لیے طمانیت وشادمانی کا باعث ہے۔ موجودہ صدی کو بجا طور پر نعت کی صدی کہا جاسکتا ہے۔ نعتیہ شاعری کا عروج اسی صدی کا افتخار ہے۔ آج نعتیہ شاعری میں ایسے ایسے عمدہ مضامین پیوست ہورہے ہیں جن کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ اس حوالے سے موجودہ دور میں پروفیسر احسان اکبر، عزیز احسن، صبیح رحمانی، قمر رعینی، بشیر حسین ناظم، آصف اکبر وغیرہ کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ آج کی نعتیہ شاعری کو بجا طور پر تبلیغ اور تدوینِ دین کا ایک ستون قرار دیا جاسکتا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ نعتیہ شعر کہنے والوں کے لیے ''نعت رنگ'' کے حوالے سے رہنمائی بھی حاصل ہورہی ہے اور تنقیدی کام بھی بخیر وخوبی انجام پذیر ہورہا ہے۔

اس موضوع پر ''نعت رنگ'' شمارہ ۱۹ کے صفحات ۲۱ تا ۲۴ پر ڈاکٹر دوست محمد خاں صاحب کا بے حد معلوماتی، تجزیاتی اور تنقیدی مقالہ ''اسلام میں نعت کا مقام... جواز رعدم جواز'' نظر سے گزرا۔ صاحب مقالہ نے انتہائی خوب صورت اور خلوص وعقیدت کے پیرائے میں نعت میں سموئے گئے موضوعات کا احاطہ کیا

ہے۔اس شمارے کے صفحہ نمبر ۵۹ سے صفحہ ۸۰ تک کے مضامین نعت کا سمندر بے کراں ہے کہ جس کا کوئی کنارا نہیں ہے۔ مَیں ماہر القادری مرحوم و مغفور کے اس شعر کے ساتھ اپنے تاثرات ختم کرتا ہوں:

سلام اُس پر کہ جس کے ذکر سے سیری نہیں ہوتی
سلام اُس پر کہ جس کی بزم میں قسمت نہیں سوتی

عزیز احسن: اب میں جناب علامہ بشیر حسین ناظم صاحب سے گزارش کروں گا کہ اپنی تنقیدی بصیرت سے ہمیں نوازیں۔

علامہ بشیر حسین ناظم: محترم عزیز صاحب! پچھلے شمارے میں ایک مضمون (بعنوان ''سلام فیروز...ایک مطالعہ'' صفحات ۳۹۵۔۴۰۸، شمارہ ۱۹) چھپا ہے جسے پڑھ کر مَیں حیرت کی وادیوں میں سرگرداں گھومنے لگا۔ مضمون میں صاحب مضمون نے مولوی فیروز الدین (بانی فیروز سنز، لاہور) کا ذکر کیا ہے اور مولوی فیروز الدین ڈسکوی کی تمام تصانیف کو اُن کے نام سے موسوم کر دیا ہے۔ حالاں کہ حقائق یہ نہیں ہیں۔ مولوی فیروز الدین ڈسکوی ایک عالم اللوذی والیلمعی تھے۔ قرآن و حدیث، فقہ، علم الافلاک، علم طبقات الارض اور دیگر علوم اسلامیہ میں زبردست درک رکھتے تھے۔ انھوں نے ساری عمر تصنیف و تالیف میں گزاری۔ تین ڈکشنریاں، لغاتِ فیروزی (اردو)، لغاتِ فیروزی (فارسی) اور لغاتِ فیروزی (عربی) لکھیں اور اسی نام سے چھپیں۔ قرآن کریم کا ترجمہ اردو میں کیا۔ مثنوی مولانا روم کا ترجمہ کیا۔ نماز کا ترجمہ کیا اور بہت سے سلام اور نعتیں لکھیں، ان کے نسخے قدیم لائبریریوں میں موجود ہیں اور فقیر کی لائبریری میں لغاتِ فیروزی تینوں زبانوں میں (مصنفہ) مولوی فیروز الدین ڈسکوی موجود ہے۔

بد قسمتی سے مولوی فیروز الدین ڈسکوی مرحوم کے انتقال کے بعد اُن کی تحریری دولت کی حفاظت کرنے والا نہ رہا۔ ایک لڑکا تھا جو سیالکوٹ کے مرے کالج میں پڑھ رہا تھا، وہ پرموشن کے حصول کے لیے عیسائی ہو گیا اور مولانا فیروز الدین ڈسکوی کی اولاد معنوی کا کوئی پرسانِ حال نہ رہا۔ مولوی فیروز الدین جو شیرانوالہ گیٹ کے باہر سکول کے سامنے مٹی کی دواتیں، سادہ اوراق اور قلمیں بیچا کرتے تھے کے ہاتھ مولوی سلطان محمود مرحوم کے بنائے ہوئے نوٹوں کی بوریاں آ گئیں۔ اس نے فیروز الدین اینڈ سنز کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا اور نام میں یکسانیت سے فائدہ اٹھا کر مولوی فیروز الدین ڈسکوی کی تصانیف اپنے نام سے فیروز اللغات کے نام سے چھاپ لیں اور باقی تصانیف پر بھی اپنا نام ثبت کر لیا۔

ایسا دنیا میں بہت دفعہ ہوا ہے۔ حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا دیوان ایک شخص نے اپنا نام کر لیا تھا۔ نواب صدیق حسن قنوجی جو ایک مؤذن سے ترقی کر کے نواب آف بھوپال بن گئے اور دھڑا دھڑ لوگوں سے مختلف موضوعات پر کتابیں لکھوا کر اپنے نام سے چھپوا لیں۔ اسی طرح نواب آف دکن میر عثمان

علی خاں کے نام سے بہت سے اہلِ علم نے اپنی بھوک مٹانے کے لیے نہایت عمدہ کتب تصنیف کیں۔ مولانا عبدالرحمٰن طاہر سورتی مرحوم و مغفور نے غلام احمد پرویز کو تین سو پینسٹھ روپے ماہوار مشاہرہ لے کر چھ جلدوں میں لغات القرآن لکھ کر دی اور وہ اس کے نام سے چھپ گئی۔ مولانا عبدالحیٔ اثر صہبائی نے ایس اے رحمٰن صاحب کو حضرت علامہ اقبال کی اسرار و رموز کا منظوم ترجمہ کر کے دیا اور انھوں نے اپنے نام سے چھپوالیا۔ اسی طرح ایک ادارے کے چیئرمین نے انگریزی اردو ڈکشنری جسے آٹھ اہلِ علم نے محنتِ شاقہ سے مرتب کیا تھا، اپنے نام سے چھپوالی۔ مولانا کوثر نیازی صاحب کی بیش تر کتابیں وزارت کے افاسر نے قلم بند کیں۔ اس لیے مضمون نگار کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ جن تصانیف کا انھوں نے مولوی فیروز الدین بانی فیروز اینڈ سنز کے نام سے ذکر کیا ہے وہ درحقیقت مولوی فیروز الدین ڈسکوی کی تصانیف ہیں۔ صرف نام سے فائدہ اٹھایا گیا ہے۔

عزیز احسن: علامہ آپ نے جس مسئلے پر روشنی ڈالی ہے یہ علمی خیانت کے ذیل میں آتا ہے اور اس میں بہت سے لوگوں کے نام آتے ہیں۔ کراچی میں ایک بہت بڑے محقق افسر صدیقی امروہوی بھی اسی قسم کی علمی بددیانتی کا شکار ہو کر اپنے علمی ذخیرے کے سرقے کا غم لے کر آخر دنیا سے رخصت ہو گئے۔ اللہ انہیں جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے (آمین)!... لیکن اس مرحلے پر میں اتنا ضرور عرض کرنا چاہوں گا کہ ''نعت رنگ'' کے فاضل مضمون نگار جناب ڈاکٹر شبیر احمد قادری (فیصل آباد) نے تو اپنے مضمون کی بنیاد مطبوعہ مواد پر رکھی ہے۔ انھوں نے ان کتب کے اصل مصنف کی تلاش و جستجو کا فریضہ سرے سے انجام دیا ہی نہیں، کیوں کہ یہ ان کے مقاصدِ تحریر میں شامل ہی نہ تھا۔ اس لیے میری نظر میں فاضل مضمون نگار بالکل بے قصور ہیں۔ البتہ آپ کے فرمودات کی روشنی میں تحقیق کا ایک نیا باب کھولا جا سکتا ہے، اس حوالے سے میں غالب کا ایک ہی مصرع عرض کرنا چاہوں گا:

کون ہوتا ہے حریف مۓ مرد افگن عشق؟

عزیز احسن: آپ کچھ اور فرمانا چاہیں گے؟

علامہ بشیر حسین ناظم: جی میں نے تو پہلے ہی عرض کر دیا ہے کہ میں نے مضمون نگار کی اطلاع کے لیے یہ ساری باتیں کی ہیں۔ ایک اور بات جو میں مدیر مسئول کی اطلاع کے لیے عرض کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ آیاتِ قرآنیہ کی کتابت یا کمپوزنگ کے وقت کمپوزر احتیاط نہیں برتتے اور نہ ہی حروف چینی دلچسپی سے کی جاتی ہے۔ اس ضمن میں اگر مدیر مسئول ذاتی دلچسپی لیں تو یہ خدمتِ قرآن ہوگی۔ اللہ تعالیٰ انتظامیہ کو گوناگوں برکات سے نوازے گا!

عزیز احسن: ان شاء اللہ اس طرف ضرور بہ ضرور توجہ کی جائے گی!... حضرات گرامی! ہم وقتاً فوقتاً ''نعت

رنگ'' کے علمی سفر کا جائزہ لیتے رہنے کو اس لیے ضروری سمجھتے ہیں کہ بقول علامہ اقبال:

صورتِ شمشیر ہے دستِ قضا میں وہ قوم
کرتی ہے جو ہر زماں اپنے عمل کا حساب!

آج کی گفتگو سے نعت کے علمی آفاق زیادہ روشن ہوں گے۔ ان شاء اللہ! میں تمام شرکائے مذاکرہ کا ممنون ہوں کہ انھوں نے اس مذاکرے میں شرکت کے لیے وقت نکالا۔ میزبانِ مذاکرہ جناب آصف اکبر (جوائنٹ سیکریٹری۔ محفلِ نعت اسلام آباد) کا بھی شکر گزار ہوں کہ انھوں نے مذاکرے کے لیے اپنے دولت کدے پر خصوصی انتظام فرمایا۔ اللہ حافظ!

مدحتیں

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

گنہ آلود چہرے اشک سے دھلوائے جاتے ہیں
مواجہ پہ، پھر اس کے بعد زائر لائے جاتے ہیں

کیا جاتا ہے صیقل جاں کو احساسِ ندامت سے
یہاں لانے سے پہلے چشم و دل چمکائے جاتے ہیں

ہے پاس خاطر پاکیزہ سرکار اللہ کو
گنہ گار اس جگہ پر پاک کرکے لائے جاتے ہیں

احاطہ سا کیے رکھتا ہے جاں کو نور کا ہالہ
درود پاک کے انوار جاں پر چھائے جاتے ہیں

ڈراتی ہی نہیں ہے پلِ صراط حشر کی وحشت
جو تیرے ہیں، تری رحمت کے سائے سائے جاتے ہیں

خطا کاروں کو بھی محروم رحمت وہ نہیں رکھتے
گنہ گاروں پہ بھی پیہم کرم فرمائے جاتے ہیں

ہے لطفِ خاص اُن کی رحمت للعالمینی کا
مدینے میں ہم ایسے روسیہ بھی پائے جاتے ہیں

حرم میں ہے ریاضؔ اللہ اکبر! کیا مقدر ہے
کرم کا سوچ کر آنکھوں میں آنسو آئے جاتے ہیں

ریاض مجید (فیصل آباد)

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

ثنائے شہ دوسرا کر رہے ہیں
خراجِ محبت ادا کر رہے ہیں

نہ دنیا کا غم ہے نہ فکرِ زمانہ
گدا ذکرِ خیرالوریٰ کر رہے ہیں

بھلا ان کے مرقد میں کیوں تیرگی ہو
جو وصف رُخِ والضحیٰ کر رہے ہیں

خدا ان کو جامِ بقا بخشتا ہے
جو ہستی نبی پر فنا کر رہے ہیں

جو گالی دیں آقا پہ برسائیں پتھر
حضور ان کے حق میں دعا کر رہے ہیں

علی حرمتِ طاعتِ مصطفیٰ میں
نماز اپنی دیکھو قضا کر رہے ہیں

بہادر ہیں جو بدرؔ دورِ فتن میں
ادا سُنّتِ مصطفیٰ کر رہے ہیں

بدرالقادری (ہالینڈ)

طلوعِ فجر

تاریخِ کائنات کے سب سے بڑے دن ۱۲؍ربیع الاوّل کے حوالے سے کہی گئی ۵۰۰ بندوں پر مشتمل طویل نعتیہ نظم کے ابتدائی بند، یہ نعت نظم معریٰ میں ہے، ہر بند میں ۱۲؍ربیع الاوّل کی مناسبت سے ۱۲؍مصرعے ہیں، آخری دو مصرعے ہم قافیہ اور ہم ردیف ایک مکمل شعر کی صورت میں ہیں، اس شعر میں بند کے نفسِ مضمون کو سمیٹنے کی سعی کی گئی ہے۔ (ریاضؔ)

(۱)

افلاک پر ہے دھوم کہ آتے ہیں وہ رسول
جس کا پیام ہے کہ خدا صرف ایک ہے
خالق ہے سب کا، سب کا ہے روزی رساں بھی وہ
جس نے فلک پہ چاند ستارے سجائے ہیں
جس نے افق افق پہ بکھیری ہے کہکشاں
جس نے سمندروں کو عطا کی ہے زندگی
جس نے کھلائے شاخِ سخن پر چمن ہزار
پیدا کیے ہیں جس نے دھنک، چاندنی، ہوا
پانی کی چھاگلوں سے بھرا دامنِ سحاب
تسخیرِ کائنات کے کھولے ہیں جس نے در
ہر چیز سجدہ ریز ہے اُس کی جناب میں
وہ بولتا ہے آج بھی اُم الکتاب میں

(۲)

افلاک پر ہے دھوم کہ آتے ہیں وہ رسول
جن کا خدا، خدائے رحیم و کریم ہے

جس کی عنایتوں کا نہیں ہے کوئی شمار
اذنِ سفر ہواؤں کو دیتا ہے رات دن
دامانِ آرزو میں سجاتا ہے وہ گلاب
ہر سانس اُس کے قبضۂ قدرت میں ہے مری
اپنی تمام خلق پہ وہ مہربان ہے
اُس کی نہ ابتدا ہے کوئی اور نہ انتہا
جاری ہے اُس کی حمد لبِ کائنات پر
روزِ جزا کا مالک و مختار ہے وہی
معبود کوئی اور سوائے خدا نہیں
کوئی مرے نبی کے خدا سے بڑا نہیں

(۳)

افلاک پر ہے دھوم کہ آتے ہیں وہ رسول
جن پر خدا بھی بھیجتا ہے ہر گھڑی درود
سارے ملائکہ کا وظیفہ بھی ہے یہی
جن کے حصارِ رحمت و الطاف میں ریاضؔ
میرا بدن ہے جرعۂ شبنم بنا ہوا
جن کے سپرد حشر تلک سب قیادتیں
صادق بھی ہیں امین بھی میرے وہی رسول
روزِ ازل سے منبر و محراب میں حضور
کرنیں لٹا رہے ہیں ہدایت کے نور کی
مقصودِ کائنات ہیں سردارِ انبیا
اپنے قلم سے نعتِ پیمبر لکھا کروں
اوراقِ جاں پہ حرفِ معطر لکھا کروں

(۴)

افلاک پر ہے دھوم کہ آتے ہیں وہ رسول
تکمیل شخصیت کا ہیں جو آخری نصاب
جن کی کوئی مثال نہ کل تھی نہ آج ہے
تاحشر ہے جواب نہ جن کے کمال کا
جن کے وجود سے شرف انساں کا ہے بحال
روئے زمیں پہ جو بشرِ بے مثال ہیں
جن کی نظیر ارض و سما میں کوئی نہیں
تخلیق کارِ اوّل و آخر کا شاہ کار
میرے حضور، میرے پیمبر، مرے نبی
سردارِ کائنات کی خلعت انھیں ملی
اُن کے درِ خلوص پہ جھکتی ہے کائنات
اسوہ مرے حضور کا ہے باعثِ نجات

(۵)

افلاک پر ہے دھوم کہ آتے ہیں وہ رسول
ہر چیز جن کے دستِ تصرف میں دی گئی
رحمت بنا کے دہر میں بھیجا گیا جنھیں
جاری ہے جن کے نقشِ قدم پر ابھی سفر
جو آگہی کا آخری روشن چراغ ہیں
قرآن جن کی ذات پہ نازل کیا گیا
معراجِ مصطفٰے کا تصدق ہے یہ ریاضؔ
انسان عظمتوں کے سفر پر رواں ہوا
مجھ سے کہا ہے شاخِ ازل کے گلاب نے
آقائے محتشم کا تصور بھی روشنی

اُن کے سوا کرم کا کہیں سائباں نہیں
میرے برہنہ سر پہ کوئی آسمان نہیں

(۶)

افلاک پر ہے دھوم کہ آتے ہیں وہ رسول
جن کے لیے ملائکہ پڑھتے ہوئے درود
اُتریں فلک سے، شام و سحر، روزِ محشر تک
پتھر بھی جن کے ہاتھ پر کلمہ پڑھیں ریاضؔ
انگلی اُٹھے تو چاند بھی آجائے وجد میں
جن کا وجود سایہ ہے ہر اک وجود پر
عنوان زندگی کا ہیں میرے وہی حضور
اُن کے کرم کے پھول کھلے ہیں روش روش
تقدیس و احترام کے ہر پیرہن ہیں آپ
جلوہ فروز مسندِ ارشاد پر ہوئے
آنکھیں طوافِ گنبدِ خضرا کیا کریں
آبِ خنک حضور کے در سے پیا کریں

(۷)

افلاک پر ہے دھوم کہ آتے ہیں وہ رسول
سکہ چلے گا جن کی قیادت کا تابد
جن کے لیے سجائی گئی بزمِ کائنات
جن کے لیے ہوائیں ادب سے چلا کریں
محبوبیت کی خلعتِ تحسین میں حضور
تقسیم کر رہے ہیں اُجالے نفس نفس
ہر ذی نفس پہ آپ کی تعظیم فرض ہے
حسن و جمال جن کا بنا محورِ سخن

جن کا ہے آسمانی صحائف میں تذکرہ
تشریف آج لاتے ہیں مرے وہی حضور
ہر خیر کا عمل ہے شریعت حضور کی
ہے حشر تک ریاضؔ حکومت حضور کی

(۸)

افلاک پر ہے دھوم کہ آتے ہیں وہ رسول
حکمِ خدا سے، ظلم و ستم کے غبار میں
حوا کی بیٹیوں میں جو بانٹیں گے زندگی
نافذ نظامِ عدل کریں گے زمین پر
گرتے ہوئے بشر کا سہارا بنیں گے آپ
فرمانِ مصطفےٰ کے مطابق یہ طے ہوا
تقویٰ فضیلتوں کی ہے بنیاد حشر تک
تعلیم جن کی ہے سرِ لوح و قلم یہی
ارضِ خدا پہ خوفِ خدا حکمراں بنے
جن کی کوئی مثال نہ جن کی کوئی نظیر
آقا حضور رحمتِ پروردگار ہیں
گلزارِ زندگی میں ازل کی بہار ہیں

(۹)

افلاک پر ہے دھوم کہ آتے ہیں وہ رسول
جو آگہی کا نور بکھیریں گے حشر تک
اترن ہے جن کے چہرۂ انور کی کہکشاں
دھوون ہیں جن کے نقشِ قدم کی دھنک کے رنگ

زندہ مرے رسول ہیں، زندہ ہے اُن کا نام
تقدیس و احترام نگاہِ ادب میں ہے
محتاج ہم ہیں جن کے وسیلے کے ہر گھڑی
قندیلِ مصطفےٰ کا اُجالا سحر میں ہے
پرچم کھلا رہے گا شفاعت کا حشر میں
اُن کے قدوم پاک کا صدقہ ہے زندگی
میرا قلم، حضور کے در پر پڑا رہے
تصویر احترام کی بن کر کھڑا رہے

(۱۰)

افلاک پر ہے دھوم کہ آتے ہیں وہ رسول
ہر دل کشی ہے جن کے تکلم کا پیرہن
ہر حسن جن کے نقشِ کفِ پا کی دھول ہے
ثانی نہیں ہے جن کا رسولوں میں بھی کوئی
تقلید جن کی باعثِ اذنِ نجات ہے
بعد از خدا حضور ہی سب سے قدیم ہیں
وہ عالمی افق پہ ستارا ہیں خیر کا
ذکر جمیل اُن کا ہے اُم الکتاب میں
تخلیقِ لازوال ہیں پروردگار کی
ہر دور کی، ریاض، قیادت بھی آپ ہیں
آدم کی نسل کا قد و قامت حضور ہیں
اور امنِ دائمی کی ضمانت حضور ہیں

(۱۱)

افلاک پر ہے دھوم کہ آتے ہیں وہ رسول
رحمت ہے جن کی ارض و سماوات پر محیط

جن و بشر، ملائکہ جن کو کریں سلام
تکریم جن کی فرض ہے ہر ایک چیز پر
جن کے قدومِ پاک سے روشن ہے کائنات
جنت بنی ہے جن کے غلاموں کے واسطے
اصحاب جن کے شہرِ عمل کی ہیں روشنی
جن کو ملے گا اذن شفاعت کا حشر میں
محمود ہے مقام انھی کے عروج کا
محشر : طلوعِ مہرِ محبت کا نام ہے
برگِ نجات شاخِ کرم پر کھلا رہے
میرا بھی سلسلہ اسی در سے ملا رہے

(۱۲)

افلاک پر ہے دھوم کہ آتے ہیں وہ رسول
کردار جن کا نکہتِ گلزارِ ہست و بود
ارض و سما ہیں جن کے شمائل کی روشنی
جن کے درِ عطا سے ازل تا ابد سدا
انسانیت کا چشمۂ رحمت رواں ہوا
خوفِ خدا ہے جن کے فرامین کا نچوڑ
ہر سانس جن کے اسمِ منور سے فیض یاب
جن کے طفیل ارضِ بشر رشکِ صد ارم
قندیل عافیت کی فروزاں انھی سے ہے
اک کیفِ سرمدی ہے ثنائے رسول میں
اک جشن سا بپا مرے لوح و قلم میں ہے
ہر سانس اُن کے حیطۂ ابرِ کرم میں ہے

(۱۳)

افلاک پر ہے دھوم کہ آتے ہیں وہ رسول
مخلوقِ کردگار میں جو لاشریک ہیں
محبوبیت میں جن کے برابر نہیں کوئی
ارض و سما ہیں جن کی غلامی پہ مفتخر
جن کو ازل ابد کی حکومت عطا ہوئی
ملبوس معجزات کی چادر میں آپ ہیں
ہر سانس اُن کی ضامنِ نقاشیٔ حیات
موسم بہار کا ہے تصدق حضور کا
حسن و جمال جتنا بھی ارض و سما میں ہے
خیرات ہے حضور کے نعلینِ پاک کی
ہم پر کرم ہے کتنا خدائے رحیم کا
بابِ عطا کھلا ہے رسولِ کریم کا

(۱۴)

افلاک پر ہے دھوم کہ آتے ہیں وہ رسول
نسبت ہے جن کی سارے حوالوں سے معتبر
قرآن جن کی نعتِ مسلسل کی ہے مثال
فرمان ہے حضور کا فرمانِ معتبر،
اُم الکتاب جن کے محاسن کا آئینہ
سردارِ شش جہات ہیں میرے وہی حضور
ہر سمت اُن کی نکہتِ انفاس کا جمال
وہ افتخارِ نوعِ بشر، حسنِ آرزو
روزِ ازل سے وسعتِ کون و مکاں میں ہے
چرچا مرے حضور کے حسن و جمال کا

میرے حضور و حبِ لطفِ عمیم ہیں
کون و مکاں میں نائبِ ربِّ قدیم ہیں

(۱۵)

افلاک پر ہے دھوم کہ آتے ہیں وہ رسول
جن کے تمام لفظ ہیں چشمے علوم کے
تاریخ جن کے نقشِ قدم پر ہے گامزن
وہ ارتقا کی آخری منزل کی آرزو
ساری بشارتوں کا وہی مرکزِ سخن
سارے تمدنوں کی تمنا حضور ہیں
ساری بصیرتوں کا وہی نقطۂ کمال
ساری بصارتوں کا وہی حسنِ دل نشیں
سورج کرے حضور کی دہلیز کو سلام
خوش بو پڑی رہے درِ آقا پہ آج بھی
سردارِ کائنات کا بے حد ادب کرو
اللہ سے مصطفےٰ کا وسیلہ طلب کرو

(۱۶)

افلاک پر ہے دھوم کہ آتے ہیں وہ رسول
ہر انقلاب جن کی قیادت کے واسطے
ارضِ دعا پہ چشمِ تمنا بچھائے ہے
اس کو ازل سے اُن کے تمدن کی ہے تلاش
اُن کے لیے ہوائیں ادب سے کھڑی رہیں
اُن کا وجود باعثِ تسکینِ قلب و جاں
لکھنے لگا ہوں آپ کی توصیف آج بھی
بادِ صبا گلاب بکھیرے سرِ قلم

ہر حسن اُن کی راہ گزر میں ہے منتظر
آئیں حضور اُن کے قدم چوم چوم کر
محشر تلک میں اپنا مقدر سنوار لوں
خود کو نقوشِ پائے نبی میں اُتار لوں

(۱۷)

افلاک پر ہے دھوم کہ آتے ہیں وہ رسول
خلعت ملی ہے جن کو درود و سلام کی
جن کو ردائے عفو و کرم بھی عطا ہوئی
نقشِ جمیل جن کا ہے معراجِ آرزو
وہ آگہی کے سرمدی پیرانیوں میں ہیں
نوعِ بشر کو دیں گے ہدایت کی روشنی
کشتِ عمل میں خیر کے سورج اُگائیں گے
اک انقلاب لائیں گے رحمت کا آپ ہی
حوا کی بیٹیوں کو ملے گی برابری
انسان کے حقوق کا ہوگا علم بلند
رعنائیِ خیال طوافِ قلم کرے
تشنہ لبوں پہ اسمِ گرامی رقم کرے

(۱۸)

افلاک پر ہے دھوم کہ آتے ہیں وہ رسول
ہر چیز جن کے حیطۂ دستِ عطا میں ہے
تخلیقِ کائنات سے تخلیقِ حشر تک
آمد یہ اُن کی سب سے بڑا واقعہ تو ہے
داعی ہیں امنِ دائمی کے حشر تک وہی
اُن کے لیے بنائی گئی بزمِ رنگ و بو

اُن کے لیے خدا نے مسخر کیے جہاں
اُن کے لیے فلک پہ جلائے گئے چراغ
اُن کے لیے قلم کو ملا آگہی کا نور
اُن کے لیے زمیں کو مصور کیا گیا
روشن ہر ایک سمت ہے چہرہ حضور کا
ہر حسنِ کائنات ہے صدقہ حضور کا

(۱۹)

افلاک پر ہے دھوم کہ آتے ہیں وہ رسول
سورج طلوع جن کا ہوا تو افق افق
ظلمات کفر و شرک کی تاریکیاں چھٹیں
ارض و سما کا مالک و مختار ہے خدا
وہ لاشریک ساری خدائی میں ایک ہے
آقا حضور اُس کے رسولوں کے ہیں رسول
عظمت کا تاج ہے سرِ اقدس پہ ضوفشاں
ساری بلندیاں درِ عالی کی دھول ہیں
معراج ہم غلاموں کی اُن کا درِ عطا
چشمہ رواں ہے اُن کے کرم کا ابد تلک
ہر احترام ہے مرے آقا کے واسطے
سب اہتمام ہے شہِ بطحا کے واسطے

(۲۰)

افلاک پر ہے دھوم کہ آتے ہیں وہ رسول
جن کی جبینِ پاک میں ہے بندگی کا نور
جن کا مقام عرشِ معلّٰی سے بھی پرے
جن کا وجودِ پاک ازل سے ہے محترم

خلدِ بریں ہے جن کے غلاموں کی منتظر
جن کے ریاض دامنِ صد رنگ میں کھلے
حکمِ خدا کے لاکھوں مہکتے ہوئے گلاب
آقا مرے وہ جن کا تصور ہے چاندنی
سرکار کے وسیلۂ اقدس سے، ہم نفس!
توبہ قبول حضرتِ آدمؑ کی بھی ہوئی
ننگے سروں پہ سایۂ رحمت خدا کرے
مجھ کو ہنر ثنائے نبی کا عطا کرے

(۲۱)

افلاک پر ہے دھوم کہ آتے ہیں وہ رسول
جن کے درِ عطا کی سلامی کے واسطے
طیبہ میں تتلیوں نے نشیمن بنائے ہیں
کلیوں نے شاخ شاخ پہ آنچل بچھائے ہیں
قوسِ قزح نے رنگ سخن کے لٹائے ہیں
خوش بو نے جام آبِ خنک کے لنڈھائے ہیں
شبنم نے موتیوں کے سمندر بہائے ہیں
بادِ صبا نے حرفِ تمنا سجائے ہیں
صلِ علیٰ کے پھول غزل نے کھلائے ہیں
اشکوں نے جھک کے نقشِ کفِ پا اٹھائے ہیں
جگنو کتابِ شوق کے الٹیں ورق تمام
ازبر ہوں زندگی میں عمل کے سبق تمام

(۲۲)

افلاک پر ہے دھوم کہ آتے ہیں وہ رسول
جن کا کرم محیط ہے ہر ایک عہد پر

جن کا علم ازل سے ابد تک ہے پُرفشاں
جن کا وجودِ پاک ہے ہر چیز کی سند
جن کی برابری کا بھی دعویٰ، غلط، غلط
ہر دور اُن کی نسبتِ نوری سے معتبر
ہر اعتبار اُن کے درِ پاک کی عطا
ہر دور کو ہے دامنِ سرکار کی طلب
ہر دور کی، ریاضؔ، ضرورت حضور ہیں
ہر دور اُن کے حیطۂ لطف و کرم میں ہے
ہر ذرّہ کائنات کا ہونٹوں کو وا کرے
میرے لیے حضور کے در کی دعا کرے

(۲۳)

افلاک پر ہے دھوم کہ آتے ہیں وہ رسول
ہر حسن جن کے حسنِ تکلم کی آبرو
ہر روشنی ہے جن کے تبسم سے مستنیر
ہر آگہی ہے جن کے تخیّل سے فیض یاب
جن کے درِ نجات کو بوسہ دیے بغیر
میرے لیے تو سانس بھی لینا محال ہے
دامانِ اشکِ چشمِ تمنا میں آج بھی
روضے کی جالیوں کا تصور ہے موج زن
کس نے لکھا ہے اسمِ گرامی سرِ ورق
اُن کی ثنا کے پھول لبوں پر کھلے رہیں
قندیل آرزو کی بدن میں جلی رہے
روشن حریمِ ذہن میں اُن کی گلی رہے

(۲۴)

افلاک پر ہے دھوم کہ آتے ہیں وہ رسول
چوکھٹ پہ جن کی ہے مہ و انجم کا جمگھٹا،
جن کے طفیل ارض و سما میں ہے روشنی
مقصودِ کائنات ہے جن کا وجودِ پاک
جن کے بغیر ارض و سما کا نہیں وجود
آقا حضور رحمتِ پروردگار ہیں
اُن کا خدا ہے اُن کا محافظ ابد تلک
اُن کو عطا ہوا ہے نظامِ جمالِ صبح
ذکرِ نبی حرارتِ قلبِ ریاض ہے
پرچم ہے عافیت کا فضاؤں میں پُرکشا
ہر روشنی ہے نورِ مجسم کی ذات میں
انسان مطمئن رہے راہِ حیات میں

(۲۵)

افلاک پر ہے دھوم کہ آتے ہیں وہ رسول
مہکے ہیں جن کے دامنِ صد رنگ میں گلاب
کب سے کھڑی ہے در پہ فضاؤں کی دل کشی
وہ امنِ دائمی کی ہیں سب سے بڑی دلیل
وجہِ سکونِ قلبِ پریشاں بھی آپ ہیں
اُن کا مقام عرشِ معلیٰ پہ ہے ریاضؔ
روئے زمیں میں اُن کی نہیں ایک بھی مثال
روشن چراغ بن کے ہیں آئے مرے حضور
میلاد کی یہ صبحِ درخشاں تھی، جب ہوا
کہنے لگی حضور کی آمد پہ جھوم کر

سرکارِ ہر بشر کو خدا سے ملائیں گے
کاغذ کی کشتیوں کو بھی ساحل دکھائیں گے

(۲۶)

افلاک پر ہے دھوم کہ آتے ہیں وہ رسول
ہر انقلاب جن کے تراشے گا نقشِ پا
ہر فلسفہ حیات کا ہے جن کا خوشہ چیں
اُلجھے ہوئے خیال کی گرہیں بھی کھول دیں
وہم و گماں کے دامنِ صد چاک میں
کلیاں یقین و عزم کی مہکی ہیں ان دنوں
میرے حضور محسنِ انسانیت بھی ہیں
میرے حضور سارے زمانوں کی روشنی
میرے حضور عالمِ بالا کے ہیں سفیر
ہیں درگزر پہ ہر گھڑی مائل مرے حضور
ابرِ کرم حضور کا برسا ہے آج بھی
روشن دلوں میں آپ کا چہرہ ہے آج بھی

(۲۷)

افلاک پر ہے دھوم کہ آتے ہیں وہ رسول
تعمیر جو کریں گے محبت کے قصر کو
اپنے عمل سے لکھیں گے تاریخِ ارتقا
تحریر بے مثال ہیں لوحِ جمال کی
ہر عہد میں چراغ جلائیں گے علم کے
وہ جستجو کو کشتِ تمنا میں بوئیں گے
کتنا بھی خوش نصیب ہوں اے کلکِ بامراد
لکھتا ہوں میں بھی سرورِ کونین کی ثنا

نسبت مجھے بھی مرسلِ کون و مکاں سے ہے
ادنیٰ سا اک غلام ہوں میں اہلِ بیت کا

میرا یہ افتخار گدا مصطفیٰ کا ہوں
توصیف گر میں ہادیِ ارض و سما کا ہوں

(۲۸)

افلاک پر ہے دھوم کہ آتے ہیں وہ رسول
جن کو عطا ہوئیں شبِ اسریٰ کی عظمتیں
سدرہ نے جن کے نقشِ کفِ پا کو حشر تک
اپنی جبینِ شوق کا جھومر بنا لیا
جن کی بلندیوں کی کوئی حد ہے نہ حساب
جن کے مقام و مرتبہ کا ذکر کیا کروں
میری زبانِ عجز جھکی ہے جھکی رہے
میرے قلم کو اپنی ہے اوقات کا بھی علم
لیکن مرے خدا مری پہچان نعت ہو
طالب نہیں ریاض کسی اور چیز کا

جتنے بھی لفظ درج کتابِ ثنا میں ہیں
شامل ازل سے تشنہ لبوں کی دعا میں ہیں

(۲۹)

افلاک پر ہے دھوم کہ آتے ہیں وہ رسول
آدمؑ سے لے کر حضرت عیسیٰؑ کے دور تک
سارے نبی تھے آپ کی آمد سے باخبر
مطلوب اُن کی عظمت و توقیر ہے اُسے
اُن کے لیے زمین کو مسجد بنا دیا
میرِ اُمم کی خلعتِ صد احترام میں

مبعوث سرزمینِ عرب پر ہوئے حضور
اشکوں کے پھول دامن صد چاک میں لیے
آیا ہے ایک شاعرِ گم نام یاخدا
حرفِ ثنا ہیں جس کے لبوں پر سجے ہوئے

مولا حضور ہیں، مرے آقا حضور ہیں
نبیوں میں سب سے افضل و اعلیٰ حضور ہیں

(۳۰)

افلاک پر ہے دھوم کہ آتے ہیں وہ رسول
بانٹیں گے جو یقین کی دولت نفس نفس
احسان کے چراغ جلا کر قدم قدم
آدم کی نسل کو نیا رستہ دکھائیں گے
وحدانیت کے جس میں ہیں روشن دیے ہزار
فکر و نظر میں رنگ بکھیرے گی روشنی
دی ہے صدا یہ ہاتفِ غیبی نے آج بھی
کہہ دیجیے کہ کوئی برابر نہیں مرے
شہ رگ سے بھی قریب ہوں ہر لمحہ ہر گھڑی
میرے سوا نہیں کوئی معبود آپ کا

سرکار نے بلند خدا کے علم کیے
روشن قدم قدم پہ نقوشِ حرم کیے

☆

ریاض حسین چودھری۔ سیالکوٹ

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

تقدیر سنور جائے سرکار کے قدموں میں
یہ جان اگر جائے سرکار کے قدموں میں

جب قدموں سے اُٹھے تو کچھ اور ہی ہو جائے
جو خاک بسر جائے سرکار کے قدموں میں

اک بار رکھوں ان کے قدموں میں یہ سر اپنا
پھر عمر گزر جائے سرکار کے قدموں میں

سو باتیں ہوں کہنے کی، چاہوں کہ سبھی کہہ دوں
ہر بات بسر جائے سرکار کے قدموں میں

جلتے ہوئے سینے میں ٹھنڈک ہی اُتر جائے
دل خوش بو سے بھر جائے سرکار کے قدموں میں

یہ کیفؔ کی حسرت ہے ڈھل جائے وہ خوش بو میں
اور جا کے بکھر جائے سرکار کے قدموں میں

کیف رضوانی (کراچی)

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

زباں تذکارِ سیرت میں بہت مصروف رہتی ہے
مگر شہرِ عمل میں ہے ابھی تک قحط سامانی

کبھی اے کاش یہ نکتہ مسلماں بھی سمجھ جائیں
نبی کے عشق کی توہین ہے یہ چاک دامانی

جو اُمت امر بالمعروف پہ قائم رہی صدیوں
سراسر کھو چکی ہے سیرتِ اطہر کی تابانی!

نجومی اور کاہن ذہن و دل کے حکمراں ٹھہرے
نہ جانے اور کیا دکھلائے گا اب ضعفِ ایمانی

فقط اسباب پر ایمان ہے افراد ملت کا
ہوئی مدت تبوک و بدر کا جذبہ ہوا فانی

وطن، نسل و زباں، طرزِ تمدن معتبر ٹھہرے
نہیں باقی رہی چہروں پہ الفت کی وہ تابانی

عرب، اردن، عراق و شام، مصر و ترکی و ایراں
زمیں پر جب وطن اُبھرے مٹی خوئے مسلمانی

مقدر ذلتیں ہیں اس روش پر پھر بھی قائم ہیں
کہ مومن بعد میں ہیں سب مگر پہلے ہیں اوطانی

مقرر بے عمل، قصرِ ہوئی روشن تمدن میں
مفسر بھی فصیلِ فہم و علم و فن کا زندانی

متاعِ خلق بے وقعت خطابت میں مقید ہے
ہے وجۂ افتخار اب طرزِ قارونی و ہامانی

یقیناً اُمتِ مسلم کی دشمن ہیں سبھی قومیں
مجوسی ہوں کہ ہندو ہوں، یہودی ہوں کہ نصرانی

مگر سب سے بڑی دشمن یہ ملت آپ ہے اپنی
گدائی میں بھی خوئے ملتِ بیضا ہے، خاقانی

عمل کا گوہرِ بے مثل یاں مٹی میں رُلتا ہے
کوئی دیکھے تو اس نایاب شے کی آج ارزانی!

نہیں بس یہ کہ میدانِ عمل سے دُور ہیں مسلم!
کہ اب تو فکر میں بھی ہوگئی ناپید، جولانی

جہاں اخلاص ہے کچھ، طاقتِ سعی و عمل گم ہے
جہاں اعمال ہیں، اخلاص کی ہے تنگ دامانی!

نگاہِ کیمیا گر، اب تو اُٹھ جائے مرے آقا!
دگرگوں ہے بہت نظمِ گلستانِ مسلمانی!

کسی رہبر کا دل، چشمِ عنایت سے بدل دیجے
مؤثر، کارواں والوں پہ ہو جس کی حدی خوانی!

حصارِ نعرۂ بے روح سے نکلیں مسلماں بھی!
یمِ اعمال میں پیدا ہو پھر، جذبوں سے طغیانی!

یہ ملت پھر حرم کی پاسبانی کے لیے اُٹھے
یہ ملت پھر دکھا دے جذبۂ وحدت کی ارزانی!

دعائیں ہو رہی ہیں رات دن ادبار ٹلنے کی
مگر تاثیر بھی حرفِ دعا کی ہوگئی فانی!

ہمیں زندہ دعاؤں کا کبھی اعزاز حاصل ہو!
اگر فرمائیں آمیں! آپ بھی! اس قوم کے بانی

ملے تاثیر مؤمن کی دعاؤں کو، صداؤں کو
اگر مقبول ہوجائے کبھی اشکِ پشیمانی

ٹلے ادبار، آجائیں بہاریں اس گلستاں میں!
اخوت کے گلوں کی پھر نظر آئے، فراوانی!

عزیزِ احسن کو بھی سچائیوں کی بھیک مل جائے
مٹیں تاریکیاں دل کی، ہو روشن شمعِ فارانی!

عزیز احسن (اسلام آباد)

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

نظر میں نورِ نبی، مدح یوں زباں پر ہے
قدم زمین پہ ہیں، ذہن آسماں پر ہے

عطائے جود و کرم کا وہی تو محور ہیں
نگاہ جن کی ہر اک خورد اور کلاں پر ہے

وہ جس کے سائے میں خلقت پناہ پاتی ہے
مری نظر بھی مدینے کے آستاں پر ہے

''نہیں'' حضور سے کوئی کبھی نہیں سنتا
مرے حضور سا داتا کوئی کہاں پر ہے

فرازِ عرش پہ، اسرا کی شب، وہ یک جائی
حقیقتیں ہیں سبھی، کچھ نہیں گماں پر ہے

ہے مشک بار لبوں کو عطائے ربّ کریم
کہا کہ جو بھی کہیں میرے ہی بیاں پر ہے''

یقین کیوں نہ کریں جنت و جہنم پر
مدارِ قول ہی جب سچے غیب داں پر ہے

سماعتوں میں درود و سلام گونجتے ہیں
جو نامِ مصطفیٰ آتا مری زباں پر ہے

گزر ہی جاؤ گے شیدا ہر ایک مشکل سے
تمھیں بھروسا جو سرکارِ دوجہاں پر ہے

شیدا البستوی (بھارت)

ہائیکو

حمدیہ

مولا دے وہ فکر
دنیا جس سے وجد میں آئے
یوں ہو تیرا ذکر

میری کیا اوقات
اک سمندر جیسا تو ہے
قطرہ میری ذات

نعتیہ

جگمگ چاروں اور
چاندی جیسے قول ترے سب
سونے جیسے طور

روشن روشن ذات
پھول کھلانے والے ہونٹ اور
دیے جلاتے ہاتھ

احمد صغیر صدیقی (کراچی)

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

لگیں اور خوش تر مدینے کی باتیں — مدینے میں رہ کر مدینے کی باتیں
گزرتا ہے دل روحِ وارفتگی سے — وہ رکھتی ہیں جوہر مدینے کی باتیں
میرے گرد لوگوں میلہ سا دیکھا — جو آئیں لبوں پر مدینے کی باتیں
نہ کیوں عرش پر ہو دماغ اس زباں کا — ہوں جس کا مقدر مدینے کی باتیں
نگاہوں کی حیرت، سماعت کی دولت — مدینے کا منظر مدینے کی باتیں
منور منور مدینے کے گوشے — معطر معطر مدینے کی باتیں
کوئی آنسوؤں کا سنبھالے کہاں تک — اگر ہوں برابر مدینے کی باتیں
سنیں گے کچھ ایسے بھی ہیں سننے والے — جو ہوں زندگی بھر مدینے کی باتیں

قمر ہم سے پوچھو، ہمارے لیے تو
ہیں تسنیم و کوثر مدینے کی باتیں

قمر وارثی (کراچی)

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

جا کے طیبہ میں جو ہو جاؤں نثار طیبہ
حشر کے دن مری مٹی ہو شمارِ طیبہ

کاش یہ جسم بنے ارضِ مدینہ کی غذا
اوڑھ لے روح مری نورِ غبار طیبہ

شب تاریک نہ دیکھی نہ سنی طیبہ میں
نور ہی نور ہے ماحولِ دیارِ طیبہ

جیسے معراج کی شب راہِ فلک روشن تھی
یوں چمکتی ہے ہر اک راہ گزارِ طیبہ

بنی انساں کی ہے تہذیب کا طیبہ مرکز
باقی دنیا ہے فقط قرب و جوارِ طیبہ

وہ بھی ملتا ہے یہاں جس کا گماں تک بھی نہ ہو
خلد سے بڑھ کے ثمرور ہے بہارِ طیبہ

میری ہر نسل کی کھیتی پہ کرم ہو تیرا
مجھ پہ تا حشر برس ابرِ بہارِ طیبہ

آتے جاتے ہوئے عشاق کو دیکھوں کوثر
کاش بس جاؤں کسی طور کنارِ طیبہ

کوثر علی (فیصل آباد)

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کیا آئے گا بھلا وہ کسی کے دباؤ میں — پر لگ گئے ہوں جس کو مدینے کے چاؤ میں

جذبے کی ایک لہر نے طیبہ دکھا دیا — ہم کب سے مبتلا تھے یونہی چل چلاؤ میں

نقدِ وفا لٹاؤ تو مل جائے شہرِ شوق — اُلجھے رہو گے ورنہ یونہی بھاؤ تاؤ میں

گردن جھکے تو گنبدِ خضریٰ دکھائی دے — دیکھو تو کتنی رفعتیں ہیں اس جھکاؤ میں

اُٹھو کہ اُڑ کے طے کریں ہم وادیٔ جمال — ورنہ رکھا ہی کیا ہے یہاں رکھ رکھاؤ میں

راہِ نبی میں کام تو بس دل ہی آئے گا — اک دردِ سر ہے عقل و خرد کے گھماؤ میں

جب بھی مجھے دیارِ نبی سے ملے گا اِذن — اک پھول کھل اُٹھے گا غموں کے الاؤ میں

پھر بھی علم بلند رہا تیرے نام کا — گو تھی کمانِ کفر مسلسل تناؤ میں

نعتِ نبی کہی تو ملا ساحلِ مراد — ہم بہہ رہے تھے کب سے غزل کے بہاؤ میں

اُٹھو سہیلؔ منزلِ آخر کے واسطے
کچھ جمع کر لیں شہرِ نبی کے پڑاؤ میں

سہیل اختر

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

(مبنی بر غزلِ غالبؔ)

جس نے آپ کو دیکھا اُس نے دیکھنا پایا
پرتوِ الٰہی کا اصل پرتوا پایا

سب کے حق میں نرمی تھی، شفقت و محبت بھی
نورِ حُب کے ہالے نے چہرہ آپ کا پایا

آگ کے گڑھے پر آ پہنچے تھے جہاں والے
آپ کے بچائے نے خلد کا مزا پایا

متبع محمد کا ہے محبِّ رب، اس کی
بات میں اثر دیکھا، نالہ بھی رسا پایا

ہے کہاں محمد کا دوسرا قدم، یارب!
ہم نے دشتِ امکاں کو ایک نقشِ پا پایا

آپ کی رسالت سے، آپ کی عنایت سے
آپ کی محبت سے شاہؔ نے خدا پایا

شاہ حسین نہری (بھارت)

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

والقلم۔۔۔۔۔ بالقلم

سُن کے دیکھو زمانے کے اہلِ قلم
تم سے کہتی ہے کیا سورۂ والقلم
شانِ محبوب میں کیوں ہوں گستاخیاں
حق تعالیٰ نے کھائی قسم والقلم
اے قلم کار عُشاق آگے بڑھو
کردو اُن پر نثار آج اپنے قلم
حفظِ ناموسِ آقا و مولائے کُل
ہے تقاضائے ''تعلیمِ حق'' بالقلم
گونج جاری رہے گی یصلون کی
لکھ گیا حکم صلوا علیہ قلم
ہائے گستاخ، خاکہ ہے اُن کا لیے
جن کی صورت پہ نازاں ہیں ''لوح و قلم''
جن کو حاصل بلندی ہے معراج کی
جن کے کانوں میں آئے ''صریفِ قلم''
مرتکب اس اہانت کا آئے نظر
ایسے سرکش کا کردیں گے ہم سر قلم
خوں کے آنسو بہائے نہ کیوں اے ولی
آج توہینِ آقا پہ ہر اک قلم

ولی اللہ ولی عظیم آبادی (مدینہ منورہ)

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

اب نعت جو زندگی ہوئی ہے
سانسوں کی کمی بڑھی ہوئی ہے

دیکھوں گا انھیں بروزِ محشر
یہ سوچ کے جو خوشی ہوئی ہے

میں آ تو گیا حرم سے واپس
پر کیا مری واپسی ہوئی ہے

آئیں گے ضرور میرے آقا
خوابوں پہ نظر لگی ہوئی ہے

اک لفظ سے بنے ہوئے جہاں میں
اک نام سے روشنی ہوئی ہے

اک در کا یہ فیض ہے کہ باقی
ہر در سے یہ جاں بچی ہوئی ہے

اشکو چلے جاؤ دل میں واپس
کاغذ پہ نعت لکھی ہوئی ہے

اتنا ہی نہیں کہ اُن کے در پر
ناچیز کی حاضری ہوئی ہے

ماجدؔ بہ زبانِ بے زبانی
سرکار سے بات بھی ہوئی ہے

ماجد خلیل (کراچی)

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ہے کنزِ رسالت کا امیں، مخزنِ اسرار — وہ باعثِ کن منبع و سرچشمۂ انوار
اک روز تصور میں تھا میں حاضرِ دربار — تھا وجد میں دل کیف سے یہ روح تھی سرشار
صورت ہے کہ ''فی احسن تقویم'' کی تفسیر — سیرت ہے کہ مولا کا بنایا ہوا معیار
سرپا بقدم نور ہے ان کا زیبا — اس نور سے ماخوذ ہے ہر پیکرِ انوار
جس وقت ہوا کرتی تھی آیات کی تنزیل — کچھ اور چمک جاتی تھی پیشانیِ ضوبار
ہیں آج بھی وہ ہادیِ کونین مزکی — کرتے ہیں عطا اہلِ طلب کو دلِ بے دار
اپنوں پہ وہ فرمائیں گے کیا کیا نہ عنایت — غیروں کی مدد کے لیے رہتے ہیں جو تیار
ہو ان کی غلامی پہ مجھے ناز نہ کیوں کر — نبیوں کے وہ قائد ہیں رسولوں کے علم دار
کیا عرض کروں اُمتِ عاصی کا فسانہ — خواہش کا پجاری ہے کوئی بُت کا پرستار
ہر ایک ثنا خوان کو ہے عشق کا دعویٰ — بھاری ہے مگر نفس پہ محبوب کا کردار

شہزادؔ بھروسا ہے مجھے ان کے کرم پر
بے بس کے وہ حامی ہیں وہ بے کس کے مددگار

شہزاد مجددی (لاہور)

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

اک قبا سارے زمانے سے جدا پہنی ہے
کہکشاں آپ کے قدموں سے اُٹھا پہنی ہے

اک ترا حکم سنا اور ترے حُب داروں نے
خرقۂ زیست اُتارا ہے قضا پہنی ہے

کتنا خوش بخت ہے بچہ یہ کسی بدو کا
تیری گلیوں میں پھرا، تیری قضا پہنی ہے

نطق بیمار کو صحت ہے درودوں سے ملی
لفظ نے نعت کے صدقے میں شفا پہنی ہے

کی دعا ختم، تو پھر صل علیٰ پڑھتے ہوئے
ہاتھوں یوں جسم پہ پھیرے کہ زرہ پہنی ہے

کردیا بدر سے کشمیر کا رشتہ قائم
موت جس رنگ میں تم نے شہدا پہنی ہے

آخرِ شب کی مناجات میں لگتا ہے ظہیرؔ
میری خلوت نے وہی آب و ہوا پہنی ہے

محمد ثناء اللہ ظہیر (فیصل آباد)

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

ہجرِ شہِ طیبہ میں رونا بھی چھپانا بھی
خوش باش زمانے کو خوش خوش نظر آنا بھی

رہ ہجر سے ہجرت کو دو طرفہ نکلتی ہے
گھر چھوڑ کے چل پڑنا در چھوڑ کے آنا بھی

طیبہ کا ہر اک باسی دل والا نظر آیا
والی بھی موالی بھی فرزانہ دِوانا بھی

جس دیس سے حضرت کو ٹھنڈی ہوا آتی تھی
وہ دیس گنوا بیٹھا خوابوں کا خزانا بھی

رکھیو مجھے نظروں میں مجھ پر ابھی گزرے گا
اک اور زمیں اندر اک اور زمانا بھی

احسان اکبر (اسلام آباد)

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

اندھیرے راستوں میں روشنی ہے آپ کا دامن
فضائے گم رہی میں رہبری ہے آپ کا دامن

نہ دولت کی تمنا ہے نہ خواہش عیش و عشرت کی
مرا ایمان ہے میری خوشی ہے آپ کا دامن

مرے آقا مجھے کیوں آرزو ہو باغِ رضواں کی
کہ میرے واسطے جنت یہی ہے آپ کا دامن

معطر کر رہی ہے بزمِ عالم کی فضاؤں کو
صبا شاید کہ چھو کر آ رہی ہے آپ کا دامن

نہ آیا ہے نہ آئے گا جہاں میں آپ سا کوئی
جہاں حسن سے ہے تابندہ وہی ہے آپ کا دامن

مہک جسم مبارک کی معطر کر گئی دل کو
خزینہ نکہتوں کا واقعی ہے آپ کا دامن

متاعِ امن دلبر کو عطا ہو یارسول اللہ
کہ اک گلزار امن و آشتی ہے آپ کا دامن

شیو بہادر سنگھ دلبر (بھارت)

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

وہ پیمبروں کے امیر ہیں، وہ محبتوں کے سفیر ہیں
ہو مثال اُن کی بیان کیا وہ عطائے ربِّ قدیر ہیں

وہ نظر بھی نورِ نظر بھی ہیں وہی دردِ دل کا علاج بھی
جہاں کام بس ہو نوازنا اُسی در کے ہم بھی فقیر ہیں

یہ جو رنگ و نکہت و نور ہے یہ عطاؤں کا جو ظہور ہے
کبھی چہرہ شمس مثال ہے کبھی زلفیں لیلِ نظیر ہیں

کچھ ادائیں اتنی تھی دل رُبا کہ خدا بھی مدح سرا رہا
وہی طٰہٰ ہیں وہی مصطفیٰ وہ بشیر ہیں وہ نذیر ہیں

یہ جو صبح و شام کا سلسلہ، یہ ہے عکسِ احمد مجتبیٰ
وہ تو کہکشاں نہ چراغ ہیں وہ جو ہیں سراجِ منیر ہیں

جو عذابِ جاں تمھیں گھیر لے تو اُمید اُن سے ہی باندھنا
وہ شکستہ قلب کی آس ہیں وہی مومنوں کے نصیر ہیں

تسنیم عابدی (ابوظہبی)

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

لب سے جب نامِ محمد کو نکلتے دیکھا
ہم نے ہر بار مقدر کو بدلتے دیکھا

تیرے مے خانہ میں گرنے کا تصور کیسا
جب بھی دیکھا ترے رندوں کو سنبھلتے دیکھا

کتنا روشن ہے بلالِ حبشیؓ کا چہرہ
ہم نے سورج کے کلیجے کو بھی جلتے دیکھا

کھل گیا راز مسیحائی کا آخر اک دن
ابنِ مریم کو ترے گھر سے نکلتے دیکھا

حسنِ یوسفؑ کی گرفتار زلیخا ہے مگر
لبِ یوسفؑ سے محمد ہی نکلتے دیکھا

ایسی پُرکیف ہے گلزارِ مدینہ کی طلب
ہم نے رضواں کو بھی جنت سے نکلتے دیکھا

کیوں نہ وہ لائقِ سجدہ ہو مصدق جس نے
حسن کو پیکرِ سرکار میں ڈھلتے دیکھا

مصدق لاکھانی (متحدہ عرب امارات)

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

قدم قدم پہ نواز دیتے مرے نبی کے قدومِ اقدس
عظیم اتنے کہ عرش چومے مرے نبی کے قدومِ اقدس
امام مالک کنارے چلتے قدم کی جا پر قدم نہ آئے
یہ راہیں وہ تھیں جہاں لگے تھے مرے نبی کے قدومِ اقدس
خدا نے اُس کی قسم اُٹھا کر جہاں میں عظمت نشاں بنایا
زمینِ مکہ پہ جب سے آئے مرے نبی کے قدومِ اقدس
نجات بیماریوں سے پائی مدینہ دارُ الشفا بنا ہے
زمینِ طیبہ نے جب سے چومے مرے نبی کے قدومِ اقدس
کھڑے تھے جب دو شہید اس پر اور ایک صدیقؓ ساتھ اُن کے
اُحد کی لرزش کو روکتے تھے مرے نبی کے قدومِ اقدس
نصیب طیبہ کی سرزمیں کے جو رشکِ عرشِ علا بنی ہے
چھوئے تھے اس نے بڑے ادب سے مرے نبی کے قدومِ اقدس
جب اُن کے قدموں کے نیچے سنگ آکے نرم ہوجاتے احتراماً
تو نقشِ پا اُن پہ چھوڑ جاتے مرے نبی کے قدومِ اقدس
جگانے کی اُن میں کب تھی جرأت بس اپنے کافوری ہونٹ رکھ کر
ادب سے روح الامینؑ نے چومے مرے نبی کے قدومِ اقدس
جو اونٹ جابرؓ کا تھک گیا تھا اب اتنا بھاگے پکڑنا مشکل
تھکے ہوئے اونٹ کو لگے تھے مرے نبی کے قدومِ اقدس
پہاڑ خوشیوں سے وجد کرتے ادب سے قدموں کے بوسے لیتے
جب اُن کی قسمت جگانے جاتے مرے نبی کے قدومِ اقدس

بلند رُتبہ ہے عرش و کعبہ سے طیبہ کی اُس زمیں کا ٹکڑا
لگا کے سینے سے جس نے رکھے مرے نبی کے قدومِ اقدس

قدم ہیں پُر گوشت اور واسع حسین تلوے ہیں قدرے گہرے
عروجِ حسنِ کمال پر تھے مرے نبی کے قدومِ اقدس

خلیل کے نقشِ پا کے ثانی جو دیکھے رمال چیخ اُٹھا
نقوش ایسے بنا رہے تھے مرے نبی کے قدومِ اقدس

نبی کی خدمت میں طلحہ ابن برا حاضر ہوئے جب اک دن
لپٹ گئے اور آ کے چومے مرے نبی کے قدومِ اقدس

گواہی غارِ حرا یہ دے گا کہ شکر کی منزلیں تھیں کیا کیا
کہ جن پہ چل چل کے سوج جاتے مرے نبی کے قدومِ اقدس

ملائکہ پر بچھاتے ہوں گے حلیمہؓ کا صحن اور بچپن
وہ نرم و نازک وہ پیارے پیارے مرے نبی کے قدومِ اقدس

بہشتیو! تم یہ دیکھ لینا وہیں سے پھوٹے گا حوضِ کوثر
وہ پاک منبر جہاں لگے تھے مرے نبی کے قدومِ اقدس

نبی کے قدموں کا لمس کتنا حسیں تھا غارِ حرا سے پوچھو
گداز تھے اور ٹھنڈے ٹھنڈے مرے نبی کے قدومِ اقدس

قدم کی ٹھوکر سے چشمہ پھوٹے چچا کو پانی پلائیں اور پھر
دبا کے چشمے کو روک دیتے مرے نبی کے قدومِ اقدس

نبی کی نعلین کو فضیلت ملی ہے تلووں کو چومنے سے
عروج کے بے نظیر زینے مرے نبی کے قدومِ اقدس

شرف تھا کب سابقہ اُمم کو تمام روئے زمیں ہو معبد
زمیں کو طاہر بنانے والے مرے نبی کے قدومِ اقدس

حضور کے پاس جانور آ کے جھک کے قدموں پہ سجدہ کرتے
درخت بھی آ کے چومتے تھے مرے نبی کے قدومِ اقدس

جنابِ عثمان ہر قدم پر غلام آزاد کر رہے تھے
نجات کا مژدہ لے کے آئے مرے نبی کے قدومِ اقدس

شجر بلاوے پہ آ چکا جب تو مانگے اعرابی اذنِ سجدہ
نبی نے روکا تو اُس نے چومے مرے نبی کے قدومِ اقدس

قدومِ اقدس کی برکتوں سے نحیف چوپائے فیض پاتے
توانا و تن درست کرتے مرے نبی کے قدومِ اقدس

کنائے، تشبیہیں، استعارے، میں کیوں نہ ان پر نثار کروں
مجھے یقیں ہے نواز دیں گے مرے نبی کے قدومِ اقدس

جگہ تھی منبر سے حجرے تک جو ریاضِ جنت وہ کیوں نہ بنتی
وہاں پہ کثرت سے مس ہوئے تھے مرے نبی کے قدومِ اقدس

پیوں گا دھو کر میں اُن کے تلوے ادب سے مقصودؔ چوم لوں گا
مری بصیرت اگر دکھا دے مرے نبی کے قدومِ اقدس

مقصود احمد تبسم (دبئی۔ متحدہ عرب امارات)

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

جو گل نہ ہوں گے کبھی آخری نبی کے چراغ
وہ دونوں سیرت و قرآں ہیں روشنی کے چراغ

وہ جن کو غارِ حرا سے ملا فروغ و نمود
ابد تلک وہی کام آئیں گے وحی کے چراغ

وہ جن سے جہل کی تاریکیاں ہراساں ہیں
مرے نبی نے- جلائے وہ آگہی کے چراغ

خدا کی ساری اُمنگوں کا ترجمان بن کے
جلائے موت کی وادی میں زندگی کے چراغ

وہیں پہ شمعِ نبوت نے رہنمائی کی
نہ کام آئے جہاں سطوتِ کئی کے چراغ

یہ دیکھ کر کہ ہوئی پھر فرو ہے آتشِ جنگ
بھڑک کے بجھ گئے اصنامِ آزری کے چراغ

جلائے علم و ہنر کے جو ارضِ یونان نے
زمیں میں دفن وہ سب ہوگئے کبھی کے چراغ

کہاں ہے ان میں سراجِ منیر کی سی ضیا
فریبِ دیدہ ہیں یہ آخری صدی کے چراغ

یہ نعرہ ہائے تجدد کہاں ٹھہر پائیں
جو روشنی کے ہیں لیکن بہت ہی پھیکے چراغ

دیارِ کفر کی شب کی کمر ہی ٹوٹ گئی
دہک اُٹھے جو اندھیروں کا خون پی کے چراغ

یہ سارے عکس اسی پیکرِ ضیا کے ہیں
رکھے ہیں بامِ خرد پر جو روشنی کے چراغ

غبارِ رہ کو ترے سُرمۂ نظر جانیں
سہیل و زہرہ و مریخ و مشتری کے چراغ

یہ کہکشاں نہیں، بلکہ خوشی میں مہماں کی
جلا کے عرش پہ رکھے خدا نے گھی کے چراغ

گھٹا سکے نہ یہ تنویر تیرے سورج کی
اگرچہ خوب جلے علم و زیرکی کے چراغ

جہانِ فکر و ادب کو ملا فروغ ان سے
جلائے تو نے کچھ ایسے سخن وری کے چراغ

چراغِ لالۂ گلشن سے ہے بہارِ وجود
کوئی بجھا کے نہ دیکھے کبھی کسی کے چراغ

نظر کے گوشے چمکتے کہاں ہیں ان کے بغیر
رہیں فروزاں دبستانِ ہاشمی کے چراغ

بتانِ فکر و نظر کی پرستشیں نہ کرو
کہ ضوفشاں ہیں ابھی نورِ سرمدی کے چراغ

یہ اشتیاقِ حضوری بھی ہے کرم ان کا
جھلک اُٹھے سرِ مژگاں جو سرخوشی کے چراغ

کبیرِ خلقِ خداوندِ کبریا نے جلائے
بتوں کے دیس میں اللہ کی دوستی کے چراغ

حیاتِ نو کی طلب مجھ کو ہو نہ کیوں کاشفؔ
پکارتے ہیں مجھے کوچۂ نبی کے چراغ

مختار احمد کاشف (دبئی۔ متحدہ عرب امارات)

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

تمام عمر کی محنت وصول ہو جائے
بس ایک نعت کا مصرع قبول ہو جائے

کہاں میں شمس کا طالب قمر کا شیدائی
یہ خاکسار مدینے کی دھول ہو جائے

مجھے بھی کاش اویس و بلال کے صدقے
نصیب دولتِ عشقِ رسول ہو جائے

اگر نبی کی محبت سے دل نہیں لبریز
تو پھر یہ ساری عبادت فضول ہو جائے

سند عطا ہو غلامی کی سبز گنبد سے
ہمارے حق میں بشارت نزول ہو جائے

یہ اُن سے عشقِ مجسم کا فیض ہے اطہر
کوئی رضا کوئی تاج الفحول ہو جائے

حسن رضا اطہر (بھارت)

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتابِ زیست کے سارے ہی باب آپ کے ہیں
ازل سے لکھے ہیں جو بھی نصاب آپ کے ہیں
ہر ایک سمت سے اُٹھتی صدائے اللہ ہو
جو لا رہی ہے یہاں انقلاب آپ کے ہیں
یہ وقت آپ کے اعجاز کی گواہی ہے
یہ ساری صدیاں، زمانے جناب آپ کے ہیں
ندا یہ آتی ہے اب تک جہاں سے الا اللہ
مقامِ شوق، منابر، مناب آپ کے ہیں
ملیں فضیلتیں آدم کو سب فرشتوں پر
پسِ جواب جو دار الکتاب آپ کے ہیں
ہماری سانسیں معطر مشامِ جاں لبریز
روش روش پہ مہکتے گلاب آپ کے ہیں
یہ خشک و تر کی جو رنگینیاں ہیں آپ سے ہیں
خزانے جتنے بھی ہیں زیرِ آب آپ سے ہیں
تمام دنیا کی رونق یہ کائنات کے رنگ
مخ الحدیث بہ لب لباب آپ کے ہیں
مجال کیا ہے جو شیطان آپ تک آئے
کہاں کسی کے ہیں جو رُعب داب آپ کے ہیں
ہیں خوش نصیب صحابہ پہ رحمتیں رب کی
لذیذ جن کے دہن کو لعاب آپ کے ہیں

شعورِ زیست ہے بس آپ کے غلاموں کو
تمام ذرّے بنے آفتاب آپ کے ہیں
انھیں یہ دنیا سروں پہ بٹھا کے رکھتی ہے
غلام جو بھی رسالت مآب آپ کے ہیں
تمام دنیا میں بس خوش نصیب لوگ ہیں وہ
درِ نیاز پہ جو بار یاب آپ کے ہیں
لبوں پہ نامِ محمد کا ورد جاری ہے
درونِ ذات یہ مکشوف باب آپ کے ہیں
بھٹکتی قوم کو راہِ نجات پہ لائے
متاعِ نیک کے اجر و ثواب آپ کے ہیں
ہماری جاگتی آنکھیں ہیں دید کی طالب
ہماری نیند میں سارے ہی خواب آپ کے ہیں
قدم قدم پہ گو دشواریوں کا سامنا ہے
زُہد شعار مگر کامیاب آپ کے ہیں
سفر میں کوئی صعوبت نہ سدِ راہ بنی
محبتوں کے سروں پر سحاب آپ کے ہیں
اگرچہ سنگ زنی بھی یہاں عروج پہ ہے
وفورِ شوق سے روشن شہاب آپ کے ہیں
درود پڑھنے سے آسانیاں ملیں اصغرؔ
کرو سوال کہ مثبت جواب آپ کے ہیں

علی اصغر عباس (فیصل آباد)

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

اُن کو چاہیں ہم ہمیشہ اُن کو ہی سوچا کریں
نقشِ پا جو آپ کا مل جائے تو چوما کریں

یوں زمینِ دل پہ نعتِ مصطفیٰ تحریر ہو
روشنی ہو قلب میں اور خوش بوئیں ڈیرا کریں

کامیابی دونوں عالم میں اگر درکار ہے
ان کے رستے پر چلیں اور ذکر بھی ان کا کریں

افضل و اعلیٰ وظیفہ ہے درودِ پاک کا
رب کی اس سُنّت کو ہم وردِ زباں رکھا کریں

شاعری کے اصل مقصد سے کبھی غافل نہ ہوں
حمدِ رب لکھا کریں، نعتِ نبی لکھا کریں

حکمِ سرور ہے یہی ہم کذب و غیبت سے بچیں
عدل کی میزان پر خود کو بھی ہم پرکھا کریں

ہے یہ فرمانِ رسالت اس میں شک کوئی نہیں
اپنے بچوں کا محمد نام ہم رکھا کریں

آمدِ سرکار کا طاہرؔ مہینہ آگیا
ذکرِ پاک مصطفیٰ گھر گھر کریں ہر جا کریں

طاہر سلطانی (کراچی)

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

یہ دل حضور کی اُلفت سے پُر اگر دیکھوں
تو کیا غرض ہے مجھے جو اِدھر اُدھر دیکھوں

نبی کی یاد میں جس وقت آنکھ تر دیکھوں
وہ لمحہ زیست کا اپنی میں کارگر دیکھوں

کٹے گا پھر تو سفر نیکیوں کی جھرمٹ میں
جو طیبہ جاتے ہیں ان کو میں ہم سفر دیکھوں

نبی کے ذکر کی محفل سجی ہو جس گھر میں
چمکتے نور میں اس کے میں بام و در دیکھوں

ملے جو طیبہ میں بسنے کو مجھ کو اے یوسفؔ
نصیب اپنا چمکتا میں کس قدر دیکھوں

محمد یوسف (کراچی)

خطوط

خطوط

علامہ کوکب نورانی اوکاڑوی (کراچی)

اللہ کریم جل شانہ اپنے حبیب کریم ﷺ کے صدقے ہم سب کو مسلکِ حق اہلِ سنّت و جماعت پر استقامت اور دارین میں عفوو مغفرت سے نوازے، آمین

ماہِ رمضان المبارک ۱۴۲۵ھ کی پہلی شب آپ جامع مسجد گل زارِ حبیب تشریف لائے اور کتابی سلسلہ ''نعت رنگ'' کا شمارہ ۱۷ عطا فرمایا۔ ۱۴۲۶ھ میں مکّہ مکرمہ میں یوم عرفہ ۹ رجنوری ۲۰۰۶ء کو تھا، اس شام آپ میرے گھر آئے اور ''نعت رنگ'' کا شمارہ ۱۸ عنایت فرمایا، یہ شمارہ ''اعلیٰ حضرت (مولانا شاہ احمد رضا بریلوی (رحمۃ اللہ علیہ) نمبر'' یعنی خصوصی اشاعت ہے۔ شمارہ ۱۷ کے صفحات ۵۱۲ ہیں اور شمارہ ۱۸ تو ۸۰۴ صفحات کی ضخامت لیے ہوئے ہے۔ تیرہ سو صفحات کے یہ دونوں شمارے ''نعت رنگ'' کے باب میں آپ کی خدمات کے تسلسل اور آپ کو حاصل سعادتوں کا واضح ثبوت ہیں۔ ''نعت رنگ'' نے دس سال کی مدّت مکمل کرلی ہے۔ اس دوران تحریروں کی مقدار اور معیار میں بھی اضافہ ہُوا۔ ''نعت رنگ'' کی گونج اب سمتوں میں سُنی جارہی ہے۔ صدق واخلاص کے ساتھ یہ پُرعزم سفر کام یاب رہا۔ اللہ کریم جل مجدہ آپ کی ہمتوں میں مزید برکت فرمائے، آمین

''نعت رنگ'' کے شمارہ ۱۸ کی اشاعت تک یہ فقیر شمارہ ۱۷ کا پورا مطالعہ نہیں کرسکا تھا۔ ثبات ایک تغیر کو ہے زمانے میں۔ اس عرصے میں کیا کچھ بیتی، اس کا تذکرہ کیا کروں۔ آپ نے شمارہ ۱۸ کے لیے مضمون کا مسلسل تقاضا کیا اور یہی فرماتے رہے کہ تاخیر صرف میرے مضمون کی وجہ سے ہورہی ہے۔ مضمون بمشکل مکمل کیا۔ آپ نے اس مضمون کے ملنے کے بعد بھی چار ماہ گزار دیے۔ آپ کو ضرور ایسی مشکلات کا سامنا رہا ہوگا کہ اتنی تاخیر ہوئی۔ خوشی ہے کہ آپ لمبے وقفے کے بعد ہی سہی مگر ضخیم اور عمدہ شمارہ پیش کرنے میں کام یاب رہے۔ اس شمارے (۱۸) میں میرا خط نہ پاکر جانے کتنے آزردہ ہوئے ہوں، کچھ آسودہ بھی ہوئے ہوں گے۔ وہ احباب جو مستقل مضمون کے خواہاں تھے، شاید انھیں خوشی ہوئی ہو۔

محترم صبیح رحمانی صاحب! ایک بار پھر ''نعت رنگ'' کے لیے یہ تحریر پیش کرتے ہوئے عرض گزار

ہوں کہ مجھے کبھی یہ احساس نہیں ہوا، نہ ہی یہ خیال کبھی آیا کہ مجھ میں کوئی علمی کمال ہے یا فصاحت و بلاغت کا مجھے کوئی ہنر حاصل ہے۔ بفضلہٖ تعالیٰ مجھے عیب جوئی، دل آزاری اور اختلاف برائے اختلاف سے بھی کوئی شغف نہیں۔ تحریر و تقریر کا شغل اس لیے ہرگز نہیں کہ نام وری چاہیے نہ ہی کسی دنیوی مفاد کی تکمیل مقصود ہے۔ تمنا ہے تو اتنی کہ زبان و قلم سے کوئی ایک ہی جملہ ایسا ادا ہو جائے جو میرے کریم و رحیم آقا کی بارگاہِ بے کس پناہ میں شرفِ قبولیت پالے اور یہ یقین ہے کہ ایسا بھی صرف اُن کے کرم سے ممکن ہے ورنہ میری حیثیت اور قابلیت ہی کیا ہے؟ اللہ کریم جل شانہ کا فضل و احسان ہے کہ اُس نے اپنے حبیب کریم ﷺ کی مدح و ثنا بیان کرنے کی مجھے توفیق دی ہے، اللہ کریم مجھے زوالِ نعمت سے بچائے، آمین

''نعت رنگ'' میں اب تک مطبوعہ میرے خطوط کو جن مہربانوں نے پسند کیا اور محبت و شفقت سے پذیرائی کی ان کا بہت شکریہ۔ اللہ کریم انھیں جزائے خیر عطا فرمائے، آمین۔ وہ تمام ''دوست'' جو میری تحریروں میں درج حقائق کا کوئی جواب تو نہ دے سکے البتہ میری تحریروں میں انھیں فرقہ واریت، مسلکی جانب داری اور فقہی ابحاث کا احساس ہوا، اُن کا شکریہ بھی ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ انھوں نے میری تحریروں کو پڑھا اور اپنی رائے اور تاثر کا اظہار فرمایا۔ گزشتہ خطوط میں اس حوالے سے بہت تفصیل سے لکھ چکا ہوں، اس کی تکرار اس لیے ضروری نہیں کہ یہ ''دوست'' غلط بات کے جواب اور حقائق کے بیان ہی کو معترضہ ٹھہراتے ہیں اور اعتراض کرتے ہوئے یہ خیال نہیں کرتے کہ اُن کا یہ فعل بھی تو ان کے اپنے مسلک اور فرقے سے وابستگی کا اظہار ہی ہے ورنہ وہی بتائیں کہ میرے پیش کردہ حقائق پر انھوں نے اعتراف یا معقول و منقول دلائل سے جواب کی بجائے صرف اعتراض کرنا ہی کیوں پسند کیا؟ ''نعت رنگ'' کے ۱۸ شمارے سات ہزار صفحات پر مشتمل ہیں۔ اپنی کسی ایک تحریر میں کسی ایک معترض نے بھی فی الواقع کوئی جواب لکھا ہوتا تو معترضین مجھے ہدفِ طعن و تشنیع بناتے اچھے لگتے؛ مگر مجھے ان سب کے اعتراضات نے یہی ''تاثر'' دیا ہے کہ نعت شریف اور نعت کے ممدوح سے دفاع کرتے ہوئے کسی نعت گو، نعت خواں یا کسی مصنف و مؤلف اور ناقد و محقق کہلانے والے کو ہرگز کچھ نہ کہا جائے، خواہ اس کی بات شرعی ایمانی، اخلاقی طور پر کتنی ہی غلط کیوں نہ ہو۔ ظاہری بات ہے کہ یہ ''تاثر'' مجھے کسی طور قبول نہیں ہو سکتا، اس لیے اُن سب لوگوں کا مجھے ہدفِ ملامت بنانا میرے لیے کسی ناگواری کا باعث نہیں، مجھ گناہ گار کو یہ لوگ جو چاہیں کہیں، جب تک میرے پیش کردہ حقائق کو یہ لوگ فی الواقع جھٹلا نہیں پاتے، اُن کا مجھے ملامت کرنا ہرگز سود مند نہیں ہوگا۔

جانے کیوں یہ احساس بہت شدت سے ہونے لگا ہے کہ ہم سب (الا ماشاء اللہ) خود پسندی و خود رائی اور خاصی حد تک انانیت کے گھائل ہیں، رہی دو رُخی یعنی منافقت تو اس کا تناسب بھی ہمارے مزاج میں کم نہیں۔ جھوٹ نے ہماری معاشی و معاشرتی زندگی سے بہت کچھ چھین لیا ہے۔ تقویٰ و تزکیہ کی باتیں لگتا

ہے کہ کتابوں کہانیوں ہی میں رہ گئیں۔ اللّٰہ کریم جلّ مجدہ اپنی رحمت سے ہمیں نوازے اور ہمارے معاصی سے درگزر فرمائے، آمین۔ اپنی تحریر کی ابتدا میں بھی اپنے ہر اُس قاری و سامع سے معافی چاہتا ہوں جسے مجھ سے کوئی تکلیف پہنچی ہو اور اپنے ہر اُس قول و فعل کے لیے جو حق و صواب نہیں، اللّٰہ کریم جلّ شانہ کی بارگاہ میں رجوع کرتے ہوئے طالبِ عفو و مغفرت ہوں۔

''نعت رنگ'' کے شماروں میں نعت خوانی کے حوالے سے بھی بہت سی تنقیدی اصلاحی باتیں ہوئی ہیں۔ ان باتوں سے کچھ نعت خواں حضرات خفا بھی ہوئے ہیں اور بات وہی ہوئی کہ نعت خواں کے طرز و طریق اور انداز و اطوار کو کیوں غلط کہا گیا، یعنی نعت شریف کے آداب نہیں رکھے گئے تو یہ ذکر ہی کیوں ہوا؟

لگ بھگ ڈیڑھ دو برس سے کچھ نعت خوانوں کے نئے طرز کے لباس اور انداز پر اہلِ سنّت علما کی طرف سے تحریر و تقریر میں بہت کچھ لکھا کہا گیا ہے اور محافلِ نعت میں نامناسب باتوں کے نئے چلن کے حوالے سے اصلاحی پروگرام بھی ہوئے لیکن بہت قلق ہے کہ اسے منفی اور مخالف تحریک قرار دیا گیا اور اصلاح کی بجائے ڈھٹائی کا مظاہرہ ہُوا۔

یہ گناہ گار عرض گزار ہے کہ ''میڈیا'' (ذرائع ابلاغ) کی کثرت و سہولت کو مثبت فوائد حاصل کرنے کے لیے اگر رَوا جانا گیا ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ شرعی حدود و قیود اور ادب آداب کو یکسر نظر انداز کر دیا جائے۔ پاپ سنگرز کی طرح مختلف جگہوں پر طرح طرح کے لباس بدل بدل کر اور بغیر ادب کے نامناسب انداز میں کھڑے بیٹھے باہیں لہراتے ہوئے نعت شریف پڑھنا کس طرح روا ہو سکتا ہے؟ مرد نعت خوانوں کا خواتین کے لیے بنائے گئے کپڑے اور ڈیزائن کا لباس پہننا اور بالخصوص کالے رنگ کی شلوار یا پاجامہ اور زنانہ مخصوص دوپٹوں کا عمامہ پہننا یقیناً نعت شریف کے تقدس کو فراموش کرنا ہے۔ یہ طرز و طریق ان نعت خوانوں کی زندگی کا معمول ہرگز نہیں، نہ ہی اُن کی مستقل عادت ہے۔ بغیر محفل اور اہتمام کے نعت شریف پڑھنا بھی انھیں شاید ہی مرغوب ہو۔ یہ نامناسب نئے طرز و طریق ''کیمرے'' کے لیے انھوں نے دیکھا دیکھی اپنا لیے ہیں اور نہیں سوچا کہ ان کا اپنا تعارف اور عزت ''نعت خوانی'' کے حوالے سے ہے اور نعت شریف کے حوالے سے یہ لباس و انداز ہرگز درست نہیں۔ نعت خوانی ''شوبز'' کا حصہ نہیں، نہ ہی نعت خوانی کوئی کمرشیل آرٹ ہے اور نہ ہی نعت خواں عرفِ عام میں کوئی ایسا شخص ہے کہ اسے ان لوگوں کی صف میں شمار کیا جائے جنھیں مروّجہ انداز میں گلوکار اور آرٹسٹ کہا جاتا ہے۔ نعت خواں بھی یہ بات سناتے نظر آتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے اپنے صحابی حضرت حسان ابن ثابت رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ کے لیے منبر لگوایا جس پر صحابیِ رسول نے ادب سے کھڑے ہو کر نعت شریف پڑھی۔ کیا یہ روایت انھیں آدابِ نعت کی تفہیم کے لیے کافی نہیں؟ ریش و دستار کے ساتھ تو متانت اور وقار کا تصور کیا جاتا ہے اور نعت شریف اور محافلِ نعت کو

مقدس جانا جاتا ہے لیکن ''اسم الٰہی کے ذکر'' کے یہ نئے نامناسب چلن، جھنکار اور ردھم کے یہ نئے انداز بلاشبہ نعت شریف کے تقدس کے منافی ہیں۔ جانے کیوں یہ گمان گزرتا ہے کہ محافلِ نعت کی کثرت سے بلبلا اُٹھنے والوں کی طرف سے یہ کوئی سازش ہوئی ہے جسے یہ نئے نعت خواں سمجھ نہیں پائے یا یہ ہوا کہ اس نئے چلن کو فروغ دینے کے لیے ''مخالفین'' کی طرف سے ''پذیرائی'' دی اور دلوائی گئی تا کہ وہ مسلکِ حق اور اہلِ حق پر زبانِ اعتراض دراز کر سکیں۔ اگر یہ میرا گمان ہی ہے اور ''مخالفین'' کی سازش نہیں تو پھر ان نئے نعت خوانوں کو خود پر یہ وبال کیوں قبول ہے؟

نعت خوانی کرتے ہوئے نعت شریف کے ساتھ اسم الٰہی کے ذکر کے بارے میں اہلِ سنّت علمائے کرام نے حقائق واضح کیے۔ قرآن و سنّت کی پاس بانی کرنے والے علمائے حق کا دینی شرعی ہدایات و تعلیمات کی روشنی میں مرتب کیا ہوا صحیح ''فتویٰ'' نہ ماننا بہت سنگین جرم قرار پاتا ہے۔ کوئی شرعی ہدایات و تعلیمات پر عمل نہ کرے تو وہ گناہ گار ہوگا، لیکن نہ ماننا تو بہت شدید جرم ہوگا۔ واضح رہے کہ کسی عالمِ حق نے اسمِ الٰہی کے ذکر کو ہرگز ناجائز نہیں کہا۔ انھوں نے واضح کیا ہے کہ نعت خوانی کرتے ہوئے جس طرح رِدھم اور موسیقیت کے رچاؤ کے لیے بہت تکلف کے ساتھ یعنی ایک خاص آواز بنا کر اور تلفظ میں نمایاں فرق کر کے بلکہ بگاڑ کے معبود کریم اللہ جلّ شانہ کا نام لیا جا رہا ہے جب کہ اسمِ الٰہی کا ذکر مقصود بھی نہیں تو یہ فعل جائز نہیں۔ اللہ کریم جلّ مجدہ کے پاک نام کی تعظیم کے لیے دیے گئے اس فتوے کو نہ ماننا یقیناً کوئی اچھا فعل نہیں اور اس فعل کو جاری رکھنا ہرگز ''کارِ خیر'' نہیں۔

مجھے احباب نے کہا کہ: ''تم اپنی اس حق گوئی سے نعت خوانوں میں ناپسندیدہ شخصیت ہو رہے ہو پہلے یہ تھا کہ تم نثر و نظم میں نارواباتوں پر اظہارِ حقیقت کرتے تھے اب نعت خوانی کے اس نئے انداز پر جو شرعی موقف بیان کر رہے ہو، اس کے سبب تم تنہا رہ جاؤ گے اور تمھیں اپنی مخالفت کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے۔''

اس کا جواب پھر دہراتا ہوں کہ مجھ میں لاکھ عیب ہیں لیکن مَیں جو بات کر رہا ہوں اس میں تو غلطی نہیں۔ پھر یہ بھی دیکھا جائے کہ اللہ کریم جلّ مجدہ اور اس کے رسولِ کریم ﷺ کی تعظیم و تقدیس ہی کے لیے مَیں کہہ رہا ہوں۔ اگر اس بنیاد پر مجھے ''ناپسندیدہ'' قرار دیا جاتا ہے تو مجھے کوئی آزردگی نہیں۔ اللہ کریم جلّ شانہ سے کچھ مخفی نہیں۔ میری نیت اور فعل میں خیر ہے۔ اللہ کریم ضرور کرم فرمائے گا اور میرے پیارے نبی پاک ﷺ کے ان نعت خوانوں کو آدابِ نعت اور پاسِ شریعت کا احساس ہو جائے گا۔

''نعت رنگ'' شمارہ ۱۷ کے مشمولات کا ذکر کرنے سے پہلے اس شمارے میں شامل خطوط سے ان باتوں کا جواب پیش کرنا چاہتا ہوں جو میری تحریروں کے بارے میں ہیں۔

جناب احمد صغیر صدیقی کا مکتوب شمارہ ۱۷ میں ص ۴۹۳ سے ص ۴۹۸ تک ہے۔ احمد صغیر صدیقی

صاحب لکھتے ہیں: ''اس سے آگے مضامین مختلف شعرا کی نعت گوئی سے متعلق ہیں۔ سب کے سب تقریظی ہیں۔ ان کے بارے میں کیا لکھا جاسکتا ہے۔ ایسے مضامین نہ قاری کے کام کے ہوتے ہیں نہ ممدوح کے۔ (ص ۴۹۴، شمارہ ۱۷)

محترم صبیح رحمانی صاحب! اس بارے میں یہ فقیر بھی اپنے ایک خط میں آپ کو متوجہ کرنے کی جسارت کرچکا ہے کہ آپ تنقیدی و تحقیقی تحریریں کم شامل کررہے ہیں یا آپ کے پاس ایسی تحریریں نہیں آرہی ہیں۔ مختلف شعرا کی نعت گوئی سے متعلق تحریروں کی اشاعت بھی تنقید و تحقیق کے ساتھ کیجیے تاکہ ''نعت رنگ'' کا مقصد پورا ہو۔

ص ۴۹۵ پر احمد صغیر صدیقی صاحب کے مکتوب میں ہے: ''حسب معمول مولانا کوکب نورانی کا خط تفصیلی ہے۔ اکثر خطوط میں مولانا صاحب کے خطوں پر دلچسپ تبصرے دیکھنے کو ملے۔ قیصر نجفی صاحب نے لکھا ہے... ''اُن کی اپنے مسلک کے حوالے سے خوش اعتقادی سر آنکھوں پر لیکن غیر ارادی طور پر اسے مسلط کرنے کی کاوش قابلِ رشک نہیں۔'' (ص ۴۹۸) اسی طرح رشید ارشد صاحب نے لکھا ہے... ''گزشتہ شماروں میں وہ جس انداز سے اکابرِ دیوبند کی تحقیر کرچکے ہیں وہ کسی نوع بھی انسب نہیں۔'' (ص ۴۰۸) اس جگہ میں مولانا صاحب کے ان اقتباسات اور حوالوں کا ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں جو انھوں نے چھ سات ممتاز دینی شخصیات کی تحریروں سے ''نعت رنگ'' کے شمارے نمبر ۱۳ میں ص ۲۸۰ سے ص ۲۹۴ میں پیش کیے ہیں۔ مَیں اُن اکابر کی تحریروں کو پڑھ کر حیران رہ گیا۔ یہاں مَیں یہی کہوں گا کہ خوش اعتقادی اپنی جگہ مگر حقائق سے چشم پوشی بھی اچھی بات نہیں۔ ایک خط ریاض حسین زیدی صاحب کا ہے وہ لکھتے ہیں... ''کاش حضرت والا (روئے سخن مولانا کوکب نورانی کی طرف ہے)... بے جواز دلائل کے انبار در انبار لگا کر اپنے آپ کو کنویں کا مینڈک نہ بنایا کریں۔'' (ص ۴۱۱) میرا خیال ہے ریاض صاحب تنقید کرتے وقت اگر الفاظ کے چناؤ میں کچھ احتیاط برتتے تو اچھا ہوتا، ویسے اب اس کو کیا کیجیے کہ مولانا محترم کے خط میں زیادہ تر فقہی تنازعات ہی کا ذکر رہتا ہے۔ ان کے اس خط میں بھی یہ باتیں ہیں...''

احمد صغیر صاحب صدیقی کا مکتوب جاری ہے، تاہم اس کے اتنے حصے کا جواب عرض کرتا ہوں۔ قیصر نجفی صاحب نے میری کتاب ''نعت اور آدابِ نعت'' پر تبصرہ کیا جسے ''نعت رنگ'' میں شاملِ اشاعت کیا گیا، اس تحریر سے احمد صغیر صاحب صدیقی نے یہ جملہ نقل فرمایا ہے۔ اگر تفصیل لکھوں تو وہ احمد صغیر صاحب کو گراں گزرے گی مگر نجفی صاحب یا احمد صغیر صاحب اپنی بات کی تائید میں میری تحریروں سے ایسا کوئی اقتباس تو پیش کرتے کہ مَیں اپنا مسلک ''مسلط'' کرنے کی کاوش کررہا ہوں، خواہ غیر ارادی طور پر ہی سہی۔ اس فقیر نے کیا اور کیوں تحریر کیا ہے؟ اس کی حقیقت میری تحریروں میں واضح ہے۔ جناب رشید ارشد

کے مکتوب سے اقتباس پیش کر کے احمد صغیر صاحب صدیقی نے خود ہی جواب میں لکھا کہ ''حقائق سے چشم پوشی بھی اچھی بات نہیں۔'' مجھے خوشی ہے کہ انھوں نے حقائق کا اعتراف کرنے کی بات کی۔ احمد صغیر صاحب نے جناب ریاض حسین زیدی کے جواب میں بھی خود ہی احتیاط کی آرزو ظاہر کی لیکن ساتھ ہی یہ بھی لکھ گئے کہ ''مولانا محترم کے خط میں زیادہ تر فقہی تنازعات ہی کا ذکر رہتا ہے۔'' جی تو میرا یہی چاہتا ہے کہ ''فقہ'' اور ''فقہی تنازع'' کی تعریف اور تفصیل لکھوں اور پھر جناب احمد صغیر صدیقی اور معترضین سے ان کے اعتراض کی حقیقت پوچھوں۔

جناب سیّد صبیح رحمانی ''نعت رنگ'' شمارہ ۱۷ کے ابتدائیہ میں لکھتے ہیں: ''میں نے ہمیشہ ''نعت رنگ'' کو ایک ایسی محفل بنانے کی کوشش کی ہے جہاں مختلف الخیال احباب اپنے اپنے مکتب فکر و اندازِ نظر کے ساتھ شریک ہو کر ذکر نبی کریم ﷺ کے فکری، مذہبی، ادبی اور فنی پہلوؤں پر گفتگو کر سکیں۔ یہی نہیں بلکہ ادب کا عام مگر باشعور قاری بھی اس گفتگو میں اسی اہمیت کے ساتھ اپنی رائے کا اظہار کر سکے جس کا حق ہم صرف لکھنے والوں کو دیتے رہے ہیں۔ ایک ایسے فورم پر جہاں اظہارِ رائے کی آزادی ہو وہاں مباحث کا دائرہ صرف فکری، ادبی اور فنی نہیں رہتا بلکہ کہیں کہیں اور کبھی کبھی مسلکی اور فقہی بھی ہو جاتا ہے۔ میرے خیال میں ایسا ہونا کوئی بری بات نہیں ہے کہ یہ چیزیں بھی ہمارے لیے معنی رکھتی ہیں اور ہم اپنے نظریات کو اسی روشنی میں واضح کرتے ہیں۔ (ص ۹)

محترم سیّد صبیح رحمانی صاحب! آپ فرماتے ہیں کہ مباحث کا دائرہ مسلکی اور فقہی بھی ہو جاتا ہے اور ایسا ہونا بری بات نہیں جب کہ احمد صغیر صاحب کا لہجہ شکوے کا ہے کہ ''زیادہ تر فقہی تنازعات ہی کا ذکر رہتا ہے''۔ مجھے آپ دونوں سے پوچھنا ہے کہ نعت گوئی کو کیا آپ ''فکری، ادبی اور فنی'' پہلوؤں ہی سے دیکھنا چاہتے ہیں؟ میرے نزدیک نعت گوئی میں اہم بات دینی و ایمانی اور اعتقادی ہے۔ آپ اسے صرف مسلکی اور فقہی کہنا چاہتے ہیں اور اس کے لیے شکوہ کرنے یا روا جاننے کی باتیں کر رہے ہیں۔ اللّٰہ کریم جل شانہ اور اس کے حبیب کریم ﷺ کے بیان میں اظہار رائے کی آزادی کا وہ تصور نہیں کیا جا سکتا جو فکری، ادبی اور فنی حوالوں سے نظم و نثر میں روا سمجھا جاتا ہے۔ آپ ہی نے لفظ ''نعت'' کے غلط استعمال پر ایک رسالے کی جسارت کو مذموم جانا تھا۔ اسے کیا آپ نے صرف مسلکی یا فقہی تنازع گردانا تھا؟ لفظ ''حمد'' کے بارے میں جناب یحییٰ نشیط نے حضرت مولانا محمد عبدالحکیم شرف صاحب قادری اور میرے موقف سے جو اختلاف اور جس طرح اختلاف رکھا وہ آپ نے دیکھا۔ کیا وہ بھی فقہی یا مسلکی نزاع تھا؟ ''نعت رنگ'' شمارہ ۱۷ میں آپ نے ایک مذاکرے کی تفصیل شامل کی ہے، اس مذاکرے میں جناب محمد فیروز شاہ کا یہ بیان ص ۳۶۶ پر درج ہے: ''حمد کے لفظ کو لوگوں نے کم علمی کے باعث اللّٰہ کی تعریف سمجھ رکھا ہے حالاں کہ حمد کا

لفظ کسی صفات کی تعریف کے لیے آتا ہے یعنی کسی نے کوئی عظیم کارنامہ سرانجام دیا۔ آپ نے اس کی تعریف کی تو یہ حمد ہے۔ قرآن حکیم نے خود اس لفظ کی وضاحت کر دی ہے۔ اہلِ کتاب کی مذمت کرتے ہوئے اللہ ان کا یہ عیب بیان کرتا ہے: ''ویحبون ان یحمدوا بمالم یفعلوا''

وہ چاہتے ہیں کہ جو کارنامہ انھوں نے سرانجام ہی نہیں دیا اُس پر اُن کی ''حمد'' ہو۔ (۳/۱۸۸)

لوگوں نے کتنی غلطی پھیلا رکھی ہے کہ حمد کے معنی ہیں خدا کی تعریف اور نعت کے معنی ہیں رسول ﷺ کی تعریف... نادانوں نے یہ بھی نہ سوچا کہ میرے رسول کا تو نام ہی محمد ﷺ ہے یعنی بہت زیادہ اور بار بار حمد کیا ہوا۔ اسی پر غور کر لیا جاتا تو یہ عالم گیر غلط فہمی نہ پھیلتی۔ مشہور شعر ہے:

حمد بے حد مر خدائے پاک را　　　آں کہ ایماں داد مشت خاک را

اقبال نے مثنوی ''مسافر'' میں یا شاید ''پس چہ باید کرد'' میں اسے یوں تبدیل کر دیا ہے:

حمد بے حد مر رسول پاک را　　　آں کہ ایماں داد مشت خاک را

اس کا مطلب ہے وہ حمد کے مفہوم سے اچھی طرح واقف تھا۔ حمد کی جمع ''محامد'' ہے۔ کتب حدیث میں جہاں سرورِ عالم ﷺ کے کارنامے گنائے جاتے ہیں تو لکھتے ہیں: فی محامد النبی ﷺ... اردو زبان میں نعتِ رسول ﷺ تو بہت لکھی گئی حمدِ رسول ﷺ بہت کم لکھی گئی...

اس اقتباس پر جناب یحییٰ نشیط یا کسی نے کوئی اعتراف یا اعتراض تا حال نہیں لکھا۔ آپ بتایئے کیا یہ بھی مسلکی اور فقہی تنازع ہی شمار ہوگا؟ کچھ ایسا تو نہیں کہ صرف کوکب نورانی اوکاڑوی کا لکھا ہوا متنازع یا معترضہ قرار دیا جاتا ہے!

قرآن کریم میں ہے: لیتفقهوا فی الدین. (التوبہ:۱۲۲)

اور حدیث شریف ہے ''من یرد الله به خیرا یفقهه فی الدین''. (بخاری شریف)

کسی چیز کو جاننے اور معلوم کرنے کو لغت میں فقہ کہتے ہیں۔ اصطلاحی طور پر علمِ فقہ کی تعریف یہ کی جاتی ہے کہ شرعی فروعی احکام کا جاننا جو ادلہ شرعیہ سے اخذ کیے گئے ہوں۔

لفظ: ''فقہ'' کے معنی کسی عربی لغت میں نہیں، اردو لغت ہی میں دیکھ لیے جائیں۔ ''علمی اردو لغت (جامع)'' مؤلفہ جناب وارث سرہندی (مطبوعہ علمی کتب خانہ، لاہور، ۱۹۹۳ء) کے ص ۱۰۵۷ پر ہے: ''فقہ: (ع امت) سمجھ۔ واقفیت۔ دانائی ۲ قانونِ شریعت کے مسائل کا علم... فقہی: (ع صف) دیکھیے ''فقہ'' جس سے یہ منسوب ہے۔''

اس لغت کے مطابق لفظ ''فقہی'' کا پہلا لفظی معنی تو سمجھ داری اور دانائی کی بات ہے اور دوسرا اصطلاحی معنی قانونِ شریعت کے مسائل کا علم بتاتا ہے۔ ''نعت رنگ'' میں نعت شریف ہی کے حوالے سے

مضامین اور منظومات ہوتی ہیں۔ نعت شریف کے بیان میں سمجھ، دانائی اور شریعت سے واقفیت ضروری ہے۔ احمد صغیر صاحب صدیقی خود ہی بتائیں کہ انھیں میرے خطوط میں کہیں مسائل کا تنازع ملا؟ جہاں کہیں لکھنے والوں نے شانِ الوہیت اور شانِ رسالت کے منافی کچھ لکھا اور مَیں نے اسے محسوس کیا تو بتادیا کہ میری دانست کے مطابق حقائق کیا ہیں۔ ''نعت رنگ'' کے ۱۸ شماروں میں مجھے طنز وطعن کا ہدف تو خوب بنایا گیا۔ بے جواز دلائل کا انبار لگادینے کی بات میرے لیے بلا جھجک لکھی گئی لیکن کسی نے بھی میری کسی دلیل کا جواب لکھنے اور اسے بے جواز ثابت کرنے کی زحمت نہیں کی، نہ ہی میرے پیش کردہ حقائق کو غلط ثابت کیا۔ ظاہری بات ہے کہ حقائق گوارا نہیں یا پھر حقائق کا بیان پسند نہیں۔ کوئی نہ مانے یا پسند نہ کرے تو کیا حقائق بدل جائیں گے؟

شریعت میں ''اہم'' کام کسے کہتے ہیں؟ احمد صغیر صاحب صدیقی شاید نہیں جانتے تاہم احمد صغیر صاحب صدیقی مزید لکھتے ہیں: ''مولانا نے اپنے خط میں بہت سے پڑھے لکھے لوگوں پر گرفت کی ہے اور خاصے تند لہجے میں مگر حسب معمول خط کے آخر میں لکھ دیا... '' ...... کسی کی ذاتی دل آزاری ہوئی ہو تو معافی چاہتا ہوں...'' یہ سادگی قابلِ دید ہے اور ایسی ہی ہے کہ دو چار پنچ مار کر مَیں کسی سے کہوں ''جناب اگر اس حرکت سے آپ کی ذاتی دل آزاری ہوئی ہو تو معاف کیجیے گا۔'' (ص ۴۹۶، شمارہ ۱۷)

احمد صغیر صاحب صدیقی نے میرے خطوط کے مطالعے کے باوجود یہ اعتراض جانے کیوں کیا ہے۔ میرے پیش نظر صرف تحریر ہوتی ہے۔ ''نعت رنگ'' شمارہ ۱۷ میں شامل اپنی تحریر سے دو اقتباس اُن کی توجہ کے لیے پیش کرتا ہوں: ۱: ''ظہیر صاحب غازی پوری نے میرے لیے یہ تو فرمایا کہ سکّے کا ایک ہی پہلو دیکھنے کا عادی ہوں، لیکن میری تحریر سے اپنی تائید میں کوئی ثبوت پیش نہیں کیا۔ ظہیر صاحب سے عرض ہے کہ خوبی و خامی تو خود بولتی ہے اور مَیں عیب یا نقص ڈھونڈنے کے لیے تحریریں نہیں پڑھتا، جہاں کہیں کوئی عیب یا نقص ہو، وہ مَیں صرف اس غرض سے واضح کرتا ہوں کہ غلطی کی اصلاح ہوجائے اور اس غلطی سے رجوع کرلیا جائے تاکہ وہ ایمان کے لیے مسئلہ نہ ہوجائے اور ایمانیات کا باب بہت اہم ہے، اس میں سرزد ہونے والی کسی غلطی کو غلطی نہ کہنا بھی غلطی ہے، اس کا مَیں مجرم نہیں ہونا چاہتا۔ اللہ کریم ہماری غلطیوں سے درگزر فرمائے، آمین۔'' (ص ۴۲۸، شمارہ ۱۷)

۲۔ ''کس نے لکھا ہے؟ یہ میرے پیش نظر نہیں ہے بلکہ پیش نظر ہے کہ کس کے بارے میں لکھا ہے؟ اور کیا اور کیسے لکھا ہے؟ میری یہ تنقید وتحقیق ان مضمون نگاروں کو شاید گراں گزرے لیکن وہ میری یہ وضاحت فراموش نہ کریں کہ میرا مقصود صرف ناموسِ رسالت مآب ﷺ کی پاس بانی اور پاس داری ہے کسی کی دل آزاری نہیں، اور نبی پاک ﷺ کے بیان میں ہم آزاد نہیں بلکہ پابند ہیں۔'' (ص ۴۴۲، شمارہ ۱۷)

احمد صغیر صاحب صدیقی نے خود اپنے لہجے کی تندی و تلخی کو صائب جانا وہ بتائیں کہ حقائق واضح کرنے کو کیا ''پنچ مارنا'' کہا جائے گا۔ وہ یہ بھی دیکھیں کہ یہ فقیر تو معافی چاہ لیتا ہے جب کہ کچھ لکھنے والے تو اللہ کریم جل شانہ اور اس کے رسولِ کریم ﷺ کے بارے میں نہایت نامناسب الفاظ اور جملے لکھ کر بھی توبہ و معافی نہیں چاہتے۔ اس کے باوجود بھی احمد صغیر صاحب صدیقی کیا صرف مجھے ہی ملامت فرمائیں گے؟

وہ مزید لکھتے ہیں: ''مولانا کی گرفت کے انداز کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے جناب رشید ارشد نے مدیر ''نعت رنگ'' کو مشورہ دیا ہے۔ ''ہو سکے تو رسالے کا مسودہ مولانا کو دکھالیا کریں اور پھر شائع کریں تاکہ مولانا موصوف کا قیمتی وقت بچ جائے اور مقالہ نما خط کی تحریر کی زحمت سے بچ جائیں اور رسالے کا غالب حصہ فرقہ پرستی، مناظرتی کش مکش اور کفر و اسلام کی بحث سے محفوظ رہ سکے۔'' (ص ۴۹۶، شمارہ ۱۷)

احمد صغیر صاحب صدیقی نے شمارہ ۱۷ میں ص ۴۲۸ سے ۴۴۰ تک جناب رشید ارشد کے مکتوب کا جواب میری تحریر میں ملاحظہ فرمایا ہوگا۔ اس تفصیل کے بعد احمد صغیر صاحب فرمائیں کہ رشید ارشد صاحب کے اعتراض کی حقیقت کیا ہے؟ وہ اگر رشید ارشد صاحب کے اعتراض ہی کو درست مانتے ہیں تو میرے مفصل جواب کا معقول دلائل سے ردّ فرمانے کی زحمت گوارا کریں۔ جناب احمد صغیر صدیقی مجھے اور میرے اندازِ گرفت کو برا جاننا تو شوق سے بیان کردیتے ہیں، میری تحریر کا جواب کیوں نہیں لکھتے؟

احمد صغیر صاحب لکھتے ہیں: ''...چلتے چلتے اس ضمن میں ظہیر غازی پوری کے خط سے چند سطور اور دیکھ لیں...وہ زیرِ نظر شمارے کے ص ۳۹۷ پر لکھتے ہیں...''جناب کوکب نورانی...سکّے کا ایک پہلو پیش کرنے کے عادی ہیں اور ہر تحریر میں کوئی نہ کوئی نقص یا عیب ڈھونڈ لیتے ہیں۔''...ظہیر صاحب کی اس بات کی دلیل میں، اس جگہ مَیں اپنے ایک گزشتہ خط سے اپنا ایک جملہ لکھنا چاہتا ہوں...جملہ تھا...''ہم سب کو حکم ہے کہ کسی کام کو کرنے سے قبل بسم اللہ پڑھ لیا کریں۔'' اب مولانا کوکب نورانی نے اس میں کیا عیب ڈھونڈا اور کیا لکھا وہ پیش کررہا ہوں۔ مولانا لکھتے ہیں، ''اس میں ''کسی بھی کام'' کے الفاظ محلِ نظر ہیں کیا ایسا ہی حکم ہے؟ پھر آگے لکھتے ہیں کہ بسم اللہ کا حکم صرف جائز نیک اور صحیح کام کے لیے ہے۔ (یہاں میں بتادوں کہ جملہ لکھتے وقت میرے ذہن میں صرف اچھے کاموں کا ہی تصور تھا۔ مگر مولانا نے ''کسی بھی کام'' میں جو رخنہ رہ گیا تھا اُسے دیکھ لیا) افسوس وہ رائی کا پربت بناتے ہوئے یہ بالکل بھول جاتے ہیں کہ دوسرے بھی نظر رکھتے ہیں۔ مثلاً اسی جگہ میرے جملے پر اعتراض کرتے ہوئے انھوں نے مسند احمد سے عبارت کا ترجمہ دیا ہے...جس میں لکھا ہے: ''ہر اہم کام جس کی ابتدا بسم اللہ سے نہ کی گئی ہو وہ ابتر یعنی ناقص ہے۔'' میں مولانا سے پوچھنا چاہتا ہوں ''ہر اہم کام'' کے الفاظ میں کیا وہی سقم نہیں جو انھیں میرے الفاظ ''کسی بھی کام'' میں نظر آیا؟ (چور کے لیے چوری ایک نہایت ''اہم کام'' ہوتا ہے) اس مثال سے میں دراصل یہ بتانا چاہتا ہوں

کہ ظہیر غازی پوری صاحب نے جو کچھ لکھا ہے وہ صداقت سے خالی نہیں... مولانا مناسب سمجھیں تو ان باتوں پر بھی کچھ توجہ دیں۔ وہ اکثر و بیش تر تحریر میں معمولی جھول دیکھ کر فوراً اعتراض کر دیتے ہیں۔'' (ص۴۹۶، ۴۹۷، شمارہ ۱۷)

احمد صغیر صاحب نے تسلیم کیا کہ: ''مگر مولانا نے ''کسی بھی کام'' میں جو رخنہ رہ گیا تھا اسے دیکھ لیا۔'' اُن سے عرض ہے کہ آپ نے بسم اللہ شریف کے تذکرے میں ''چور کے لیے چوری ایک نہایت ''اہم کام'' ہوتا ہے'' لکھ کر جس ''نظر'' کا ثبوت دیا ہے اسی کے تدارک کے لیے اس فقیر نے خامہ فرسائی کی تھی۔ احمد صغیر صاحب صدیقی کے اس جملے: ''افسوس وہ رائی کا پربت بناتے ہوئے یہ بالکل بھول جاتے ہیں کہ دوسرے بھی نظر رکھتے ہیں'' کے جواب میں اُن کے اپنے خطوط سے کچھ جملے نقل کرنے کو جی چاہا تاکہ وہ آئینہ دیکھیں اور جان لیں کہ ذہن میں موجود اچھے تصور کے بارے میں وہ بھی صرف حرف و لفظ ہی کے سقم پر معترض ہوتے ہیں، لیکن مجھے صرف اسی بات کو واضح کرنا تھا جو بقول اُن کے، اُن کے ذہن میں تو تھی مگر اُن کے جملے میں نہیں تھی اور میں نے اِس رخنے ہی کا ذکر کیا تھا۔ رائی کا پربت نہیں بنایا۔ اگر وہ ایسا سمجھتے ہیں تو معذرت خواہ ہوں۔ رہی بات ظہیر صاحب غازی پوری کی تائید میں احمد صغیر صاحب کے بیان کی تو ''نعت رنگ'' شمارہ ۱۷ کے ص۴۲۸ پر اس فقیر کا جواب آپ چند سطور پہلے ملاحظہ فرما چکے ہیں اور ص۴۷۵ سے ۴۷۷ تک ظہیر صاحب کے جواب میں جو مَیں نے لکھا ہے اسے شمارہ ۱۷ میں ملاحظہ فرمائیں اور اس کا جواب تحریر فرمائیں تاکہ معلوم ہو کہ ان کے جملے میں کتنی صداقت ہے۔

وہ ملاحظہ فرمائیں، جناب حافظ عبدالغفار حافظ ''نعت رنگ'' شمارہ ۱۷ کے ص۵۰۰ پر اپنے مکتوب میں لکھتے ہیں: ''ظہیر غازی پوری صاحب نے اپنے خط (ص۳۹۷) میں اوکاڑوی صاحب کے بارے میں لکھا، ''ہر تحریر میں کوئی نہ کوئی عیب یا نقص ڈھونڈ ہی لیتے ہیں۔ واقعی کمال کی نظر رکھتے ہیں۔'' ظہیر صاحب کا یہ الزام بالکل غلط ہے۔ اس کا حقیقت سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ یقین نہ ہو تو تعصب کی عینک اُتار کر ''نعت رنگ'' کے صفحات دوبارہ پڑھیں۔ یہ تو کوئی بات نہ ہوئی کہ اگر کسی اعتراض کا جواب نہ بن پڑے تو خواہ مخواہ الزام تراشی شروع کر دی جائے۔'' (ص۵۰۰۔۵۰۱، شمارہ ۱۷)

احمد صغیر صاحب نے ص۴۹۷ پر میرے ایک جملے کی سہوِ کتابت پر بالکل صحیح گرفت فرمائی ہے، اس کے لیے ان کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ وہ لکھتے ہیں: ''انھوں (کوکب نورانی) نے ص۳۸۹ نیچے سے چھٹی سطر میں ایک جملہ لکھا ہے... ''مجھے حیرت ہے (فلاں) کو سمجھ کیوں نہیں آیا۔'' اب میں اگر اس پر اعتراض کروں کہ یہ کون سی زبان ہے تو وہ کیا کہیں گے؟ لکھتے وقت روانی میں اِس طرح کی غلطیاں ہو جاتی ہیں۔'' (ص۴۹۷، شمارہ ۱۷) مَیں نے اس جملے کو مسودہ میں دیکھا تو حاشیہ میں اس کی تصحیح موجود تھی جو کمپوزر سے

رہ گئی۔ ہر چند یہ تصحیح لسانی ہے، شرعی ایمانی نہیں مگر نشان دہی کا شکریہ۔ وہ لکھتے ہیں: ''اسی طرح مولانا نے مجھے ایک جگہ جاہلِ مطلق کے درجے پر بھی رکھ دیا ہے۔ (ص ۴۶۷، شمارہ ۱۵) ان کی عبارت دیکھیے... ''احمد صغیر صدیقی صاحب سے عرض ہے کہ منتخب، سروری، صراح، موید، کشف، برہان اور کنز یہ کتبِ لغات کے نام ہیں وہ انھیں دُرّوں یا دِرّوں کے نام نہ سمجھیں لیں۔''... اس ضمن میں بس اتنا ہی کہہ سکتا ہوں کہ مَیں اُن کی عزت کرتا ہوں۔ (ص ۴۹۷، شمارہ ۱۷)

احمد صغیر صاحب صدیقی نے ''نعت رنگ'' شمارہ ۱۶ میں اپنے مکتوب میں اس حوالے سے کچھ نہیں لکھا تھا گمان ہوتا ہے کہ کسی نے اُن کی توجہ کہیں بعد میں اس طرف مبذول کروائی ہوگی یا خود انھوں نے دوبارہ مطالعے میں اس پر توجہ فرمائی ہوگی۔ یہ بات ''دِرّوں'' کے حوالے سے اُن کے اعتراض کے جواب میں لکھی گئی تھی اور اُن کے ''دماغ'' کی کیفیت کے اظہار کے بعد انھی کے لہجے میں لکھی گئی تھی۔ وہ شمارہ ۱۵ میں اپنا مکتوب خود ملاحظہ فرمائیں، اُن کے اس مکتوب میں ان کی جھلاہٹ واضح ہے، میرا یہ لہجہ اسی کا جواب تھا۔

احمد صغیر صاحب لکھتے ہیں: ''مولانا صاحب کی تحریر سے مجھے معلوم ہوا کہ جن صاحب نے لکھا تھا کہ حضور اکرم ﷺ کے اندر چار سو مردوں کے برابر طاقت تھی وہ درست نہیں بلکہ ان کے اندر چار ہزار مردوں کے برابر طاقت تھی۔ (اگر مجھے ماخذ کا سراغ دے دیا جائے تو بہت ممنون ہوں گا۔) مولانا نے اس سلسلے میں لکھا ہے کہ اس بات سے ''آ گہی'' کتنے مسائل حل کرتی ہے یہ سب ''دماغ'' کیسے جان سکتے ہیں۔ انھوں نے لکھا ہے کہ اس خصوصیت کے بیان سے رسولِ پاک ﷺ کی تعدادِ ازواج پر کیے جانے والے اعتراضات کرتے رہے ہیں وہ تو دلیل اور منطق تک سے قائل نہیں ہوئے، بھلا انھیں یہ ''بیان'' کس طرح مطمئن کرسکتا ہے؟ اور یہ بات بھی ڈھکی چھپی نہیں کہ ایسے اعتراضات کا جواب دیا جا چکا ہے۔ تعدادِ ازواج کا تعلق مختلف قبائل کو شیر وشکر کرنے سے تھا، اس کے پیچھے معاشرے کی بہبود بھی پنہاں تھی ورنہ صرف بیوہ اور معمر خواتین پر ہی توجہ نہ دی جاتی۔ میرے نزدیک یہ دلیل ''طاقت'' والے ''بیان'' کے مقابلے میں بہتر ہے۔'' (ص ۴۹۷، شمارہ ۱۷)

اس موضوع پر ان شاء اللہ تعالیٰ کبھی تفصیل لکھوں گا۔ ماخذ کے حوالے سے جناب احمد صغیر صدیقی سے عرض ہے کہ زرقانی علی المواہب، سبل الہدیٰ والرشاد اور خصائصِ کبریٰ میں درج روایات دیکھ لیں۔ مَیں نے اس بات کو بھی ایک دلیل کہا ہے، ''بہتر'' یا صرف اسی کو دلیل نہیں کہا۔ جناب احمد صغیر صدیقی ''نعت رنگ'' شمارہ ۱۶ میں میرا لکھا ہوا بغور پھر دیکھ لیں۔

''نعت رنگ'' شمارہ ۱۷ میں حضرت مولانا ملک الظفر صاحب سہسرامی (بھارت)، جناب حافظ عبدالغفار حافظ (کراچی)، جناب ہمایوں اشرف (لندن) اور جناب محمد زبیر قادری (بھارت) نے اپنے

خطوط میں مجھ گناہ گار کے لیے محبت وعقیدت اور شفقت کا اظہار فرمایا۔ یہ فقیر اُن سب کا شکریہ ادا کرتا ہے اور اپنے لیے حق پر استقامت کی دعا کا بھی ان سب سے درخواست گزار ہے۔ مولانا ملک الظفر سہ سرامی سے میری کبھی ملاقات نہیں ہوئی، ان کی تحریریں ماہ نامہ ''جامِ نور''، دہلی میں دیکھی ہیں۔ وہ لکھتے ہیں: ''... اب تک ان (کوکب نورانی) کی جانب سے پیش کیے گئے دلائل کو غلط نہیں بتایا جاسکا ہے اور نہ ہی اُن کے قائم کیے ہوئے اعتراض کا مدلل جواب سامنے آیا ہے۔ البتہ جن حضرات کی تحریر اُن کے اعتراض کی زد میں رہی اور اُن سے اس کا جواب نہ بن پڑا تو انھوں نے موصوف پر طرح طرح کے ناروا الزام عائد کیے، کبھی انھیں مجلسِ مناظرہ میں خطاب کرنے والے مناظر سے تعبیر کیا گیا تو کسی نے ان پر مسلکی اجارہ داری کا الزام عائد کیا۔ کبھی لٹھ باز خطیب سے انھیں مشابہت دی گئی۔ ان کے مکاتیب کا مطالعہ کرنے والے انصاف پسند قارئین پر ان الزامات کی قرار واقعی حیثیت روشن ہے۔'' (ص ۴۹۳، شمارہ ۱۷)

اس اقتباس کو اپنی تحریر میں پیش کرنے کا مقصد صرف اتنا ہے کہ وہ عالمِ دین ہیں اور اُن کا فرمانا بھی یہی ہے کہ میری جانب سے پیش کیے گئے دلائل کو غلط نہیں بتایا جاسکا، نہ ہی میرے قائم کیے ہوئے اعتراض کا مدلل کوئی جواب سامنے آیا ہے۔

گوشۂ خطوط میں جناب پروفیسر محمد فیروز شاہ آف میاں والی لکھتے ہیں: ''دونوں امتیازات ہی اتنے بڑے ہیں کہ میرا تو احترام سے سر جھک جاتا ہے اور اسی جھکے سر کے ساتھ بڑے احترام سے آپ دونوں مکرم و محترم شخصیات سے درخواست کناں ہوں کہ دنیائے ادب میں رائج ''بے ادبیوں'' کی آلودگیوں سے کنارہ کش رہیے کہ یہ آپ کے شایانِ شان نہیں... اختلافِ رائے کو سرکار ﷺ نے باعثِ رحمت قرار دیا تھا... اسے زحمت نہ بنائیے۔'' (ص ۵۰۴)

مجھے اس اقتباس میں ''احترام سے سر جھک جاتا ہے'' کے الفاظ محلِ نظر لگے، علاوہ ازیں میرے پیارے نبی پاک ﷺ نے جس اختلاف کو باعثِ رحمت قرار دیا ہے اسے پہچاننا ضروری ہے۔

محترم جناب سیّد صبیح رحمانی! ''نعت رنگ'' کے شمارہ ۱۷ میں آپ کا ابتدائیہ خلافِ معمول قدرے طویل ہے۔ آپ نے مضمون نگاروں کے لیے ''حاضر ہوئے ہیں'' کے لفظ لکھے ہیں، کیا اس کی بجائے ''شامل ہوئے ہیں'' لکھنا مناسب نہ ہوگا؟ آپ نے لکھا ہے: ''اُن کا یہ مضمون اُن کی تحقیقی لگن کے ساتھ ساتھ ورفعنا لک ذکرک کی حقانیت کو ہمارے سامنے لاتا ہے۔'' (ص ۱۰، شمارہ ۱۷) میرے نزدیک یہ جملہ قابلِ اصلاح ہے۔ آپ نے لکھا ہے: ''پروفیسر محمد اقبال جاوید نے سیرت، نعت اور اعلیٰ ادبی وسماجی اقدار پر بہت کچھ لکھا ہے۔ ''نعت رنگ'' کے معماروں میں ہیں۔ ان کا مضمون عصرِ حاضر کے نعت نگاروں کو ان کی کوتاہیوں سے آگاہ کرنے کے ساتھ ساتھ اصلاحِ احوال پر اُکسانے کی ایک کام یاب کوشش ہے۔''

(ص ۱۱، ۱۱، شمارہ ۱۷) مجھے ''اُکسانے'' کا لفظ بھی یہاں موزوں نہیں لگا۔ اُبھارنے اور ترغیب کے لفظ بہتر ہوتے۔ ص ۱۲ پر آپ کے ابتدائیے میں ''طاہرانِ حرم'' کے لفظ ہیں۔ کیا یہ لفظ ''طاہران'' کمپوزنگ کی غلطی ہے یا آپ نے یوں ہی لکھا ہے؟ ص ۸ پر آپ نے دیوانِ بوصیری سے نعتیہ قطعہ لکھا ہے اور پاورق میں آپ لکھتے ہیں: ''مندرجہ بالا عربی نعتیہ قطعہ دورِ حاضر کا مقبول و معروف قطعہ ہے۔ مگر اس کا انتساب اب تک واضح نہ تھا۔ اسے کہیں حضرت حسان بن ثابت سے منسوب کیا گیا ہے اور کہیں امام اعظم ابوحنیفہ سے۔ جب کہ مشہور محقق ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی نے اپنے تحقیقی مقالے میں اسے امام شرف الدین بوصیری سے منسوب کیا ہے جو بجا طور پر درست معلوم ہوتا ہے۔ حوالے کے لیے دیکھیے: (''برصغیر پاک و ہند میں عربی نعتیہ شاعری'' ص ۴۰۲، مطبوعہ ۲۰۰۲ء، ناشر مرکز معارفِ اولیا، محکمہ اوقاف، حکومت پنجاب۔'' (مرتب)

(ص ۸، شمارہ ۱۷)

مجھے بخوبی یاد ہے کہ نبیرۂ جناب محمد قاسم نانوتوی، جناب قاری وحید ظفر قاسمی نے اسے پڑھا تھا تو لوگوں نے جاننا چاہا کہ یہ کلام کس کا کہا ہوا ہے؟ میرے والد گرامی علیہ الرحمہ نے میرے استفسار پر مجھے ''مجموعۃ القصائد'' نامی کتاب دکھائی، مطبع مجتبائی دہلی سے یہ کتاب ۱۳۲۷ھ/ ۱۹۰۹ء میں طبع ہوئی۔ اس کے ص ۲۷ پر عنوان ہے: ''القصیدہ الھائیۃ لمحمد ن الحنفی وقال بعضم للامام البوصیری''۔ اس عنوان نے اس قطعے کو دو شخصیات سے منسوب کیا ہے۔ میری ذاتی لائب ریری میں ''دیوان البوصیری'' کا جو تازہ نسخہ ہے یہ میری فرمائش پر جناب سیّد محمد اشرف اشرفی، ساکن امریکا نے دو برس پہلے مجھے دبئی سے لاکر دیا تھا۔

اس نسخے میں یہ قطعہ موجود ہے۔ صفحہ نمبر پر اس قطعے کا نمبر ۵۴ ہے۔ اس حوالے سے چند قدیم نسخے مختلف مطابع کے دیکھے جائیں تو صحیح تحقیق ہو سکتی ہے۔ ڈاکٹر محمد اسحٰق صاحب قریشی اس حوالے سے اپنی تحقیق تحریر فرما دیں تو آسانی ہو جائے گی۔

'نعت رنگ'، شمارہ ۱۷ میں میاں والی میں ہونے والے ''نعت پر غیر رسمی مذاکرہ'' کی روداد میں جناب محمد فیروز شاہ نے اس مشہور قطعے (یا صاحب الجمال و یا سیّد البشر الخ) کو جانے کیوں جناب محمد انور شاہ کاشمیری سے منسوب کر دیا ہے اور صدر مدرس کی بجائے انھیں مہتمم دارالعلوم دیوبند لکھ دیا ہے۔ اس سے قبل کسی نے اسے حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی علیہ الرحمہ سے منسوب کیا تھا، جب کہ خود حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کی تحریر میں ہے، لکھتے ہیں: ''...علی الخصوص شرح صدر مصطفوی کو کہ کسی بشر کو ممکن نہیں ہے کہ قرار واقعی اس کو دریافت کر سکے، اس واسطے کہ آپ کے کمال کا مرتبہ کہ نبوت کا خاتمہ ہے کسی کو حاصل نہیں ہے تو آپ کے مرتبے کی پہچان بھی کسی کو حاصل نہ ہوگی۔ ولنعم ما قیل یعنی کیا اچھی بات کہی ہے کسی شاعر نے، قطعہ: یا صاحب الجمال و یا سیّد البشر، من وجھک المنیر لقد نور القمر،

لایمکن الثناء کما کان حقه، بعداز خدا بزرگ توئی قصہ مختصر۔ یعنی اے صاحبِ جمال اور اے سردار آدمیوں کے تیرے چہرۂ روشن سے تحقیق روشن ہوا ہے چاند، نہیں ممکن ہے تعریف کرنا جیسا کہ لائق ہے ان کے، بعد خدا کے بزرگ تو ہی ہے قصہ کوتاہ۔" (ص۳۷۸/۴، اردو ترجمہ تفسیر عزیزی، موسوم بہ تفسیر فتح العزیز، پارہ عم، مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی، پاکستان چوک، کراچی) ایک کتاب میں حضرت احمد جام سے اس قطعے کو منسوب کیا گیا تھا، یہی نہیں بلکہ حضرت مولانا نورالدین عبدالرحمٰن جامی، حضرت حافظ شیرازی اور شیخ سعدی شیرازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے نام بھی لیے گئے تاہم مجھے اس نعتیہ قطعے کے شاعر کے بارے میں تاحال پورے وثوق سے معلوم نہیں ہوسکا۔

"نعت رنگ" ص۱۵ شمارہ ۱۷ کے ص۱۴ پر جناب ریاض شیخ کی جانب سے مشہور خطاط صوفی خورشید عالم خورشید مرحوم کی خطاطی میں جناب احسان دانش مرحوم کا ایک شعر درج ہے ۔

دانش میں خوفِ مرگ سے مطلق ہوں بے نیاز
مَیں جانتا ہوں موت ہے سنّت حضور کی

لیس ٹر، برطانیا کے جناب مولانا قاری حفیظ الرحمٰن چشتی نے سال بھر پہلے مجھے بیرونِ ملک سفر کے دوران فون کیا تھا اور اس شعر کے ان الفاظ "موت ہے سُنّت حضور کی" کے بارے میں پوچھا تھا کہ لفظ "سُنّت" کو شاعر نے کس معنی میں یہاں بیان کیا ہے؟ عرض کی کہ تاویل ہوسکتی ہے یا نہیں؟ اس سے قطع نظر یہ ہے کہ مجھے پورے شعر کا مفہوم جو سمجھ میں آیا ہے اُسے سامنے رکھتے ہوئے یہ بیان یوں قبول نہیں اور میرے نزدیک اس کے پہلے مصرع کا بیان بھی قابلِ توجہ ہے۔

"نعت رنگ" ۱۷ کے ص ۱۵ سے ڈاکٹر سیّد محمد ابوالخیر کشفی کا مضمون شروع ہوا ہے۔ عنوان ہے: 'نعت کے جگنوؤں کے تعاقب میں، ماضی کا سفر'۔ کشفی صاحب اس سے قبل اپنے آبائی مکان کے زنان خانے میں نعت شریف کی برکات کے تذکار لکھ چکے ہیں، یہ مضمون انھوں نے "مردان خانے" کے حوالے سے لکھا ہے۔ لکھتے ہیں: "ہماری رشیدہ باجی کہتی تھیں کہ جب کلیاں درود شریف پڑھتی ہیں تو کھل کر پھول بن جاتی ہیں۔ اس بات کو سائنس کی میزان میں نہ تولیے، اِس سے اُس مسلم معاشرے کے مزاج کو سمجھنے کی کوشش کیجیے۔ معاشرے اسی طرح پھول بن کر کھلتے ہیں اور ان کی خوش بو ساری دنیا کی فضاؤں میں تیرتی ہوئی انسانوں کو اور دوسرے مسافروں کو معطر بنا دیتی ہے۔ سونے سے پہلے ہم سب خاصی بلند آواز میں مسنون دعائیں اور دُرود پڑھتے ... ہر جمعرات اور جمعہ کو دُرود کا خاص اہتمام کیا جاتا۔" (ص۱۵)

کشفی صاحب کا یہ مہکتا بیان پڑھ کر اس کی مہک سے دیر تک لطف اندوز ہوتا رہا۔ اُن کا قلم ان کے "اپنوں" کے حوالے سے کچھ یہی بتاتا ہے کہ جس ماحول میں وہ پلے بڑھے وہاں عقیدت و محبت اور خوش

عقیدہ مزاج ہی نمایاں تھا۔ اہلِ محبت کی باتیں ہی قلوب واذہان میں چمن سجاتی ہیں۔ یہ گمان نہ کیا جائے کہ اہلِ محبت کی باتیں حقائق سے متضاد ہوتی ہیں یا حقیقت سے بالکل خالی ہوتی ہیں۔ ہر قلب و ذہن کی رسائی اُن تک نہیں ہوتی۔ فکر ہر کس بقدر ہمت اوست۔ مواہب لدنیہ حضرت امام قسطلانی کی مشہور کتاب ہے۔ سیرتِ نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام پر اس کتاب کے بارے میں حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں: ''المواہب اللدنیہ بھی اُن (امام قسطلانی) کی ہی تصنیف ہے جو اپنے باب میں لاثانی ہے۔''
(بستان المحدثین، ص ۲۰۳، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی)

امام قسطلانی اپنی کتاب میں لکھتے ہیں: ''اور اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کے آنسوؤں سے تر و تازہ عود اور زنجبیل اور صندل اُگایا اور انواع واقسام کی خوش بوئیں پیدا کیں اور حضرت حوا یہاں تک روئیں کہ اُن کے آنسوؤں سے قرنفل اور گرم مسالے کے اجزا اگ آئے۔'' (ص ۲۶ مطبوعہ تاج پریس، حیدر آباد دکن، ۱۳۴۲ھ)

علامہ کمال الدین دمیری لکھتے ہیں: ''شارح تنبیہ شیخ شرف الدین بن یونس کی کتاب ''مختصر الاحیاء'' میں باب الاخلاص میں مذکور ہے کہ جو شخص خالص اللہ کے لیے کوئی عمل کرتا ہے اور رضائے الٰہی کے علاوہ کوئی دوسرا مقصود نہیں ہوتا تو اُس پر اور اُس کے آنے والی نسلوں پر اس کی برکت کے آثار نمایاں ہوتے ہیں۔ چناں چہ مذکور ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام جنت سے اُتر کر زمین پر تشریف لائے تو جنگل کے تمام جانور آپ کو سلام کے لیے حاضر ہوئے اور آپ سلام کے جواب کے ساتھ ساتھ اُن کی ضروریات کے مطابق اُن کو دعائیں دیتے رہے۔ چناں چہ آپ کے پاس ہرن کا ایک ریوڑ آیا، آپ نے اُن کے لیے دعا فرمائی اور اُن کی پُشت پر ہاتھ پھیر دیا۔ آپ کے ہاتھ پھیرنے کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے مشک جیسی قیمتی چیز اُن میں پیدا فرما دی۔ جب باقی ہرنوں نے دیکھا تو معلوم کیا کہ تمہارے اندر یہ قیمتی چیز کہاں سے آئی؟ انھوں نے بتایا کہ صفی اللہ حضرت آدم علیہ السلام کی زیارت کرنے گئے تھے تو انھوں نے ہمارے حق میں دعا فرمائی اور ہماری پُشت پر اپنا دستِ مبارک پھیر دیا۔

یہ سُن کر باقی ہرن بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ چناں چہ آپ نے اُن کے لیے بھی دعا فرمائی اور اُن کی پشتوں پر بھی ہاتھ پھیرا لیکن اُن کے اندر مشک جیسی کوئی چیز پیدا نہیں ہوئی۔ انھوں نے اپنے ساتھیوں سے شکایت کی کہ جو کام تم نے کیا وہی ہم نے کیا اور ہمارے ساتھ بھی وہی معاملہ پیش آیا لیکن جو شے تم کو حاصل ہوئی وہ ہم کو حاصل نہیں ہوئی۔ کیا وجہ ہے؟ چناں چہ ان ہرنوں کو بتایا گیا کہ تمہارا یہ عمل اس لیے تھا کہ تم کو وہ شے مل جائے جو تمہارے بھائیوں کو ملی ہے لیکن تمہارے بھائیوں کا وہ عمل خالص اللہ کے لیے تھا اور اس میں کوئی طمع شامل نہیں تھا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اُن کو اور اُن کی آنے والی نسلوں کو

اس برکت سے نواز دیا اور قیامت تک یہ اس سے مستفید ہوتے رہیں گے۔“

(حیاۃ الحیوان الکبریٰ (عربی)، ص ۲۰۷/۲، اردو ترجمہ ص ۴۲۸/۲، مطبوعہ ادارہ اسلامیات لاہور)

حکیم الامت مفسر قرآن حضرت مولانا مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ”مثنوی شریف میں ایک واقعہ نقل کیا کہ حضور سیّد عالم ﷺ کے جسم پاک پر کبھی مکھی نہیں بیٹھی اور کیوں بیٹھتی۔ وہ ہرجائی ہے۔ گندی جگہ بھی بیٹھ جاتی ہے اور اس بارگاہ میں ہرجائی کا کام نہیں۔ اسی طرح جو شخص ہر مجلس کی زینت بن جاتا ہو۔ اچھی بُری ہر صحبت میں بیٹھتا ہو وہ بھی یہاں سے نکال دیا جاتا ہے۔ مگر شہد کی مکھی حاضر بارگاہ ہوتی تھی کبھی لباس شریف پر قربان ہوتی، کبھی جسم پاک پر تصدق ہوتی۔ ایک بار شہد کی مکھی حاضرِ خدمت تھی۔ اس سے سوال فرمایا کہ اے مکھی یہ تو بتا کہ تو شہد کس طرح بناتی ہے؟ اس نے عرض کیا، یا حبیب اللہ (صلی اللہ علیک وسلم) ہم بیلا، چمبیلی، گلاب، جوہی وغیرہ ہر قسم کے پھولوں کا رس چوستے ہیں اور جب اپنے گھر آ کر اُگل دیتے ہیں تو وہ شہد ہوتا ہے۔ اس پر ارشاد فرمایا کہ ان پھولوں کا رس تو پھیکا ہوتا ہے اور شہد میٹھا، یہ بتا کہ ان پھیکے رسوں میں شیرینی کہاں سے آتی ہے، اس نے جواب دیا۔

گفت چوں خوانیم بر احمد درود　　　　می شود شیریں و تلخی را ربود

یا حبیب اللہ (صلی اللہ علیک وسلم) ہمارے پیٹ یا مونھ میں شکر نہیں ہے بلکہ ہم جب گلشن سے پھول چوس کر چلتے ہیں تو آپ پر درود شریف پڑھتے ہوئے اپنے گھر آتے ہیں، شہد کی یہ شیرینی اس درود پاک کی برکت سے ہے۔“

کشفی صاحب کے یہ جملے پھر پڑھیے: ”معاشرے اسی طرح پھول بن کر کھلتے ہیں اور اُن کی خوش بو ساری دنیا کی فضاؤں میں تیرتی ہوئی انسانوں کو اور دوسرے مسافروں کو معطر بنا دیتی ہے۔“ (ص ۱۵، شمارہ ۱۷)

یہ جملے کشفی صاحب کی متعدد تحریروں میں موجود خود اُن کی اپنی تحریر کی ہوئی بہت سی باتوں کا جواب بھی ہیں۔ کشفی صاحب نے لکھا کہ: ”ہم سونے سے پہلے خاصی بلند آواز میں مسنون دعائیں اور دُرود پڑھتے.... ہر جمعرات اور جمعہ کو دُرود کا خاص اہتمام کیا جاتا۔“ یہ بات واضح کرتی ہے کہ گھر کے بزرگ اپنے بچوں کی ایمانی و روحانی تربیت پر توجہ دیں تو ماحول میں کتنی برکت ہوتی ہے۔ گھروں میں یہ انداز و اطوار کچھ اتنی تیزی سے ختم ہوئے کہ اب بچوں کو پہلا کلمہ بھی صحیح اعراب سے کم ہی یاد ہے۔ کشفی صاحب نے لکھا کہ: ”آٹھ نو برس کی عمر میں ہم سونے کے لیے مردان خانے میں ”منتقل“ کر دیے جاتے۔“ (ص ۱۵، شمارہ ۱۷)

اُن کی یہ بات بھی واضح کرتی ہے کہ اُن کے گھر کے بڑے اسلامی تعلیمات اور اخلاقی قدروں سے آگاہ اور اُن کی اہمیت سمجھتے تھے۔ آج معاشرے میں ناواقفی نے کتنے مسائل پیدا کر دیئے ہیں کہیں ”جنرے شن گیپ“ کی باتیں ہیں اور کہیں فرقِ مراتب نہ ہونے اور والدین و اولاد کے حقوق کی کھلی خلاف ورزی کی

شکایات ہیں۔

کشفی صاحب لکھتے ہیں: ''میں اوّل اوّل مردان خانے میں عمو جان (والد محترم حضرت ثاقب کان پوری) کے بڑے پلنگ پر اُن کے ساتھ سوتا۔ جب کچھ اور بڑا ہوا تو میرا چھوٹا سا پلنگ اُن کے پلنگ کے برابر بچھا دیا گیا۔ وہ مجھے حیاتِ طیبہ محمد عربی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے واقعات، صحابہ کرام کے کارنامے اور بزرگانِ دین کے قصے سُناتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مبارک، حضرت سفیان ثوری، حضرت شبلی، حضرت بایزید بسطامی رحمہم اللہ عنہم اجمعین کے نام اور واقعات اسی زمانے سے میرے حافظے کا حصہ ہیں۔ عمو جان ملکوں ملکوں کی لوک کہانیاں سناتے۔ وہ ستاروں کو بھی پہچانتے تھے۔ منور اور روشن تاروں کو ہمیں دکھاتے اور اُن کے نام بتاتے۔ کہکشاں کے متعلق کہتے ہیں کہ بعض افریقی مسلمان قبیلوں کی روایتی کہانی ہے کہ حضور ﷺ اسی راستے سے ہو کر معراج پر تشریف لے گئے تھے اور یہ اُن کے قدموں کی نورانی دھول ہے... یہ کہانی عمو جان سناتے بھی مزے سے تھے اور یہ میرے وجود اور تحت شعوری حافظے کا حصہ بن گئی۔'' (ص ۱۶، شمارہ ۱۷)

لکھنے بولنے میں ''نقش کالحجر'' کی باتیں ہوتی ہیں، اندازہ کیا جائے کہ بچوں سے پڑھے لکھے بزرگوں کی گفت گو کتنی مفید ہوتی ہے اور کم سنی میں سُنی ہوئی بچی اچھی باتیں کس قدر موثر ہوتی ہیں۔ صحبت صالح اور وعظ و نصیحت کی ضرورت کشفی صاحب کے اس بیان سے واضح ہے۔ آج کے بچوں کو صرف کارٹون فلمیں اور غلط کہانیاں دِکھا سُنا کر انھیں کس طرف مائل کیا جا رہا ہے اور نتائج کیا سامنے آ رہے ہیں؟ کشفی صاحب نے نابینا شاعر اور نعت خواں گلاب شاہ کا ذکر بھی کیا کہ وہ نعت شریف کی برکت سے گداگری سے بچ گئے۔ اللہ کریم نے انھیں حضور اکرم ﷺ کے طفیل میں بچالیا۔ یہاں جی تو چاہا ہے کہ نعت خوانی کی بہت سی برکات کے بارے میں کچھ لکھوں کیوں کہ گلاب شاہ کے ذکر میں کشفی صاحب نے سرسری جو کچھ لکھا ہے، اس میں نعت خوانی، معاشرتی رویوں کی اہم بات ہے۔ شاید قارئین نے بھی محسوس کی ہو تاہم خوفِ طوالت کی وجہ سے نہیں لکھ رہا۔

''نعت رنگ'' شمارہ ۱۷ کے ص ۱۷ میں کشفی صاحب کا بیان ہے کہ: ''میں اپنے کسی مضمون میں اس فقیر کا ذکر کر چکا ہوں جس کے آنے کی خبر اس شعر کے فضا میں گونجنے سے ہوتی:

ایک دن عرش پہ محبوب کو بلوا ہی لیا ہجر کا غم تو خدا سے بھی اُٹھایا نہ گیا

اس شعر کے مضمون سے ہزار بار برأت، مگر یہ شعر میرے ماضی کا ایسا حصہ ہے جو ماضی نہ بن پایا۔ میں اسے بھولنا چاہتا ہوں مگر بھول نہیں پاتا۔ اس سے شاعری کی قوت کا اندازہ کیجیے اور ان ذمّے داریوں کی گراں باری کا جو نعتیہ شاعر پر عائد ہوتی ہے۔'' (ص ۱۷، شمارہ ۱۷)

جناب صبیح رحمانی! غالباً یہی وہ اہم مقصد ہے جس کے لیے آپ نے "نعت رنگ" کی اشاعت میں اتنی جاں فشانی کی ہے اور یہ فقیر بھی اپنے خطوط میں اسی کا بیان کر رہا ہے مگر کشفی صاحب خود بھی حدیث قدسی کے صحیح الفاظ کی بجائے قصداً وہی لکھتے ہیں جو غلط ہے اور نظم ونثر میں نعت لکھنے والے دوسرے حضرات بھی مجھ پر خفا ہوتے ہیں اور "ان ذمے داریوں کی گراں باری" کا احساس نہیں کرتے جو اُن پر عائد ہوتی ہے۔

کشفی صاحب جیسا شخص اس شعر کے مضمون سے ہزار بار برأت ظاہر کرنے کے باوجود اس شعر کو بھول نہیں پاتا، اندازہ کیا جائے کہ نامناسب اور غلط الفاظ ومضامین کا استعمال کتنا سنگین فعل ہے۔

جناب سیّد محمد ابوالخیر کشفی کی اسی تحریر سے یہ خوش پارہ ملاحظہ ہو: "رات کو سونے سے پہلے عمو جان باتیں کرتے کرتے اپنی مستقیم، خاصی بلند اور ٹھہری ہوئی آواز میں اکثر اپنے جد اعلیٰ حضرت امام زین العابدین رضی اللّٰہ عنہ کا یہ شعر پڑھتے۔ اُن کے آنسو اُن کی آواز میں چمکتے نظر آتے اور کبھی کبھی تو گریہ گلو گیر ہو جاتا۔

ان نلت یا ریح الصبا یوما الی ارض الحرم   بلغ سلامی روضة فیها النبی المحترم

اے بادِ صبا، کسی دن تیرا گزر، ارضِ حرم تک ہو، تو سلام اس روضے کو پیش کرنا، جس میں نبی محترم علیہ الصلوٰۃ والسلام، محوِ خواب ہیں۔

اسی شعر کی تشریح کرتے ہوئے ایک باپ نے اپنے دس گیارہ سال کے بیٹے پر فصاحت و بلاغت، نکتہ دانی ونکتہ سنجی اور ادبِ رسول ﷺ کے رموز آشکار کیے۔ تو اضع یہ کہ بادِ صبا سے بھی سبطِ رسول کس نرمی سے مخاطب ہے۔ اسے حکم نہیں دے رہا ہے کہ ارضِ حرم جا، بلکہ اس خواہش کا اظہار کر رہا ہے کہ اگر کسی دن ارضِ حرم تک پہنچے، حالاں کہ وہ جانتا ہے کہ بادِ صبا کا رُخ کس بارگاہِ عالیہ کی طرف ہے۔ پھر ادب دیکھیے کہ بادِ صبا صرف روضۂ رسول کو سلام پیش کر سکتی ہے۔ رسول کریم ﷺ تک اس کا گزر کہاں اور مزید اس سے روضے کی منزلت کا اظہار مقصود ہے۔ وہ روضہ جو اپنے زندگی بخش مکین ﷺ کی وجہ سے خود اک زندہ مکان ہے... اور بات صرف سلام تک محدود رکھی گئی ہے کیوں کہ سیّد سجاد کو یقین ہے کہ روضے کے توسّل سے اُن کا سلام، درگاہِ رسولِ امین تک پہنچ جائے گا۔ رسولِ امین ﷺ کا روضہ بھی امین ہے اور فہیم بھی۔ جانتا ہے کہ اس تک سلام کیوں اور کس لیے بھیجا گیا ہے۔ پھر ذرا "ارض الحرم" کو دیکھو۔ ارض الحرمین کو ارض الحرم کہہ کر اس وحدت کا اظہار کیا گیا ہے جو مقصودِ ایمان ہے اور اس میں رسول اللّٰہ ﷺ کی امانت اور اُمت تک اللّٰہ کی وحی کو پہنچانے کی کاملیت کی طرف بھی اشارہ ہے کہ یہ وحدت توحیدِ الٰہی کے منافی نہیں بلکہ اس کا اثبات ہے۔" (ص ۱۷، ۱۸، شمارہ ۱۷)

اس عبارت کو میں نے ایک سے زائد مرتبہ پڑھا اور ہر بار اس کی جزئیات میں کھو کر لطف اندوز

ہوا۔ شعر کے ترجمے میں محوخواب کے الفاظ سے قطع نظر کشفی صاحب نے اپنے والد محترم کے حوالے سے اس بیان میں ایک ایک جملے سے جو واضح کیا ہے وہی کوکب نورانی کہے تو لوگ اسے مسلکی اجارہ داری کہتے ہیں۔ مزید ملاحظہ ہو، کشفی صاحب لکھتے ہیں: ''عربی زبان کو یہ فخر حاصل ہے کہ اوّلین نعتیں عربی میں کہی گئیں۔ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ کو حضرت ختمی مرتبت ﷺ کے حضور اپنا نعتیہ کلام پیش کرنے کی سعادت حاصل ہوئی اور اُن کے کلام کو فصیح الازمنہ ﷺ کی پسندیدگی کی سند حاصل ہوئی، لیکن نعت کی ایک تابندہ روایت فارسی زبان میں قائم ہوئی اور پروان چڑھی، نعت گوئی کے آداب مقرر ہوئے، نعت کے شایانِ شان شاعرانہ لغت وجود میں آئی... اور فارسی شعرا کی صفوں پر تو نظر ڈالیے۔ ان شعرا میں حضرت عبدالقادر جیلانی، حضرت خواجہ معین الدین چشتی، حضرت خواجہ بختیار الدین کاکی، عبدالعزیز دہلوی، حضرت میرزا مظہر جان جاناں جیسے اولیا اللہ اور اہلِ دل شامل ہیں۔ جن کے دلوں کی دھڑکن ہی میں محمد ﷺ محمد ﷺ تھی۔ لاکھوں سلام اور درود اُس ذات پر، اُس کی آل پر، اُس کے اصحاب پر، اُس کی ازواج پر، اُس کی بنات پر اور عباداللہ الصالحین پر دوسری طرف اربابِ قلم کو دیکھیے۔ یہاں سعدی، خسرو، جامی، نظامی، سنائی، حافظ، غالب اور اقبال جیسے شعرا گردن جھکائے، درود و سلام برلب کھڑے نظر آتے ہیں۔ الحمدللہ مولوی سعید رزمی صاحب مرحوم کی رہبری میں ان سب کے الفاظ کی خوش بو میرے دل، میرے ذہن اور رگ و پے میں بس گئی۔ پھر جوان ہو کر مشرق و مغرب کے لالہ زاروں سے گزرا، لیکن ان سب بزرگوں کے شعر، بول، لفظوں کے پیکر میں اشکِ تاباں میرے ساتھ ساتھ تھے، انھوں نے میری راہوں میں چراغاں کیا اور آج میں مجموعی طور پر اپنے آپ سے، اپنے بزرگوں سے، اپنے بچوں سے اور اپنے احباب سے شرمندہ نہیں ہوں، یہ نعت کی برکت ہے۔ گناہ اور کوتاہیاں کس کی زندگی میں نہیں آتیں۔ یہ اپنی معصومیت کا اعلان نہیں بلکہ تحدیثِ نعمت ہے۔ جس ذاتِ گرامی (ﷺ) کی تشریف آوری مومنوں کے لیے نعمت ہے، جس کی نبوت انسانوں کے لیے نعمت ہے، اُس کا ذکر بھی نعمت ہے اور نعمت کے اعتراف کی ایک شکل ہے۔ واما بنعمة ربک فحدث. سورۃ الضحیٰ اور ذکرِ رسالت مآب ﷺ کی عظمت کا اندازہ اس سے کیجیے کہ اس سورہ سے سورۃ الناس یعنی اختتامِ قرآن تک سورۃ کی تلاوت کے ساتھ تکبیر کہنا سُنّت ہے۔ حضور ﷺ کا ذکر بھی اللہ تعالیٰ کے اعترافِ کبریائی کی ایک صورت ہے۔'' (ص ۱۹، ۲۰، شمارہ ۱۷)

کشفی صاحب یہ جملہ ''حضور ﷺ کا ذکر بھی اللہ تعالیٰ کے اعترافِ کبریائی کی ایک صورت ہے۔'' یہ جملہ آسان اور واضح یوں ہونا چاہیے: حضور ﷺ کا ذکر بھی اللہ تعالیٰ کی کبریائی کے اعتراف کی ایک صورت ہے۔ واضح رہے کہ قرآن کے بیان کے مطابق خود حضور نبی کریم ﷺ ''ذکر اللہ'' ہیں۔

کشفی صاحب مزید لکھتے ہیں: ''محبوبِ ربِ کائنات اور محبوبِ اہلِ اسلام کا مومنوں پر یہ کرم ہے کہ جیسے وہ ہمارے خانۂ دل کی سب سے حسین منزل میں مقیم ہیں اور اُن کے قیام سے ہمارے دل میں سیکڑوں دروازے اور دریچے کھلتے جاتے ہیں۔ ایمان کا دروازہ، مغفرت و رحمت کے دروازے، تفہیم دین کا دروازہ، سکونِ قلب کا دروازہ، حیات و کائنات اور علوم و فنون کے دروازے جن میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے اور اُن تمام علوم، شعر و ادب کا رشتہ اگر محمد عربی ﷺ سے ہے تو ہمارا شعر و ادب حبِ مصطفوی کا گلستاں ہے اور ہمارے علوم انسانیت کے لیے برکت ہیں، اور حضور ﷺ سے یہ رشتہ ہمیں انسانوں کے حزف زیروں کے ریگستاں سے گزار کر بحرِ کرمِ محمد ﷺ کے لولو و مرجان بنا دیتا ہے۔ آج علمی، ذہنی اور انسانی اعتبار سے ہم اتنے بگڑ چکے ہیں کہ اقوام عالم میں سب سے پست ہیں، کیوں کہ ہماری زندگی کا عملی تعلق سرکار سے قائم نہیں رہا۔ ہم سوکھی ہوئی گھاس ہیں، دیکھیے اب کب ہم پر بارانِ رحمتِ محمد ﷺ برستی ہیں کہ ہم سرسبز ہو جائیں...اور روح اس بات سے بھی لرزتی ہے کہ کیا ہمیں اپنے زخم ہائے عصیاں کے لیے مرہم شفاعت محمد ﷺ نصیب ہوگا...بس ہمارے پاس ایک ہی جملہ ہے...نگاہ ہے یارسول اللہ نگاہ ہے۔'' (ص ۲۱، شمارہ ۱۷)

وہ لکھتے ہیں: ''ہمارے بچپن اور لڑکپن میں ہر نعت خواں درود و سلام کے بعد اپنی نعت کے آغاز سے پہلے شیخ سعدی کے چار مصرعے ضرور پڑھتا۔ یہ صورتِ حال اب بھی باقی اور جاری ہے۔ فارسی زبان کے عظیم ترین غزل گو کے یہ مصرعے عربی زبان میں ہیں۔ کہتے ہیں کہ سعدی نے تین مصرعے کہہ لیے تھے مگر چوتھا مصرع نہیں لگ رہا تھا۔ خواب میں اُن کے اور ہم سب کے آقا ﷺ نے فرمایا کہ سعدی مصرع تو تمہارے سامنے ہے اور ذرا سی تبدیلی کے ساتھ تم ہر دن پڑھتے ہو:

بلغ العلیٰ بکمالہ　　کشف الدجیٰ بجمالہ　　حسنت جمیع خصالہ　　صلوا علیہ و آلہ

صاحبِ معراج کی ثنا میں یہ مصرعے انسانی بیان کی معراج ہیں۔ ساقی کوثر ﷺ نے بلندیوں کو کمال عطا فرمایا، آپ کی ذات حسن و جمالیات کی مکمل ترین کتاب ثابت ہوئی، جس میں کسی دور میں بھی اضافے کی گنجائش نہ ہوگی اور جن پر اور جن کی آل پر درود و سلام سے ہماری ذات کی تکمیل بھی ہوتی ہے۔'' (ص ۲۱-۲۲، شمارہ ۱۷) اس بیان میں یہ الفاظ ''جس میں کسی دور میں بھی اضافے کی گنجائش نہ ہوگی۔'' قرآن کریم کی آیت ''وللآخرۃ خیر لک من الاولیٰ'' کی روشنی میں قابلِ توجہ ہیں۔

حضرت شیخ مصلح الدین سعدی شیرازی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کہی ہوئی اس نعتیہ رباعی کے بارے میں مشہور واقعہ میری سماعت کے مطابق کچھ یوں ہے: ''خواجۂ خواجگانِ چشت حضرت سیدنا محمد نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی قدس سرہ العزیز کی بارگاہ میں حضرت سیدنا ابوالحسن امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ بہت محبوب تھے اور طوطی شکر مقال امیر خسرو کو اپنے مرشد گرامی حضرت محبوب الٰہی سے بہت عقیدت و محبت تھی، کچھ اتنی کہ

بطور مثال بیان کی جاتی ہے۔ حضرت سیدنا محبوب الٰہی اکثر یہ رباعی (بلغ العلیٰ بکمالہ) پڑھا کرتے۔ یوں بھی کہا گیا کہ حضرت محبوب الٰہی کے سرہانے حضرت شیخ سعدی کی کہی ہوئی اس رباعی کی خطاطی والا نسخہ رکھا رہتا۔ حضرت امیر خسرو اپنا کہا ہوا کلام وہاں رکھ جاتے مگر دوبارہ آنے پر وہ حضرت شیخ سعدی کا کلام وہاں دیکھتے۔ بالآخر ایک دن عرض کی کہ میرے مرشد گرامی میرے کلام پر توجہ کیوں نہیں فرماتے؟ شیخ سعدی ہی کی کہی ہوئی رباعی ہی وردِ زبان رہتی ہے۔ حضرت محبوب الٰہی نے فرمایا۔ اس رباعی کی بات ہی کچھ اور ہے۔ امیر خسرو نے چاہا کہ حضرت محبوب الٰہی انھیں وہ بات (راز) بتائیں۔ حضرت محبوب الٰہی نے امیر خسرو کو اپنے وظائف کی نشست میں آنے کو کہا۔ امیر خسرو مراقب ہوئے تو فیضان مرشد سے مکاشفہ ہوا کہ رسولِ کریم ﷺ کا روحانی دربار لگا ہے۔ حضرت شیخ سعدی اس محفل میں تشریف لائے۔ رسولِ پاک ﷺ نے شفقت و مہربانی فرماتے ہوئے اُن کا استقبال کیا، پیشانی چومی اور اپنے سامنے بٹھایا۔ شیخ سعدی نے یہی نعتیہ رباعی پڑھی، رسولِ کریم ﷺ خوش ہوئے اور اس رباعی کی تکرار ہوتی رہی۔ حضرت محبوب الٰہی نے فرمایا، خسرو کلام تو تمہارا بہت اچھا ہے، مگر اصل بات تو مقبولیت کی ہے۔ یہ رباعی اسی لیے وردِ زبان رہتی ہے کہ بارگاہِ مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا میں مقبول ہے۔ حضرت شیخ سعدی کا واقعہ یوں ہے کہ انھوں نے دعا کی کہ ایک نعتیہ رباعی ایسی لکھوں جو مقبول ہو جائے۔ انھوں نے روزہ رکھا، غسل کر کے خوش بو کا اہتمام کیا اور دن بھر میں تین مصرعے موزوں کیے۔ چوتھا مصرع نہیں ہو رہا تھا۔ یہاں تک کہ نصف شب ہوگئی، انھیں اونگھ آ گئی۔ خواب میں رسولِ کریم ﷺ کی زیارت ہوئی، آپ (ﷺ) نے چوتھا مصرع خود عطا فرما دیا۔ یہی سبب ہے کہ یہ رباعی اہلِ محبت کا وظیفہ ہوگئی۔ مَیں نے اپنے والد گرامی علیہ الرحمہ اور اپنے استاد گرامی علیہ الرحمہ سے کئی مرتبہ یہ بات سُنی۔ کچھ عرصہ پہلے جناب شیخ نیک محمد شرق پوری نے مجھے یہی بات جناب طارق جمیل کی ایک تقریر کی رِکارڈنگ میں بھی سنائی۔ کشفی صاحب نے اسے اشارۃً لکھا تو مَیں نے اپنی سماعی روایت پوری بیان کر دی۔ میرے پیارے نبی پاک ﷺ اُمت کے احوال سے بعطائے الٰہی بلاشبہ باخبر ہیں اور مشکل کشا ہیں۔

کشفی صاحب لکھتے ہیں: ''سعدی کے ذکر پر یاد آیا کہ ہمارے ہاں اکثر مولوی مسیح اللہ صاحب تشریف لاتے تھے۔ وہ کسی اسکول میں ہیڈ مولوی تھے اور عربی و فارسی پڑھاتے تھے۔ مولوی صاحب ''یارسول اللہ'' کہنے کے سخت خلاف تھے۔ ایک دن عمو جان نے کہا آپ اگر خالی مولوی ہوتے تو میں آپ سے کچھ نہ کہتا۔ آپ تو ادب پڑھاتے ہیں۔ کیا آپ کو یہ نہیں معلوم کہ یہ رسول اللہ (ﷺ) سے استعانت طلبی اور استمداد نہیں۔ یہ تو خطابیہ انداز ہے۔ شاعر تو ہواؤں، پھولوں، پرندوں سے بھی بات کرتا ہے اور آپ تو نماز میں التحیات بھی پڑھتے ہیں۔ کیا ادائیگی نماز کے وقت آپ اپنی عربی بھول جاتے ہیں۔ مولوی

صاحب کچھ تو شرمندہ ہوئے، مگر کہنے لگے کہ مستند نعت گو شاعروں کے کلام سے مثالیں پیش کیجیے۔ عمو جان نے اسی وقت کئی شعر پڑھ دیے۔ اُن اشعار میں سعدی کا یہ شعر بھی تھا جو انتہائے سادگی اور انتہائے محبتِ رسول ﷺ کو اپنے دامن میں رکھتا ہے۔

کاش ہر موئے من زباں بودے　　　　در ثنائے تو یا رسول اللہ

اور عمو جان نے حضرت جامی کا یہ شعر بھی پڑھا:

ز رحمت کن نظر بر حال زارم یا رسول اللہ　　　　غریبم، بے نوائم، خاک سارم یا رسول اللہ"

(ص۲۲، شمارہ ۱۷)

کشفی صاحب صرف استعانت لکھنے کی بجائے "استعانت طلبی" جانے کیوں لکھ گئے۔

شمارہ ۱۷ کے ص ۲۱ کے حوالے سے کشفی صاحب کی تحریر میں گزر چکا کہ: "بس ہمارے پاس ایک ہی جملہ ہے... نگا ہے یا رسول اللہ نگا ہے۔" اور حضرت مولانا نور الدین عبدالرحمٰن جامی قدس سرہ السامی کا یہ مصرع بھی توجہ چاہتا ہے: "ز رحمت کن نظر بر حال زارم یا رسول اللہ" (صلی اللہ علیک وسلم) ان دونوں مصرعوں میں استعانت اور استمداد سے کون انکار کر سکتا ہے؟ استعانت و استمداد کے حوالے سے یہ فقیر اپنے ایک مکتوب مطبوعہ "نعت رنگ" میں بہت تفصیل سے لکھ چکا ہے۔ استعانت و استمداد کے حوالے سے مختصراً پھر عرض گزار ہوں کہ لفظ "یا" سے کسی کو پکارنا عبادت نہیں کہ اسے شرک یا غلط کہا جائے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو معبود مان کر پکارنا غلط ہے۔ قرآن کریم میں متعدد مقامات پر معبودِ حقیقی اللہ کریم جل شانہ نے "یا" کے لفظ جس کسی کے لیے ارشاد فرمایا، کوئی یہ گمان بھی نہیں کر سکتا کہ اس لفظ سے اس چیز یا شخص کی عبادت کا اشارہ ہے۔

کشفی صاحب لکھتے ہیں: "حضرت جامی کا ذکر پہلے آ چکا ہے مگر عجب بات یہ ہے کہ جامی کی یہ نعت اُن کی کلیات میں نہیں ہے کہ نسیما! جانبِ بطحا گزر کن۔

ہمارے رزمی صاحب کہتے تھے کہ جو صاحبان کہتے ہیں کہ یہ جامی کی نعت نہیں، وہ بتائیں کہ آخر یہ کس کی نعت ہے؟ جب تک ہمیں یہ خبر نہیں ملے گی ہم اسے جامی کی نعت ہی سمجھیں گے۔ میرے خیال میں مولوی صاحب کی دلیل الزامی جواب کے ذیل میں نہیں آتی۔ ادبی تاریخ میں ایسی کئی مثالیں ہیں، مثلاً امیر خسرو کی یہ غزل (جو نعت بھی اپنے دامن میں رکھتی ہے) اُن کی کلیات یا کسی دیوان میں موجود نہیں۔

خدا خود میرِ مجلس بود اندر لامکاں خسرو ☆ محمد شمع محفل بود شب جائے کہ من بودم" (ص۲۲، شمارہ ۱۷)

۱۹۹۵ء کی بات ہے۔ لاہور میں مقیم ایک سُنّی عالم دین نے حضرت مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ کو اپنی ایک کتاب میں "شیعہ" قرار دے دیا (معاذ اللہ)۔ لکھنے والے نے تحقیق ضروری نہیں سمجھی، ان کی کتاب

مجھے پہنچی تو میں نے حضرت مولانا جامی علیہ الرحمہ کی تحریروں سے حقائق نقل کر کے انھیں بھجوائے۔ ان دنوں حضرت مولانا جامی علیہ الرحمہ کی ایک ہزار پچاس صفحات پر مشتمل ''مثنوی ہفت اورنگ'' میں اُن کی ۴۳ رکتب کی فہرست دیکھی۔ ان میں ایک کتاب کا نام ''ارکانِ حج'' بھی ہے۔ یہ تمام کتب تا حال میرے دیکھنے میں نہیں آئیں۔ شاید یہ تمام زیورِ طباعت سے آراستہ بھی نہیں ہوئیں۔ چھ سو چونتیس صفحات کی ضخامت والی کتاب ''کلیاتِ جامی'' (مطبوعہ نول کشور، ۱۹۳۰ء) میں بھی یقیناً اُن کا پورا منظوم کلام نہیں۔ مولانا جامی علیہ الرحمہ کی کہی ہوئی مشہور نعت: ''تنم فرسودہ جاں پارہ زہجراں یارسول اللہ'' (صلی اللہ علیک وسلم) بھی ان کی دست یاب مطبوعہ کتب میں میری نظر سے نہیں گزری۔ ہوسکتا ہے غیر مطبوعہ مخطوطات میں ان ہستیوں کا یہ کلام درج ہو۔ واللہ اعلم بالصواب

کشفی صاحب لکھتے ہیں: ''ہمارے جدِ اعلیٰ دادا میاں (حضرت شاہ غلام رسول، رسول نما) کا عرس ذی الحجہ کی آخری تاریخوں میں ہوتا تھا۔ نقش بندیوں کو آپ جانیں کیسے روکھے سوکھے ہوتے ہیں۔ نہ قوالوں کی تانیں، نہ طوائفوں اور شوقین مزاجوں کی ''طوائف الملوکی'' نہ چڑھاوے اور نذرانے...'' (ص ۲۲، شمارہ ۱۷)

کشفی صاحب نے جن باتوں کی وجہ سے نقش بندیوں کو ''روکھے سوکھے'' لکھا ہے، کیا کسی اور سلسلۂ طریقت کے (صحیح العقیدہ اور پابندِ شریعت) شیخ نے بھی انھیں اسی طرح روا جانا ہے جیسا کہ اب کئی جگہ دیکھنے میں آرہا ہے؟ ظاہری بات ہے، عرس کا انعقاد ہی ایصالِ ثواب کے لیے ہوتا ہے اور غلط افعال کی اس میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔ کسی خانقاہ میں وارثانِ مسند یا زائرین کی طرف سے اگر کوئی غلط کام ہوتا ہے تو اسے مشائخ وعلما یا مسلکِ حق کی طرف منسوب نہ کیا جائے۔ علما و مشائخ سلسلہ کی طرف سے غلط باتوں اور کاموں سے منع نہ کیا جائے تو ان پر اعتراض درست ہوگا۔ قوالی کے حوالے سے مشائخ نقش بند کا کہنا ہے: ''نہ انکاری کنم نہ ایں کاری کنم''۔ چشتی سلسلۂ طریقت کے ہاں قوالی کے آداب بتائے جاتے ہیں مگر مروّجہ قوالی اُن آداب سے خالی ہی نظر آتی ہے۔ اچھی آواز سے اچھا کلام سننے کی بابت حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی کتاب ''انفاس العارفین'' سے ایک واقعہ یہاں نقل کر دینا مناسب سمجھتا ہوں، ملاحظہ ہو:

''بزیارتِ مرقد منور خواجہ قطب الدین بختیار قدس سرہ رفتہ بودم نزدیک مزار ایشاں چبوترہ است آں جا بدید قصور و ملاحظہ آں کہ ایں وجود ملوث رابداں مقام پاک نباید برد بایستادم درآں محل روحِ ایشاں ظاہر شد، فرمودند پیش تر بیا، دو سہ قدم پیش تر رفتم درآں وقت دیدم کہ چہار فرشتہ تختی از آسمان نزدیک قبر ایشاں فرود آوردند معلوم شد کہ براں تخت خواجہ نقش بودند ہر دو شیخ باہم از ہا در میان آوردند کہ مسموع نگشت بعد ازاں تخت را فرشتگان برداشتہ بردند، خواجہ قطب الدین بمن متوجہ شدند کہ پیش تر بیا، دو سہ قدم دیگر پیش رفتم

وچنیں می گفتند وقدری می رفتم تا آں کہ نہایت قرب محقق شدآں گاہ فرمودند چہ می گوید در حقِ شعر؟ گفتم نور علیٰ نور کَلَامٌ حَسَنه حَسَنٌ وَقَبِیحهٗ قَبِیحٌ. فرمودند بارک اللّٰہ ۔ چی می گوید در حق صوت حسن؟ گفتم ،ذٰلِکَ فَضۡلُ اللّٰهِ یُؤۡتِیۡهِ مَنۡ یَّشَآءُ۔ گفتند بارک اللّٰہ ۔ چوں ہر دو جمع شوند در آں چہ می گوید؟ گفتم ،یَهۡدِی اللّٰهُ لِنُوۡرِهٖ مَنۡ یَّشَآءُ. فرمودند بارک اللّٰہ ،آں چہ ما می کردیم پیش ازیں نبودہ است شما ہم گاہ گاہی یک دو بیتی شنید باشید۔ گفتم در حضور خواجہ نقشبند حضرت ایں راچرا نفرمودہ اند یکی ازیں دو لفظ فرمودند ادب نبود یا مصلحت نبود، می فرمودند ایں واقعہ را مدتی برآمدہ تعیین لفظ از خاطر رفتہ...'' (انفاس العارفین، ص ۴۴، ۴۵ ،از حضرت شاہ ولی اللّٰہ دہلوی)

(ترجمہ) حضرت شاہ عبدالرحیم فرماتے ہیں، مَیں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی قدس سرہ کے مزارِ انور کی زیارت کے لیے گیا۔ اس خیال سے کہ مجھے اپنی خطا کار آنکھوں اور آلودہ بدن کو اس پاک جگہ میں نہیں لے جانا چاہیے، اُن کے مزار کے قریب (کچھ فاصلے پر) ایک چبوترہ پر کھڑا ہوگیا۔ اس جگہ ان کی روح ظاہر ہوئی اور مجھے فرمایا کہ آگے آ جاؤ، مَیں (حکم کی تعمیل میں) دو تین قدم آگے بڑھ گیا، اس وقت مَیں نے دیکھا کہ چار فرشتے ایک تخت آسمان سے اُن (حضرت خواجہ قطب الدین صاحب) کی قبر کے پاس اُتار کر لائے۔ معلوم ہوا کہ اس تخت پر حضرت خواجہ بہاؤالدین نقش بند تھے۔ دونوں بزرگوں نے آپس میں راز و نیاز کی باتیں کیں جو (مجھے) سنائی نہیں دے رہی تھیں۔ بعدازاں فرشتے وہ تخت اُٹھا کر لے گئے، حضرت خواجہ قطب الدین نے میری طرف متوجہ ہوکر فرمایا آگے آجاؤ، میں دو تین قدم اور بڑھا، اسی طرح وہ آگے بڑھنے کو فرماتے رہے اور میں قدرے بڑھتا رہا، یہاں تک کہ ان کے بہت قریب ہوگیا۔ پھر حضرت نے فرمایا کہ شعر کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ مَیں نے کہا کہ شعر ایک کلام ہے اس میں جو اچھا ہے وہ خوب ہے اور جو اس میں بُرا ہے، وہ خراب ہے۔ حضرت نے فرمایا، بارک اللّٰہ (اللّٰہ تمہیں برکت دے)۔ پھر حضرت نے فرمایا کہ اچھی آواز کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ مَیں نے کہا یہ اللّٰہ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے، دیتا ہے۔ حضرت نے فرمایا، بارک اللّٰہ ۔ پھر فرمایا اگر یہ دونوں (اچھا کلام اور اچھی آواز) جمع ہوجائیں، تب تم کیا کہتے ہو؟ مَیں نے کہا یہ تو نور پر نور ہے، اللّٰہ اپنے نور کی راہ بتاتا ہے جسے چاہتا ہے۔ فرمایا، بارک اللّٰہ ۔ جو کچھ ہم سماع کرتے تھے وہ اس سے زیادہ نہیں تھا (یعنی اچھی آواز میں اچھا کلام سن لیا کرتے تھے)، تم بھی کبھی کبھی ایک دو شعر سُن لیا کرو۔ مَیں نے عرض کی کہ خواجہ نقش بند کے ہوتے ہوئے آپ نے یہ بات کیوں نہ فرمادی؟ حضرت نے ان دو لفظوں میں سے ایک فرمایا کہ (خواجہ نقش بند کے سامنے کہنے میں) ادب نہیں تھا یا مصلحت نہیں تھی۔

جناب اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں: ''اس سے معلوم ہوا کہ برزخ میں بھی ادب پر عمل ہوتا ہے

چناں چہ قطب صاحب نے خواجہ صاحب کا وہاں ادب فرمایا اور ان کے مسلک کی رعایت فرمائی۔ غرض برزخ میں بعض ایسے حالات بھی پیش آتے ہیں، من جملہ ان حالات کے بعض کو تربیت کے لیے توجہ کا بھی اذن ہوتا ہے۔'' (افاضاتِ یومیہ، ص ۳۱۱، جلد ۴)

کشفی صاحب لکھتے ہیں: ''جب عمو جان کے کمرے میں کچھ شاعر جمع ہو جاتے یا کوئی شاعر اپنی نعت سناتا، تو عمو جان کبھی کبھی مشورے دیتے کہ اس لفظ کو بدل دو... یہ حضور ﷺ کی شان اور مرتبے کے مطابق نہیں ہے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ وہ گیسو و رخسار کے مضامین کے عامیانہ شاعرانہ اظہار کے سخت خلاف تھے اور کہتے کہ اگر سراپا کہنے ہی کا شوق ہے تو محسن کاکوروی یا مولانا احمد رضا خاں سے سیکھو کہ ختمی مرتبت سراپا کیسے لکھا جاتا ہے۔'' (ص ۲۴، شمارہ ۱۷)

اپنے والد محترم کے حوالے سے کشفی صاحب نے واضح کیا کہ ہر وہ لفظ و خیال جو ہمارے نبی پاک ﷺ کی شان اور مرتبے کے مطابق نہ ہو، اس کی نشان دہی ضروری ہے اور اس غیر موزوں لفظ و خیال کو بدلنا چاہیے کیوں کہ نعت شریف کہنا صرف شاعری کرنا نہیں، نعت گوئی میں اور شاعری میں واضح بنیادی فرق ہے۔

''نعت رنگ'' شمارہ ۱۷ کے ص ۲۸ سے بھارت کے جناب ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی کی تحریر بعنوان ''ذکری المولد اور نہج البردۃ'' شروع ہوتی ہے۔ مصری شاعر احمد شوقی کے دو مشہور نعتیہ قصائد کے ۱۲۴ / اشعار انھوں نے باترجمہ لکھے ہیں۔ بیش تر اشعار کے تراجم محلِ نظر ہیں۔ ''اللہ کی اولین خواہش'' (ص ۲۵) اور اسی طرح کچھ الفاظ تو شدید گرفت کے قابل ہیں۔ اس مضمون میں کم پوزنگ کی اور املائی غلطیاں بھی کثرت سے ہیں۔ ''نعت رنگ'' کے شماروں میں ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی صاحب کی تحریریں جس قدر شائع ہوئی ہیں، ان تحریروں میں وہ کچھ باتوں پر معترض ہوئے تھے، اسے کیا کہیے کہ ان کی پیشِ نظر تحریر میں خود اُن کے قلم سے اپنی معترضہ باتوں کا جواب موجود ہے۔ اس حوالے سے اپنے مکاتیب میں پہلے ہی بہت کچھ لکھ چکا ہوں اس لیے یہاں اعادہ نہیں کر رہا۔ واضح رہے کہ یہی باتیں کوکب نورانی اوکاڑوی لکھے تو انھیں مسلکی اجارہ داری شمار کیا جاتا ہے۔

''نعت رنگ'' شمارہ ۱۷ کے ص ۵۱ تا ۶۲ جناب ڈاکٹر سیّد یحییٰ نشیط کی تحریر کا عنوان ''مراٹھی میں ذکرِ محمد ﷺ'' ہے۔ ڈاکٹر یحییٰ نشیط صاحب کی اس پوری تحریر میں بقول کشفی صاحب ''تعظیمی ٹکڑے''، یعنی تعظیم و تکریم کے کلمات درج نہیں ہیں اور جہاں کہیں کوئی ایک دو لفظ ہیں وہ بھی ظاہر کرتے ہیں کہ لکھنے والا انھیں شاید ضروری نہیں سمجھتا۔ ڈاکٹر یحییٰ نشیط صاحب نے مراٹھی ادب میں نعت کے حوالے سے ''نعت رنگ'' کے قارئین کو خاصی معلومات اپنی اس تحریر میں مہیا کی ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کی اس تحریر میں ہے: ''ایک ناتھ مہاراج نے مذکورہ نعت ایسے دور میں لکھی ہے جب مسلمانوں کے لیے ''ملیچھ'' اور ''یون'' جیسے نہایت ذلت

آمیز الفاظ استعمال کیے جانے لگے تھے۔ اس نعت میں کوئی شعری حسن نہیں، البتہ اس میں موجود وارفتگیٔ شوق، عقیدت کی فراوانی اور حبِ نبی ﷺ میں سرشاری کافر کو بھی مسلمان بنا دیتی ہے۔'' (ص ۵۲، شمارہ ۱۷)

اس اقتباس میں یہ جملہ: ''حبِ نبی ﷺ میں سرشاری کافر کو بھی مسلمان بنا دیتی ہے۔'' محلِ نظر ہے۔ اس سے پہلے وہ یہ بھی لکھتے ہیں: ''ایکناتھ مہاراج نے اس نعت میں رام، کرشن اور محمد ﷺ کی تثلیث میں غیر منفصل سلسلہ کو تلاش کیا ہے اور اس کا نقطۂ اتصال محمد ﷺ کی ذات میں ڈھونڈا ہے۔'' (ص ۵۲، شمارہ ۱۷)

ڈاکٹر یحییٰ نشیط صاحب نے ایکناتھ کی کہی ہوئی نعت میں یہ بات ملاحظہ کی ہوگی مگر میرے پیشِ نظر تو ڈاکٹر یحییٰ صاحب کے جملے ہیں اور ''رام، کرشن کے ساتھ'' تثلیث نقطۂ اتصال کا بیان وہی کر رہے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب خود ہی ملاحظہ فرمائیں کہ انھیں یہ بات کیا اسی طرح لکھنی چاہیے تھی؟ انھوں نے اگر ایکناتھ کا تخیل پیش کیا ہے تو اپنا تبصرہ نہیں لکھا۔ ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں: ''بیس ویں صدی کی ابتدا مراٹھی ادب میں حضور ﷺ کی سیرتِ مبارکہ کے لیے فالِ نیک ثابت ہوئی۔'' (ص ۵۵)۔ ڈاکٹر صاحب خود ہی بتائیں کہ کیا انہی الفاظ میں یہ جملہ درست مانا جا سکتا ہے؟

اپنی تحریر کے آخر میں ڈاکٹر یحییٰ نشیط لکھتے ہیں: ''یہ شاعر کے خلاق تخیل کا کمال ہے۔'' (ص ۶۲) میرے نزدیک یہ جملہ قابلِ اصلاح ہے۔

سیالکوٹ کے جناب ریاض حسین چودھری کی تحریر ''جدید اردو نعت کی صورت پذیری کا موسم'' ص ۶۳ سے شروع ہوئی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ریاض صاحب کو عبارت آرائی سے خاصا شغف ہے۔ عبارت آرائی کرتے ہوئے کبھی تو جملہ بہت سجتا ہے مگر کبھی مفہوم کچھ کا کچھ ہو جاتا ہے۔ پیشِ نظر تحریر میں تراکیب ہی نہیں، جملوں کی تکرار بھی ہے، کہیں جملہ خوب ہوا ہے تو کہیں ناخوب۔ ریاض صاحب کی اس تحریر میں کچھ جملے بہت عمدہ بھی ہیں اور مجموعی طور پر انداز بھی اچھا ہے لیکن کچھ جملے اور کچھ منتخب مصرعے و اشعار توجہ چاہتے ہیں:

☆ ''قیامِ پاکستان کے بعد نعت کی پذیرائی کے جس سرمدی موسم کا آغاز ہوا تھا۔'' (ص ۶۳)

☆ ''سیکھی یہیں مرے دلِ کافر نے بندگی رب کریم ہے تو تری ﷺ رہ گزر میں ہے'' (ص ۶۳)

☆ ''بلکہ روزِ آخر کے بعد بھی تمام مخلوقات موت کی آغوش میں سو چکی ہوں گی، اُس وقت بھی رب ذوالجلال قائم و دائم ہوگا۔'' (ص ۶۴)

☆ حضور ﷺ کا دامنِ رحمت اولادِ آدم کے برہنہ سروں پر سایہ فگن ہے۔ بلاتفریقِ رنگ و نسل اکیس ویں صدی کے ساکنانِ کرۂ ارض کو جہانِ نعت میں سانس لینے کا اعزاز حاصل ہے۔ درود و سلام کے پیکر

شعری کا نام نعت ہے....'' (ص ۶۵)

☆ ''ہمارے نام کے آگے بھی حرفِ بخشش لکھ　　کہ سرفراز ہوں ہم جب تیری کتاب کھلے'' (ص ۶۶)

☆ ''اس جزوِ نورِ کل سے تابندگی تمام　　میں کیوں نہ اس کے سائے کو بھی روشنی لکھوں'' (ص ۶۶)

☆ ''حضور ﷺ کی رحمت محدود نہیں بلکہ لامحدود ہے اور زمان و مکان کی قید سے ماورا ہے۔ لمحۂ موجود میں نہیں آنے والا ہر لمحہ آقائے محتشم ﷺ کے سائبانِ کرم میں سانس لے گا۔'' (ص ۶۷)

☆ ''تمام الہامی صحیفوں میں میلادِ مصطفیٰ (ﷺ) کا ذکر معطر موجود ہے۔'' (ص ۶۸)

☆ ''عرش خدا پہ شانِ خدا جھومنے لگی　　مردِ خدا کی عظمتِ کردار دیکھ کر'' (ص ۷۱)

☆ ''جھوٹے خداؤں کی عمل داری میں عصائے موسیٰ رکھنا شیوۂ پیغمبری ہے۔'' (ص ۷۱)

☆ ''کسی ننھے سے چرواہے کو دیکھوں اور پھر سوچوں　　کوئی منظر کئی صدیوں پرانا یار سول اللہ'' (ص ۷۴)

☆ ''پاؤں رکھ رکھ کے گھروندے وہ بنایا کرتے　　میں خنک ریت کا بے نام سا ٹیلہ ہوتا'' (ص ۷۴)

☆ ''ہم نائن الیون کے بعد نام نہاد نئی دنیا کی آلودہ فضا میں سانس لینے پر مجبور ہیں...'' (ص ۷۴)

☆ ''حالی نے حضور ﷺ کی عدالت میں ملتِ اسلامیہ کا استغاثہ پیش کیا تھا۔'' (ص ۷۵)

☆ ''ارض و سما مسلسل زلزلوں کی زد میں ہیں۔'' (ص ۷۹)

☆ ''اس روشنی نے غارِ حرا کے مقدس دامن سے اپنے سفر کا آغاز کیا تھا۔'' (ص ۸۰)

☆ ''عہد طفولیت سے مقامِ وصال تک　　آقا کی ہر ادا کو ہمارا سلام ہو'' (ص ۸۲)

☆ ''دفاعِ مصطفیٰ کا فریضہ ازل ہی سے نعت گو کو ودیعت کیا گیا ہے۔'' (ص ۸۲)

☆ ''محبتِ رسول ہی قصرِ ایمان کا بنیادی پتھر ہے۔'' (ص ۸۳)

☆ ''دستِ قدرت نے مدحتِ رسول کے باب میں لفظ زوال درج بھی نہیں کیا۔ اردو نعت ہر عہد اور ہر دور میں محبتِ رسول کے اظہار و ابلاغ کا وسیلہ بنی ہے۔ جدید اردو نعت نے بھی اپنا یہ اعزاز لازوال برقرار رکھا ہے۔'' (ص ۸۳)

☆ ''ازل مقام سے پہلے، ابد مقام کے بعد　　جہاں جہاں پہ خدا ہے وہاں وہاں ترا نام'' (ص ۸۴)

☆ آقا علیہ السلام کا درِ رحمت کھلا ہے اور ابد تک کھلا رہے گا، بلکہ ابد کے بعد بھی، نبی مکرم ﷺ کے دستِ عطا سے کرم کے پھول تقسیم ہوتے رہیں گے۔'' (ص ۸۷)

☆ ''آفاق کی ہر شے ہے ثناخوانِ محمد　　ماحول کے ماتھے پہ رقم صلی علیٰ ہے'' (ص ۸۷)

☆ ''رگ و پے میں ہزاروں بجلیاں کوندیں نہ کیوں سیفی

یہ وہ در ہے جہاں سے روشنی ایجاد ہوتی ہے'' (ص ۸۸)

☆ ''جس عمل میں خدا اور اس کے فرشتے بھی انسانوں کے ساتھ شریک ہوں وہ عمل کتنا عظیم و معتبر ہوگا...خدا اور اس کے فرشتے بھی ہمارے عمل معتبر سے شریک ہیں۔'' (ص ۹۰)

☆ ''آج یہ احساس ایک توانا تحریک بن چکا ہے کہ قصر ایمان کی خشتِ اوّل کا تصور بھی حضور ﷺ پر ایمان لائے بغیر ممکن نہیں۔'' (ص ۹۲)

☆ ''اقبال نعت کو اس مقام پر لے آئے ہیں کہ کسی بھی دور کا نعت نگار اس علمی اثاثے کی خوشہ چینی تو کرسکتا ہے نعت کو اس مقام سے آگے لے کر چلنا بظاہر اس کے بس کی بات نہیں...'' (ص ۹۳)

☆ ''ایک اچھا غزل گو ہی ایک اچھا نعت گو ثابت ہو سکتا ہے۔'' (ص ۹۴)

☆ ''کیا ہوگا اس سے بڑھ کے بھلا معجزہ کہ تو انسان کے روپ میں بھی پیمبر دکھائی دے'' (ص ۹۴)

☆ ''آج کی نعت کے شاعر کو بھی اپنے اس اعزاز لازوال کا ادراک ہے کہ وہ کائنات کے سب سے بڑے انسان کے حضور ﷺ رعنائی خیال کے شگفتہ پھول سجا رہا ہے۔'' (ص ۹۶)

☆ ''کس شان کا ہے احمد مرسل ﷺ کا قصیدہ اعجاز یہ اللہ کے دیوان سے پوچھو'' (ص ۹۷)

☆ ''قرآن صحیفہ انقلاب ہے...دستِ قدرت نے آیت آیت میں حروف تحسین سجائے ہیں۔'' (ص ۱۰۰)

☆ ''لب پر ورق ورق کے درود و سلام ہے لاریب لفظ لفظ خدا کا کلام ہے
ہر سمت ہے محامد سرکار کی دھنک قرآن ایک نعت مسلسل کا نام ہے'' (ص ۱۰۱)

☆ ''نعت نے پوری انسانیت کے لیے ایک پلیٹ فارم مہیا کیا ہے آج کی نعت اس سوچ کی مظہر ہے کہ ایک انسان کا قتل پوری انسانیت کا قتل ہے۔'' (ص ۱۰۲)

☆ ''دلگن بخشی ہمیں سرکار نے ابطالِ باطل کی شعار اپنا ہے حق کی جستجو سرکار کے دم سے'' (ص ۱۰۴)

☆ ''اس لیے کہ ہم نبی آخر الزماں ﷺ کی حیاتِ مقدسہ کی ہر روشنی (سے) عملاً فرار کے جرم عظیم کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ ان بے غیرت آنکھوں کی سزا تو یہی ہے کہ انھیں ہمیشہ کے لیے رزق شب بنا دیا جائے لیکن نقاشِ ازل نے ایسا نہیں کیا۔ اسے اپنے محبوب ﷺ کی اُمت، اس کے تمام تر کوتاہیوں کے باوجود عزیز ہے۔'' (ص ۱۰۴)

☆ ''مجھے یاد ہے کہ وہ گھڑی، کہ جس پل خدائے محمد ﷺ نے سارے فرشتوں کو سجدے کا فرمان جاری کیا تھا، کہ آدم کو سجدہ کرو، یہ زمیں پر ہمارا خلیفہ بنے گا، مجھے یہ بھی ہے یاد، پھر میرے ماتھے پہ اس نے یہ فرمان لکھا کہ دنیا میں جا کر میں اس ذاتِ اقدس کا اب خیر مقدم کروں'' (ص ۱۰۷)

☆ ''رستہ کسی سے پوچھنا توہین ہے مری ہر رہ گزر شہر پیمبر کو جائے ہے'' (ص ۱۱۰)

☆ ''جب فرشتوں کا یہ حق ہے تو امتیوں کے حق میں اندازہ کون لگا سکتا ہے۔ (ص ۱۱۰)

☆ ''شعر میں وجودِ مصطفیٰ کے جمالیاتی ظہور کا نام نعت ہے۔'' (ص ۱۱۵)

☆ ''آج مسلم اُمہ کے ارباب دانش ہی نہیں عوام الناس بھی نعت کے حوالے سے اسلام کی از سر نو دریافت کے لیے لاشعوری طور پر مصروف عمل ہیں۔'' (ص ۱۱۶)

☆ ''محبت، اطاعت اور اتباع کے دریچے وا نہ ہوں تو بساطِ ادب پر ثنائے رسول کا نزول ممکن ہی نہیں رہتا۔'' (ص ۱۱۷)

☆ ''جدید اردو نعت قرآنی معاشرے کی تشکیل کا فریضہ بھی سرانجام دے رہی ہے۔'' (ص ۱۱۷)

☆ ''آج کا نعت نگار نعت سے حمد کی طرف لوٹ آرہا ہے یہ ارتقائی (ارتقا) منشائے ایزدی کے عین مطابق ہے اس لیے کہ واسطۂ رسالت کے بغیر توحید پرستی کا ہر دعویٰ باطل ہے۔'' (ص ۱۱۸)

ریاض حسین صاحب چودھری کی اس تحریر میں کچھ جگہ ''صلی اللہ علیہ وسلم'' جانے کیوں کم پوز ہوا ہے؟ ملاحظہ ہو: ''جو پوچھا رب نے عمل بھی ہے کوئی پاس ترے ﷺ''

''وہ کائنات کے سب سے بڑے انسان کے حضور ﷺ'' (ص ۹۶)

اس پورے مضمون میں جہاں جہاں واقعی یہ کلمۂ درود وسلام ''ﷺ'' ہونا چاہیے تھا ان میں کچھ جگہ نہیں لکھا گیا جب کہ مصرعوں کے درمیان بغیر قوسین کے وہاں وہاں بھی لکھا گیا ہے جہاں میری سمجھ کے مطابق نہیں لکھا جانا تھا۔ ملاحظہ ہو:

''ہمارے نام کے آگے بھی حرفِ بخشش لکھ   کہ سرفراز ہوں ہم جب تری ﷺ کتاب کھلے'' (ص ۶۶)

محترم صبیح رحمانی صاحب! مجھے یوں محسوس ہوا ہے کہ درود وسلام کا یہ کلمہ لکھنے کا اہتمام مضمون نگار کی نہیں بلکہ آپ کی طرف سے ہوا ہے اور آپ نے جس کسی کے ذمے یہ کام سونپا اس نے اپنی دانست کے مطابق یہ کام کیا۔ اگر میرا یہ احساس درست نہیں تو اصلاح فرمادیں۔ ''نعت رنگ'' شمارہ ۱۷ کے ص ۴۶۳ پر میرے مطبوعہ مکتوب میں یہ تجویز پیش کی گئی تھی کہ کسی مصرعے میں میرے پیارے نبی پاک ﷺ کا مبارک نام یا لقب آئے تو قوسین بریکٹ میں ''ﷺ'' لکھا جائے۔ لفظ ''ان، تری، تیرا'' کے ساتھ اس مضمون میں درج اشعار کے درمیان یہ کلمۂ درود وسلام بغیر قوسین کے یوں مجھے موزوں نہیں لگا۔ آپ اک شعر دیکھیے:

''معراج، تیری ﷺ برقِ خرامی کی اک مثال   قرآن پاک سب سے بڑا معجزہ، ترا ﷺ

درود وسلام کی کثرت بہت مبارک ہے مگر تحریر میں اس کا اہتمام صحیح اور برمحل ہونا چاہیے۔'' (ص ۱۰۱)

جناب ریاض حسین چودھری کی تحریر میں ''قابلِ توجہ'' جملے اور اشعار نقل کرتے ہوئے میں نے

تفصیل نہیں لکھی۔ اگر ''توجہ'' کرنے کے باوجود انھیں وہ بات نظر نہ آئے جو قابلِ توجہ ہے تو یہ فقیر اُن جملوں اور اشعار میں قابلِ تصحیح باتوں کی تفصیل لکھ دے گا۔

ریاض حسین صاحب چودھری لکھتے ہیں: ''آج کی نعت اس سوچ کی مظہر ہے کہ ایک انسان کا قتل پوری انسانیت کا قتل ہے۔'' (ص ۱۰۲)

ذرائع ابلاغ سے حکمرانوں اور سیاست کار افراد کا بھی یہی بیان پڑھنے سننے میں آتا ہے کہ قرآن میں واضح بیان ہے کہ ایک انسان کا قتل پوری انسانیت کا قتل ہے۔ ریاض صاحب توجہ فرمائیں کہ اس بیان میں ''قابلِ توجہ'' بات کیا ہے؟ قرآن کریم کی سورۃ المائدۃ کی آیت ۳۲ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: من اجل ذلک، کتبنا علی بنی اسرائیل انه من قتل نفسا بغیر نفس اوفساد فی الارض فکانما قتل الناس جمیعا ومن احیاها فکانما احیا الناس جمیعا...

ترجمہ از کنز الایمان: ''اس سبب سے ہم نے بنی اسرائیل پر لکھ دیا کہ جس نے کوئی جان قتل کی بغیر جان کے بدلے یا زمین میں فساد کیے تو گویا اس نے سب لوگوں کو قتل کیا اور جس نے ایک جان کو جلایا اس نے سب لوگوں کو جلایا۔'' قرآن کریم کی اس آیت میں واضح ہے کہ جس نے کسی کا ناحق قتل کیا۔ ''بغیر نفس او فساد فی الارض'' کے بیان کو فراموش کر کے صرف اتنا کہنا کہ ''ایک انسان کا قتل پوری انسانیت کا قتل ہے''، یہ فرمودۂ قرآن کے مطابق نہیں۔ صرف قتل اور ناحق قتل میں بہت فرق ہے، اس فرق کے بغیر بیان کیسے درست مانا جاسکتا ہے۔ ایک مجرم کو اس کے جرم کے بدلے قتل کرنا اور ایک بے گناہ کو ناحق قتل کرنا برابر نہیں ہوسکتا۔ محترم ریاض حسین صاحب! آپ صرف آج کی نعت کو اس سوچ کا مظہر بتارہے ہیں۔ نعت شریف اور نعت گوئی کے فرق کے حوالے سے یہ فقیر پہلے بھی لکھ چکا ہے۔ نعت کسی زبان میں کہی جائے اور کسی دور میں کہی جائے وہ اپنے بیان میں درست ہے تو یہ نبی کریم ﷺ کی ذات اور اُن کی صفات اور تمام متعلقات کے بیان میں دین سے ہٹ کر ہو ہی نہیں سکتی۔ اگر کوئی متضاد یا مخالف بیان نعت شریف میں کوئی کہہ دے تو وہ ناقابلِ قبول ہے۔ صحیح نعت شریف ہر زبان اور ہر دَور میں کتاب وسنّت کی ترجمانی لیے ہوگی۔ نعت شریف میں خلافِ شرع بات کی کیا گنجائش؟ جو شعرا ناواقفی کی وجہ سے کوئی بات کہہ جاتے ہیں اسی کے لیے ''نعت رنگ'' مسلسل لکھ رہا ہے تاکہ ہم سب حدود وقیود پہچانیں اور ان سے سرموانحراف نہ کریں۔

ریاض صاحب! آپ خود ہی یہ مصرع دیکھیے:

''کسی ننھے سے چرواہے کو دیکھوں اور پھر سوچوں''

آپ ہی نے سعیدہ ہاشمی کے اس شعر کا انتخاب کیا ہے، آپ ہی کہیے، کیا اس کے روادار ہوں گے

آپ؟ ڈاکٹر عبدالرؤف کی ایک کتاب فیروز سنز سے طبع ہوئی، اسے جانے کس لیے ''صدارتی ایوارڈ'' دیا گیا؟ جب کہ اس کتاب میں ایسے الفاظ جا بہ جا موجود ہیں۔ یہ فقیر اپنے ایک مکتوب میں پہلے بھی اس حوالے سے لکھ چکا ہے۔

ریاض صاحب کی تحریر میں ہے: ''واسطۂ رحمت کے بغیر توحید کا ہر خود ساختہ تصور باطل ہے اور حکمِ خداوندی کی کھلی خلاف ورزی ہے اسی خلاف ورزی کی بنا پر ابلیس ہمیشہ کے لیے مردود ٹھہرا تھا۔'' (ص ۱۰۸)

اس اقتباس میں ''واسطۂ رحمت'' کی جگہ ''واسطۂ رسالت، واسطۂ نبوت'' ہی موزوں لفظ تھے اور توحید کی بجائے عقیدۂ توحید بہتر اور زیادہ واضح لفظ ہوتے۔ ریاض صاحب کے یہ الفاظ: ''اور حکمِ خداوندی کی کھلی خلاف ورزی ہے'' توجہ طلب ہیں۔ وہ مزید لکھتے ہیں: ''اسی خلاف ورزی کی بنا پر ابلیس ہمیشہ کے لیے مردود ٹھہر تھا۔'' مجھے ان الفاظ میں ریاض صاحب کا یہ قطعی بیان ماننے میں تامل ہے۔ ریاض صاحب جو کہنا چاہ رہے ہیں وہ سمجھ میں آ رہا ہے میرا مقصد اُن کے بیان میں صحیح الفاظ کے استعمال کی طرف توجہ کروانا ہے۔

''نعت رنگ'' شمارہ ۱۷ میں ص ۱۲۱ سے جناب پروفیسر محمد اقبال جاوید آف گوجراں والا کی تحریر شروع ہوئی ہے، عنوان ہے: ''نعت نگاری اور احترازِ نفس''۔

''نعت رنگ'' شمارہ ۱۸ کے ص ۷۵۲ پر پروفیسر محمد اقبال جاوید صاحب اپنے مکتوب (بنام صبیح رحمانی صاحب) میں لکھتے ہیں: ''نعت نگاری اور احترازِ نفس''...اس تحریر کے بارے میں دوبارہ بروقت عرض کیا تھا کہ اسے نہ چھاپیں کیوں کہ اس میں بہت سا حک و اضافہ مقصود تھا۔ آپ ایک طویل قلمی رفاقت کے پیش نظر میری یہ 'آخری' التماس قبول فرما لیتے تو میں ذہنی کرب سے بچ جاتا۔''

پروفیسر محمد اقبال جاوید صاحب کی یہ 'آخری' التماس کیوں قبول نہ ہوئی؟ اس کا جواب تو آپ (جناب صبیح رحمانی) ہی دے سکتے ہیں۔ حک و اضافہ کے اشارے سے قطع نظر پروفیسر صاحب کو ذہنی کرب کیوں ہوا؟ انھوں نے واضح نہیں کیا۔ ان کی اس تحریر میں اصلاحی اچھی باتیں بھی ہیں مگر انھوں نے ایک ہی لاٹھی سے سبھی کو ہانکنے والا طرز برتا ہے اور مبالغہ و مغالطہ سے کام لیتے ہوئے تصویر کا ایک ہی رخ زیادہ نمایاں کیا ہے۔ ''نعت رنگ'' کے شماروں میں ان کی مطبوعہ تحریروں کے معترضہ اور قابلِ گرفت جملوں کی اس فقیر کی طرف سے نشان دہی پر اُن کی برہمی بھی دیکھی اور پیش نظر اُن کے مضمون میں اُن کے اپنے قلم سے انہی باتوں پر دوسروں کے لیے سخت اور تلخ جملے بھی دیکھے۔ پروفیسر صاحب کی طرف سے ''حک و اضافہ'' کے بعد اس تحریر کی اشاعت ہوئی تو اس بارے میں خامہ فرسائی کروں گا۔ البتہ یہ عرض کر دوں کہ انھوں نے واصف علی واصف صاحب کی تحریر سے جو اقتباس منتخب کیا ہے اس میں بھی قابل گرفت جملوں پر توجہ نہیں کی۔

جناب پروفیسر محمد اقبال جاوید اپنے مکتوب میں لکھتے ہیں: ''ریکارڈ کی درستی کے لیے عرض کر دوں

کہ شمارہ ۱۳ص ۲۰ کا نثر پارہ 'طور پر تجلیوں کی بارش...کافی تھی' واوین کے اندر ہے اور مقتبس ہے حضرت حافظ مظہر الدین کے ایک انشائیے سے، چوک ہوگئی کہ آخر میں حوالہ نہیں دیا۔" (ص ۵۲ے، شمارہ ۱۸)

پروفیسر اقبال جاوید صاحب نے اس معترضہ اقتباس سے اپنی برأت بیان کرنے کے لیے صرف اس بات کو "چوک" کہا کہ اس اقتباس کا حوالہ نہیں دیا۔ ان سے عرض ہے کہ وہ اقتباس خود آپ نے منتخب کیا تھا، کیا انھی الفاظ میں آپ کو وہ اقتباس اب بھی قبول ہے؟ کیوں کہ آپ نے اس اقتباس کی قابلِ گرفت اور معترضہ شدید باتوں سے اپنی برأت بیان نہیں کی، نہ ہی اس اقتباس کے انتخاب کو 'چوک' کہا ہے۔ اپنے اسی مکتوب میں پروفیسر صاحب نے "نعت رنگ" کے شمارے میں شائع ہونے والے اپنے ایک مضمون کی املائی غلطیوں کی تصحیح کے لیے دو صفحے لکھے لیکن ایمانی اعتقادی لحاظ سے اپنی تحریر کی واضح غلطیوں کے لیے ایک سطر بھی نہیں لکھی۔ کیا یہی سمجھا جائے کہ ان کی تحریروں میں موجود جو غلطیاں نشان زد کی گئی تھیں، انھیں وہ غلطیاں ہی نہیں مانتے؟ وہ خود لکھتے ہیں: "ایک دینی بھائی کا فرض ہے کہ وہ دوسرے کی اصلاح کرے اور دوسرا اس اصلاح کو قبول کرے۔" (ص ۱۴۲)

"نعت رنگ" شمارہ ۱۷ کے ص ۱۴۵ سے ۱۷۴ تک گوجراں والا کے پروفیسر محمد اکرم رضا صاحب کی تحریر بعنوان "نعت میں نعت" ہے۔ عنوان کے بارے میں وہ خود لکھتے ہیں کہ اس عنوان کے تحت انھوں نے "وہ نعتیں دی ہیں یا ایسے نعتیہ اشعار دیے ہیں جن میں نعت نگاری کے آداب و لوازم دیے ہیں۔" (ص ۱۵۳) شعری انتخاب سے پہلے نعت شریف کا تعارف اور تعریف کرتے ہوئے انھوں نے کچھ جملے عمدہ بھی لکھے ہیں تاہم کچھ جملے قابلِ توجہ ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

☆ "(نعت) منتخب ترین لفظوں کا خزینہ ہے" (ص ۱۴۵)

☆ "نعتِ رسول ﷺ نغمۂ قدسی ہے۔" (ص ۱۴۲)

☆ "(نعت کس کی جو) بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر کی حقیقت آفرینی کا مظہر ہے۔" (ص ۱۴۶)

☆ "جملہ انبیا و رسل جس کی تشریف آوری کی دعائیں مانگتے رہے۔" (ص ۱۴۶)

☆ "نعت میں نعت کی تلاش، قرآن مجید تو خود ایسا قلزمِ نعت ہے جس کا کنارا نہیں۔ سرچشمۂ نعت ہے جس کا قطرہ قطرہ نعت کے انوار کی پہچان لیے ہوئے ہے۔ ایسا آسمانِ نعت ہے جہاں ایک ایک ستارہ تجلی گاہِ حضور بنا ہوا ہے۔ ایسا گلزارِ توصیفِ رسول ﷺ ہے جس کی کلی کلی نورِ محمد ﷺ سے جلوہ ریز، غنچہ غنچہ جمالِ مصطفیٰ ﷺ سے ضوبار، پتی پتی جلوہ ہائے بے کراں سے منور اور پھول پھول اپنے دامن میں ثنائے رسول ﷺ کی سدا بہار جلوہ ریزی سمیٹے ہوئے ہے۔ جسے ایک نظر دیکھتے ہی دیدہ و دل پکار اٹھیں:

کیا شانِ احمدی کا چمن میں ظہور ہے ہر گل میں ہر شجر میں محمد کا نور ہے" (ص ۱۴۷)

☆ ''جب بھی کوئی صاحبِ ذوق کسی ایسے ایوانِ نعت کی جستجو کرتا ہے کہ جہاں سے نعتِ محمد ﷺ کے شہ پارے سمیٹ سکے تو قرآنِ حکیم کا متن نور اس کے سامنے صحیفۂ مدحت محمد ﷺ بن کر ابھرتا ہے۔ یہ وہ تاریخ ساز ایوانِ نعت ہے جس کی ایک ایک سورت پیغام نعت دے رہی ہے۔'' (ص ۱۴۷)

☆ ''وہ قرآنِ نعت جو ہمیں نعتِ رسول کا بہترین انتخاب عطا کرے۔'' (ص ۱۴۷)

☆ ''جسے ''انا اعطینک الکوثر'' کی صورت میں تمام تر بلندیوں سے نوازا گیا۔'' (ص ۱۴۸)

☆ ''تاکہ آپ کو ایک جھلک دیکھنے والا ہی بلا تاخیر خدائے کریم کی وحدانیت پر ایمان لے آئے۔'' (ص ۱۴۸)

☆ ''آپ کے خاندان کو ''رجس'' سے پاک کر کے...'' (ص ۱۴۹)

☆ اگر اسم محمد ﷺ استعمال ہوا ہے تو اشد ضرورت کے تحت'' (ص ۱۴۹)

☆ ''وہ (نعت گو شعرائے ذی وقار) ہر لحاظ سے بارگاہِ خدا و مصطفیٰ ﷺ میں سرخ رو ہو رہے ہیں۔ کیوں کہ یہ اس مقدس فعل کو انجام دے رہے ہیں جو ربّ کریم اور اس کے فرشتے انجام دے رہے ہیں یعنی درود کی صورت میں توصیفِ رسول۔'' (ص ۱۵۲)

☆ ربّ کریم نے تو اہلِ ایمان کو درود کے ساتھ سلام کا بھی حکم دیا ہے اور کہا گیا ہے کہ ایسے پڑھو جیسا کہ پڑھنے کا حق ہے۔'' (ص ۱۵۲)

پروفیسر محمد اکرم رضا صاحب بخوبی جانتے ہیں کہ قرآنِ کریم غیر مخلوق ہے، اس کے لیے ایسا کوئی بیان کیسے درست ہوسکتا ہے جو اس موقف کے کسی طرح منافی ہو۔ ص ۱۴۹ پر انھوں نے حکیم الامت حضرت مفتی احمد یار خاں نعیمی بدایونی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''شانِ حبیب الرحمٰن من آیات القرآن'' سے جو اقتباس پیش کیا ہے وہ خود اس میں ملاحظہ فرمالیں کہ کس قدر احتیاط سے بات کی گئی ہے۔

پروفیسر اکرم رضا صاحب کی تحریر میں ہے: ''محمد (ﷺ) پر قرآن اتارا گیا۔'' (ص ۱۴۷) میرے پیارے نبی کریم ﷺ کے لیے یہ انداز اور لہجہ کیا پروفیسر محمد اکرم رضا صاحب ہی کا ہے؟ میں سوچتا رہ گیا۔ ص ۱۴۷ ہی پر اُن کی تحریر میں ہے: ''وللاخرۃ'' فرما کر جس کے آنے والے ہر دور کو...'' پوری آیتِ قرآنی نہ لکھنے کی وجہ کیا ہوئی؟ اسی طرح انھوں نے صرف ''لقد کان لکم'' ہی لکھا، فی رسول اللہ اسوۃ حسنہ'' کے الفاظ نہیں لکھے، یہ اسلوب محلِ نظر ہے۔ ص ۱۵۱ پر انھوں نے جناب راجا رشید محمود کی تحریروں سے دو اقتباس پیش کیے ہیں۔ مجھے یہی گمان ہے کہ یہ اقتباس صحیح کمپوز نہیں کیے گئے، اگر بلفظہ اسی طرح ہیں تو دونوں اقتباس قابلِ گرفت ہیں۔ اس تحریر میں عربی عبارات اور آیاتِ قرآنی کی کمپوزنگ میں خاصی غلطیاں ہوئی ہیں۔ پروفیسر اکرم رضا صاحب کے انتخاب میں جناب سجاد رضوی، جناب قصری کانپوری،

جناب ریاض حسین چودھری، جناب شیر افضل جعفری، جناب اکرم کلیم، جناب شہاب دہلوی اور جناب قمر یزدانی کے کچھ اشعار اور مصرعے مجھے محلِ نظر لگے۔

''نعت میں جدید طرزِ احساس'' کے عنوان سے ''نعت رنگ'' شمارہ ۱۷ کے ص ۱۷۵ سے جناب پروفیسر محمد فیروز شاہ آف میاں والی کی تحریر شروع ہوتی ہے۔ جناب ریاض حسین چودھری اور جناب محمد فیروز شاہ ہر دو کی تحریر میں کچھ باتیں مشترک ہیں۔ فیروز شاہ صاحب کو بھی عبارت آرائی میں مہارت ہے۔ شاعری اور نعت نگاری دونوں کا بیان کرتے ہوئے انھوں نے اپنے شعری اور ایمانی ذوق کی ترجمانی اس تحریر میں کی ہے۔ غیر مسلم افراد کے حوالے بھی انھوں نے شاعری کے تعارف اور تعریف میں پیش کیے ہیں اور اپنے موقف کو واضح کیا ہے، اس بیان میں مجھے کہیں مبالغہ اور کہیں مغالطہ بھی نظر آیا۔ وہ لکھتے ہیں: ''......سو حرفوں میں زمانہ کی گونج موجود نہ ہو تو اذنِ حضوری نہیں ملتا اور نعت تو ہے ہی سراپا عطا۔ اذن اور اجازت کے بغیر لفظ وجود نہیں پاتے اور حرفِ مدعا بے صدا رہتا ہے۔'' (ص ۱۸۴) انھوں نے لکھا ہے: ''سرکارِ دو عالم ﷺ نے سب سے پہلی گواہی سچ بیانی اور حق گوئی کی طلب فرمائی اور جانی دشمنوں نے بھی صادق ہونے پر صاد کیا۔'' (ص ۱۸۴) جب کہ ص ۱۹۳ پر انہی کی تحریر میں ہے: ''یہ اُس محسنِ انسانیت ﷺ کا عظیم کردار ہی تو تھا کہ جس نے دشمنِ جاں سے بھی صادق و امین کہلوایا۔''

وہ لکھتے ہیں: ''سرکارِ دو جہاں ﷺ کا فرمان ہے...''فضیلت اس گواہی کی ہے جو دشمن بھی دے۔'' فی الواقع اگر یہ فرمانِ رسولِ کریم ﷺ ہی ہے تو اصل عربی مجھے یوں یاد ہے۔ ''**الفضل ما شهدت به الاعداء**'' میرے نزدیک صحیح ترجمہ یوں ہوگا کہ ''فضیلت وہ ہے جس کی گواہی دشمن بھی دیں۔''

''نعت رنگ'' شمارہ ۱۷ کے ص ۲۱۱ پر ''ضلع رحیم یار خاں کے نعت گو'' کے عنوان سے تحریر میں ہے: ''خالقِ کائنات نے حضورِ اکرم ﷺ کی مدحت بیان کرتے ہوئے قرآنِ مجید میں رحمت للعالمین کی ترکیب سے آں حضرت ﷺ کی عظمت کا ایک خاص وصف بیان فرمایا ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ ربّ العالمین ہے اسی طرح سرورِ عالم ﷺ دونوں جہانوں کے لیے رحمت کا بے کراں سمندر ہیں۔'' مضمون نگار جناب گوہر ملسیانی نے ''رحمت للعالمین'' کے الفاظ کو ترکیب لکھا اور ''العالمین'' کا معنی ''دونوں جہانوں'' کیا ہے۔ ''العالمین'' ماسوی اللہ کو کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے سوا جو کچھ ہے وہ العالمین میں شامل ہے اور العالمین کے معنی ''تمام جہانوں'' ہوگا۔ ص ۲۰۹ پر انھوں نے لکھا: ''دراصل ربِ جلیل نے اپنی سُنّت کا اظہار فرمادیا ہے کہ خود ربّ العالمین اپنے پیارے رسول رحمت للعالمین ﷺ پر درود و سلام بھیجتا ہے اور اس کے فرشتے بھی اس کی اتباع کرتے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی حکم فرمادیا ہے کہ اہلِ ایمان بھی سیّد الانبیا، احمد مجتبیٰ ﷺ پر سلام و صلوٰۃ بھیجیں۔'' آیتِ صلوٰۃ و سلام کا بیان درست مگر ''فرشتے بھی اس کی اتباع کرتے ہیں'' کے الفاظ

قابلِ توجہ ہیں۔

اسی صفحے پر ہے: ''اس صحیفۂ نورانی میں ربِّ ارض و سماوات نے اپنے محبوب پیغمبر حضرت محمد ﷺ کے اخلاقِ حسنہ، جمال و کمال، سیرت و کردار اور کارِ انسان سازی کو دل کش اور مرصع پیرائے میں بیان فرما دیا ہے۔'' (ص ۲۰۹، شمارہ ۷) کلام اللہ تعالیٰ کے لیے مرصع پیرائے میں بیان فرمانے کے الفاظ مجھے موزوں نہیں لگے۔

ص ۲۲۰ پر وہ میرے نبی پاک ﷺ کو ''شارع لاالہ'' لکھتے ہیں۔ ص ۲۱۶ پر ایک شعر انھوں نے لکھا ہے:

''حدیثیں ہیں وہی میری مطابق ہوں جو قرآں کے ☆ تصدق جائیں اس قولِ رسول پاک داماں ﷺ کے''

گوہر صاحب مل سیانی تو ناقل ہیں۔ شاعر نے یہ کس فرمانِ رسول (ﷺ) کی ترجمانی کی ہے؟

''نعت رنگ'' شمارہ ۱۷ کے ص ۲۴۳ پر جناب پروفیسر جعفر بلوچ (لاہور) کی تحریر ہے، اس کا عنوان ہے: ''اسد ملتانی کا حمدیہ اور نعتیہ کلام''۔ اس تحریر میں ہے کہ: ''لفظ نبی کے بارے میں اسد صاحب رقم طراز ہیں: نبی کے لیے انگریزی میں پرافٹ (Prophet) کا لفظ مستعمل ہے جس کا عام مفہوم محض ایک پیشین گوئی کرنے والے کا ہے۔ اس کی اصل کاہنوں اور بطریقوں کے تصور سے معلوم ہوتی ہے اور انگریزی کے موجودہ لٹریچر میں تو یہ نہایت ہی ادنیٰ مفہوم میں مستعمل ہے۔ پیشین گوئی تو ایک طرف رہی، اگر کوئی شخص آئندہ کے متعلق محض کسی خیال کا اظہار بھی کر دے تو اس پر لفظ پرافٹ کا اطلاق ہو جاتا ہے۔ مسلمان آں حضرت ﷺ کے لیے بالعموم ہولی پرافٹ یعنی مقدس پرافٹ کا امتیازی لقب استعمال کر لیا کرتے ہیں۔ لیکن درحقیقت انگریزی زبان میں لفظ پرافٹ اس قدر حقیر اور مبتذل ہے کہ ''مقدس'' کا اضافہ بھی اس کے بُرے اثر کو زائل نہیں کر سکتا۔ اس لفظ کی تذلیل کا ایک سبب عیسائیوں کا الوہیتِ مسیح کا عقیدہ بھی ہے۔ اُن کے نزدیک حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) انسان کے پردے میں خدا کی حیثیت رکھتے ہیں۔ (نعوذ باللہ) اور اُن کے علاوہ باقی سب انبیا محض پرافٹ ہیں۔ مسیح کے اس خصوصی تصور سے جو ہندوؤں کے اوتار اور مجوسیوں کے حلول کے عقیدے سے ملتا جلتا ہے، پرافٹ کا درجہ نگاہوں سے اور بھی گر جاتا ہے۔ حالاں کہ اسلام میں اوتار کا عقیدہ ناپید ہے۔ انبیائے کرام انسانوں میں بلند ترین درجے کے مالک سمجھے جاتے ہیں۔ ان کا یہ مرتبہ انگریزی کے لفظ پرافٹ سے کسی طرح بھی ظاہر نہیں ہو سکتا۔'' (ص ۲۴۴، شمارہ ۱۷)

انٹرنیٹ سے مَیں نے لفظ ''Prophet'' کی تفصیل دیکھی تو مختلف لغات کے حوالے سے اس لفظ کا معنی و مفہوم ''خدا کا پیغام لوگوں کو پہنچانے والا'' ہی بتایا گیا ہے۔ امریکن ہیری ٹیج، بری ٹانِکا، وِکی پیڈیا، ویبسٹر وغیرہ میں یہی معنی و مفہوم درج ہے۔ ایک معنی ''پیش گوئی کرنے والا'' بھی درج ہے۔ مجھے بہت تحقیق نہ ہو سکی تاہم کوئی واضح منفی معنی و مفہوم اس لفظ کا تا حال میرے دیکھنے میں نہیں آیا۔ مجھے یاد آیا کہ

نیویارک میں اِم پائراس ٹیٹ بلڈنگ کے قریب واقع ایک مطعم میں ایک یہودی سے برسوں پہلے ملاقات ہوئی تھی۔ ذبیحے کے حوالے سے اس سے استفسار کرتا رہا۔ اس کا کم سن بچہ بھی وہاں تھا، اُس سے میں نے ایسے ہی پوچھ لیا کہ: ''پرافٹ عیسیٰ (علیہ السلام) کو جانتے ہو؟ اس بچے نے غصے سے جواب دیا کہ: تم نے (سیّدنا) عیسیٰ (علیہ السلام) کو پرافٹ کیوں کہا؟ اس واقعے کا تذکرہ یوں کیا کہ اگر ''پرافٹ'' کے لفظ کے منفی معنی مستعمل ہوتے تو یہودی اپنے بچوں کو کم سِنی ہی میں اس لفظ پر برہم ہونا نہ سکھاتے۔

واضح رہے کہ مجھے انگریزی کے اس لفظ کو ہر طرح درست متبادل لفظ ثابت کرنے سے کوئی رغبت نہیں لیکن اسد ملتانی صاحب کی تحریر میں اس لفظ ''پرافٹ'' کے حوالے سے جو اعتراض کیا گیا ہے وہ تا ایں دَم مجھے کسی جگہ درج نظر نہیں آیا۔ جعفر بلوچ صاحب نے اسد صاحب کی تحریر سے جو اقتباس نقل کیا ہے اس میں کوئی حوالہ کسی کتاب کا مذکور نہیں، اچھا ہوتا کہ وہ اس لفظ کی بابت اسد صاحب کی پوری تحقیق تحریر کرتے۔ علاوہ ازیں نصاریٰ کے حوالے سے جناب اسد ملتانی نے جو لکھا ہے تو یہ بات کوئی ڈھکی چھپی تو ہے نہیں کہ وہ حضرت سیّدنا عیسیٰ علیہ السلام کو ''ابن اللّٰہ'' مانتے ہیں (معاذ اللّٰہ) اور انبیا کرام علیہم السلام کے لیے ان کے عقائد و نظریات بھی مخفی نہیں۔ مجھے بخوبی احساس ہے کہ انگریزی زبان میں اسلامی اصطلاحات کا ہر طرح صحیح معنی یا ترجمہ نہیں ہوسکتا اور تصوف کی اصطلاحات کے حوالے سے تو اور بھی مشکل ہے۔

روزنامہ نوائے وقت، ۱۵ر مارچ ۲۰۰۷ء کی اشاعت میں جسٹس (ر) کے ایم اے صمدانی اپنے مضمون ''توہینِ رسالت اور ہم'' میں لکھتے ہیں: ''یہ رواج چل پڑا ہے (میرے خیال میں بغیر سوچے سمجھے) کہ حضور رسالت مآب ﷺ کے نام نامی اسم گرامی کے ساتھ انگریزی میں (P.B.U.H) کے حروف لکھے جاتے ہیں۔ یہ حروف دراصل مخفف ہیں Peace be upon him کے۔ ذرا غور تو کیجیے اس انگریزی فقرے کا ترجمہ عربی میں صرف ''علیہ السلام'' ہوسکتا ہے۔ کیا ہم کبھی حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے اسم مبارک کے ساتھ صرف علیہ السلام کہتے یا لکھتے ہیں، نہیں تو پھر P.B.U.H چہ معنی دارد؟ یہ بھی میرے خیال میں اسی بے پرواہی (Casualness) کا نتیجہ ہے جو ہمارے کردار کا جز و بن چکا ہے اور جس پر مَیں اپنے کسی پچھلے مضمون میں اظہارِ خیال کرچکا ہوں، اسے مَیں گستاخی کے زمرے میں تو نہیں رکھوں گا لیکن حضور ﷺ کی شان میں غیر ارادی طور پر سہی بے ادبی ضرور ہے۔''

پروفیسر جعفر بلوچ صاحب لکھتے ہیں: ''حضرت اسد ملتانی کا تصورِ دیں بہت وسیع اور ثقافت آگیں تھا۔'' (ص ۲۴۳) میرے نزدیک یہ جملہ قابلِ اصلاح ہے۔

ص ۲۴۶ پر وہ لکھتے ہیں: ''انھیں اُن یاوہ گو اور ہرزہ سرا شعرا سے کچھ علاقہ نہ تھا جو غاودنیت کے سرخیل اور ''یقولون مالایفعلون'' کا مصداق ہوتے ہیں۔''

پروفیسر جعفر بلوچ صاحب نے عربی سے اپنی واقفیت کا اظہار کرتے ہوے لکھا ہے: ''یقولون ما یفعلون کے مصداق ہوتے ہیں۔'' انھوں نے توجہ نہیں کی کہ ''یقولون مایفعلون'' کا معنی تو یہ ہوگا کہ ''کہتے ہیں جو کرتے ہیں''یعنی نفی کی بجائے اثبات ہوگا، انھیں لکھنا چاہیے تھا ''یقولون مالا یفعلون کا مصداق ہوتے ہیں۔'' ''کہتے ہیں جو نہیں کرتے۔''

یہاں ایک بات واضح کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔قرآن کریم کے ۲۸ /ویں پارے میں سورۃ الصف کی آیت ہے: یا ایھا الذین آمنوا لم تقولون مالا تفعلون (۲) اے ایمان والو کیوں کہتے ہو وہ جو نہیں کرتے۔ کبر مقتا عند اللہ ان تقولوا مالا تفعلون (۳)۔کیسی سخت ناپسند ہے اللہ کو وہ بات کہ وہ کہو جو نہ کرو۔

مفسرین کرام نے اس کا شانِ نزول بیان کرتے ہوئے بتایا ہے کہ کچھ صحابۂ کرام جہاد کا حکم آنے سے پہلے یہ کہتے سنے گئے کہ اگر ہم کو خبر ہوتی کہ اللہ کریم جل شانہ کو کون سا عمل پیارا ہے تو ہم وہ کرتے اگر چہ اس میں ہماری جان اور ہمارے مال کام آجاتے مگر جب جہاد کا حکم آیا تو یہ بات کہنے والے وہ چند افراد گھبرا گئے، تو یہ آیات نازل ہوئیں۔ان آیات میں واضح ہے کہ بندۂ مومن وعدہ خلافی کرنے والا نہ ہو اور دوسروں کو اچھی بات کہتے ہوئے خود بدعمل یا بے عمل نہ ہو۔ان آیات کی تلاوت کرکے یہ ہرگز نہیں کہا جاسکتا کہ اگر کسی نے حج نہیں کیا تو وہ حج کے فضائل بیان نہیں کرسکتا، کسی نے حرمین شریفین کا سفر نہیں کیا تو وہ مکّہ مکرمہ یا مدینہ منورہ کے فضائل نہیں کہہ لکھ سکتا۔لفظ ''غاوون'' سے غاوونیت لکھتے ہوئے اس کے سرخیل شعرا کی بابت صرف اسد ملتانی صاحب ہی کا نہیں تمام اہلِ ایمان کا موقف پروفیسر جعفر بلوچ صاحب کے علم میں ہوگا۔

جعفر بلوچ صاحب لکھتے ہیں: ''اسد صاحب جہاز ''نصرت'' سے رہ جانے اور پھر اس جہاز کی فنی خرابی کے واقعے کو محض ''اتفاق'' پر محمول فرما کر آگے بڑھ گئے تھے۔ ورنہ اسی واقعے میں کرامات طرازی کا اچھا خاصا لوازمہ موجود تھا۔اس سے اسد صاحب کی سلامتِ طبع کا اظہار ہوتا ہے۔'' (ص ۲۴۷، شمارہ ۱۷)

''کرامت'' کسے کہتے ہیں؟ اس کے بارے میں قرآن وحدیث کی گواہی موجود ہے۔ ہر واقعے کو ''کرامت'' یا ہر ایک سے کرامت کا ظہور نہیں مانا جاتا۔ پروفیسر جعفر بلوچ صاحب نے ''سلامتِ طبع'' کا ذکر یہاں جس طرح کیا ہے وہ ان اہلِ ایمان کے لیے منفی تاثر دے رہا ہے جن سے کرامات کا ظہور ہوتا ہے۔وہ لکھتے ہیں: ''حمد ونعت تو وہ غالباً اُسی زمانے سے لکھ رہے تھے جب انھوں نے قلم پکڑنا سیکھا تھا۔'' (ص ۲۴۷) جناب جعفر بلوچ صاحب کا یہ بیان محلِ نظر ہے۔ وہ لکھتے ہیں: ''زیب قرطاس الشمس ملتان'' کے حروف سے اخبار کا سالِ اشاعت (یعنی ۱۹۲۲ء یا ۱۳۴۱ھ) برآمد نہیں ہوتا۔'' (ص ۲۵۰، شمارہ ۱۷)

جعفر صاحب نے توجہ نہیں کی۔ ان حروف سے ''۱۳۴۱ھ'' برآمد ہوتا ہے، ملاحظہ ہو:

ز	ی	ب	ق	ر	ط	ا	س	ا	ل	ش	م	ر	م	ل	ت	ا	ن	
+۷	+۱۰	+۲	+۱۰۰	+۲۰۰	+۹	+۱	+۶۰	+۱	+۳۰	+۳۰۰	+۴۰	+۶۰	+۴۰	+۳۰	+۴۰۰	+۱	=۵۰	۱۳۴۱

ص ۲۵۱ پر دو شعر یوں درج ہیں:

''یکایک توڑ ڈالے مے کشوں نے ساغر و مینا
بھرا ساقی ﷺ نے کیا ان کے دلوں سے آبگینوں میں''

''یہ تیزی ارتقا کو صاحبِ معراج نے بخشی
بشر نے طے کیا صدیوں کی منزل کو مہینوں میں''

لفظ ''ساقی'' کے بعد کلمۂ درود و سلام کم پوز کیا گیا ہے اور ''صاحبِ معراج'' کے بعد نہیں کیا گیا۔
زیرِ نظر شمارے میں جا بہ جا کلمۂ درود و سلام کی کم پوزنگ جس طرح ہوئی ہے، وہ محلِ نظر ہے۔

جناب طالوت (عبدالرشید نسیم) کے حوالے سے شاعرِ مشرق علامہ ڈاکٹر محمد اقبال اور دیوبند کے جناب حسین احمد مدنی کے اختلاف کا تذکرہ جناب جعفر بلوچ نے کیا اور اسد ملتانی صاحب کے فارسی اشعار سے متعارف کروایا۔

میاں والی کے جناب ڈاکٹر غفور شاہ قاسم کی تحریر بعنوان: ''ملک منظور حسین منظور کی نعت گوئی'' ''نعت رنگ'' شمارہ ۱۷ کے ص ۲۶۰ سے شروع ہوئی ہے۔ انھوں نے ''جنگ نامۂ اسلام'' اور ''ارمغانِ عقیدت'' کے حوالے سے تعارفی مضمون لکھا ہے۔

محترم صبیح رحمانی صاحب! ''نعت رنگ'' میں نعت ہی کے موضوع پر تحریریں ہیں لیکن تنقید سے کہیں زیادہ تحسین و توصیف اور تعارف پر مشتمل مضامین زیادہ ہیں۔ یہ مشورہ ہے، اُمید ہے آپ پسند کریں گے کہ ''نعت رنگ'' کے تمام شماروں سے نعت کی تعریف، نعت گوئی اور نعت خوانی کے آداب کے عنوانات صحیح اور عمدہ اقتباسات جمع کر کے ایک کتاب بنا دی جائے تاکہ بکھری ہوئی ان تحریروں سے اس موضوع پر آسانی سے آگہی کا اہتمام ہو جائے۔ ''نعت رنگ'' کا ہر شمارہ شاید آپ کے پاس بھی ایک سے زائد نہ ہو، ہر کوئی تمام شمارے اب جمع بھی نہیں کر سکتا۔ یہ شکایت کئی تحریروں میں نظر آئی کہ ایسی کوئی کتاب اور ادارہ نہیں۔ اگر یہ محنت ہو جائے تو نہ صرف یہ شکایت نہیں رہے گی بلکہ ایک جگہ متعدد اہلِ قلم کی اس موضوع پر نگارشات جمع ہو کر زیادہ لوگوں تک پہنچ جائیں گی۔

ڈاکٹر غفور شاہ قاسم لکھتے ہیں: ''صنفِ نعت کا دامن آپ ﷺ کی سیرت، معجزات، خطبات، غزوات، معمولات، معاملات، عادات اور تعلیمات تک پھیلا ہوا ہے۔'' (ص ۲۶۱)

مجھے یہ جملہ یوں بھلا لگے گا کہ نبی کریم ﷺ کی ذات وصفات، حسن و جمال، فضل و کرم، سیرت، معجزات، خطبات، ارشادات، غزوات، معمولات، معاملات، عادات واخلاق اور تعلیمات واحکامات کے بیان نے نعت شریف کے دامن کو وسیع اور کشادہ کیا ہوا ہے۔ وہ لکھتے ہیں: ''شاعرِ نظم کے اس آغاز کے بارے میں خود لکھتے ہیں: ''ساقی نامۂ اسلام'' کے زیرِ عنوان صدائے احتجاج بلند کی گئی ہے اور خمستانِ یثرب کی بے لوث صہبائے اخوت سے جملہ فرزندانِ توحید کو حقیقی معنوں میں سرشار ہونے کی پُر زور دعوت دی گئی ہے۔'' (ص ۲۶۲)

''نعت رنگ'' کے صفحات میں لفظ ''یثرب'' کے بارے میں جناب رشید وارثی اور اس فقیر نے خاصی تفصیل سے لکھا ہے، اس کے باوجود اس لفظ کا استعمال جانے کیوں رَوا رکھا جاتا ہے۔ ڈاکٹر غفور شاہ لکھتے ہیں: ''اشعار ملاحظہ فرمائیے: ''ہاں وہی دشتِ عرب کا اک یتیم ہاشمی ﷺ''

اور اس نظم کا آخری مصرع ہے: ''مل گئی اک روز آخر جس کو میراثِ خلیل'' (ص ۲۶۲)

یہ دونوں مصرعے قابلِ توجہ ہیں۔ ص ۲۶۴ پر لکھتے ہیں: ''نعت کا سب سے بڑا ماخذ قرآن کریم ہے کیوں کہ حضور نبی اکرم ﷺ کا سب سے بڑا وصف خود خالقِ کائنات ہے۔'' کمپوزنگ غلط ہوئی ہے یا اصل تحریر میں اسی طرح ہے؟ اسی صفحے پر وہ لکھتے ہیں: ''حضور اکرم ﷺ دونوں جہانوں کے لیے رحمت بنا کر مبعوث فرمائے گئے۔ آپ ﷺ کی رحمتوں اور شفقتوں کا سایہ دونوں عالمین کو محیط ہے۔ تمام نعت گوشعرا نے حضور ﷺ کی رحمۃ للعالمینی کو نعت کا موضوع بنایا۔ منظور نے بھی اس طویل مثنوی میں بعض مقامات پر اس کو موضوع بنایا ہے اور اس کا حق ادا کر دیا ہے۔''

''رحمۃ للعالمین'' کے الفاظ میں ''العالمین'' اپنے عموم کے ساتھ ہے، اس حوالے سے کچھ صفحے پہلے بھی عرض کر چکا ہوں۔ ''دونوں عالمین'' اور ''حق ادا کر دینے'' کے الفاظ محلِ نظر ہیں۔ ڈاکٹر غفور شاہ لکھتے ہیں: ''ان کی نعت میں استغاثہ واستمداد طلبی کے اشعار بھی ملتے ہیں۔'' (ص ۲۶۸) اس جملے میں استغاثہ و استمداد کے ساتھ ''طلبی'' کا لفظ جانے کیوں لکھا گیا ہے۔ اسی صفحے پر یہ مصرع ہے: ''کرم اے مصدرِ انوارِ رحمت نیرّ یثرب۔'' یہاں بھی ''یثرب'' کا لفظ جانے کیوں ہے؟ جب کہ ص ۲۶۹ پر وہ لکھتے ہیں: ''انھوں نے نعت گوئی میں قرآنِ پاک اور احادیثِ مبارکہ سے بھی استفادہ کیا ہے۔'' حدیث شریف میں واضح ممانعت کے باوجود ''یثرب'' کا لفظ لکھنا حدیث شریف سے استفادہ ثابت نہیں کرتا۔

''نعت رنگ'' شمارہ ۱۷ میں جناب شاہ مصباح الدین شکیل کی تحریر کا عنوان ہے: ''شاعر جہاد... رحمان کیانی''۔ ص ۲۷۱ سے یہ تحریر ص ۳۰۹ تک پھیلی ہوئی ہے۔ مضمون نگار کا صرف ''رحمان کیانی'' لکھنا مجھے متعجب کر رہا ہے۔ وہ ضرور جانتے ہوں گے کہ اللہ کریم جل شانہ کے سوا کسی کو صرف ''رحمٰن'' لکھنا/کہنا

درست نہیں۔ مضمون نگار لکھتے ہیں: ''معرکہ تمبر سے پہلے رحمان کیانی غالب کے پرستار تھے۔'' (ص ۲۷۳) ''پرستار'' کا لفظ بھی معاشرے میں خوب کہا سنا جاتا ہے۔ مضمون نگار نے جناب عبدالرحمٰن کیانی کا تعارف اوران کی رزمیہ ونعتیہ شاعری کا جائزہ ان سے خاصی محبت ظاہر کرتے ہوئے پیش کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں: ''یہ رزمیہ شاعری اردو ادب کو رحمانی کیانی کی دین ہے۔'' (ص ۲۷۱) رزمیہ شاعری کے حوالے سے انھوں علامہ اقبال، حفیظ جالندھری اور محشر بدایونی کا تذکرہ بھی کیا ہے۔

''گنر شیر خاں'' کے عنوان سے جناب سیّد ضمیر جعفری کا رزمیہ کلام بحوالہ سقوط مشرقی پاکستان بھی مشہور ہے۔

جناب شاہ مصباح الدین شکیل نے محبت اور عشق کے فرق پر جو کچھ لکھا ہے، اس بارے میں ان شاء اللہ اپنی دانست تفصیل سے کبھی لکھوں گا۔ مضمون نگار نے کیانی صاحب کے حوالے سے لکھا ہے ک:

''لغوی طور پر اس کے معنی شدید شہوت کے ہیں۔'' (ص ۲۸۰)

☆ غیاث اللغات میں ہے: ''عشق بالکسر بسیار دوست داشتن، چیزے از منتخب ونزد اطبا مرضی ست از قسم جنون کہ از دیدن صورت حسین پیدا می شود عبدالرزاق شارح ظہوری از شرح اسباب وفتوحات الحکم نقل کردہ است کہ عشق ماخوذ از عشقہ وآن نباتیست کہ آں رالبلاب گویند چون بر درختی بہ پے چد آن را خشک کند ہمین حالت عشق ست بر ہر دلی کہ طاری شود صاحبش را خشک و زرد کند ودر مصطلحات بمعنی سلام و وداع نیز نوشتہ چہ اصطلاح آزاد انست کہ بجای سلام علیک عشق اللہ گویند۔'' (ص ۴۸۲، غیاث اللغات فارسی، مطبوعہ علی بھائی شرف علی اینڈ کمپنی پرائی ویٹ لمیٹڈ، بمبئی)

☆ چراغ ہدایت میں ہے: ''عشق افراطِ محبت ومحققان محبت مفرط گفتہ اند در بیان این بلکہ فاصلہ کہ ہیچ موجودی از ان خالی نیست زبان قلم وقلم زبان یک قلم قاصر ست بہر حال در فارسی بمعنی آفرین آمدہ است سبحانی گوید۔ گفتم چہ جمال با کمال داری، گفتا عشق ست دیدہ بینا را۔ وبمعنی دعا وسلام سعدی فرماید چناں قحط سالی اندر دمشق، کہ یاران فراموش کردند عشق۔ اگر چہ معنی حقیقی ارادہ کنند صحیح نمی شود چو عشق ملکہ راسخہ باشد کہ فراموش نمی تواند شد وصاحب اعجاز رشیدی بمعنی الوداع گفتہ وحشی گوید۔ زمن عشق بگو دیوان گان عشق را وحشی، کہ من زنجیر کردم پارہ از دار الشفا رقم۔ لیکن در بیت بمعنی سلام ست غایتش در رسوم رخصت ست کہ وقت وداع کنند۔'' (ص ۱۱۷، مطبوعہ بمبئی)

☆ لغاتِ کشوری میں ہے: ''عشق، (ع) کسی شے کو نہایت دوست رکھنا، بعض طبیب کہتے ہیں کہ عشق ایک مرض ہے قسم جنون سے جو شکل حسین دیکھنے سے پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ لفظ ماخوذ ہے عشقہ سے جس کو لبلاب اور عشق پے چاں بھی کہتے ہیں اور اس نبات کا قاعدہ ہے کہ جس درخت پر لپٹی ہو اس کو خشک

کردیتی ہے پس یہی حالت عشق کی بھی ہے کہ جس کو ہوتا ہے اس کو خشک اور زرد کردیتا ہے۔" (ص ۳۲۰، مطبوعہ دارالاشاعت، کراچی)

☆ فرہنگ عامرہ میں ہے: "عشق، محبت، شیفتگی۔" (ص ۳۵۲، مطبوعہ دہلی)

☆ فیروز اللغات عربی میں ہے: "عشق، بہت محبت۔" (ص ۴۴۹، فیروز سنز، لاہور)

☆ معجم الاغلاط اللغویہ المعاصرہ میں ہے: "(۱۲۹۹) العشیق ویخطئون من یستعمل کلمة العشیق بمعنی المسرف فی الحب، ویقولون ان الصواب هو: العاشق، اَوِ المغرم، اولصب، اَوِالواله، اَوِ المتیم، وجمیع هذه تعنی المحب، ولکن درجة المحبة تختلف بینها، والحقیقة هی ان العشیق صحیحة ایضاً، و تعنی العاشق والمعشوق کلیهما، کما یقول مستدرک التاج، والمدّ، وذیل اقرب الموارد، والمتن، والوسیط." (ص ۴۴۹، مکتبہ لبنان، بیروت، ۱۹۸۶ء)

☆ علمی اردو لغت میں ہے: "عشق (ع اند) بے حد محبت، پریت، پریم، پیار، نیہا، موہ، پیت، حب، ۲۔سلام، رخصت کا سلام ۳۔آفرین، رحمت، شاباش۔" (ص ۱۰۱۳، علمی کتاب خانہ، لاہور، ۱۹۹۳ء)

☆ منجد الطلاب میں ہے: "العشق (مص) افراط الحب ویکون فی عفاف وفی دعارة.

عَشِقه، عِشقا و عَشَقاً و معشقاً، تعلق به قلبه فهو (عاشق) ج عُشّاق وعاشقون وهی عاشقه وعاشق ج عواشق، عَشِق بالشئی: لصق به." (ص ۵۵۷، مطبوعہ بیروت، ۱۹۴۱ء)

☆ لسان العرب میں ہے: "عشق: العشق: فرط الحب، وقیل: هو عجب المحب بالمحبوب یکون فی عفاف الحب، ودعارته،... وسئل ابوالعباس احمد بن یحییٰ عن الحب والعشق: ایهما احمد؟ فقال: الحب لأن العشق فیه افراط۔" (ص ۲۲۴، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۹۸۸ء)

☆ القاموس المحیط میں ہے: "العشق والمعشق، کمقعد، عُجبُ المحب بمحبوبه: او افراط الحب، ویکون فی عفاف وفی دعارة، اوعمی الحس عن ادراک عیوبه."

(ص ۲۰۹، موسستہ الرسالہ، بیروت، ۱۹۹۸ء)

دس کتبِ لغات کے حوالے اس لیے نقل کیے ہیں کہ کسی ایک لغت میں بھی شدید شہوت کے معنی درج نہیں۔ ان سب نے افراطِ محبت ہی کو عشق کہا ہے۔ حیات الحیوان کے ص ۵۴۷ میں علامہ دمیری نے تو یہ لکھا ہے کہ: "عشق افراطِ محبت کا نام ہے اور اس کا یہ اثر ہوتا ہے کہ خود معشوق کے دل میں اپنے عاشق کا تخیل پیدا ہوجاتا ہے اور اس کا ذکر اس کے دل سے کبھی غائب نہیں ہوتا۔ پھر عاشق کی یہ حالت ہوتی ہے کہ وہ اپنے شہوانی قویٰ سے بے نیاز ہوجاتا ہے۔"

☆ حیات الحیوان میں علامہ دمیری لکھتے ہیں: "اور عشق "عشقہ" سے مشتق ہے۔ عشقہ ایک گھانس

ہوتی ہے جو درختوں کی جڑوں کو لپٹ جاتی ہے۔ اسی طرح جب عشق عاشق کو لپٹ جاتا ہے تو موت کے علاوہ کوئی چیز اُس کو جدا نہیں کرسکتی۔'' (ص ۵۴۹)

شاہ مصباح الدین شکیل لکھتے ہیں: ''جہاں تک نعتیہ شاعری کا تعلق ہے جامی، قدسی، سعدی اور رومی کا اندازِ فکر اور طرزِ بیاں سکۂ رائج الوقت رہا۔ عشقِ مجازی لطیف تر ہو کر عشقِ نبی (ﷺ) کی صورت اختیار کرنے لگا۔ سراپا اظہارِ خیال کا دل پسند موضوع بن گیا۔'' (ص ۲۷۸) اور ص ۲۸۵ پر لکھتے ہیں: ''عالم متبحر مولانا عبدالقدوس ہاشمی لکھتے ہیں کہ: ''نعتِ رسول میں زلف وابرو کی تعریف وتوصیف نہ صرف نامناسب ہے بلکہ بے ادبی ہے۔'' ہاشمی صاحب کی کسی تحریر سے یہ اقتباس جانے کیوں نقل کیا گیا جب کہ ص ۲۷۸ پر خود مضمون نگار نے حضرت مولانا نورالدین عبدالرحمٰن جامی قدس سرہ السامی کا کلام ''گل از رخت آموختہ نازک بدنی را...'' بھی لکھا اور اس کی مدح بھی کی۔ ص ۲۸۶ پر وہ لکھتے ہیں: ''کیوں رقیب اللہ کا بنتا ہے ناحق یاد رکھ اے مسلماں! تو غلامِ احمد ﷺ مختار ہے'' یہی بات نظم ''عشقِ رسول ﷺ'' میں یوں بیان ہوئی ہے۔ عاشقانِ رسول غور کرلیں کیا وہ رب سے رقابت کی سرحدوں میں تو نہیں۔ فرصت ہو تو عقلِ عیار سے ایک سوال کر لیجیے۔ کیا غلاموں کا کام اپنے آقا سے عشق کرنا ہے یا اطاعت؟ وہ جواب جو آپ زبان سے ادا نہ کرسکیں رحمان کیانی بڑی جرأت سے کہہ گزرتا ہے۔

مَیں کہ پشتوں سے ہوں آقائے مدینہ کا غلام — میرا طاعت کے علاوہ کوئی منصب نہ مقام
اے زعیمانِ ادب عشق کا ان کے الزام — آپ لوگوں کو مبارک ہو مرا جھک کے سلام

جانتا ہوں کہ یہ ہرگز مرا مقدور نہیں
رب سے اپنے ہی رقابت مجھے منظور نہیں

باعثِ شرم و ندامت ہیں جو سوچیں سمجھیں — حسن اور عشق نگاراں کی رواجی غزلیں
قافیوں اور ردیفوں کو بدل کر جن میں — شاعرانِ عجم و ہند کی بنتی نعتیں

تالیاں پیٹ کے سُرتال میں گانے کے لیے
زیرِ محرابِ حرم رقص دکھانے کے لیے

اگلے بند کا لہجہ بڑا تلخ ہے بالکل حق کی طرح جو کہتے ہیں ہمیشہ کڑوا ہوتا ہے۔

عشق کہیے جو اسے اور انھیں عاشق کہیے — اُن کے جذبے کو اگر جذبۂ صادق کہیے
جو مخالف تو انھیں فاجر و فاسق کہیے — باقی جو لوگ رہے، اس کے مطابق کہیے

ان کو جی جان سے ہم چاہنے والوں میں نہیں
ہم منافق ہیں انھیں ماننے والوں میں نہیں

ان اشعار کو سن کر بعض رواجی نعتیں لکھنے والے کہتے ہیں کہ یہ فضا نعتیہ نہیں۔ عاجزانہ اسلوب کی جگہ جارحانہ لہجہ نامناسب ہے۔ یہ اعتراض ان کا ہے جو رسول اللہ ﷺ کو فوق البشر مان کر تسکین کی پناہ گاہیں ڈھونڈتے ہیں۔ حیات طیبہ کی ۶۳ سالہ مجاہدانہ سرگرمیوں سے عمداً دامن بچانا چاہتے ہیں۔'' (ص ۲۸۶، ۲۸۷)

مصباح الدین شکیل صاحب نے رسول کریم ﷺ سے محبت وعشق کو عشق مجازی کی لطیف تر صورت کہا ہے جب کہ اہلِ ایمان بخوبی جانتے ہیں کہ رسولِ کریم ﷺ سے عشق ومحبت ہرگز ''عشقِ مجازی'' شمار نہیں ہوتا خواہ اسے اس کی لطیف تر صورت کیوں نہ کہا جائے۔ مضمون نگار نے عُرف میں عشقِ حقیقی اور حبّ صادق کی ترکیب واصطلاح بھی سُنی پڑھی ہوگی۔ عشقِ مجازی کے طور پر اُن کا یہ بیان قابلِ توجہ ہے۔

جناب عبدالقدوس ہاشمی کے حوالے سے انھوں نے جو بات لکھی ہے وہ بھی محلِ نظر ہے کیوں کہ یہ نہیں کہا گیا کہ زلف وابرو کی تعریف وتوصیف عامیانہ انداز میں بیان کرنا بے ادبی اور نامناسب ہے بلکہ زلف وابرو کی تعریف وتوصیف ہی کو بے ادبی کہا گیا ہے۔ ''شمائلِ ترمذی'' سے مضمون نگار واقف ہوں گے اس کے عربی الفاظ کے اردو ترجمہ کو منظوم کرنا کیا بے ادبی ہوگا؟ اُمِ معبد نے میرے پیارے نبی پاک ﷺ کو دیکھ کر جو کہا اُس بیان کو منظوم کرنا کیا نامناسب ہوگا؟ مضمون نگار نے اپنے ممدوح کیانی صاحب کی تائید ضروری سمجھی اور عاشق ومحبِ رسول کو ''اللہ کریم کا رقیب'' قرار دیا اور عقلِ عیار سے سوال کرنے کی تلقین کی۔ عشق کا معنی افراطِ محبت، بہت محبت، وہ لغات سے دیکھ چکے، وہ بتائیں کہ ان تمام احادیث کو وہ کیا کہیں گے جن میں رسولِ کریم ﷺ سے بہت محبت رکھنے والے ہی کو مومن قرار دیا گیا ہے۔ ''اللہ کا رقیب'' کہنا میرے نزدیک بہت سنگین بات ہے۔ مضمون نگار نے پہلے تو ''عشق'' کے معنی شدید شہوت کے نقل کیے اور اب اپنے ممدوح شاعر کے حوالے سے وہ عاشقانِ رسول کو اللہ تعالیٰ کا رقیب بتانا چاہ رہے ہیں۔ میں سمجھ نہیں سکا کہ وہ یہ سب کیسے لکھ گئے؟ مضمون نگار نے واضح نہیں کیا کہ ''رسول اللہ ﷺ کو مافوق البشر'' کون کہتے ہیں اور اس سے کیا مراد ہے؟ مگر ان کا لہجہ بتا رہا ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو محض بشر یا عام بشر گمان کرتے ہیں۔

مضمون نگار جانتے ہوں گے کہ اطاعت بالخوف بھی ہوتی ہے اور اطاعت بالغرض بھی اور اعلیٰ اطاعت، اطاعت بالمحبت ہوتی ہے۔ انھوں نے غور نہیں کیا کہ میرے پیارے نبی پاک ﷺ کی محبت رکھنے والے ہی مجاہد ہوتے ہیں۔

کیانی صاحب کی شاعری میں جارحیت ہی کا نہیں تشدد کا انداز بھی ہے، مضمون نگار نے کیانی صاحب سے اپنی محبت وعقیدت ظاہر کرتے ہوئے متعدد حقائق سے چشم پوشی کی ہے۔ مضمون نگار لکھتے ہیں:

''آپ نے ورثہ میں دام و درہم نہیں بلکہ علم اور اسلحہ چھوڑا ہے۔'' (ص ۲۹۰) حدیث شریف میں علم کا ذکر ہے، اسلحہ کا ذکر اگر ''وراثت'' کے حوالے سے ہے تو مضمون نگار اس ارشادِ نبوی (ﷺ) کا حوالہ میری معلومات کے لیے فراہم کردیں۔ ایک مصرع ہے: ''سوائے خیر البشر ﷺ کے لوگو! کوئی بشر معتبر نہیں ہے۔'' (ص ۲۹۳)

بلاشبہ رسولِ کریم ﷺ سب سے افضل اور بے مثل بشر ہیں، اس مصرع کے مطابق دیگر انبیائے کرام علیہم السلام اور رسولِ پاک ﷺ کے سچے جانشینوں کے بارے میں کیا کہا جائے گا؟

ص ۲۹۹ پر درج نظم ''پیغمبر انقلاب'' میں ''محسن الخادعین'' کا لقب محلِ نظر ہے۔

ایک مصرع میں ''اے خواص الخواص'' کی بجائے ''اخص الخواص'' ہونا چاہیے۔ (ص ۳۰۰)

''اے عوام العوام'' کی ترکیب مجھے سمجھ نہیں آئی۔ (ص ۳۰۰)

ص ۳۰۰ ہی پر درج ایک نظم میں نبی پاک ﷺ کے لیے ''مقیاسِ برہانی'' کے لفظ بھی مجھے محلِ نظر لگے۔ ایک بند ملاحظہ کیجیے:

''کیا کہوں ان کے عقائد کی اساس اور بنیاد — کر کے قرآن و احادیث میں شامل ایجاد
وضع کرتے ہیں یہ ہر روز نیا ایک فساد — اور آپس کی لڑائی کو سمجھتے ہیں جہاد
الغرض وحدتِ ملی کا انھیں دھیان نہیں
شیعہ و سُنّی ہیں یہ لوگ مسلمان نہیں'' (ص ۳۰۲)

اس بند میں یہ مصرع ''کر کے قرآن و احادیث میں شامل ایجاد'' کیا معنی دے رہا ہے؟ یہ بات ناقابلِ تردید ہے کہ صحیح عقائد والا ہی سچا مسلمان ہے۔ مضمون نگار خود بتائیں کہ غلط نظریات کا قلع قمع کرنا کیا جہاد نہیں؟ آپس کی جس لڑائی کا ذکر ہے وہ کیا ہے اور کیوں ہے؟ کیا سب کو بہ یک جنبشِ قلم ایسا ہی لکھنا چاہیے؟ مضمون نگار لکھتے ہیں: ''مسلمانوں کی اکثریت جس خوش فہمی میں مبتلا ہے اس پر ان کے طنزیہ شعر ملاحظہ کیجیے:

''یہ غلط ہے نعت گا کر محفلِ میلاد میں — سُن کے قوالی محمد ﷺ مصطفیٰ کی یاد میں
بھیج کر برفی کے دونے حلقۂ زہاد میں — بانٹ کر کچھ روٹیاں بھوکے غریب آباد میں
اپنے کرتوتوں کی اڑوب میں نہیں آؤ گے تم
یعنی کچھ لے دے کے جنت میں چلے جاؤ گے تم'' (ص ۳۰۲)

یہاں مضمون نگار نے اشعار سے پہلے ''مسلمانوں کی اکثریت'' کے لفظ لکھے ہیں۔ ترغیبِ عمل اور نیکی کی تلقین بلاشبہ اہم ہے مگر ان اشعار میں ان کا انداز قابلِ توجہ ہے۔ انداز ہی کے حوالے سے یہ شعر بھی

ملاحظہ ہو:

''یک جانہ ہوسکیں جو محمد ﷺ کے نام پر ۔۔۔ لعنت خدا کی ایسے خواص وعوام پر'' (ص ۳۰۳)

مضمون نگار کے انتخاب میں کیانی صاحب کا یہ بند بھی ملاحظہ ہو:

''ہوگئیں صدیاں کہ وقفِ محفلِ میلاد ہے ۔۔۔ روزیِ واعظ سے وابستہ علی الاولاد ہے
مذبحِ قوالیت میں کشتۂ بیداد ہے ۔۔۔ قحبہ خانوں سے بھی اکثر مائلِ فریاد ہے
ریڈیو، ٹی وی پہ سن لو دیکھ لو اب تو یہاں
نعتِ پیغمبر ﷺ سناتی ہیں طوائف زادیاں'' (ص ۳۰۳)

مضمون نگار لکھتے ہیں: ''وہ محبوب ربّ المشرقین ومغربین ہیں۔'' (ص ۳۰۵)

یہ کمپوزنگ کی غلطی ہے یا یوں ہی لکھا گیا ہے؟

''نعت رنگ'' شمارہ ۱۷ کے ص ۳۱۰ پر پروفیسر غلام رسول آف گوجراں والا کی تحریر ہے، اس کا عنوان ہے: ''حنیف نازش قادری کی نعتیہ شاعری''۔

کاموں کی، گوجراں والا میں میرے استاد محترم شیخ الاسلام والمسلمین شیخ القرآن حضرت مولانا غلام علی صاحب اشرفی اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند نسبتی حضرت مولانا حافظ محمد اشرف جلالی نے ماہ ربیع النور ۱۴۲۷ھ میں سالانہ جلسۂ میلاد شریف میں خطاب کے لیے مجھے مدعو کیا تھا۔ اسٹیج پر الحاج محمد حنیف صاحب نازش بھی تشریف فرما تھے۔ انھوں نے خود اپنا تعارف کروایا، یہ اُن سے پہلی ملاقات تھی۔ اس جلسے میں انھوں نے اپنی کہی ہوئی نعت شریف سنائی۔ مضمون نگار نے حنیف نازش صاحب اور ان کے نعتیہ کلام سے متعارف کرواتے ہوئے لکھا ہے: ''شاعر محمد حنیف نازش راقم کے ابتدائی کلاسوں کے ہم درس رہے ہیں۔'' (ص ۳۱۰) پروفیسر غلام رسول صاحب نے اس ناتے اپنے ہم درس کے لیے یہ تک لکھا ہے: ''آبرو'' میں وہ اپنے فکروفن کے حوالے سے عروج پر نظر آتے ہیں۔ فنی طور پر ''سخن سخن خوش بو'' سے ''آبرو'' تک آتے آتے نازش نے اپنے معاصر نعت نگاروں میں بہت سوں کو کالے کوسوں پیچھے چھوڑ دیا ہے۔'' (ص ۳۲۱)

ص ۳۱۱ پر یہ شعر قابل توجہ ہے:

''قسمت کیا قسام ازل نے ہر اک کو ۔۔۔ جو شخص کہ جس چیز کے قابل نظر آیا''

ص ۳۲۰ پر یہ شعر درج ہے:

''صد شکر نعتِ حضرت حسان کے طفیل ۔۔۔ چکھا ہے ہم نے ذائقۂ انگبیں نعت''

میرے نزدیک مصرع ثانی میں ذائقہ چکھنے سے بہتر بات ہوتی تو زیادہ موزوں ہوتی۔

پروفیسر غلام رسول صاحب عدیم کا یہ بیان بھی ملاحظہ ہو، لکھتے ہیں: ''ایک ہوتا ہے دیکھا دیکھی کسی صنفِ سخن میں طبع آزمائی کرنا اور زمانے کے تیور دیکھ کر پینترے بدلنا اور اس صنف کے نظری و عملی تقاضوں سے پہلوتہی کیے رکھنا۔ ایسا شخص کہنے کو سرکارِ رسالت پناہ ﷺ کی توصیف و ستائش میں لفظوں کا آڑھتی تو ہوسکتا ہے جوہری نہیں۔ یوں وہ متشاعر ناعت تو ہوسکتا ہے حقیقی نعت گو یا نعت نگار نہیں۔'' (ص ۳۲۱)

محترم سیّد صبیح رحمانی صاحب! ''نعت رنگ'' شمارہ ۱۷ کے ص ۳۲۵ پر: ''چند سطریں حفیظ تائب کے لیے'' آپ نے لکھی ہیں۔ آپ کی اس تحریر میں ہے: ''مگر ان کے سلسلے میں حیات و موت کی رسمی اصطلاحات بے معنی ہیں۔'' (ص ۳۲۵)

''حیات و موت کی رسمی اصطلاحات'' کے الفاظ آپ جانے کیسے لکھ گئے؟ آپ نے لکھا: ''زندگی نام ہے جستجو کا اور اُن کی جستجو آرزوئے رسول ﷺ ہے جو بقا بھی ہے اور نسخۂ بقا آفرینی بھی۔'' آپ لکھتے ہیں: ''تمنائے ذکرِ رسول ربّ العالمین سے ان کی ساری زندگی ایک رقص اطاعت تھی۔'' آپ نے لکھا: ''...اب وہ ہوں گے اور وہ شراب جس کے پینے کے بعد کبھی تشنگی محسوس نہیں ہوتی۔'' آپ نے لکھا کہ حفیظ تائب صاحب کی نعت میں ہمارے عظیم نعت گو شاعروں کی آوازیں بھی جمع ہوگئی تھیں۔ اس بیان میں آپ نے ''اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں کی علمیت اور سکون بخشی'' بھی ان میں بتائی۔ کیا واقعی ایسا ہے؟ ان سطور میں جو بقا بھی ہے، رقصِ اطاعت اور شراب کے لفظ کو کسی لاحقے کے بغیر لکھنا محلِ نظر ہے۔

محترم سیّد صبیح رحمانی صاحب! ''نعت رنگ'' شمارہ ۱۷ کی اشاعت کے بعد شمارہ ۱۸ کے لیے آپ نے مفصل مضمون کا مطالبہ کیا۔ اس مضمون کے باعث میں شمارہ ۱۷ کا مطالعہ بھی فوری نہ کرسکا۔ ''نعت رنگ'' کے شمارہ ۱۸ کی اشاعت سے قبل حضرت ماں جی قبلہ رحمۃ اللہ علیہا وفات پاگئیں۔ ان کی وفات کے بعد صرف میں ہی نہیں، میرے تمام معمولاتِ زیست بھی بہت متاثر ہوئے۔ ماں جی قبلہ کے سانحۂ ارتحال کے بعد بھی مسلسل حوادث کا سامنا رہا۔ فیصل آباد میں مقیم جواں سال میری ہمشیرہ محترمہ انتقال کرگئیں۔ ان کی رحلت کے چند روز بعد اسلام آباد میں ہنستا کھیلتا خالہ زاد بھائی ڈاکٹر محمد یوسف قمر چل بسا۔ مہینا بھر بھی نہ گزرا تھا کہ اوکاڑا میں چچا محترم الحاج شیخ محمد حنیف راہی عدن ہوگئے۔ کراچی میں بہن کے ہاں دن دہاڑے ڈکیتی کی واردات ہوئی۔ مَیں کیا پڑھتا اور کیا لکھتا! اللہ کریم جل شانہ کا فضل و کرم ہے کہ دین و ایمان میں پختگی ہے۔ اللہ کریم اسے قائم و دائم رکھے، آمین۔ اپنے نصب العین کے لیے کٹھن اسفار، مسلسل جلسے، ٹی وی چینلز کے لیے رکارڈنگز، رسائل و جرائد کے لیے فوری تحریریں، دینی و ملّی امور، مساجد و مدارس کے معاملات، تدریس و تعلیم اور تعمیری اُمور یعنی مشاغل کی بہتات، سچ کہتا ہوں کہ نیند بھی پوری نہیں کر پاتا۔ ''نعت رنگ'' کے دو شمارے ابھی پڑھ بھی نہیں سکا تھا کہ آپ ۱۹ ویں شمارے کے لیے مجھ سے خط مکمل

کرنے کا تقاضا کرنے لگے، آپ کو مذکورہ حوادث کی خبر تھی۔ ۱۹ واں شمارہ آپ کو میری تحریر کے بغیر شائع کرنا پڑا۔ ۱۸ ویں شمارے کے بعد آپ سے پہلے کی طرح رابطہ نہ رہا، مگر جب کبھی آپ ملے یا فون پر بات ہوئی، آپ تحریر کا تقاضا کرتے رہے اور ایک ہی خط میں تینوں شماروں کا احاطہ کرنے کا فرماتے رہے۔ شمارہ ۱۷ میں محترم مولانا ملک الظفر صاحب سہ سرامی کا مفصل مکتوب دیکھ کر خوشی ہوئی، کیا ہی اچھا ہو کہ وہ مزید توجہ فرمائیں۔ شمارہ ۱۷ کے حوالے سے ابھی اتنا لکھا ہے، سر دست مزید لکھنے کا یارا نہیں۔ حضرت ابا جان قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کا سالانہ عرس شریف قریب ہے، مجھے اس کے انتظامات بھی کرنے ہیں اور ان دنوں کراچی میں بجلی کی فراہمی کا جو حال ہے اس نے ہر شخص کو پریشان کر رکھا ہے۔ ۲۰ ویں شمارے کی اشاعت میں تاخیر ہوئی اور اس دوران مجھے سہولت ہوئی تو مزید خامہ فرسائی کی کوشش کروں گا۔ اس تحریر میں مجھ سے کسی طرح کوئی غلطی و کوتاہی ہوئی ہو، اللہ کریم جل شانہ سے اس غلطی و کوتاہی پر توبہ کرتے ہوئے طالب عفو و مغفرت ہوں۔ کسی کی ذاتی دل آزاری ہوئی ہو تو معافی چاہتا ہوں۔ اللہ بس باقی ہوس

تنویر پھول۔ امریکا

کچھ عرصہ پیشتر نیویارک سے واپس کراچی آیا تو ''نعت رنگ'' کے دو شمارے (شمارہ: ۱۸ اور ۱۹) نظر نواز ہوئے۔ اوّل الذکر مولانا احمد رضا خاں نمبر ہے جو اپنی مثال آپ ہے۔ ابتدائیہ میں آپ نے بالکل درست فرمایا ہے کہ ''ہم نے مولانا کی نعتیہ شاعری کو ادبی نقطۂ نظر سے سمجھنے اور بحیثیت شاعر ان کی تخلیقی صلاحیتوں کو پرکھنے کی کوئی سنجیدہ کوشش نہ خود کی نہ دوسروں کو اس کی اجازت دی۔'' حالاں کہ یہ مولانا کی شخصیت یا علمی مرتبہ پر کوئی حملہ نہیں ہے، بقول آپ کے کیا سعدی، رومی اور جامی کی منظومات پر کسی ادبی و لسانی تنقید نے ان کی شخصی عظمت اور علمی مرتبت کی ضیا کم کی ہے؟

راقم الحروف نے مولانا کے مجموعۂ نعت و منقبت ''حدائقِ بخشش'' کا جائزہ اسی تناظر میں لیا ہے۔ فاضل بریلوی کا یہ مجموعہ سب سے پہلے ۱۳۲۵ھ میں طبع ہوا۔ اس وقت میرے سامنے اس کا جو نسخہ ہے اسے مدینہ پبلشنگ کمپنی میکلوڈ روڈ (موجودہ چندریگر روڈ) کراچی نے شائع کیا ہے۔ یہ مجموعہ مشہور آفسٹ پریس کراچی میں چھپا ہے جب کہ سنِ اشاعت درج نہیں۔ ۱۰۴ صفحات کے اس مجموعے کا ہدیہ صرف نو (۹) روپے ہے جس سے اس کی قدامت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ پہلے ہی سب سے اوپر حدیث نبوی درج ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ ''بے شک شعر میں حکمت ہے اور بے شک بیان میں سحر ہے۔'' مجموعے کی ابتدا اس مشہور نعت سے ہے جس کا مطلع یہ ہے:

واہ کیا جود و کرم ہے شہ بطحا تیرا
نہیں سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا

یہ نعت ۲۵/اشعار پر مشتمل ہے اسی سے متصل اسی زمین میں حضرت غوث الاعظم کی منقبت ہے اور اس میں بھی اشعار کی تعداد ۲۵ ہے، دو اشعار ملاحظہ فرمائیں:

کیا دبے جس پہ حمایت کا ہو پنجہ تیرا — شیر کو خطرے میں لاتا نہیں کُتا تیرا
میری قسمت کی قسم کھائیں سگانِ بغداد — ہند میں بھی ہوں تو دیتا رہوں پہرا تیرا

اس منقبت کے بعد دو مناقب اور ہیں جن میں سے ہر ایک ۲۵/اشعار پر مشتمل ہے، یہ دونوں مناقب بھی حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کی مدحت میں ہیں۔ اس طرح نعت اور تینوں مناقب ملا کر فاضل بریلوی نے ایک ہی زمین میں مسلسل سو اشعار کہے ہیں۔ جو اُن کی قادرالکلامی کا ثبوت ہے، تاہم کہیں کہیں شدتِ جذبات میں ایسے اشعار کہے ہیں جن میں مخالفین کو زجر و توبیخ کا عنصر نہایت نمایاں ہے۔ مثال کے طور پر غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کو نہ ماننے والوں کو اس طرح مخاطب کیا ہے:

باز اشہب کی غلامی سے یہ آنکھیں پھرنی — دیکھ اُڑ جائے گا ایمان کا طوطا تیرا!
شاخ پر بیٹھ کے جڑ کاٹنے کی فکر میں ہے — کہیں نیچا نہ دکھائے تجھے شجرا تیرا!
حق سے بد ہو کے زمانہ کا بھلا بنتا ہے — ارے میں خوب سمجھتا ہوں معما تیرا

بعض اشعار میں فنی تسامحات بھی مل جاتے ہیں کیوں کہ یہ بشر کا کلام ہے، اللہ کا کلام تو ہے نہیں۔ مثال کے طور پر یہ اشعار:

اس گل کے سوا ہر پھول باگوشِ گراں آیا — دیکھے ہی گی اے بلبل جب وقتِ فغاں آیا!
طیبہ کے سوا سب باغ پامالِ فنا ہوں گے — دیکھو گے چمن والو جب عہدِ خزاں آیا!
کچھ نعت کے طبقے کا عالم ہی نرالا ہے!! — سکتہ میں پڑی ہے عقل چکر میں گماں آیا!

تقطیع کرتے وقت پہلے، دوسرے اور تیسرے شعر میں بالترتیب پھول، باغ اور عقل کے آخری حروف بحر سے خارج ہو جائیں گے، اسی طرح یہ شعر دیکھیے:

تجھ سے اور جنت سے کیا مطلب وہابی دُور ہو
ہم رسول اللہ کے، جنت رسول اللہ کی!

لفظ ''وہابی'' میں ہائے ہوز مشدد ہے کیوں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے اسم ''وہاب'' سے مشتق ہے جب کہ یہاں بغیر تشدید باندھا گیا ہے۔ یہ اشعار میں دیکھیے:

سر سوئے روضہ جھکا پھر تجھ کو کیا!!
دل تھا ساجد، نجدیا پھر تجھ کو کیا!

دیو کے بندوں سے کب ہے یہ خطاب
تو نہ اُن کا ہے نہ تھا پھر تجھ کو کیا!

مگر حقیقت یہ ہے کہ قرآن فرقہ بندی کے سخت خلاف ہے۔ اُمتِ مسلمہ کو ایک اللہ، ایک رسول ﷺ، ایک آخری کتاب یعنی قرآن اور ایک قبلے کی بنیاد پر متحد ہو جانا چاہیے۔ اسی تناظر میں راقم الحروف کے یہ دو اشعار ملاحظہ فرمایئے:

مسلماں بھائی بھائی ہیں، خدا نے ہے یہ فرمایا!
مگر یہ مولوی صاحب نہ جانے کیوں لڑاتے ہیں!
ہمیں فرقہ پرستی سے بڑی نفرت ہے اے یارو!
نہ ہم ہیں دیو کے بندے، نہ ہم حلوہ اُڑاتے ہیں

فاضل بریلوی کے اس مجموعے میں خاک کے موضوع پر آٹھ اشعار مسلسل ہیں جن میں سے دو ملاحظہ فرمائیں:

ہم خاک ہیں اور خاک ہی ماوا ہے ہمارا
خاکی تو وہ آدم جدِ اعلیٰ ہے ہمارا
ہے خاک سے تعمیر مزارِ شہ کونین!
معمور اسی خاک سے قبلہ ہے ہمارا

بحر ہزج مثمن سالم میں فاضل بریلوی کے یہ نعتیہ اشعار ملاحظہ فرمائیں:

گنہ مغفور، دل روشن، خنک آنکھیں، جگر ٹھنڈا
تعالیٰ اللہ ماہِ طیبہ عالم تیری طلعت کا!
یہاں چھڑکا نمک، واں مرہم کافور ہاتھ آیا!
دلِ زخمی نمک پروردہ ہے کس کی ملاحت کا
سرہانے اُن کے بسمل کے یہ بے تابی کا ماتم ہے!
شہ کوثر! ترحم تشنہ جاتا ہے زیارت کا!

مندرجہ بالا اشعار میں طیبہ، پروردہ اور تشنہ تینوں الفاظ میں ہائے ہوز تقطیع میں شامل نہیں ہے جو حسنِ کلام سمجھا جاتا ہے لیکن ناواقف حضرات اس پر اعتراض کرتے ہیں جو اُن کی کم فہمی ہے۔ علامہ اقبال کے مندرجہ ذیل اشعار میں ''دیدہ'' اور ''سجدہ'' کی بھی یہی کیفیت ہے جو کلام کا حسن ہے:

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے!
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا!

وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے!
ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات!

فاضل بریلوی کے اس شعر میں کتنا سوز پنہاں ہے اسے اہلِ دل ہی محسوس کر سکتے ہیں۔

سویا کیے نابکار بندے!
رویا کیے زار زار آقا!

خلفائے راشدین کی منقبت میں یہ خوب صورت شعر دیکھیے:

صدق و عدل و کرم و ہمت میں
چار سُو شہرے ہیں ان چاروں کے!

اس مجموعے کے صفحہ نمبر ۱۴ پر یہ اشعار دیکھیے:

مفلسو! اُن کی گلی میں جا پڑو!
باغِ خُلد اکرام ہو ہی جائے گا!
بادہ خواری کا سماں بندھنے تو دو!
شیخ درد آشام ہو ہی جائے گا!

''خُلد اکرام'' اور ''درد آشام'' میں الف کا وصل ہے یعنی تقطیع کرتے وقت الف شمار نہیں ہوگا اور الف پرورده کی صورت میں نہ صرف ایک الف لیا جائے گا، جو لوگ یہ بات نہیں جانتے وہ خواہ مخواہ ایسے اشعار پر اعتراض کرتے ہیں جو اُن کی کم علمی ہے۔ غالبؔ اور اقبالؔ کے اشعار دیکھیے:

کل کے لیے کر آج نہ خست شراب میں
یہ سوءِ ظن ہے ساقیٔ کوثر کے باب میں
دفن تجھ میں کوئی فخر روزگار ایسا بھی ہے
تجھ میں پنہاں کوئی موتی آبدار ایسا بھی ہے!

غالبؔ کے پہلے مصرعے میں ''آج'' کا ایک الف جب کہ اقبالؔ کے دونوں مصرعوں میں ''ایسا'' کا الف تقطیع میں شمار نہیں ہوگا۔ اقبالؔ کے اس شعر کے مصرعہ ثانی میں الف کا وصل دو مرتبہ ہے:

خدا نے آج تک اُس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا!

فاضل بریلوی کا یہ شعر کافی مشہور ہے:

حاجیو آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو!
کعبہ تو دیکھ چکے، کعبے کا کعبہ دیکھو!

اب ذرا یہ شعر بھی ملاحظہ فرمائیں:

کعبہ دُلہن ہے، تربتِ اطہر نئی دُلہن
یہ رشکِ آفتاب وہ غیرتِ قمر کی ہے

اسی زمین میں حضورﷺ کا باعثِ تخلیقِ کائنات ہونا ایک نئے انداز سے ان اشعار میں ملاحظہ فرمایئے:

اُن کی نبوت اُن کی ابوت ہے سب کو عام
اُم البشر عروس انھیں کے پسر کی ہے!
ظاہر میں میرے پھول، حقیقت میں میرے نخل!
اُس گل کی یاد میں یہ صدا ابوالبشر کی ہے!

اس ایک شعر دیکھیے جو ذو معنی ہے اور اس میں کسی قدر مراجع کا عنصر بھی ہے:

مَیں مجرم ہوں آقا! مجھے ساتھ لے لو
کہ رستے میں ہیں جابجا تھانے والے!

مرزا غالب کی زمین میں یہ اشعار دیکھیے:

پھر کے گلی گلی تباہ ٹھوکریں سب کی کھائے کیوں!
دل کو جو عقل دے خدا، تیری گلی سے جائے کیوں!

☆

پوچھتے کیا ہو عرش پر یوں گئے مصطفےٰ کہ یوں
کیف کے پر جہاں جلیں کوئی بتائے کیا کہ یوں!!

غالب نے "پاؤں" کی ردیف میں غزل کہی "ایڑیاں" کی ردیف میں یہ خوب صورت نعتیہ شعر دیکھیے:

ایک ٹھوکر میں اُحد کا زلزلہ جاتا رہا!
رکھتی ہیں کتنا وقار اللہ اکبر ایڑیاں!

یہ دل نشیں اشعار بھی ملاحظہ فرمائیں:

سر تا بقدم ہے تنِ سلطان زمن پھول
لب پھول، دہن پھول، ذقن پھول بدن پھول
واللہ جو مل جائے مرے گل کا پسینہ
مانگے نہ کبھی عطر نہ پھر چاہے دُلہن پھول!

☆

خدا کی رضا چاہتے ہیں دوعالم!
خدا چاہتا ہے رضائے محمد!
عجب کیا اگر رحم فرمائے ہم پر
خدائے محمد، برائے محمد!

اس مجموعے میں شامل فاضل بریلوی کی دوخوب صورت رُباعیات ملاحظہ فرمائیں، ان کا عنوان ''رُباعیاتِ نعتیہ'' ہے لیکن ان میں مضمون مناجات کا ہے، ملاحظہ فرمائیں:

دنیا میں ہر آفت سے بچانا مولیٰ!!
عقبیٰ میں نہ کچھ رنج دکھانا مولیٰ!
بیٹھوں جو درِ پاک پیمبر کے حضور
ایمان پر اُس وقت اُٹھانا مولیٰ

☆

نقصان نہ دے گا تجھے عصیاں میرا
غفران میں کچھ خرچ نہ ہوگا تیرا
جس سے تجھے نقصان نہیں، کردے معاف
جس میں ترا کچھ خرچ نہیں، دے مولا!

فاضل بریلوی کا مشہور سلام ''مصطفےٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام'' ان کے مجموعۂ کلام ''حدائقِ بخشش'' میں شامل ہے۔ مسلمانوں کا کوئی محلّہ اور کوئی آبادی ایسا نہیں جہاں اُن کا یہ سلام سنائی نہ دیتا ہو۔ اس سلام سے پہلے اسی مجموعۂ کلام میں اُن کا ایک اور سلام بھی ہے جو نسبتاً کم معروف ہے مگر اپنی اثر پذیری میں کم نہیں۔ اس سلام کی ابتدا میں شعر سے ہوتی ہے۔

کعبے کے بدرالدجیٰ! تم پہ کروروں درود
طیبہ کے شمس الضحیٰ تم پہ کروروں درود

سرزمینِ کعبہ سے اعلانِ نبوت ہوا اور ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں مستحکم بنیادوں پر اسلامی حکومت قائم ہوئی۔ بدرالدجیٰ (چودھویں کا چاند) اور شمس الضحیٰ (دن چڑھنے کا سورج) کے الفاظ کے ذریعے اس لطیف حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جسے اہلِ دل ہی خوب سمجھ سکتے ہیں۔ مطلع کے بعد اس سلام میں حسنِ مطلع اور زیبِ مطلع کا بھی اہتمام کیا گیا ہے یعنی اس میں تین مطلع ہیں۔ ایک خاص بات اس سلام میں یہ ہے کہ اسے ''دیوان'' کی طرز پر تحریر کیا گیا ہے یعنی پہلے وہ الفاظ میں جن کا مصرعہ اولیٰ ''الف'' پر ختم ہوتا

ہے پھر ب، ت، ث وغیرہ اور آخر میں ''ے'' ہر حرف کے لیے کم سے کم ''ایک'' اور زیادہ سے زیادہ سات اشعار ہیں۔ پورا سلام ۵۹/اشعار پر مشتمل ہے۔ الف کی ردیف کے یہ اشعار دیکھیے:

اور کوئی غیب کیا تم سے نہاں ہو بھلا!
جب نہ خدا ہی چھپا، تم پہ کروروں درود
دل کرو ٹھنڈا مرا، وہ کفِ پا چاند سا
سینہ پہ رکھ دو ذرا تم پہ کروروں درود

دونوں اشعار عام فہم اور جذبہ حبِ نبی سے لبریز ہیں۔ اب اگلی یعنی ''ب'' کی ردیف کا یہ شعر دیکھیے:

ذات ہوئی انتخاب وصف ہوئے لاجواب
نام ہوا مصطفیٰ تم پہ کروروں درود

''ت'' کی ردیف کا شعر:

تم سے جہاں کی حیات تم سے جہاں کا ثبات
اصل سے ہے ظل بندھا تم پہ کروروں درود

''ث'' کی ردیف کا شعر:

تم ہو حفیظ مغیث، کیا ہے وہ دشمن خبیث!
تم ہو تو پھر خوف کیا، تم پہ کروروں درود

''ج'' کی ردیف کا شعر:

وہ شبِ معراج راج وہ صف محشر کا تاج!
کوئی بھی ایسا ہوا، تم پہ کروروں درود!

''ح'' کی ردیف کا شعر:

جان و جہانِ مسیح داد کہ دل ہے جریح
نبض چھٹیں دم چلا تم پہ کروروں درود

اسی طرح ہر حرف کی ردیف کے اشعار ہیں، کچھ مزید خوب صورت اشعار ملاحظہ کیجیے:

تم سے کھلا بابِ جود، تم سے سب کا وجود!
تم سے ہے سب کی بقا، تم پہ کروروں درود!

مندرجہ بالا شعر میں آیۂ رحمۃ للعالمین اور حدیث قدسی ''لولاک لما خلقت الافلاک'' کی ترجمانی کی گئی ہے۔ کچھ اور اشعار دیکھیے:

آس ہے کوئی نہ پاس ایک تمھاری ہے آس
بس یہی ہے آسرا تم پہ کروروں درود
تم ہو شفائے مرض، خلقِ خدا خود غرض!
خلق کی حاجت بھی کیا تم پہ کروروں درود
آہ وہ راہِ صراط، بندوں کی کتنی بساط!
المدد اے رہنما، تم پہ کروروں درود
سینہ کہ ہے داغِ داغ، کہہ دو کرے باغ باغ
طیبہ سے آکر صبا تم پہ کروروں درود

''ق'' کی ردیف کا یہ شعر دیکھیے:

تم نے برنگِ فلق جب جہاں کر کے شق
نور کا تڑکا کیا تم پہ کروروں درود!

''ل'' کی ردیف کا شعر:

خلقِ تمھاری جمیل خلق تمھارا جلیل!
خلق تمھاری گدا تم پہ کروروں درود

مندرجہ بالا شعر میں زبر، زیر اور پیش کے فرق سے تین یکساں الفاظ کا استعمال مہارت سے کیا گیا ہے۔ ''م'' کی ردیف کے اشعار نسبتاً زیادہ ہیں، ملاحظہ فرمائیں:

طیبہ کے ماہِ تمام جملہ رُسل کے امام
نوشۂ ملکِ خدا تم پہ کروروں درود
تم سے جہاں کا نظام تم پہ کروروں درود
تم پہ کروڑوں ثنا تم پہ کروروں درود
تم ہو جواد و کریم، تم ہو رؤف و رحیم
بھیک ہو داتا عطا تم پہ کروروں درود
خلق کے حاکم ہو تم، رزق کے قاسم ہو تم
تم سے ملا جو ملا تم پہ کروروں درود
نافع و دافع ہو تم، شافع و رافع ہو تم
تم سے بس افزوں خدا تم پہ کروروں درود

اس شعر میں ''بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر'' کی ترجمانی نہایت احسن طریقے سے کی گئی ہے تاہم کہیں کہیں فنی تسامح بھی موجود ہے ''م'' کی ردیف کا یہ شعر دیکھیے:

جائیں نہ جب تک غلام خلد ہے سب پر حرام!
ملک تو ہے آپ کا، تم پہ کروروں درود!

مصرعہ ثانی میں آپ اور تم دونوں کا استعمال ''شتر گربہ'' ہے یہی سقم آخری دو اشعار میں بھی ہے:

آنکھ عطا کیجیے اس میں ضیا دیجیے
جلوہ قریب آگیا تم پہ کروروں درود
کام وہ لے لیجیے تم کو جو راضی کرے
ٹھیک ہو نام رضا تم پہ کروروں درود

اب حاصل کلام شعر دیکھیے:

ہم نے خطا میں نہ کی، تم نے عطا میں نہ کی!
کوئی کمی سرورا! تم پہ کروروں درود

راقم الحروف کی دردمندانہ گزارش ہے کہ امام احمد رضا اور اُن جیسی دوسری قابلِ احترام شخصیات کے نام پر فرقے نہ بنائیں۔ یہ المیہ ہے کہ مسلمان قرآن پاک کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے اور انھوں نے حضور ﷺ کے بعد دوسری شخصیات کو بھی ایمانیات میں شامل کرلیا ہے اور فرقہ بندی میں مبتلا ہوگئے ہیں۔ اس طرح وہ شرک فی النبوت کے مرتکب ہورہے ہیں۔ اسی وجہ سے قادیانیت کا بھی دروازہ کھلا۔ حضور اکرم ﷺ کے بعد کوئی بھی شخصیت خواہ وہ کتنی بھی محترم ہو ایمانیات میں شامل نہیں ہے۔

محمد شخصیت ہیں آخری ایمانِ کامل کی!
نہیں ہے بعد اُن کے کوئی بھی ایمان میں شامل
بناؤ تم نہ فرقے کہہ رہا ہے آج بھی قرآں
نہ کاٹو گردنیں ہو جاؤ گے دوزخ میں تم داخل

''نعت رنگ'' شمارہ نمبر ۱۹ صفحہ نمبر ۶۰۵ پر سیّد ہاشم حسین صاحب نے سورۂ یٰسین کی آیت ''و کل شیء احصینہ فی امام مبین'' کے ترجمے پر اعتراض کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں ''مولانا ابوالاعلیٰ مودودی صاحب قبلہ کا ترجمہ ملاحظہ ہو: اور ہم نے ہر چیز کو ایک کھلی کتاب میں درج کر رکھا ہے'' یہاں امام مبین کے معنی ''کھلی کتاب'' لیے گئے ہیں جو کہ صحیح نہیں ہیں۔ عرض ہے کہ ''مفتاح اللغات'' عربی کا صفحہ نمبر ۵۹ ملاحظہ فرمائیں جہاں امام کے معنی ''کتاب'' اور ''قرآن مجید'' بھی ہیں جب کہ ''امام مبین'' کے معنی لکھے ہیں۔

''لوحِ محفوظ یا کھلا ہوا راستہ''۔ اس آیت کی وضاحت سورۂ نبا کی آیت نمبر ۲۹ سے ہوتی ہے جو یہ ہے ''و کل شیءٍ احصینه کتبا '' الفاظ وہی ہیں جب کہ ''امام مبین'' کی جگہ ''کتبا'' کہہ کر وضاحت کر دی گئی ہے کہ یہاں کتاب یا لکھی ہوئی چیز مراد ہے۔ بلاشبہ امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ امام ہیں وہ صرف ولی نہیں بلکہ امام الاولیا ہیں لیکن مندرجہ بالا آیات میں کتاب یا لکھی ہوئی چیز کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ جناب احمد صغیر صدیقی نے راقم الحروف کا تنقیدی خط پسند فرمایا، اُن کا شکریہ۔ صفحہ نمبر ۵۳۹ پر جناب منصور ملتانی نے حمدیہ مجموعے ''رب خیر البشر'' پر تبصرہ کرتے ہوئے اعتراض کیا ہے، ''مجھے یہ بھی کچھ عجیب سا لگا کہ سجاد سخن کے لیے تقریباً چالیس صفحات اور تنویر پھول کے لیے تقریباً پینتیس صفحات مخصوص کیے گئے۔ جب کہ ڈاکٹر شاہد الوری اور سحر وارثی کے کلام کے لیے صرف ایک ایک صفحہ۔ میرے خیال میں اتنا واضح امتیازی سلوک مناسب نہیں تھا۔'' اس سلسلے میں یہ وضاحت ضروری ہے کہ جن شعرا نے زیادہ تعداد میں ردیفی حمدیں کہیں انھیں زیادہ صفحات ملے اور جنھوں نے کم کہیں انھیں کم صفحات ملے اس میں امتیازی سلوک کی کوئی بات نہیں ہے۔

چند دن بعد نیویارک روانگی ہے۔ اُمید ہے کہ ای میل پر رابطہ رکھیں گے۔

ولی اللہ ولی صدیقی عظیم آبادی۔ مدینہ منورہ

پہلے پہل ''نعت رنگ'' کا نام ہندوستان بہار کے شہر پٹنہ میں سنا، پھر مدینہ منورہ واپسی پر اس کے چند شمارے دیکھنے کی سعادت ملی، ماشاء اللہ تبارک اللہ، اللہ تعالیٰ آپ لوگوں کی اس مبارک کاوش کو قبول فرمائے اور اہلِ درد و خلوص، اہلِ علم و قلم اور سچے عاشقانِ رسول کی توجہات و تبرکات سے اس شجرِ طیبہ کو سدا بہار بنا دے۔ آمین

میرا تعلق عظیم آباد (پٹنہ) سے ہے، عرصۂ دراز سے بحمد اللہ مدینہ منورہ، زیرِ دامانِ کوہِ اُحد قیام پذیر ہوں۔ شعر و سخن سے تھوڑی بہت دلچسپی ہے۔ حمد و نعت میرا موضوعِ سخن ہے۔ ایک مجموعۂ حمد و نعت ''نوائے طیبہ'' کے نام سے آپ کے کراچی شہر میں مکتبہ الشیخ ۳/۴۴۵، بہادر آباد، کراچی، فون: ۴۹۳۸۹۹۸ سے طبع ہو کر شائع ہو چکا ہے۔ نمونہ کے طور پر چند شعر حاضر ہیں:

میں حسان و کعب اور ابنِ رواحہ
اُن اصحاب کی اقتدا کر رہا ہوں
قلم کا مرے فیض جاری ہو یارب
بصد عجز میں التجا کر رہا ہوں
جھکا کر قلم سر کے بل تیرے آگے
عقیدت کے سجدے ادا کر رہا ہوں

سخن کو میرے ناز و حسنِ ادا دے

کہ وصفِ شہِ انبیا کر رہا ہوں

ڈنمارک کے شاتم رسول کی گستاخی پر خصوصاً اہلِ قلم کے حوالے سے رقم ہوئی۔ ایک نظم پیشِ خدمت ہے۔ ''نعت رنگ'' میں شامل ہو جائے تو زہے نصیب، ورنہ۔

کہاں میں کہاں بحرِ جود و سخا وہ

جو دامن میں ہے، وہ فدا کر رہا ہوں

شاہ حسین نہری۔ کراچی

اگر آپ کو میرے خطوط ملے ہوں گے اور کتاب بھی، تو آپ کے لیے میرا نام نامانوس اور اجنبی نہ ہوگا اور اگر نہیں تو عرض ہے کہ مجھ بندۂ اللہ کو شاہ حسین نہری کہتے ہیں۔ شاعری کے چار مجموعے ''شب آہنگ'' (غزل و نظم)، ''شب تاب'' (غزل)، ''سامانِ تسکین'' (حمد و مناجات، نعت و منقبت) اور ''رُباعیاتِ شاہ'' شائع ہو چکے ہیں۔ میرا پورا نام سیّد شاہ حسین نہری ہے۔ میں بل بھیم کالج بیڑ میں جولائی ۱۹۹۹ء تک لگ بھگ تیس برس اردو کا لکچرر رہا۔ جی ہاں! بیڑ یعنی وہ شہر جہاں آپ کے قریبی عزیز، میرے شاگردِ رشید جناب سیّد سجاد اختر بھی رہتے ہیں۔ اب میں اپنے وطن اورنگ آباد، دکن میں مقیم ہوں، البتہ میرا بیٹا سیّد فرید احمد نہری مسلمہ، بیڑ کے ملیہ سینئر کالج میں اردو ہی کا لکچرر ہے۔ ۱۹۹۲ء سے یہ کالج انجمن اشاعت تعلیم، بیڑ کے تحت قائم ہے اور اس انجمن کے صدر جناب سیّد سجاد اختر ہیں۔ عزیزم فرید احمد نے اطلاع دی کہ آج کل سجاد صاحب بیڑ کی ادبی وثقافتی سرگرمیوں سے متعلق ایک مثنوی تخلیق کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔ اس مثنوی میں آپ کا نام نامی اور تذکرہ بھی بطورِ خاص شامل ہے۔

''نعت رنگ'' کا شمارہ نمبر ۱۹، ابھی چند روز قبل فضلی بک سپر مارکیٹ سے حاصل کیا۔ ماشاءاللہ ٹائٹل دیکھتے ہی طبیعت خوش ہوگئی۔ کوئی پوچھے کہ ''سادگی و پرکاری'' کیا اسی کو کہتے ہیں تو میں کہوں گا، جی ہاں! اس میں کیا شک ہے۔

مجھے جو نسخہ ملا ہے ''نعت رنگ'' کا اس میں دو صفحے سادہ ہیں، چھپے ہوئے نہیں ہیں، ص ۱۸۲ اور ص ۱۸۷، کیا یہ ممکن ہے کہ ان دو صفحات کی نقل مجھے مل جائے تاکہ میں متعلقہ جگہوں پر چسپاں کرلوں۔

''ظہورِ رحمت'' (شادؔ عظیم آبادی) مسدس کی ہیئت میں ہے نہ کہ مثنوی کی۔ مثنوی میں تو ہر شعر کا اپنا الگ قافیہ ہوتا ہے۔ اگلے مضمون میں کنیز فاطمہ زہرا کے کلام کو بجاطور پر مسدس کہا گیا ہے۔

اپنی چند رُباعیات اور چار نعتیں ''نعت رنگ'' میں اشاعت کے لیے بھیج رہا ہوں، توقع ہے کہ پسند

آ ئیں گی۔ میں نے غالب کی غزلوں پر مبنی جو دو نعتیں کہی ہیں ان میں کوشش یہ کی ہے کہ ذرا سی تبدیلی کے ساتھ جہاں تک ممکن ہو غالب کے الفاظ ہی کو باقی رکھا جائے۔ اب امان خاں دل صاحب کے بارے میں پڑھ کر خوشی ہوئی کہ وہ غالب کی زمینوں ہی میں نعتیں کہہ رہے ہیں، ماشاء اللہ

میں دسمبر ۲۰۰۶ء کے دوسرے نصف میں پاکستان آیا تھا۔ ایک مہینہ اسلام آباد میں رہا۔ اپنے چھوٹے بھائی سیّد شاہ احسان اللہ طارق نہری کی بیٹی سیّدہ مبینہ فاطمہ نہری سلمہا کی شادی میں شرکت کی۔ اب کراچی میں اپنی خالہ زاد بہن کے پاس مقیم ہوں اور ان کے گھر کو مرکز مان کر دوسرے رشتہ داروں اور احباب سے ملاقاتیں کر رہا ہوں۔ کیا آپ سے بھی ملاقات کی خوشی میسر آنے کا کوئی امکان ہے۔ میں ۶ / مارچ کو ان شاء اللہ یہاں سے واپس روانہ ہوں گا۔

برادرِ گرامی سلیم شہزاد صاحب (مالیگاؤں، بھارت) سے فون پر گفتگو ہوئی تھی۔ انھوں نے کوئی مقالہ ''نعت رنگ'' میں اشاعت کے لیے روانہ کیا تھا، کب شائع کر رہے ہیں آپ؟

محمد شہزاد مجددی۔ لاہور

آپ لاہور تشریف لائے، لیکن مختصر سی ملاقات رہی اور زیادہ اختلاط نہ ہوسکا۔ شاید آئندہ اس کا کچھ ازالہ ہو سکے۔ ''نعت رنگ'' کے لیے ایک مضمون مع حمد و نعت ارسالِ خدمت ہے۔ ملاحظہ فرمائیے۔ میرا گمان ہے کہ وابستگانِ نعت اس پہلو پر غور فرماتے ہوئے نعتیہ ادب میں تنقیدی رجحانات کے کچھ نئے گوشے دریافت کرسکیں گے۔ ''نعتیہ شاعری میں موضوع روایات'' بہت تفصیل طلب موضوع ہے۔ اللہ کرے کہ ہم اس حوالے سے کچھ خدمات سرانجام دے سکیں۔ وما توفیقی الا باللہ۔

یاد رہے کہ اس موضوع کا تعلق بہ یک وقت تقریر وتحریر اور نعت گوئی و نعت خوانی سے بھی ہے اور ہمارے مذہبی حلقوں میں ہونے والی دیگر تقریبات و محافل بھی کسی نہ کسی طرح اس سے متعلق ہیں۔ اہلِ علم کی یہ ذمّے داری ہے کہ وہ مسلمانوں میں حدیث نبوی کے حوالے سے شرعی طور پر مطلوب احتیاط اور نزاکتوں کا شعور بیدار کریں تاکہ ہم بحیثیت مجموعی رسالت مآب ﷺ کی طرف کسی ایسے قول کو منسوب کرنے سے محفوظ رہیں جو آپ کا فرمان نہ ہو۔

شیدا البستوی۔ بھارت

آپ کے خلوص و محبت کا ایک میں ہی کیا زمانہ معترف ہے۔ یہ آپ کی اعلیٰ ظرفی ہے کہ مجھ جیسے غیر اہم لوگوں پر بھی کرم فرمائی کرتے رہتے ہیں۔ آپ کے بھیجے ہوئے ''نعت رنگ'' شمارہ ۱۹ اور ''سفیرِ نعت'' کتابی سلسلہ ۵ مجھے مل گئے۔ اس عنایت کے لیے شکریہ قبول کریں۔ کافی عرصہ ہوگیا آپ سے

رابطہ نہ کر سکا، وجہ کچھ بھی ہو میں اسے اپنی کوتاہی تسلیم کرتا ہوں اور معذرت خواہ ہوں۔

اسی خط کی معرفت میں محترم احمد صغیر صدیقی صاحب کا بھی شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں جنھوں نے ''نعت رنگ'' شمارہ ۱۷ میں شامل میری نعت پسند فرمائی اور میرے دفاع میں چند قیمتی جملے بھی تحریر فرمائے ورنہ محترم حافظ عبدالغفار حافظ نے ''نعت رنگ'' شمارہ ۱۸ میں ایک جملے سے میری نعتیہ شاعری کو تہ و بالا کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے۔ غور طلب یہ بات ہے کہ اسی شمارے میں دو ایسی رُباعیات بھی شائع ہوئی ہیں جو اپنے معنوں سے سوچنے پر مجبور کرتی ہیں۔ حافظ صاحب کا اس طرف سے صرفِ نظر کرنا سمجھ میں نہیں آیا۔ میرے خیال میں نعت لکھنے میں قواعد کی معمولی غلطی کی گنجائش تو نکل سکتی ہے لیکن ہلکے الفاظ و خیال یا منفی اندازِ بیان نا قابلِ معافی ہے۔

میرے وطن بستی (بھارت) کے معروف شاعر و ادیب ڈاکٹر اختر بستوی مرحوم سابق صدر گورکھ پور یونی ورسٹی کی تقریباً چودہ منظوم اور نثری تخلیقات منظرِ عام پر آنے کے باوجود موصوف کی غزلوں کا مجموعہ اب تک نہیں چھپ سکا تھا۔ ناچیز نے اختر بستوی مرحوم کی غزلوں کو مرتب کر کے ''غزالاں تم تو واقف ہو...'' کے عنوان سے دسمبر ۲۰۰۶ء میں شائع کیا ہے۔ ایک نسخہ آپ کی خدمت میں روانہ کر رہا ہوں۔

محترم صبیح الدین صاحب، نعتیہ شاعری کی اہمیت، افادیت اور وقار کے لیے جو کوشش اور کاوش آپ اور ''نعت رنگ'' کے معاونین کر رہے ہیں اس کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔ ''نعت رنگ'' اب صرف ایک کتابی سلسلہ نہیں بلکہ ایک ایسا ادارہ بن چکا ہے جو نعتیہ ادب کی خدمت میں جی جان سے لگا ہوا ہے۔ آپ حضرات قابلِ صد مبارک باد ہیں۔ ''نعت رنگ'' شمارہ ۱۹ میں علامہ کوکب نورانی کی غیر موجودگی نے ایک نامعلوم کمی کا احساس دلایا۔ اُمید ہے آپ مع الخیر ہوں گے۔

ڈاکٹر عبدالشکور ساجد۔ فیصل آباد

اگرچہ یہ میرا آپ سے پہلا براہِ راست رابطہ ہے لیکن میں روحانی طور پر آپ کا پرستار ایک عرصہ دراز سے ہوں۔ وطن عزیز میں رہتے ہوئے ٹی وی چینلز پر آپ کی شیریں آواز اور رسیلے کلام سے اپنے قلب و ذہن میں عشقِ مصطفیٰ ﷺ کی جوت جگاتا رہتا ہوں لیکن پچھلی دو بار جب میں حرمین شریفین کی زیارت کے لیے گیا ہوں تو آپ کی نعتیں ہر ہر قدم پر میرے ساتھ رہی ہیں۔ مجھے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے آپ نے سارا کلام صرف میرے لیے ہی لکھا ہے اور آپ کے قلم سے لکھا گیا ہر ہر لفظ میرے دل کا ترجمان ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی شعری و نثری کاوشوں کو قبول فرمائے۔ آمین

آپ کی ادارت میں جاری ''نعت رنگ'' کا سلسلہ بہت مفید اور کارآمد ہے۔ کچھ خامیوں کے

باوجود یہ کتابی تسلسل اردو ادب اور مسلکِ اہلِ سُنّت کی بے حد خدمت کا ذریعہ ہے۔ امام احمد رضا نمبر تو یقیناً قابلِ قدر کاوش ہے۔ محترم پیرزادہ اقبال احمد فاروقی مدظلہ العالی کے مکتبہ پر حضرت داتا گنج بخش کے عرس کے موقع پر آپ کے اس نمبر پر گفتگو ہوئی۔ میں آپ کو آپ کی کاوشوں پر سلام پیش کرتا ہوں۔ آپ کا تذکرہ اکثر وبیش تر اپنے دوستوں محترم افضال احمد انور، شبیر احمد قادری اور ریاض قادری کے ساتھ بھی رہتا ہے۔ محترم پروفیسر اسحاق قریشی صاحب سے بھی جب ملاقات ہوتو آپ کا ذکر آجاتا ہے بلکہ ایک دن برادرِ محترم صاحب زادہ عطاء المصطفیٰ نوری صاحب لاہور جاتے ہوئے آپ کے فن کے بارے میں بڑی تفصیل سے بتلا رہے تھے۔ الغرض آپ میرے علاوہ میری ساری کمپنی اور احباب کے شناسا ہیں۔

میں اپنا تعارف کرواتا چلوں۔ میں انجمن طلبائے اسلام کا پرانا رکن ہوں۔ صوبہ پنجاب کے جنرل سیکرٹری کی حیثیت سے کام کر چکا ہوں۔ انٹر میڈیکل کالجیٹ کونسل پاکستان کا چیئر مین رہا ہوں اور آج کل ''مرکزِ تحقیق'' کا جنرل سیکریٹری ہوں۔ میں نے پنجابی زبان میں سیرت پہ ایک کتاب لکھی ہے۔ ''خیر البشر ﷺ'' میری اس کاوش کو الحمدللہ میری توقعات سے بڑھ کر پذیرائی ملی ہے۔ حکومتِ پاکستان کے تعاون سے ادارۂ پنجابی زبان وثقافت نے شائع کیا ہے۔ پچھلے ہفتے لاہور میں اس کی تقریب رونمائی ہوئی جس میں لاہور کے تقریباً بھی پنجابی ادیبوں اور دانش وروں نے بے حد تعریف کی۔ ھذا من فضل ربی۔ میں اپنی یہ کاوش آپ کی نذر کر رہا ہوں۔ شاید آپ اسے مکمل طور پر پڑھ نہ سکیں لیکن پھر بھی آپ کی لائبریری کی زینت میں اضافہ کرے گی۔ ملنے پر اطلاع دے دیں تو بہتر ہے۔

احمد صغیر صدیقی۔ کراچی

آپ کا بھیجا ہوا ''نعت رنگ'' شمارہ ۱۹، دسمبر ۲۰۰۶ء مل گیا تھا۔ اظہارِ تشکر کے لیے ایک آدھ بار فون پر کوشش کی مگر آپ سے رابطہ نہ ہو سکا۔ آپ کا نورانی چہرہ ٹی وی پر ضرور دیکھنے کو ملتا رہتا ہے مگر یہ نفسِ نفیس شاید میرے مقدر میں کم کم ہے۔

اب تو یہ لکھنا رسمی سا ہو گیا ہے کہ پرچہ اپنا معیار قائم رکھے ہوئے ہے۔ عمدہ مضامین اور خوب صورت حمد ونعت کا مرقع ہے۔

چلیے کچھ باتیں اس کے بارے میں کرتے ہیں۔ ص ۱۴ پر بڑے جلی حروف میں ''دُرویش'' لکھا دیکھتا ہوں۔ یعنی ''دال'' پر ''پیش'' خصوصیت سے لگایا گیا تھا تاکہ پڑھنے والا غلطی نہ کرے۔ میں اب تک میں سمجھتا تھا کہ یہ لفظ ''دَرویش'' (یعنی دال پر زبر کے ساتھ) نعت میں بھی یہ ''غلطی'' موجود ہے۔ ایک بار حضرت شبنم رومانی کے منہ سے بھی ''دُرویش'' سنا تھا۔ معلوم نہیں کیا صحیح ہے۔ آپ کے ہاں عالموں کی

کہکشاں بجتی ہے۔وہی بتائیں کیا درست ہے تا کہ میرے علم میں اضافہ ہو سکے۔

ابتدائیہ پڑھا۔گلوبل نعت فاؤنڈیشن کی کامیابی کے لیے دعا گو ہوں۔

مضامین تمام کے تمام خوب ہیں، لکھنے والے جی کھول کر لکھتے ہیں۔ڈاکٹر دوست محمد خان، سیّد افتخار حیدر، پروفیسر محمد اکرم، عزیز احسن، ڈاکٹر سراج قادری، ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی، ڈاکٹر شمیم گوہر۔ان سب کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے۔صف ۱۹۸ پر لفظ ''اللہ'' کی کتابت ''اللّٰد'' کی طرح کی گئی ہے۔یہ تو کسی طرح درست نہیں۔اسے ٹھیک کرائیں۔

تحقیقی مضامین بھی خوب ہیں۔خورشید رضوی کی محنت سراہے جانے کے لائق ہے۔اسی طرح دوسرے محققین نے اپنا حق ادا کیا ہے۔ڈاکٹر ابو سلمان نے مثنوی ظہورِ رحمت سامنے لا کر عمدہ کام کیا ہے۔معلوم نہیں جناب شفقت رضوی امریکا میں ہیں یا کینیڈا میں۔پروفیسر محمد اکرم نے بھی اپنے مضمون کے لیے عمدہ topic چنا ہے۔جناب گوہر ملسیانی نے ''تذکرہ نعت گویانِ بہاول پور'' لکھ کر سب کو راستہ دکھایا ہے۔ضرورت ہے کہ ایسے مضامین ہر شہر کی طرف سے لکھے جائیں۔پروفیسر محمد اکرم رضا نے اعلیٰ حضرت نمبر پر تبصرہ کیا ہے۔اچھا ہے مگر مختصر ہے۔یہی اس کی خامی ہے۔فرحت عباس شاہ کے نعتیہ مجموعے پر قیصر نجفی کا تبصرہ خوب ہے۔

پروفیسر محمد فیروز شاہ کی جانب سے ''رنگِ نعت'' نامی کتاب کا اشتہار دیکھا۔معلوم نہیں پروفیسر صاحب اس سے مجھے نوازیں گے یا نہیں لیکن یہ کام جو انھوں نے کیا یقیناً صد ستائش ہے۔

اب نعتوں کے بارے میں کچھ:

ظاہر ہے احمد فراز۔احمد فراز ہیں اردو غزل کی آبرو، ان کی نعت بھی بجی ہوئی ہے۔دھیمے لہجے کی نعتوں میں جناب سحر انصاری، مہر وجدانی، ماجد خلیل، ریاض حسین چودھری، عباس رضوی کا کلام خوب ہے۔ذکیہ غزل کی نعت بھی سادہ مگر پُر اثر تھی۔

اس بار خطوط کا حصہ بہت کم ہے اور قدرے غیر دلچسپ بھی۔سیّد ہاشم حسین کے خط کے متعدد مندرجات سے میں متفق نہ ہو سکا۔بہرحال یہ اپنی اپنی فہم کی بات ہے۔جناب حافظ محمد عطا کا خط بھی پڑھنے والا ہے۔تاہم اس میں معروضیت کی کمی محسوس ہوئی۔

فیاض ٹانڈوی۔بھارت

۲۰۰۶ء میں اپنے عزیز نواسے احمد نفیس صاحب جو ابوظہبی میں پٹرولیم انسٹی ٹیوٹ میں ہیں۔ان کی معرفت آپ کی خدمت میں اپنے تین نعتیہ مجموعۂ کلام ارسال کیے تھے۔جس کے ملنے کی اطلاع آپ نے میرے بیٹے کے موبائل پر دے دی تھی۔شکریہ۔اس کے قبل تینوں نعتیہ مجموعے اور ڈاک خرچ کے سو روپے

مولانا مبارک حسین مصباحی صاحب کو اور تینوں نعتیہ مجموعے اور ڈاک خرچ کے سو روپے ڈاکٹر سیّد عبدالباری صاحب کو بھی دیے تھے کہ اپنے اپنے ادارے سے بھجوادیں گے۔مگر جب مجھے محسوس ہوا کہ کوئی ڈاک آپ تک نہیں پہنچی تب میں نے اپنے عزیز احمد نفیس جوان دنوں وطن آئے تھے ان کو دیا کہ آپ ابوظہبی سے پوسٹ کردیں۔ وہی آپ کو مل گیا۔مگر چوں کہ ''نعت رنگ'' اس چھوٹے سے قصبے میں دستیاب نہیں اس لیے معلوم نہ ہوسکا کہ آپ نے میرے مجموعے کا تعارف وتبصرہ اپنے موقر جریدے میں شائع فرمایایانہیں۔

ادھر میرے تینوں مجموعوں پر مشتمل ایک مضمون محترم جناب پروفیسر سیّد مرغوب اشرف جامعہ ملیہ نے تحریر فرما کر بھیجا ہے اسے کمپوزنگ کرواکر آپ کے مؤقر جریدے کے لیے اپنے عزیز جناب افروز عالم انجینئر صاحب جو قطر میں قیام فرما ہیں اور چند دنوں کے لیے وطن تشریف لائے ہوئے ہیں انھیں کی معرفت ارسالِ خدمت ہے۔ یہ ان شاء اللہ قطر سے مضمون پوسٹ کردیں گے تو آپ کو ضرور مل جائے گا۔مضمون ملنے پر براہِ کرم پھر میرے بیٹے کے موبائل پر جس کا نمبر لیٹر پیڈ پر بھی ہے مطلع فرمادیں گے۔ نیز جس مہینے کے ''نعت رنگ'' میں مضمون شائع ہوا اسے کسی طرح مجھے عنایت فرمائیں۔نوازش ہوگی۔

آپ کا تعارف مجھ سے غائبانہ طور پر ڈاکٹر سیّد عبدالباری صاحب نے کرایا تھا اور آپ کا یہ شعر:

حضور ایسا کوئی انتظام ہوجائے
سلام کے لیے حاضر غلام ہوجائے

سنایا تھا۔اس بار ۲۰۰۶ء مجھے پھر حج کی سعادت حاصل ہوئی۔ اتفاق سے منیٰ شریف میں مکتب نمبر ۱۰ کے داہنی جانب کراچی پاکستان کا خیمہ اور بائیں جانب ہندوستان کا خیمہ تھا جس میں ہم لوگ مقیم تھے۔کراچی پاکستان لکھا دیکھ کر اور پاکستانی حضرات کو اپنے قریب دیکھ کر آپ بہت یاد آئے۔ میں نے کچھ لوگوں سے آپ کے متعلق دریافت بھی کیا مگر آپ کا قریبی کوئی نہیں نکلا۔آپ سے ملنے کی خواہش اتنی زیادہ ہوئی کہ ایک شب منیٰ شریف ہی میں، میں نے خواب دیکھا کہ آپ یہاں خیمے میں موجود ہیں، میں نے کہا (خواب میں) رحمانی صاحب حضورﷺ نے آپ کی التجا قبول فرمائی اور آپ تشریف لے آئے۔ وہی شعر بھی سنایا کہ یہ آپ کے دل کی آواز تھی جو حضورﷺ تک پہنچی اور آپ کو طلب فرمالیا۔لیکن خواب پھر خواب ہی تھا۔میں نے کبھی نہ آپ کی تصویر دیکھی نہ کوئی تحریر پڑھی۔ ایک بار آپ کا ایک مؤقر جریدہ ڈاکٹر عبدالباری صاحب نے مجھے دیا تھا کہ پڑھ کر واپس کردینا بس وہی ایک بار ''نعت رنگ'' کی تحریروں سے فیض یاب ہوا ہوں۔ اس جریدے میں رشید وارثی صاحب کا ایک طویل مضمون، نعتوں میں بارگاہِ رسالت کے آداب کے منافی الفاظ کے استعمال پر گرفت کی گئی تھی۔ خود بھی کئی بار پڑھا اور اپنے شاگردوں کو دکھایا

کہ دیکھ لیجیے نعت پاک میں کتنی احتیاط چاہیے۔

حج کے موقع پر چوتھے اور پانچویں مجموعۂ کلام کے مسودے لے کر بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہوا تھا۔ چوتھا زیرِ طبع ہے اور پانچواں زیرِ ترتیب۔ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ دونوں مجموعوں کی اشاعت کو آسان کردے۔ حج کے بعد مسلسل علیل ہوں اور بینائی بھی بہت کم زور ہوگئی ہے جس کی وجہ سے دقت پیش آرہی ہے۔

☆

